لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

قرآن اخیر

حصہ مکی

جلد اوّل



از۔ غلام احمد

انڈکس قرآن ازم (دکنی)

(جلد اول ۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۶۰ء)[1]

عرضِ مولف :- "قرآن ازم حصہ کلی" جلد اول کی طباعت و اشاعت مارچ سنہ ۱۹۶۰ء کے موقع پر مجھ کو تفصیلی فہرست کے طباعت و اشاعت کا موقع نہیں ملا، جس کی وجہ کتاب کی افادیت میں غیر معمولی کمی محسوس کی جاتی رہی لیکن آج جبکہ محترم سید غوث صاحب آئی۔ اے۔ ایس کلکٹر وظیفہ یاب آندھرا پردیش نے اس خصوص میں خاص توجہ مجھ کو دلائی، اور محترم حامد غلام دستگیر صاحب تحصیلدار آندھرا، و محترم محمد عبد اللہ صاحب کمشنر سیٹلمنٹ مہاراشٹرا نے مالی امداد کے لئے اپنا دست سخا بڑھایا تو اس انڈکس کی طباعت و اشاعت عمل میں آئی ۔ اللہ تعالیٰ ہر سہ حضرات کو اور ان کی آل و اولاد کو دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ۔

غلام احمد مولف "قرآن ازم" مارچ سنہ ۱۹۶۶ء

نوٹ :- جن حضرات کی خدمت میں یہ انڈکس پہنچ جائے اگر وہ وصولی کی اطلاع دو سطری کارڈ پر لکھ کر ادارہ کو دے دیں تو مناسب ہوگا۔ جن حضرات کے پاس "قرآن ازم" ہو اور انڈکس نہ ہو تو وہ ادارہ سے بلا قیمت طلب فرما سکتے ہیں۔

[1] اس انڈکس کے مطالعہ کے بعد امید کی جاتی ہے کہ جناب اپنی مملوکہ کتاب "قرآن ازم حصہ کلی" جلد اول میں (جو جناب کے [illegible]) گراں قدر نسخہ ہے [illegible] کتاب سے استفادہ حاصل کریں (مولف)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔

قرآن اِزم

یعنی

نظامِ قرآنی

پر

میرا فکر و فہم

جلدِ اول

مکی قرآن بلحاظ سلسلۂ نزول از وحی (۱) تا (۴۹)

از

(امی) غلام احمد

ادارۂ علمیہ
۳۲۱ - اعظم پورہ - روبرو مدرسہ اعزہ
حیدرآباد دکن

طبع اول ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ م ۲۶ مارچ ۱۹۶۰ء (۵۰۰)

? See p. 5?

قیمت بلا جلد پانچ روپیہ

قیمت مجلد چھ روپیہ

محصول ڈاک بذمہ خریدار

باہتمام محمد عبدالرحیم صدیقی ابراہیمیہ پریس حیدرآباد دکن طبع ہوکر
"دارالاشاعت قرآن اعظم" ۲۲-۱-۸۹۶ سلطان پورہ حیدرآباد ۲
سے
شائع ہوئی۔

انتساب

اس ہیچ قدر فکر و فہم کو نوجوان مرد و زن طالبانِ آزادئ فکر کے نام سے معنون کرتا ہوں ـ

جنکا ہر لمحۂ فکر تلاشِ حق میں۔ دائم الصوم۔ قائم اللیل مقلد انسانوں کی عبادت سے بلند و بالا ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ نوجوان ارادوں ہی کے زیرِ سایہ زمین اور آسمانوں کی جنتیں بنتی ہیں

پس

تیری فکر کی انتہا چاہتا ہوں   میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

غلام احمد

تقریظ۔ تنقید۔ تبصرہ

؟

یہ صفحہ اسلئے معرا ہے کہ اس کتاب کے متعلق قدرت الٰہی زمانہ مستقبل میں جس عنوان کو چاہے گی۔ اسکو عالم آشکارا کردیگی۔ اسوقت تو وہ پردہ غیب میں ہے۔

پیش لفظ

اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو نہ تو اس میں ادبی چاشنی ملے گی اور نہ مضامین کا تسلسل۔ بلکہ ایک ہی مضمون کی بار بار تکرار اور اس پر کتابت و طباعت کی غلطیاں مستزاد۔ متقدمین کے حوالوں سے مبرا میرے افکار کا یہ دفتر پراگندہ آپکے سامنے موجود ہے۔ جبکہ ہر جملہ بلکہ ہر لفظ اعتراضات اور تنقید کے لئے کوہ آتش فشاں کا شرارہ بن سکتا ہے۔

چند سال قبل ڈاکٹر ابو طاہر عبد القادر نائب ناظم طبابت اندھرا پردیش اور انکی اہلیہ سعید طاہرہ کے اصرار پر قرآن اعظم کے مقدمہ کی طباعت اچھی دنیا اور سچی انسانیت کے نام سے قسط وار شروع کی گئی تھی لیکن بعض مجبوریات کی وجہ سے اس سلسلہ کو ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ میں اپنے زائد از چالیس سالہ قرآن حکیم کی یادداشتوں کو جو سلسلہ نزول کے لحاظ سے قلمبند تھے کسی کتب خانہ میں محفوظ کرا دینے کے خیال سے ایک جا جمع کرنے لگا تاکہ وہ مستقبل میں کسی صاحب فکر کی ریسرچ میں ممد و معاون ہو۔ میرے نوٹس کی ایک جلد حسن الدین احمد صاحب ایم اے خلف نواب دین یار جنگ بہادر نبیرہ شمس العلماء نواب عزیز جنگ مرحوم کے زیر مطالعہ آئی میرا فکر انکے جاذب توجہ بن گیا۔ اور وہ اس کی طباعت اور اشاعت پر مصر ہوگئے۔ ہرچند میں اپنی ادبی استعداد کی کمی اور مالی مشکلات کو بتلایا لیکن وہ اپنے اصرار پر اڑے رہے لہذا میں بقول سعدی " از دل دوستاں جمل است " یہ جلد اول شائع کر رہا ہوں۔ اگر وہ صاحبان غور و فکر کے لئے قابل توجہ قرار پائے تو مابقی حصص بھی شائع ہو سکتے ہیں۔ ورنہ " این دفتر بے معنی غرق بحر عرب اولی "۔

اس کتاب کے مقدمہ میں قرآن حکیم کے نظریات اور مبادیات کو پیش کر دیا گیا ہے تاکہ اگر آئندہ حصص شائع نہ بھی ہوں اور میرا فکر ناظرین کے لئے درخور التفات ہو تو وہ قرآن کریم کے مطالعہ کے وقت اس سے استفادہ کر سکیں۔ قرآن حکیم کا مکی حصہ جسمیں ۹۰ سورتیں ہیں۔ مزید چار جلدوں کی ضخامت کے طالب ہیں۔ اسکے بعد ۲۴ مدنی وحیوں کا سلسلہ شروع ہوگا۔ جس میں انسانیت کے جملہ قوانین، ثقافت، تمدن، معاشرت، جنگ کے دفاعی و مفاجاتی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ جو مزید تین چار جلدوں میں شائع ہو سکیں گے۔ ایسی صورت میں " زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند "۔ ارادہ ہے کہ مدنی حصہ کی جلد اول بھی شائع کر دی جائے تاکہ مدنی قرآن کے نظریات پر بھی میرا فکر واضح ہو جائے۔

نزول قرآن حکیم کے وقت تمام مذاہب عالم کے پیرو اپنے رہبران سوء کے دام تزویر میں گرفتار ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور صرف چند مخصوص رسومات کی ادائی اور شخصیت پرستی کو دین سمجھتے ہوئے اپنے کو خدا کی برگزیدہ امت جانتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں قرآن اعظم نے انسانیت کو ذہنی غلامی اور تقلید جامد کے جال سے نکالا جو آزادی فکر کے ساتھ میدان عمل میں گامزن ہو کر فلاح دارین سے سرفراز ہوئی۔ لیکن آج وہی امت محمدی حامل قرآن ہوتے ہوئے اپنے رہبران سوء اور اجارہ داران اسلام کی نفس پرستی کی وجہ عمل سے کوسوں دور اپنے ذہنی عقائد میں گرفتار انا خیر منہم کے زعم ابلیسی میں مبتلا ذلت و مسکنت کے گڑھے کی طرف چلی جا رہی ہے۔ فہم قرآن کریم کو انسانی دماغ کی پہنچ سے باہر سمجھتے ہوئے اسکی تلاوت تبرکا حصول ثواب کے مقصد کے تحت کرتی چلی جا رہی ہے جس کا فائدہ بظاہر بجز اسکے کچھ نہیں کہ ہتھیلی کی بہشت میں دائمی عیش و نشاط کی پرسرور تمناؤں کو

لئے ہوئے قبروں میں دفن ہوتے چلے جائیں۔ بقول اقبال۔

بہ بند صوفی و ملا اسیری — حیات از حکمت قرآں نگیری
بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست — کہ از یٰسین او آساں بمیری

نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ سے اور خصوصاً حاملین قرآن سے میری التجا ہے کہ وہ قرآن کی فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ عہ کی آواز پر لبیک کہیں اور اس منزل کی طرف قدم بڑھائیں جس کے باب الداخلہ پر أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ عہ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اور سچی انسانیت پیدا کر کے ایک اچھی دنیا کے معمار بنیں۔ غور سے سنو کہ اقبال مرحوم کی روح کیا کہہ رہی ہے۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں — مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی
تو شاہیں ہے۔ پرواز ہے کام تیرا — ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

پھر وہ کہتی ہے کہ — اے نوجوان حامل قرآن —

وہی جہاں ہے ترا جسکو تو کرے پیدا — یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث — مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

مختصر یہ کہ میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے مجھکو جو کچھ فکر و فہم دیا ہے وہیں آپ کی ضیافت فکر کے لئے اس دسترخوان پر چن دیتا ہوں۔ ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ چیز کو اس خوان نعمت سے لے لے۔ اور جو ناپسند ہو اس کو چھوڑ دے۔ اور میری ان بنیادی فکر پر قرآن اعظم کا بلند و بالا ایوان تعمیر کر کے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ کا نشان لہرا دے۔ ان تین سو صفحات میں قلمبند خیالات سے اگر دو چار افکار بھی آپکے لئے درخور التفات ہوں تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے — ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی
الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں — حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

اس پیش لفظ کو اگر میں ان مخلص ہستیوں کی شکر گزاری کئے بغیر ختم کر دوں تو انتہائی ناسپاس گزاری ہوگی جنہوں نے میرے کشکول گدائی میں میری ذات کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت میری منہ مانگی خیرات ڈالدی دراں حالیکہ وہ بے خبر ہیں کہ میں نے یہ رقم کس غرض کیلئے مانگی تھی۔ لہٰذا ان کو میں قرآن اعظم کی اشاعت کا معاون سمجھتا ہوں۔ کاتب سید اکرم علی صاحب اور مرزا عمر بیگ صاحب مالک ابراہیمیہ پریس کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے کتابت و طباعت میں خاص توجہ کی اور میرا یہ فکر شائع ہو سکا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی حق بات کا کہنا۔ لکھنا یا پڑھنا تو بہت ہی آسان ہے اور کوئی اہمیت کا باعث نہیں۔ لیکن حق سچائی کو دوسروں تک پہنچانا بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہوتا ہے جس میں مالی۔ علمی و قلمی جد و جہد کرنے والوں کو قدرت "مجاہد" کا خطاب عطا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک غلام دوسرے غلاموں کے ادائی فرائض کو اپنے آقائے علیم و خبیر سمیع و بصیر کی بارگاہ میں پیش کرنے کی جرات بھی تو نہیں کر سکتا البتہ اپنے

عہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

عہ تم ہی غالب ہوگے۔ بشرطیکہ تم (معیار قرآنی پر) مومن ثابت ہو جاؤ۔

محسنین سے مخاطب ہو کر اپنی دلی تمنا ظاہر کر دیتا ہوں۔
تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری۔ میری دعا ہے کہ تیری آرزو بدل جائے۔

ہاں میرے ربّ اکرم تعالیٰ شانہٗ!!

تو ہی میری قلبی تمناؤں سے واقف ہے۔ میں خود نہیں جانتا کہ میرا فکر و فہم جو میرے زبان قلم سے کاغذ پر نقش ہو رہا ہے کہاں سے اور کیسے آیا۔ پس اول و آخر تجھ ہی سے التجا ہے کہ ہر نوجوان کو فکر و فہم قرآن حکیم سے نواز دے۔ اور صراط مستقیم کی طرف آزادی فکر سے چلنے والوں کے ارادوں میں اپنی ملکوتی قوتوں کے ذریعہ حسب وعدہ قرآنی مدد فرما۔

مرے ربّ!!!

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر۔ زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر — امنگیں مری آرزوئیں میری۔ امیدیں میری جستجوئیں میری
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے۔ مرا فکر میری نظر بخش دے — مرا فکر۔ مری رزم گاہ حیات۔ گمانوں کا لشکر یقین کا ثبات
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں۔ مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں — یہی کچھ ہے ربی متاع فقیر۔ اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے۔ لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے۔

میری آخری التجا تیری بارگاہ باعظمت و جبروت میں یہی ہے کہ تو نے اپنے مامورینؑ کے ذریعہ جو پیام انسانیت نوازی کا کرۂ زمین پر نازل فرمایا تھا۔ وہ اپنی اصلی روح کے ساتھ فکر انسانی میں جاگزیں ہو جائے۔ خصوصاً محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیری تعلیم "قرآن اتم" جو آزادی فکر انسانی اور شرف انسانیت کے لئے آج بھی کرۂ زمین پر باعث صد ناز و فخر موجود ہے۔ اسکو فکر انسانی کے لئے سراج منیر بنا دے۔ فقط۔

غلام احمد

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ
۲۶ مارچ سنہ ۱۹۶۰ عیسوی

"دارالاشاعت قرآن اتم"
سلطان پورہ حیدرآباد

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

دیباچہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝

اے محمد! تو اپنے رب کے حکم سے۔ یعنی جس ذات نے کائنات کو پیدا کیا۔ تبلیغِ حق کا آغاز کر۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

کون ہے وہ ذاتِ واحد؟ وہ ذات جس نے ماحصلِ کائنات سے نطفۂ انسانی کے لئے تخلیق، تسویہ، مقدار اور ہدایت کا قانون بنا دیا۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝

ہاں اعلان کر دے کہ وہی ذاتِ واحد سب کا مربی۔ مالک اور آقا ہے جو اپنی تمام مخلوق کے لئے اکرم بھی ہے۔

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝

دیکھو اسی ذاتِ واحد نے انسان کو فکر و فہم کا جوہر عطا فرما کر قلم کے ذریعہ حصولِ علم کا طریقہ بتلا دیا جسکی وجہ وہ کرۂ زمین پر ہر ذی حیات سے ممتاز بنتا جا رہا ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

پھر انسان کو اس بات کا پتہ نہیں کہ اس کے جوہرِ فکر (یعنی روح) میں کوئی انوکھی بات کہاں سے اور کس طرح آتی ہے جس کا علم اس کو پہلے سے کبھی نہ تھا۔ بلکہ اس کے آب و جد بھی ماضی میں اس علم سے بے خبر تھے

سورۂ علق کی ان پانچ آیتوں کو میں "قرآن اعظم" کا دیباچہ سمجھتا ہوں۔ جو سب سے پہلے محمدِ عربی صلعم پر بذریعۂ وحی شہر مکہ بمقام غارِ حرا رمضان ۴۱ ؁ عام الفیل مطابق دسمبر ۶۱۰ ؁ عیسوی شبِ قدر میں۔ بتوسط قوتِ ملکوتی جبرئیل نازل ہوئیں جس میں حکم دیا جا رہا ہے کہ

(۱) اے محمد بن عبداللہ۔ سن لے کہ تیرا رب تجھ کو تبلیغ حق یعنی انسانیت کو سنوارنے کے لئے مامور کر رہا ہے۔ پس اپنے رب کے نام سے تبلیغ اور اعلانِ حق کے لئے تیار ہو جا۔

(۲) اس بات کا اعلان کر دے کہ کائنات میں ایک ۔۔ صرف ایک ہی ایسی زبردست ذات ہے جو قادرِ مطلق ہے۔

جن کا صفاتی نام زبانِ عرب میں رب۔ اور اسم ذات اللہ ہے۔ پس اُسی ایک ذات نے قانونِ تخلیق کے ذریعہ نطفے سے علق، پھر علق کو مدارج تخلیق طے کراتے ہوئے انسان کو احسن تقویم بنا دیا۔

(۳) دیکھو وہی ایک ذات نہ صرف تمہارا۔ بلکہ کرۂ زمین کی تمام قوموں کا اللہ۔ یہوآہ۔ الوھیا۔ اوم۔ پرماتما۔ یزدان۔ گاڈ ہے۔ جو سب کے لئے اکرم۔ اور سب کا بے نیاز پالن ہار ہے۔

(۴) کیا تم غور نہیں کرتے کہ اس خالق نے انسان کو قوتِ فکریہ عطا فرما کر اُسی کے ہاتھوں حصولِ علم کا ذریعہ قلم کو ٹھہرا دیا جس کی وجہ انسان اہلِ کتاب بنکر سب کچھ سیکھتا سکھاتا۔ اور جانتا ہے۔ اور اہلِ قلم بنکر ماضی۔ حال۔ اور بہت کچھ مستقبل کا علم دوسروں کے لئے محفوظ کر جاتا ہے۔ بلکہ خلافتِ زمین کا اقتدار۔ اور حکومت بھی اسی کے ذریعہ حاصل کر لیتا ہے۔

(۵) لیکن انسان اس بات سے قطعاً بے خبر ہے کہ۔ اُسکی قوتِ فکریہ میں جو کچھ علم آتا ہے۔ وہ کہاں سے اور کیونکر آتا ہے۔ دراں حالیکہ وہ اچھوت ہوتا ہے۔ جو کبھی کسی انسان کے فکر و ذہن۔ وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پس انسان کے قوتِ فکریہ میں کسی علم کا اشارہ۔ اور اشارہ کے بعد اُسکے فہم و ادراک کی صلاحیت دراصل ایک ذاتِ واحد خالق تعالیٰ سبحانہٗ کے فیضان کا نتیجہ ہے۔ جس میں غیر اللہ (خواہ وہ مادی مخلوق ہو یا روحانی) کا رمق برابر دخل نہیں۔

"قرآن ازم" کی اس تمہید نے صحیفۂ کائنات اور کتابِ حکمت (جو آیندہ بذریعۂ وحی الہٰی محمد عربی صلعم کے ذریعہ آزادیِ فکر کے علمبردار ہر انسان کے لئے نازل ہونے والی تھی) کے رازِ سربستہ کو آشکارا کر دیا۔ تاکہ انسان کی قوتِ فکریہ آزادیِ فکر و فہم کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔ اور اپنے جیسے انسانوں کی ظنی و ذہنی غلامی میں گرفتار نہ ہو۔ بلکہ ہر انسان اپنے فکر و فہم کے لحاظ سے ہر علم کو بالراست اپنے رب تعالیٰ سبحانہٗ کی بارگاہ سے حاصل کرنے کا متمنی ہو جائے۔

یہ ہیں وہ پانچ جملے "قرآن ازم" کے جو زاید از چھ ہزار آیتوں کا دیباچہ ہیں۔ اور ہر زمانہ میں تقلیدِ جامد کی تاریکی سے نکل کر آزادیِ فکر کی فضا میں قدم رکھنے والے انسان کے لئے سراجِ منیر کا مینار۔

کیا آج ہم بھی اس اعلانِ انقلاب پر (جو حصولِ آزادیِ فکر کے لئے ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے) لبیک کہتے ہوئے ابوجہل کی صف سے نکل کر محمد عربی صلعم کے مینار سراجِ منیر کی طرف اپنے عمرِ رواں کی کشتی کا رُخ کر کے ساحلِ مقصود یعنی مصدقین کی صف میں داخل ہونے تیار ہیں؟

اس بات کو اپنی یادداشت میں بطور خاص جگہ دیجئے کہ۔ اگر کوئی فرد یا جماعت آزادیِ فکر کے ساتھ تلاشِ حق میں ہمت و استقلال کو اپنا کر اچھی دُنیا یعنی سچی انسانیت کے ذریعہ اپنی آخرت کو درخشاں بنانے ایک قدم آگے بڑھائے تو سنت اللہ (قانونِ قدرت) کے تحت کارکنانِ قضا و قدر (ملکوتی قوتیں) دس قدم آگے بڑھکر اسکو سنبھالا دیتی ہیں۔ کیونکہ "قرآن ازم" انسان کے ارادہ کو مقدم قرار دیتا ہے اور ملکوتی قوتوں کی امداد کو موخر ٹھہراتا ہے۔

قرآنِ ازم

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سزاوار ہیں، جو ساری کائنات اور قوموں کا خالق اور پروردگار ہے اور اسکے مرسلین و مامورین پر صلوٰۃ و سلام

خصوصاً رحمۃ للعالمینؐ پر

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (اور تیرے رب نے تجھکو جو بھی نعمت عطا کی ہے اُسکا اظہار دوسروں پر بھی کرتے تاکہ وہ بھی حصولِ نعمت کیلئے سرگرم عمل ہو جائیں)

گذارشِ احوالِ واقعی

بلاشبہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت فہم قرآن حکیم ہے! اسلئے میں اس نعمتِ عظمیٰ کا اظہار حسب الحکم میرے رب کے بطور شکرانۂ نعمت ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ مجھ جیسے ناچیز غلام کو میری سمجھ بوجھ کے موافق فہم قرآن حکیم عطا فرمایا۔ کیا کہنا ہے اسکے فضل و کرم کا۔ جو بھی حق کے لئے جدوجہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ بے پایاں سے اسکو مالامال کر دیتا ہے۔

بغیر عربی صرف۔ نحو۔ لغت جاننے کے کیا کوئی فہم قرآنی کا مدعی بن سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب میری سرگزشت ہی ہوگی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ میں اپنی ۲۵ سالہ عمر ہی سے قرآن کا ترجمہ پڑھتے ہوئے ہر آیت کا مفہوم حاصل کرنے کا عادی رہا ہوں۔[ل]

ل۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کی چند سورتیں ہی بچپن میں میں نے پڑھی تھیں۔ پورا قرآن ناظرہ بھی میں نے ختم نہیں کیا پس اس واقعہ کو میں ہمیشہ اپنی خوش قسمتی سمجھتا رہا۔ کیوں؟ اسلئے کہ اگر میں بچپن میں قرآن ناظرہ پڑھ لیتا۔ یا حفظ کر لیتا تو مثل دیگر تلاوت کرنے والوں کے طوطی صفت بن جاتا۔ فہم قرآنی کا ذوق و شوق مجھ کو نصیب نہ ہوتا۔ چونکہ عربی قرآن میں نہیں پڑھا تھا۔ اسلئے قرآن حکیم کے ترجمہ سے فہم حاصل کرنے میری طبیعت مائل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج زاید از چالیس سال سے قرآن حکیم میرا مونس۔ اور میرے فکر و فہم۔ غور و تدبیر کا مرکز بنا ہوا ہے۔ درآن حالیکہ عربی متن کا روان پڑھنا میرے لئے مشکل ہے۔ لیکن اس کا مفہوم میرے لئے آسان تر ہے۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔

کیا غیر عربی دان کو اپنی مادری زبان میں فہم قرآن عطا ہوتا ہے؟

محض اس تصور کے تحت کہ۔ قرآن حکیم جب اللہ کا کلام ہے۔ اور اللہ میرے شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اور پھر قرآن کا ادعاء ہے کہ وہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے آسان الفہم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مجھ کو اس کا فہم میرے رب کی طرف سے عطا نہ ہو۔ اور میں اس نعمت سے محروم رہوں۔ اس تصور نے آج تک ارباب متفرق سے مجھ کو بے نیاز بنا دیا ہے۔ پس میں اس فیضانِ الٰہی کا شکرانہ اس طرح ادا کرتا ہوں کہ جو کچھ مجھ کو نعمت ملی ہے۔ اسکو دوسروں کے سامنے رکھ کر مزید حصولِ نعمتِ الٰہی کی دعوت ان کو دیدوں۔ تاکہ وہ بھی اپنی قوتِ فکریہ کی آزادی سے فہم قرآن حکیم کی نعمت حاصل کر کے مجھ پر سبقت لیجانیکی جد و جہد کریں! اور تقلید جامد باپ دادا کی اندھی تقلید کی غلامی سے اپنی گردنوں کو آزاد کرالیں۔ اور اس حقیقت پر ایمان رکھیں کہ:—

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

ابتداء میں عام تصورات آبائی کے تحت آیاتِ محکمات ہی میں[1] فکر و غور کرتا رہا۔ اور اس کے سمجھنے کی کوشش میں لگا رہا اور متشابہ آیات[2] میں غور و فکر کرنے سے بچتا رہا۔ پھر جب کبھی محکمات ہی میں کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تو میں خوش عقیدگی پر اپنے فکر و تدبر کو بھینٹ نہیں چڑھایا۔ بلکہ ہر عقل انسانی اور وسوسۂ شیطانی کا کوئی اعتراضی پہلو ایسا نہیں تھا جو میرے گوشۂ دل میں نہ پیدا ہوا ہو۔ اور میرا فکر اس کے اطراف و جوانب میں چکر لگا کر فہم حاصل نہ کیا ہو۔ اور وہ فہم بھی ظنی و ذہنی نہیں۔ قرآن حکیم ہی کے بین الدفتین آیات بینات۔ اور صحیفۂ فطرت کے کھلے مشاہدات نے میرے قلبِ سلیم کو مطمئن کرا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں قرآن حکیم کا بغیر پنسل یا قلم ہاتھ میں رکھے مطالعہ کرنا جو عام طور پر تلاوت کہی جاتی ہے۔ قرآن کی بے حرمتی سمجھتا ہوں۔ کیوں؟ اسلئے کہ جب کبھی کسی مدبر۔ فلسفی یا قانون دان کی تصنیف یا تالیف کا مطالعہ کرتے ہیں۔ (درآں حالیکہ وہ کتاب مانگے کی ہوتی ہے) تو بطور یادداشت نشان کئے بغیر نہیں رہتے۔ تو کیا قرآن حکیم جو ہمارے لئے اس دنیا کی زندگی کا دستورِ حیات ہے۔ اس پر غور و فکر کے لئے یادداشت مرتب کرلینا۔ ہمارا فرض نہیں۔ یہ کیسا مہمل اور بے معنی عقیدہ ہے کہ ایسا کرنا قرآن کیساتھ بے ادبی ہے۔ برین عقل و دانش بباید گریست — مختصر یہ کہ میرے اس طریقۂ مطالعہ نے قرآن حکیم کی ہر آیت حکمت کو میری سمجھ بوجھ کے لحاظ سے میرے فہم میں سمو دیا۔ اور قرآن کے اس دعوے کو کہ — "إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ" یعنی اللہ تعالیٰ قرآن ہی کی روشنی میں اپنے کلام کی ہر آیت کو طالبِ فہم و فکر کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔ بیقینِ کامل کے ساتھ تسلیم کرلینا پڑا۔

---

[1] محکم آیات کے متعلق مفسرین کا کہنا ہے کہ جو بات عام فہم ہو۔ جس کے معنی عام طور پر ایک ہی سمجھے جائیں اس کا دوسرا مفہوم ہی نہ ہو وہ محکمات ہیں۔ جیسے رات۔ دن۔ زمین آسمان۔ انصاف۔ ظلم۔ مرد۔ عورت۔ پانی مٹی۔ وغیرہ۔ لیکن میرا فکر یہ ہے کہ محکمات بھی بصورت محاورات قرآن حکیم۔ متشابہات ہو جاتے ہیں — جیسے اندھا۔ اور بہرا — قرآن نے تقلید جامد کے غلاموں کو اندھا اور بہرا کہا ہے۔ درآں حالیکہ ان کی بصارت و سماعت ظاہری موجود ہے۔ اور ایک نابینا کو وہ صاحب بصارت کہتا ہے۔ اندھی تقلید کو وہ تاریکی کہتا ہے اور آزادیٔ فکر و فہم کو روشنی — ایسی حالت میں محکمات کا یہ کلیہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

[2] متشابہ کے متعلق تو مفسرین اور علماء خود ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں — کوئی تو متشابہ آیات ان جملوں کو سمجھتا ہے جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے۔ کوئی متشابہ اس آیت کو سمجھتا ہے۔ جو ایک دوسرے سے ملی جلی ہو۔ کوئی متشابہ اس آیت کو کہتا ہے جسکے مطالب کو ظاہر کرنے میں مختلف خیالات جولانی طبع کے لئے مل جائیں — بعض کا خیال ہے کہ تمام قرآن متشابہ ہے یعنی پہلے نازل شدہ مقدس کتابوں ہی کی تعلیم سے وہ ملتا جلتا ہے — لہٰذا وہ محکم بھی ہے اور متشابہ بھی۔

عموماً علماء و مفسرین ان آیات کو متشابہ قرار دیتے ہیں۔ جو کسی واقعہ کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ (باقی صفحہ ۵ پر)

Sept. 45

تلاش و جستجو سلسلہ نزولِ وحیِ قرآنی

رمضان ۱۳۶۴ھ ہجری میں مجھ کو خیال آیا کہ قرآن مجید کی سورتوں کا مطالعہ بلحاظ سلسلۂ نزولِ وحی کیا جائے تو تعلیم اسلام کے ارتقائی مدارج نمایاں طور سے سامنے آئیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) یا روایاتِ عجوبہ کو سند تسلیم کر لینے کی وجہ فکر و فہم انسانی میں سمونے سے خارج ہوں۔ یا کسی خاص علم و فن کی نادانستگی ظنی و ذہنی عقاید ان کے عقل و فہم اور فکر کو معذور رکھے۔

قرآن حکیم نے واضح حقیقت پر روشنی ڈالدی ہے کہ محکم آیات اُم الکتاب ہیں۔ متشابہ کا علم خواص ہی کو ہوتا ہے۔ جو لوگ نامعلوم علم و فن کی حقیقت کو بتلانے یا ثابت کرنے اپنے علم کلام کے زعم باطل میں اندھے کی طرح لاٹھی چلانے لگتے ہیں تو دراصل وہ ان کے دلوں کی کجی کا ثبوت ہے۔ یہاں پر اس بات کو ذہن نشین کر لینا ہوگا کہ جب قرآن حکیم اپنے زاید از چھ ہزار آیتوں کو آیات بینات کہتا ہے۔ تو پھر تقسیم آیات کے کیا معنے ہوں گے؟ بات یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر اشیا ہم کو نظر آتی ہیں۔ یا بعض کے دیکھنے سے ہماری قدرتی بصارت معذور ہے۔ وہ سب ایک حقیقت رکھتی ہیں۔ اور حقیقت کا جاننا علم کہلاتا ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان کائنات کی ہر شئے کا عالم ہو۔ یعنی اسکی ماہیت کو جاننے والا بن جائے۔ اسلئے اللہ نے ہر شئے کا علم حاصل کرنیکی صلاحیت اپنی مخلوق کو فرداً فرداً علیحدہ علیحدہ دی ہے۔ لہذا ایک شعبۂ حیات یا کسی شئے کائنات کا عالم دوسرے علم میں درآن حالیکہ اس علم سے اسکو دُور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ دخل در معقول بن جائے تو ایک بے معنے بات ہوگی۔ اور ایسی مداخلت کوئی اندرونی دل کی کھوٹ کا نتیجہ ہی ہو سکتی ہے۔ بطور مثال سمجھئے کہ ایک ڈاکٹر یا حکیم کسی میکانک کے فنی نظریات میں اپنی رائے زنی شروع کردے تو ایسی رائے کا کیا کوئی وزن ہو سکتا ہے؟ بجز چرب زبانی۔ یا علم کلام و فلسفہ و منطق کے حقیقتِ فن اور عملی کام سے اسکو دُور کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک اعلےٰ طبیب جو اپنے فن میں شہرۂ آفاق ہو کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ ایک معمولی طبقہ کے ملازم کے بیان کردہ میکانکی بات کو مان لے۔ کیونکہ وہ اپنے کو نہ صرف "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ" سمجھتا ہے۔ بلکہ علم و فضل اور عقل و شعور میں بھی اس سے بلند و بالا ہونے کا یقین رکھتا ہے۔

پس اگر آپ تفاسیر۔ اور ہمارے علما کے ایک دوسرے کے فکر و فہم پر رد اور قدح۔ وغیرہ اور دن رات بحث مباحثہ مناظرہ پر نظر ڈالیں تو کروڑ در کروڑ صفحات کے لاکھوں دفتر اور سیکڑوں سال ہزاروں مہینے۔ لاکھوں گھنٹے محض ظنی و ذہنی عقاید کے استحکام کیلئے عین خوشنودیِ خدا کے دعوٰں کے ساتھ آپکے پیش نظر ہونگے۔ اور پھر یہود۔ عیسائی۔ ہندو۔ بدھی مذاہب کو باطل قرار دینے قرآن حکیم کے آیات کی تفسیر۔ توضیح۔ تشریح جو کچھ کیجا ئیگی وہ تمام علم کلام اور فلسفہ منطق کی بنیاد میں ہندی۔ یونانی۔ اسرائیلی۔ نظریات و روایات۔ اور انہیں کے فلسفہ کا ماخذ ہوگا۔ جو قرآن حکیم کے آیات بینات۔ اور محکمات کے صریح خلاف ذہنی ظنی عقاید کو منوانے۔ وحدت الوجود۔ ذاتِ محمدی۔ شفاعت۔ معراج النبیؐ۔ شق القمر۔ پیدایش عیسیٰؑ و آدمؑ۔ موسیٰؑ کے معجزات پر فلسفہ اور منطق کی نہروں سے علم کلام کے سمندر میں ایک طوفان برپا کرنے والی نظر آئیگی۔ جس سے فرایض مقصد حیات انسانی اور قرآن حکیم کے ذکر۔ تذکرہ۔ کتاب حکمت کی کھلی آیتوں۔ اور صحیفۂ کاینات کے واضح نشانیوں کو کوئی دُور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ہم مشاہدات آیات صحیفۂ کاینات کو کلام اللہ کے آیات محکمات کی تشریح و تفسیر قرار دیکر اپنے مقصدِ زندگی کا ثواب یعنی فواید حاصل کرنیکی کوشش اور اسکے تفکر۔ تفحص۔ تجسس و تدبر میں یہ وقت صرف کریں تو نہ صرف ہمارے لئے بلکہ بنی نوع انسان کے لئے فایدہ مند ثابت ہوگا۔

چنانچہ معلم قرآن ازم "صلعم نے واضح الفاظ میں اپنی جماعت کو متنبہ کر دیا تھا کہ "وہ اللہ کی ذات میں فکر و غور کرنے کے بجائے اس کے صفات۔ اور تخلیق میں غور و فکر کیا کریں۔ تاکہ خالق کی عظمت و شان انکے علم میں سمو جائے۔ چونکہ اللہ کی ذات "لیس کمثلہ شیٔ" یعنی اسکی کوئی مثال انسانی فہم و فکر۔ وہم و گمان۔ میں آ ہی نہیں سکتی تو پھر ایسی ذات کے متعلق فکر و فہم۔ کو کام میں لانا ایک بے معنی سی بات ہوگی (باقی صفحہ ۶ پر)

میری سمجھ میں آجائیں۱۔ چنانچہ میں نے تفاسیر اور احادیث تواریخی سے اس کا مواد فراہم کرنا شروع کردیا اور ایک مختصر سی فہرست مرتب کرلی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے اس کام میں بہت سی خامیاں ہونگی۔ کیونکہ نہ تو میرے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا اور نہ کوئی کتب خانہ اس کام کے لئے نظام آباد میں ایسا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ تاہم میں نے اپنی مرتبہ فہرست سلسلہ نزول قرآن حکیم کے پیش نظر قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھکو ایک عجیب روشنی میرے فکر و فہم آیات اللہ کی رہنمائی کرنے والی نظر آئی جس سے میرا قلب سلیم مطمین ہوتا رہا۔ اتفاقاً میرے مخلص دوست میر ولایت علی صاحب سے (جن کو میں مفکر قرآن حکیم سمجھتا ہوں) برسبیل تذکرہ اپنے خیالات کا ذکر کیا تو موصوف نے مجھ کو کتاب "ترتیب نزول قرآن مجید" مولفہ اجمل خان صاحب ایم۔ اے کی رہنمائی کی۔ میں نے فوری اس کتاب کو خرید کر پڑھنا شروع کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب میں نے اسکا مطالعہ شروع کیا تو اس کو ختم کرنے تک نظروں سے علحدہ نہ کرسکا۔ اور اس کی ہر سطر میرے غور و فکر کا آئینہ تھی۔ برسوں سے میں جن خیالات میں سرگرداں تھا۔ اور لوگ میرے فکر کو مضحکہ خیز سمجھ رہے تھے۔ وہ سب کچھ بصورت ریسرچ ان اوراق میں موجود تھا۔ جس کو میں منجانب اللہ نور ہدایت کا عطیہ سمجھ کر شکر الہی بجالاتا رہا۔ اور اسی تحقیق پر میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ شروع کردیا۔ لیکن سلسلۂ نزول وحی کے تسلسل کو قایم کرنے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) کس قدر بلند و بالا ہدایت تھی جسکو قبول کرکے مصدقین نے تمام ارضی و سماوی انعامات الہی حاصل کرلئے۔ اور کیسے نالایق جانشین ان اسلاف کے پیدا ہوئے جنہوں نے اس ہدایت کو نظر انداز کرکے اپنے آبائی میراث کو تلف کرڈالا! اور غیر حاملین قرآن غیر شعوری طور پر اس تعلیم پر چل رہے ہیں۔ اور سب کچھ الٹ کو مل رہا ہے۔ اور ہم جنتی کی بہشت میں مست و مدہوش "تاخیر منعم" کے دعوئے ابلیسی میں اپنی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں۔

۱۔ میرے اس فکر کی تائید علامہ مودودی کے اس لکچر سے ہوتی ہے۔ جو پاکستان کے دستور سازی کے سلسلہ میں لاہور یونیورسٹی کے جلسہ ۱۹۴۸ء میں۔ بعنوان "اسلامی قانون" دیا گیا تھا جس میں علامہ موصوف نے کہا تھا کہ "ہمیں صرف اتنا ہی کرنا نہیں ہے کہ ہم قرآن اور حدیث و فقہہ کے اردو تراجم کردیں۔ بلکہ ہم کو چاہیئے کہ ان مضامین کو از سر نو نئے عنوانات قایم کرکے منتشر مسائل کو یکجا کریں۔ یاد رکھو کہ قدیم زمانہ کا طریقہ تدوین اور تھا۔ اور موجودہ زمانہ کی طلب اور ہے"۔

جب میں نے علامہ کے ان خیالات کو پڑھا تو میرے فکر و فہم کے لئے وہ ایک سند تھی۔ کیونکہ معلم قرآن[۲] اور بانی سلطنت قرآن ازمؐ نے جس ترتیب سے قرآن کی تعلیم دی تھی۔ اور قرآن ازم کی عمارت کو جن بنیادوں پر قایم کرکے اسکی تعمیر مکمل کی۔ انھیں نقوش پر آج بھی اسکی ترمیم ہوسکتی ہے۔ جب کہ وہ عمارت بوسیدہ ہوچکی ہے۔ چنانچہ میرے فکر کے آیندہ اوراق اس بات کی شہادت دینگے کہ اللہ تعالے کے بتلائے ہوئے نقوش پر اسکے منتخبہ انجینیر صلعم نے ابتدا میں معماران عمارت کو کیسی تربیت دی۔ اور کسطرح ایک ایک اینٹ فراہم کرنے میں (۱۳) سال صرف کئے۔ پھر سلسلۂ تعمیر تقریباً آٹھ نو سال کن مشکلات و مصائب میں گذارے

ان حقیقتوں پر اگر غور و فکر کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ آج امت محمدی کو فہم قرآن حکیم کے حاصل کرنے کے لئے نصاب نزول وحی قرآن حکیم کے ترتیب وار مطالعہ کی کس قدر شدید ضرورت ہے —— ورنہ،

خلاف پیمبر[۲] کسے رہ گزید ۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

کے مصداق ہوگا —— (یہ نوٹ اکٹوبر ۱۹۵۴ء کے مطبوعہ "قرآن ازم" کا ہے)۔

۱۹۵۸ء میں علامہ موصوف نے جو "تفہیم القرآن" شایع کیا ہے اسکے دیباچہ میں علامہ موصوف کا فکر میرے فکر کی تائید ہی میں مجھ کو نظر آرہا ہے۔

مختلف مقامات کی ورق گردانی کی وجہ غور و فکر میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ تو خیال پیدا ہوا کہ پہلے سلسلۂ نزول کے لحاظ سے ترجمہ کو ایک جگہ لکھ لوں تاکہ مطالعہ اور غور و فکر میں تسلسل باقی رہے۔ چنانچہ رمضان ۱۳۶۷ھ میں اس کام کو شروع کیا اور ۷ ارمحرم ۱۳۶۸ھ یعنی ۳½ ماہ میں اس کی تکمیل کرلی گئی۔ اس طرح (۹۰) مکی سورتیں ہر ایک سورۃ کے متعلق ضروری توضیحات و تشریحات محققین سلسلۂ نزول کے داخلوں کے ساتھ ایک دفتر مکمل ہوگیا۔

اس کے بعد (۲۴) مدنی سورتوں کے رکوع بلحاظ سلسلہ نزول وحی کا ترجمہ بزبانِ اُردو جمع کر لیا گیا —— اس طرح یہ نقل نویسی رمضان ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ ھٰذا من فضلِ ربی۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا لازمی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تعلیم قرآن حکیم کا ابتدائی نصاب اُمیوں کیلئے کسطرح مقرر کیا تھا[1] اور پھر وہ کسطرح بتدریج بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ جسکے بعد اسلام کی عظیم الشان عمارت کی تعمیر کا صحیح اندازہ ہوگا۔ جو آج بنیادوں کے کھوکھلے ہو جانے کے باعث جابجا شق ہوگئی ہے۔ اور اسکی بوسیدگی کی وجہ ضرر کے اندیشوں نے نہ صرف غیروں کو بلکہ خود اس عمارت میں رہنے بسنے والوں کو اسکے مسمار کر دینے کی طرف مائل کر دیا ہے —— درآن حالیکہ اسکے پانچوں ستون بظاہر اپنی جگہ قایم اور فریب نظر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ اپنی بنیادی قوتوں کو کھو چکے ہیں۔ جس کی وجہ اصلی عمارت ناقابلِ رہایش ہوگئی ہے۔ کیونکہ ستون اگرچہ وہ کیسے ہی مستحکم ہوں مقصدِ عمارت کو پورا کرنے والے نہیں ہوسکتے۔ وہ تو مقصدِ تعمیرِ عمارت اور قیامِ چھت کا ایک سہارا ہوتے ہیں نہ کہ اصل عمارت۔ پھر جب کہ ستون بھی فریبِ نظر ہوں تو کیا ہوگا؟ ——

قرآن ازم کا بنیادی تصوّر

قرآن حکیم نے سب سے پہلے انسانیت کو اس بات سے آگاہ کر دیا کہ وہ آزادیٔ فکر سے (جو اُس کا پیدائشی حق ہے) کام لیکر فرداً فرداً اپنی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے فکر و فہم عقل اور سوجھ بوجھ سے اپنے خالق تعالےٰ کے اقتدارِ اعلےٰ کو بلا شرکتِ غیرے تسلیم کر لینے کی کوشش کرے۔ جب یہ تصور اسکے یقینِ کامل کا سبب بن جائے تو اس ایک ذاتِ واحد کو اپنا آقا مان کر اپنی ذات کو بحیثیت ایک غلام کے جانکر اسکے مقررہ قوانین کی پابندی کا عہدِ واثق کرلے۔

پھر ہر فرد اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ موجودہ زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد اسکو ایسی حیات میں داخل کیا جائیگا جہاں وہ اپنے زندگی کے ہر چھوٹے بڑے اعمال کا جوابدہ ہوگا۔ اور یہ جوابدہی ایک بہت ہی زبردست قادرِ مطلق اور دلوں کی بات جاننے والی ذات (جبکہ وہ بحیثیت قاضی القضات! و رچیف جسٹوں کے جسٹس کی شان میں کرسیٔ انصاف پر جلوہ افروز ہوگا) کے سامنے ہوگی۔ پھر انصاف کے وقت ذرہ ذرہ عمل کی جزاء اور سزا کا قانونِ مکافات ہر عمل کے لئے مقررہ موجود رہے گا جسکی وجہ رتی برابر بھی ناانصافی کا شائبہ نہیں رہ سکتا[2]۔

---

[1] یہاں پر ایک ضروری یادداشت کو ذہن نشین کرلینا ہوگا کہ میں موجودہ ترتیب قرآن حکیم کو بدلنا نہ صرف ظلمِ عظیم سمجھتا ہوں بلکہ اسکو کفر سے بڑھکر شرک قرار دیتا ہوں۔ میرے اس سلسلۂ نزولِ وحی کے ترتیب کا منشا صرف فکر و فہم قرآنی کے سوائے کچھ نہیں جسکو آپ آیندہ صفحات میں میرے فکر کے مطالعہ کے بعد رائے قایم کرسکتے ہیں۔ لہذا اگر کوئی مجھ پر قرآن حکیم کے موجودہ ترتیب کو بدلنے کا الزام عاید کرتا ہے۔ تو میں مشرکانہ گناہ کے تصور سے بھی بری الذمہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ مجھ پر اس بہتانِ عظیم باندھنے والے کو معاف کرے۔ اور میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے ایسی شخصیت کو بوجہ اسکے فکر و فہم کے اندھے پن کے قابلِ معافی سمجھتا ہوں۔

[2] اس بات کو ذہن نشین کرلیجئے کہ روزِ جزا اللہ تعالیٰ انصاف کے دن کا قاضی القضات ہوگا۔ اور ہر بندے کے (باقی صفحہ ۸ پر)

چنانچہ جب اس ابتدائی نصاب کی تکمیل تقریباً تین سال مین چندا فراد نے کرلی۔ اور اچھی طرح وہ امتحان مین کامیابی کے نمبر حاصل کرلئے تو وہ سابقون الاولون قرار پائے۔

اچھی امت یا صالح جماعت

جب افراد کسی حقیقت کو سمجھ کر نتائج مستقبل (یعنی غیب) پر یقین کامل پیدا کرلیتے ہین تو یہ چند افراد کی ایک اچھی امت یعنی صالح امت۔ کہلانے کی مستحق بن جاتی ہے۔ اور اس جماعت کو مصدقین کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت پُرخلوص ایماندارانہ جذبہ کے تحت اچھائیون کو پھیلاتی ہے اور بُرائیون سے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ چونکہ اعلٰے کردار کی حامل ہوتی ہے۔ اسلئے ہر کام اسکے لئے آسان تر ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ انسانیت نوازی کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔ چونکہ وہ امن وسلامتی کی علمبردار ہوتی ہے۔ اسلئے انعامات الٰہی یعنی سلطنت ارضی کی حقدار ہوجاتی ہے۔ جسکے بعد زمین اور آسمان کی مخلوق اس پر خالقِ کون ومکان کے حکم سے درود اور سلام بھیجتی ہے[ا]۔
چنانچہ قرآن حکیم کے ان اصولون کو آنحضرت صلعم کے زیرِ قیادت عرب کے اُمیّون نے اپنالیا تو دُنیا نے دیکھ لیا کہ چوتھائی صدی کے اندر ہی اندر ایک صالح معاشرہ کی حکومت عالم وجود مین آگئی جسکو عقل وفہم والے ناممکن سمجھ رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) اعمال میزانِ عمل میں رکھے جائینگے روزِ حشر سوائے میزانِ عمل کے کوئی پیمانہ معتقداتِ ظنی۔ ذہنی کا وہان پر نہ ہوگا۔ اور پھر وہان پر انصاف رسانی کے لئے کسی کی سفارش۔ کفارہ۔ اور ایک کا بوجھ دوسرے پر ڈالاجانے یا اُٹھالینے۔ یا کوئی مزید مہلت کا سوال ہی باقی نہ رہیگا۔ چنانچہ آپ کو آیندہ اوراق مین وحی الٰہی کے ذریعہ ان باتون کی سند ایک نہیں بلکہ بیسیون امثال اور حکم محکم ناقابلِ انکار حقیقت کے تحت نظر آئینگی۔ جہان پر قرآن حکیم نے ان تمام عقایدِ باطلہ ظنی و ذہنی تصورات کو توڑ کر پاش پاش کردیا ہے۔ اور تمام شفیعانِ ظنی و ذہنی جن کو ہر مذہب کے پیشوایانِ مذہب نے اپنے پیروانِ مذہب کیلئے معبود بنالئے تھے (خواہ اُن شخصیتون کا مقام نبوت ہو یا رسالت۔ فرشتہ ہون یا جنات۔ مادّی قوت ہو یا روحانی) سب ہی کی نفی کردی۔ اور انسان کو تقلیدِ جامد سے نکال کر آزادیٔ فکر کے ساتھ قانونِ مکافات۔ قانونِ قدرت۔ قانونِ امہال۔ قانونِ ارتقا سے فہم حاصل کرنیکی تعلیم دی گئی۔ پھر مچھر مکھی۔ کو بھی مثال مین پیش کرکے دعوتِ۔ غور۔ فکر۔ تدبر و تعقل دی گئی! در باپ دادا پیشوایانِ مذہب کی اندھی تقلید کی غلامی سے آزادی حاصل کرلینے کی ہدایت بھی قدم قدم پر دیجاتی رہی ہے تاکہ مقصدِ انسانیت خالق تعالٰی سبحانہٗ کے پورا کرنے مین غلامیٔ پیشوایانِ مذہب کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرسکے۔
اب ہمارے لئے غور وفکر کا مقام ہے کہ حاملینِ قرآن نے اس بنیادی اصول کی اس طرح نفی کردی جس طرح کہ نزولِ وحی کے وقت مکذبین اس تعلیم کو جھٹلا رہے تھے! اور روایت، راوی معتبر کو قرآن حکیم کے احکام کے مقابل نہ صرف ترجیح دی بلکہ آیات اللہ کو اپنے عقاید باطلہ کی روشنی میں بے معنی سمجھ لیا۔ یا اسکے منشا کو اس طرح اُلٹ دیا کہ غیر حاملین قرآن کے لئے کفر کا مقام قرار پایا اور اپنے لئے سب کچھ جایز قرار دے لیا۔ نتیجہ اس کا کیا ہوا؟ قرآن حکیم کی روشنی مین آپ کو آیندہ اوراق مین نظر آئیگا۔ بشرطیکہ آپ آزادیٔ فکر کی فضا مین آیات اللہ سے فکر وفہم حاصل کرنیکی کوشش کرین۔

ا۔ قرآن حکیم نے افراد حزب اللہ کے لئے "صلوٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اپنے مرسلین خصوصاً آنحضرت صلعم کے لئے بھی۔ جس کا ترجمہ اُردو زبان مین رحمت درود کیا گیا ہے۔ دراصل درود اور رحمت کا مفہوم امداد ومعاونت ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی اور اس کی تمام ملکوتی قوتین نہ صرف اپنے رسولؐ کی بلکہ حزب اللہ یعنی خدائی فوج کی امداد۔ اعانت کرتی ہین ـــ پس ہر مدعیٔ انسانیت۔ یعنی مومن کو اپنی جماعت کی امداد اور اعانت کرنا چاہئے (سورۂ احزاب مین درود کے متعلق بصراحت میرا فکر واضح ہوگا)۔

تاریخِ انسانیت مین اوہامِ باطلہ کے مقابل پہلی بغاوت

قرآن کہتا ہے کہ تاریخِ انسانیت مین بُت پرستی اور اوہامِ باطلہ پیشوایانِ مذہب کے مقابل ایک ذاتِ واحد کی فرمانبرداری کے لیئے جس نے عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ وہ پجاریون یعنی پر وہت خاندان کا ایک ممبر تھا۔ جو اپنے باپ داداؤن اور اپنے مذہب کے پیشواؤن کی اجارہ داری کو چیلنج کرتے ہوئے تنِ تنہا مخالفت کی آگ مین کود پڑا لیکن حکومتِ وقت اور قوم کی یہ شعلہ فگن آگ خدائے برتر و بزرگ کے حُکم سے اسکی سلامتی کا باعث بن گئی۔

"یا نار کونی بردا و سلام علی ابراھیمؑ"

چنانچہ آج اس بندۂ مجاہد کا نام مختلف زبانون مین مذاہبِ عالم اپنی اپنی مقدس کتابون مین پاتے ہین۔ سیدنا ابراہیمؑ کے اس واقعہ کے تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد جب انسانی عقل و شعور منازلِ ارتقا کے بلند زینون کو طے کر رہی تھی تو اس سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرنے والا نسل ابراہیمی سلسلۂ اسمٰعیل ہی سے اور بُت خانۂ کعبہ کے پجاریون کے خاندان سے ایسی حالت میں ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو اسکا کوئی سایہ یعنی سرپرست رہتا ہے اور نہ کوئی یار و مددگار۔ عرب جیسی عصبیت کی نشہ مین مست و مدہوش انانیت مین ڈوبی ہوئی اوہامِ باطلہ سے گھری ہوئی قوم مین تنِ تنہا عَلمِ بغاوت کا نعرہ ان الفاظ مین بلند کر رہا ہے کہ :- "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" — اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ — اور تیرہ[۱۳] سال مخالفت کی دھکتی ہوئی آگ مین صبر و استقلال سے گذار کر سلامتی اور رحمتِ الٰہی کے فیضان سے اپنے جدِ اعلیٰ کے نقشِ قدم پر ہجرت کرتا ہے۔ جسکے بعد دس سال کی اقل قلیل مدت مین۔ حزب اللہ کی صالح جماعت کے ذریعہ کرۂ زمین کی تمام اقوام کو سچی انسانیت اور اچھی دُنیا کا پیام پہونچا دیتا ہے۔ جسکی وجہ کرۂ زمین کے مظلوم و مجبور انسان بے ساختہ پکار اُٹھتے ہین کہ:

"ھٰذا رحمۃ للعٰلمین" — وصلی اللہ علی محمد کثیرا کثیرا۔

اِس بات کو ذہن نشین کر لیجیئے کہ ساتوین صدی کا یہ انقلاب عرب و حجاز مین کوئی اتفاقی انقلاب نہ تھا۔ بلکہ وہ روح القدس کے ذریعہ لایا ہوا انقلاب تھا۔ جو بنی اسمٰعیل کے رسولِ عربیؐ کے ذریعہ تمام قومون کے انسانون کی گردنون سے پیشوایانِ مذہب کو آزادیِ فکر کا دشمن سمجھ کر پہلے بغاوت پر آمادہ کر دیا۔

شخصیت پرستی — اور شفاعت کا ایمانِ باطل

اُس امتِ وسطا۔ اور خیر الامم۔ حزب اللہ کے قایم مقامون نے قرآن حکیم کی تعلیم کو پس پُشت ڈال کر روایتی ایمان اور شخصیت پرستی کا اموختہ دہرانا شروع کر دیا۔ اور آنحضرت صلعم اور اصحابِ رسولؐ نے قرآن مجید کی روشنی مین عملی زندگی کا جو ورثہ چھوڑا تھا۔ اسکو شخصیت پرستی کے پردون مین چھپا کر روحِ قرآنی کو اس طرح منقلب کر دیا کہ اسلام کا چہرہ بھی مثل دیگر ادیانِ عالم کے مذہبی فضا مین داغدار ہو گیا۔ یعنی اس کلامِ الٰہی کے آخری ایڈیشن کی معنوی تحریف اس طرح کی گئی کہ دوسری قومون مین اسی طرح انقلاب کی مثال بمشکل نظر آئیگی۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے والون۔ ہزارون الہون کی پرستش اور وسیلہ کو چھوڑ کر لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے والون۔ اپنے رسول اور تمام انبیاء و مرسلینؑ اور اوتارون کو بشر اور خدا کا بندہ سمجھنے والون عیسیٰؑ کے عقیدۂ ابن اللہ کی تکذیب کرنے والون کے قایم مقامون نے بابلی۔ یونانی۔ مصری۔ اسرائیلی۔ زرتشتی۔ ہندی فلسفہ کے تصورات کی تاریکی مین حلولیت۔ کفارہ۔ شفاعت۔ دستگیری۔ استمداد غیر اللہ۔ وسیلہ۔ سفارش کے عقاید کو ایمانیات اور دین قرار دیکر روحِ تعلیم کتاب حکمت کو پس پُشت ڈال دیا۔ اور تقلید کی غلامی کو واجب بلکہ فرضِ عین ٹھہرا لیا۔

جس بات سے آنحضرت صلعم نے اپنے اصحابؓ کو سختی سے منع کیا تھا۔ اور اصحابؓ بھی قال الرسولؐ کے بیان کرنے کو بشدتِ تمام

آنے والی نسلوں کو منع کرتے رہے۔ اندرون یک صدی قال الرسولؐ کو قال اللہ کے مقابل بلند کر دیا گیا[1]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ:۔
"یہ اُمت روایات میں کھو گئی"

مذہب اسلام جسکو قرآن حکیم نے حیاتِ انسانی کے تمدنی۔ معاشرتی۔ اخلاقی و روحانی تنظیم کا ایک دلکش مرتع امن و سلامتی کا حقیقی مرکز۔ قانون مقصدِ تخلیق انسانیت کا ایک بہترین منبع تھا۔ اسکو ازسرتاپا اُلٹ دیا گیا۔ درآن حالیکہ قرآن حکیم نے گذری ہوئی اُمتوں کے واقعات بار بار دھرا کر شخصیت پرستی کی سختی سے ممانعت کرتے ہوئے۔ ذہنی غلامی اور شفعا نوازی کے تصورات میں۔ تن آسانی سے دُور رہنے کی تاکید اکید کر دی تھی۔ مگر اس بنیادی تعلیم پر فکر و فہم کے ذریعہ عمل پیرا ہونے کی تمام صلاحیتوں کو فنا کر دیا گیا۔ اور مثل اُمم سابقہ کے تقلیدِ جامد کی غلامی میں۔ کانوں۔ آنکھوں۔ اور قلوب پر چودہ سو سال پہلے کا غلافِ کعبہ (جس میں (۳۶۰) بتوں کا عکس نمایاں تھا) سلئہ کا غلافِ کعبہ سمجھ کر کہنے لگے کہ:۔ "قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ" (یعنی اپنے تقلیدِ جامد کی غلامی اور جمود و بے حسی پر نازاں ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے آبائی دین و مذہب کے بتلائے ہوئے ایمانیات و عقاید ہمارے قلوب میں غلافوں کے اندر محفوظ ہیں۔ جس پر آزادیٔ فکر کی دعوت کا کوئی اثر مترتب نہیں ہو سکتا) اس دعوے کے متعلق قرآنی فیصلہ بھی سُن لیجئے:۔ "بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ"۔ اے محمدؐ! ایسا دعویٰ کرنے والوں کو اللہ کا فیصلہ سُنادو کہ ان کے اس انکارِ حق کی وجہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے۔

کیا قرآن حکیم کے اس رویداد۔ اور فیصلۂ اخیر و امرِ فیصل شدہ کو ———— قیامت تک کیلئے حاملین قرآن نافذ سمجھنے تیار ہیں؟ ———

تعلیم قرآن حکیم کے چرچے

یوں تو ہر زمانے میں مسلمان اپنی اولاد نابالغ کو قرآن کے ناظرہ یا حفظ کرا دینے کے علمبردار رہے ہیں۔ اور آج تو ہندوستان میں اسکے چرچے گوشے گوشے میں ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے فضا میں یہی آواز گونج رہی ہے کہ اگر اسلام کا کھویا ہوا ورثہ حاصل کرنا ہے تو مسلمان بچوں اور بچیوں کو قرآن پڑھانا۔ اور نوجوانوں کو عربی سیکھنا چاہئے۔ لیکن قابلِ تعجب یہ بات ہے کہ سیکڑوں برس کی یہ پرانی تحریک کبھی بھی اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکی۔ تو کیا صاحبانِ غور و فکر کیلئے اس مقدس تحریک کے ناکامی کے اسباب و علل قابلِ غور نہیں[2]۔

---

[1] یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ احادیث کو جمع کرنے۔ لکھنے آنحضرت صلعم نے اپنے اصحابؓ کو شدت سے منع فرمایا۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بلکہ عثمانؓ و علیؓ نے بھی اسکی سختی سے پابندی کی۔ اس حکم کا احترام آخری صحابی یعنی سنہ ۱۰۰ھ تک کیا گیا ——— لیکن سیاسی اغراض اور فرقہ بندیوں کی خاطر جمع حدیث کو بدعتِ حسنہ قرار دیکر لاکھوں احادیث آنحضرت صلعم سے بواسطہ اصحابِ رسولؐ منسوب کر کے بنائے گئے۔ اور ان کو "وحیِ غیر متلو" قرار دیا جا کر ایمانیات و عقاید کا جز ٹھرا دیا گیا۔ جسکا نتیجہ آج اُمتِ محمدیؐ میں زاید از چارسو فرقوں کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس طرح اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہوا بگڑ گئی۔
یاد رکھو کہ ہر وہ حدیث جو احکامِ قرآنی کے مطابق ہے۔ بلاشبہ وہ معلمِ قرآن حکیم صلعم کا ارشاد ہو سکتا ہے۔ اور جو قرآن حکیم کے آیات بینات اور محکم آیات کے خلاف و نیز عقل و فہم انسانی کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ بلاشبہ وہ جعلی اور بنائی ہوئی ہے۔ جو رسول اکرم صلعم پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ خواہ وہ کسی بلند و بالا شخصیت کیطرف سے روایتاً بیان ہوئی ہو۔

[2] میرا ذاتی تجربہ ہے کہ زاید از پچاس سال سے برابر سُنتا اور دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ ہر عربی داں۔ اور ہر فارغ التحصیل مولوی۔ ہر مشایخ و صوفی۔ بلکہ ہر قدامت پرست مسلمان۔ بچوں کو اور بڑوں کو عربی زبان کے پڑھانے کی کوشش کو ثوابِ عظیم اور اپنی آخرت کا توشہ سمجھ کر تحریر و تقریر کے ذریعہ منبر و محراب۔ اسٹیج اور ریڈیو۔ رسائل و اخبارات (باقی صفحہ ۱۱ پر)

کیا ہمارے رہبرانِ ملت کیلئے یہ بات قابلِ غور و فکر نہین ہے کہ قرآن حکیم کی ہر وحی خطابِ بالغان کے لئے نازل ہوئی ہے۔ وہ معلم قرآن صلعم کے زمانۂ حیات یا چارون خلفاء کے زمانۂ خلافت مین تعلیم نابالغان کیلئے نصابِ تعلیمی نہین تھی ـــ جس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن کا ہر رکوع بالغ عمر۔ بالغ سمجھ۔ بالغ فکر انسانون ہی کو تدبر و تعقل کی دعوت دیتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ نابالغ معصوم۔ فکر و فہم سے عاری بچون کیلئے ابتدائی تعلیم کا نصاب کیسے ہو سکتا ہے۔

مین سمجھتا ہون کہ اگر فہمِ قرآن حکیم کو تعلیمِ قرآن کا ذریعہ ہر قوم کی مادری زبان مین۔ آسان طریقون پر بنا دیا جاتا۔ یا آج بنا دیا جائے تو فہمِ قرآنی کا ذوق عام طور پر پیدا ہو جاتا۔ اور وہ ذہنی غلامی سے نکل کر آزادیِ فکر کی فضاء مین۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ کا ایقان اور ایمان صحیح طور پر حاصل کر لیتے۔ اور تعلیمِ قرآن حکیم کی روح سے وہ تہیدامن نہ رہتے۔ اور نہ قرآن کو بنی اسرائیل کے تقدس اور عظمت و احترام کا تابوت بنا کر سرون پر لئے لئے پھرتے۔ بلکہ وہ اس کو اپنی زندگی یعنی اچھی دُنیا۔ سچی انسانیت۔ اور قانونِ مکافات کا ایک دستورِ الٰہی سمجھ کر اس پر عمل کرنا لازمی سمجھتے۔ اور ان کی سمجھ مین آتا کہ اس دستور پر عمل کرنا ہی اصلی ثواب یعنی فائدہ ہے۔ انکو معلوم ہو جاتا کہ اس قرآن حکیم کے زاید از چھ ہزار آیتون کا اساس صرف یہ ہے۔ کہ

پڑھو ـــ سمجھو ـــ اور کرو ـــ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کتب و رسائل وغیرہ سے اس تحریک کو پھیلا رہا ہے۔ اپنی زندگیون کو وقف کر رہا ہے لیکن جو حضرات اس تحریک مین آگے آگے نظر آتے ہین ان مین سے فیصد (۹۹) محرکین کو مین نے دیکھا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بجز قرآن ناظرہ کے عربی کا ایک نقطہ نہین پڑھاتے بلکہ وہ اسکولون اور کالجون مین تعلیم پاتے ہین۔ جب قول اور عمل کا تضاد دریافت کیجئے تو کہا جاتا ہے کہ حالاتِ زمانہ سے مجبوری ہے۔ پھر جو مذہبی ادارے صدیون سے عربی تعلیم کے اجارہ دار بنے ہوئے ہین۔ جہان سے علم و فضل کی خلعت حاصل ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسا بندی خانہ ہے۔ جس مین آج سے نوسو سال پہلے کے نظریات و فلسفہ کی کتابین داخلِ نصاب ہین۔ جسکے پڑھنے والے زمین کو بچھا ہوا سطحِ فرش ہی سمجھتے ہین۔ اور زمین کی گولائی یا اسکی گردش کا نظریہ بیان کرنے والون کو کفر و الحاد کے فتوے سے نوازنا عین خدمتِ اسلام تصور کرتے ہین۔

ایک اور بات بھی تو قابلِ غور ہے کہ۔ اگر صرف عربی زبان سیکھ جانے سے اُمتِ محمدی کو نشاطِ ثانیہ حاصل ہو سکتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن ممالک کی مادری زبان عربی ہے۔ وہان پر مسلمانون کی حالت کیون خراب ہے ـــ؟ ظاہر ہے کہ ان ممالک کا بچہ بچہ قرآن حکیم کے آیات کے معنی ہمارے علماء سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ پھر وہان اسلام کی قرآنی روح کیون نظر نہین آتی۔؟ اس کے علاوہ جب اُمتِ محمدی کا زوال شروع ہوا ہے۔ تو اس وقت قرآن پڑھنے والے اور عربی جاننے والے صد فیصد تھے۔

اصل حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک فکر و فہم قرآنی حاصل نہ ہو۔ محض عربی دانی۔ یا تلاوتِ قرآن حکیم "کمثل الحمار" کے ایک طوطی صفت بات ہے ـــ مین سمجھتا ہون کہ مسلمان اس قسم کی تحریکات مین جو وقت ضائع کر رہے ہین۔ یا جو صاحبِ استطاعت یا ایثار و قربانی کے عادی غریب اپنا روپیہ اس مین لگا رہے ہین وہ سب ضائع جا رہا ہے۔ جس کی مثال ایک پہاڑ پر مٹی مین کاشت کی ہے ـــ کہ پانی کا ریلہ جب آئے تو تخم بھی ضائع ہو جائے اور محنت بھی ـــ قرآن حکیم تو تبذیر کرنے والون کو ظالم ٹھیرایا ہے۔ اور خدا نے یہ وعدہ سُنایا ہے کہ :-

"واللہ لا یھدی القوم الظالمین ؁"

مین اس کتاب کے طبع ثانی کے موقع پر علامہ مودودی کے "تفہیم القرآن" کی اشاعت پر علامہ موصوف کو قابلِ مُبارکباد سمجھتا ہون کہ ایک ہزار سالہ حاملین قرآن کی ضرورت کو ایک حد تک یہ کتاب پوری کر رہی ہے۔

کیا آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور و فکر کیا ہے کہ ۔ جب کبھی اُمتِ محمدی مین صاحب فکر و فہم کوئی فرد پیدا ہوا ۔ اور وہ تقلید کی غلامی سے آزادیِ فکر کا علمبردار ہو کر قرآن حکیم کی اصلی روح کو پیش کرتے ہوئے اسوۂ حسنہ معلمِ قرآن صلعم کو بھی بطور تائید سامنے رکھا ۔ تو اسکے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ۔ ؟

اُس زمانہ کے اُسی کے ہمعصر علماء ۔ اور مسندِ خلافتِ انبیاءؑ کے جانشین معظم و محترم حضرات نے کفر و الحاد کے فتوؤن سے اسکو مردود ۔ اور قابلِ نفرت قرار دیا ۔ اور سُنتِ اوّلین کی تکمیل مین دار و رسن کے مقام پر پہونچا کر اپنے رب کی خوشنودی کے تصور مین داخلۂ جنّت کے حقدار بن گئے ۔

لیکن زمانہ کی ستم ظریفی کو بھی تو دیکھئے کہ اس مردہ پرست انسان کی نسل نے اُسی کو رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کہہ کر اسکی اصلی تعلیم کو پسِ پشت ڈال دیا ۔ اور اسکے نام کو اپنی فہرستِ شفعاء مین داخل کر کے مزید ایک معبود کا اضافہ کر لیا ۔ اور نذر و نیاز ۔ فاتحہ ۔ درود کے ذریعہ اس سے استعانت اور استمداد کی متمنی ہو گئی ۔[۱]

قرآن ازم

بظاہر تو اُمتِ محمدی ٹھوس نظریات کے تحت دوسری اُمتون پر فوقیت کی حامل نظر نہین آتی ۔ بلحاظ تاریخ حاملینِ قرآن کی میراث پر آج دوسری تومین قابض و متصرف ہین ۔ البتہ ایک اثاثہ کتابِ حکمت کا اصلی حالت مین اسکے پاس آج بھی موجود ہے ۔ گویہ خزانہ راویٔ معنیٰ کی روایتون کی وجہ نظرون سے پوشیدہ ہے لیکن اسکی معنوی روح اصلی حالت مین بلاتحریف آج بھی موجود ہے ۔ صرف فکر و فہم کے عمل کے ذریعہ ۔ اُن ظنّی ناگ سانپون کو اس خزانہ سے ہٹا کر اُسکے جواہر ریزون سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ جس کے بعد اس بے بہا خزانہ سے حاملینِ قرآن مالا مال ہو سکتے ہین ۔ ہمت و استقلال کے ساتھ آزادیِ فکر و فہم کے ذریعہ عمل اور صرف عمل شرط ہے ۔

آج کرۂ زمین پر جو انقلاب رونما ہے ۔ اور دُنیا کے تمام "ازم" امن و سلامتی ۔ اور صالح معاشرہ کے نظریات کی تلاش مین سرگردان ہین ۔ تو قرآن حکیم تمام انسانون ۔ خصوصاً اپنے نام لیوا تعلیم یافتہ نوجوانون کو بزبانِ حال کہہ رہا ہے :۔ "آؤ ! اور میری تعلیم پر بھی تو ذرا غور و فکر کرو ۔ تاکہ تم کو اچھی دُنیا ۔ اور سچی انسانیت کے سنوارنے مین میرے نظریات تجربہ شدہ بلا شک وشبہ کام دین ۔ اور دنیا کی تشنہ کامی دُور ہو جائے ۔ دیکھو ! ساتوین صدی عیسوی مین جس ازم نے کرۂ زمین پر ایک عظیم الشان انقلاب انسانیت کے فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا تھا ۔ جس کو مذہب کے اجارہ دارون نے پھر تباہ کر دیا ۔ وہی انقلاب تم آج بھی پیدا

---

[۱] امام مالکؒ کو منصور نے کوڑے لگائے ۔ امام ابوحنیفہؒ کو قید کیا گیا ۔ امام احمدؒ بن حنبل کو تین مرتبہ قید و بند کی زندگی میں مبتلا ہونا پڑا اور روزانہ کوڑون کی سزا بھگتنی پڑی ۔ امام رازیؒ ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۔ المخاطب بہ پیرانِ پیر ۔ امام غزالیؒ کیساتھ انکے زمانہ کے چوٹی کے علماء اور حکومت نے کیا کیا ؟ تاریخ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کسطرح ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے ۔ خود ہندوستان کا جائزہ لیجئے ۔ شاہ ولی اللہ ۔ شاہ عبدالعزیزؒ ۔ سید اسمٰعیل شہیدؒ ۔ سرسید احمد ۔ شیخ الہند ۔ علامہ ابوالکلام آزاد ۔ . . . . . . کے سوانح حیات پر غور کیجئے ۔ اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے اُس کی مطابقت کیجئے تو معلوم ہوگا کہ محض فہم و فکرِ قرآنی کے نتائج ہر زمانہ کے مفکر کے حق مین بجین حیات کیا مترتب ہوئے اور بعد موت ان کا مقام کیا رہا ۔ اور اب کیا ہے ۔

آخر یہ سب کچھ کرنے والے کون تھے ۔ اور کیون کیا ؟ ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے علماء و فضلاء اور (باقی صفحہ ۱۳ پر)

کر سکتے ہو۔ صرف ذہنی غلامی سے آزادیٔ فکر کے میدان میں ہمت مردانہ کے ساتھ علمِ بغاوت بلند کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو کہ دوسری کوئی اُمت "قرآن ازم" کی وارث ہو کر تمہاری توریث کار ہا سہا اثاثہ بھی چھین لے گی۔ اور اس وقت تمہارا یہ نعرہ کہ "پدرِ ما سلطان بود" کچھ بھی فایدہ نہ دے گا۔[1]

کرۂ زمین پر آج جو انقلاب رونما ہو رہے ہیں وہ صرف روٹی اور کپڑے کا سبز باغ دکھلا کر ہر لیڈر اپنا اپنا ازم پھیلا رہا ہے! اور۔ حاملینِ قرآن اندھے بنے ہوئے اُن ازموں کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ لیکن قرآن ازم کے اصلِ عظیم پر غور و فکر کر کے اپنی دُنیا اور آخرت۔ حال اور مستقبل کو سنوار لینا نہیں چاہتے۔ البتہ اس مقدس ازم کے نظریات کا دستور انکے فکر و فہم سے بہت دُور صرف عظمت و احترام کا ایک مقدس معبود بنا ہوا ہے۔

قرآن ازم کس کی رہنمائی کیلئے نازل ہوا؟

یارب مرے قلم میں تاثیر وہ عطا کر   جو لفظ اس سے نکلے چھوڑے اثر دکھا کر

آئیے! اس سوال کا جواب قرآن ازم ہی سے حاصل کر لیں۔

سورۂ جمعہ کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے۔ "ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی تسبیح (یعنی اطاعت و فرمانبرداری) میں مصروفِ عمل ہے اللہ تو عزیز اور حکیم ہے۔ لہذا اس عزیز و حکیم نے اُمیوں[2] ہی میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) مشائخین ہی کے تو فتوؤں پر یہ نوازے گئے۔ جو محض خوشنودیٔ خدا و رسولؐ اور خدمتِ اسلام ہی کے مدِنظر کیا گیا تھا۔ اور کیا جا رہا ہے۔ اور کیا جاتا رہے گا۔

[1] "اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ" الخ — اے حاملینِ قرآن۔ اگر تم قرآن ازم نظریات کو اپنانا نہیں چاہتے تو یاد رکھو کہ خدا دوسروں کو تم پر مسلط کر دیگا۔ جو قرآن ازم کے نظریات کو تم سے بہتر طریقہ پر سوچ سمجھ کر عمل کرنے والے ہوں گے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ اللہ کی قدرت کیسی اٹل ہے۔" (دیکھو سورۂ نسآء رکوع ۱۹۔ اور سورۂ المائدہ رکوع ۸) — کیا اس کلامِ الٰہی کی روشنی میں تاریخِ اسلام کی سرگزشت قابلِ غور و فکر نہیں۔ اور کیا اس کا ثبوت آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے روزمرہ نہیں آ رہا ہے — ؟

لیکن حاملینِ قرآن تو اس عقیدہ میں مگن ہیں کہ ہم تو اُمتِ محمدی اخیر اُمت ہیں۔ جو نجات یافتہ اور شفاعت دینے دلانے کی وعدۂ خداوندی کی حامل ہے۔ ہمارے لئے دُنیا دارالمحن اور قید خانہ ہے۔ اور آخرت انعاماتِ الٰہی سے ہم کو مالا مال کر کے ابدی راحت و آرام کا باعث ہوگی۔ اس طرح وہ مستقبل کی بہشت کو دیکھتے ہوئے قبروں میں پہونچ رہے ہیں۔ اور غیر حاملینِ قرآن غیر شعوری طور پر قرآنی نصب العین کو اپنا کر اپنی مادی۔ اخلاقی۔ بلکہ روحانی ترقیات حاصل کرتے ہوئے انعاماتِ الٰہی سے مالا مال ہوتے جا رہے ہیں۔ قانونِ قدرت نے ہم سے سب کچھ چھین لیا۔ اور دوسروں کو نوازا جا رہا ہے۔ ہم "اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُمْ" کے نشہ میں مست و مدہوش ہیں۔

[2] محاورۂ عرب میں "اُمّی" اس قوم کے فرد کو کہا جاتا تھا۔ جو کسی قانون کی پابند نہیں ہوتی تھی۔ اور لفظ "کتاب" محاورۂ عرب میں قانون یا دستور کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو قانونِ اخلاقیات۔ تمدن۔ معاشرت وغیرہ کیلئے وحیٔ الٰہی کے ذریعہ نافذ ہو۔ جس کو لیکر قومیں اپنی سلطنت یا حکومت کا قانون مدون کر لیتی ہیں۔ پس ایسی قوم کو اہلِ کتاب سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بالفاظ واضح غیر متمدن اور غیر مہذب قوم اُمّی کہلاتی تھی۔ اور مہذب و شایستہ قوموں کو اہلِ کتاب کہا جاتا تھا۔

ایک اُمّی کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب کرکے مامور کیا ہے۔ جو اللہ کا دستور سُناتا ہے۔ اور اُس پر تم کو چلنے کی تربیت بھی دیتا ہے۔ جسکے بعد تم ایک شایستہ اُمت۔ تعلیم یافتہ جماعت بنکر معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق۔ تہذیب کی حکمت سیکھ کر انسانیت کے حاذق حکیم۔ اور سیاستِ مدن کے بہترین مفکرین رہے ہو۔ اور آیندہ انسانیت کیلئے تم ایک اچھے معلم ثابت ہو گے"۔

پھر آگاہ کیا جا رہا ہے کہ :۔ "یہ دستور تمہاری مادری زبان مین اسلئے بھیجا جا رہا ہے کہ تم اسکے مطالب پر آسانی سے غور و فکر کر سکو۔ چونکہ تم اُمّی ہو۔ اسلئے اللہ نے اس دستور کو بہت آسان۔ عام فہم۔ غیر مبہم الفاظ مین نازل کیا ہے۔ بشرطیکہ تم باپ دادا کے مذہبی غلامی سے آزادی حاصل کرکے اسکو سوجھ بوجھ سے سُنو۔ پڑھو۔ تو ہر بات تمہارے سمجھ مین آسانی سے آجائیگی۔ البتہ تقلید کی غلامی مین جو لوگ اندھے۔ اور بہرے بنے ہوئے ہین اُنکے لئے تو اسکی ہر بات ناقابلِ فہم اور ناقابلِ عمل نظر آئیگی"۔[1]

قرآن کی اس کامیاب تعلیم کا ثبوت نہ صرف تاریخ کے صفحات دیرہے ہین بلکہ آج بھی عینی شہادت ہر صاحب نظر کے سامنے ہے۔ کہ عرب کے اُمّی جب اپنے سیدھے سادھے فہم سے معجز قرآن کو سمجھے تو دوسرون کو بھی دو اور دو چار کی طرح سمجھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ سال کی مدت مین یعنی ۲۳ھ تک (۳۶) ہزار شہر فتح کر لئے جس کا رقبہ (۲۲) لاکھ میل تھا۔ اور کروڑ ورکروڑ انسانون کو انسانیت کا علمبردار بنا دیا۔ قابلِ تعجب تو یہ بات تھی کہ جو قومین مہذب و شایستہ کہلاتی تھین انکو بھی درسِ انسانیت دیا گیا۔ اس طرح ربع صدی کے اندر ہی اندر ہر سہ بر اعظمون مین قرآن ازم کی تعلیم پھیل گئی۔ لیکن آج ہمارے اسلاف کے کارنامے اپنے نام لیوا اون کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہین کہ :۔

ما زِ قرآن مغز را بر داشتیم　　　استخوان پیشِ سگان انداختیم

تراجم قرآن

ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان مین تو آسان ہے لیکن ترجمہ کے ذریعہ کسی مصنف یا مولف یا خطیب کے مدعا کا اصلی مفہوم قطعاً واضح نہین ہو سکتا۔ خصوصاً جب کسی مقدس کتاب اللہ کا ترجمہ دوسری زبان مین کیا جاتا ہے تو تحت اللفظی ترجمہ کا لزوم اسلئے عاید ہوا کرتا ہے کہ لغوی معنے کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو تحریف کلامِ مقدس باعثِ گناہ ہوگا۔

لیکن ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو قرآن حکیم کا یہ دعوے کہ دیگر مقدس کتابون کا مفہوم بزبان عربی مبین اہلِ عرب کے غور و فکر کے لئے بذریعۂ وحی نازل ہو رہا ہے۔ تو اسکے معنے یہ ہی تھے کہ جو مقدس کتابین بزبان عبرانی۔ سریانی۔ حمیری۔ مصری۔ سنسکرت وغیرہ ہر قوم کے انبیاءؑ و مرسلینؑ پر نازل ہوئی تھین ان سب کا مفہوم زبانِ عرب کے محاورون اور استعارات مین بذریعۂ خطاب بزبانِ رسول عربی صلعم نازل ہو رہا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس حقیقت کو اس طرح واضح کر رہا ہے کہ :۔

"اگر اللہ عجمی (یعنی دوسری قوم کی) زبان مین وحی نازل کرتا تو قوم عرب کے مخاطبین کہتے کہ "ہماری زبان تو عربی اور یہ قرآن جو ہماری نصیحت کے لئے نازل ہو رہا ہے وہ عجمی زبان مین۔ یہ کیسی عجیب بات ہے"

اس واضح آیت کی موجودگی مین۔ کیا دوسری قومون کو یہ کہنے کا حق نہین کہ ہماری زبان تو انگریزی یا اُردو یا

---

[1] مذکور الصدر مفہوم کے حوالون کیلئے سورۂ جمعہ رکوع (۱) سورۂ انفال رکوع (۳) سورۂ البقرہ رکوع (۳ و ۲۱) اور آلِ عمران رکوع (۱۲ و ۲۴) اعراف رکوع (۱) یونس رکوع (۳) رعد رکوع (۱) نمل رکوع (۹) جاثیہ رکوع (۲) نحل رکوع (۲) انعام رکوع (۵) زمر رکوع (۵) کا مطالعہ فکر و نظر سے کیا جائے۔

تلنگی۔ یا بنگالی وغیرہ وغیرہ اور قرآن عربی زبان میں ـــ یہ کیسی بات ہے ـــ؟

یہ ظاہر ہے کہ جب ایک قوم کا عذر زبان کے متعلق حق سمجھا گیا ہو تو دوسری قوموں کے لئے بھی وہ عذر قابلِ تسلیم ہوگا ـــ پس معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو۔ الفاظ۔ اصوات سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ اسکا مقصد ہر قوم کی زبان میں اسی زبان کے محاورات روزمرہ۔ اور عام فہم الفاظ میں قوم کو دعوتِ غور و فکر دیکر انکی اصلاح مقصود ہوا کرتی ہے ـــ قرآن حکیم کے اسوقت تک جس قدر ترجمے ہوئے ہیں وہ سب تحت اللفظی ہیں۔ "بجز ترجمان القرآن" علامہ ابوالکلام آزاد کے[1] ترجمان القرآن میں علامہ آزاد نے تحت اللفظی ترجمہ کے بجائے منشاءِ آیت کی ترجمانی کی ہے۔

چونکہ قرآن حکیم کے ترجمے یا ترجمانی یا تفہیمات جو کچھ شایع ہوئے ہیں وہ سلسلہ نزولِ وحی سے نہ ہونے کی وجہ مفہومِ وحی کیلئے محتاجِ تفاسیر ہیں۔ اسلئے میں نے نزولِ وحی کے لحاظ سے اپنے فکر و فہم قرآنی کو واضح اور عام فہم الفاظ میں بزبان اُردو میں لکھا ہے[2] تاکہ متلاشیانِ فہمِ قرآنی کو دعوتِ غور و فکر دیجائے ـــ البتہ میرے مفہوم کو پڑھنے سے پہلے یا بعد ترجمہ تحت اللفظی کا مطالعہ کرلیا جائے تو مزید غور و فکر کیلئے ایک وسیع میدان سامنے ہوگا۔ و نیز یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ میرا فکر و فہم کس حد تک وحیِ الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے ـــ اس طرح ہر شخص اپنے فکر و فہم کے لحاظ سے قرآنی آیات کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اور بحدِ فکر و فہم وہ قابلِ مواخذہ ہے نہ کہ اس سے زاید۔

---

[1] ۱۹۵۵ء میں "تفہیم القرآن"۔ علامہ ابوالاعلیٰ مودودی۔ کا جو شایع ہوا ہے وہ وحیِ الٰہی قرآنی (جو بزبانِ عربی مبین ہے) کا مفہوم بزبان اُردو مبین کا حامل ہے۔

[2] اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں کی اصلاح کیلئے جس ترتیب سے وحی نازل کیا۔ اور آنحضرت صلعم نے اس پر جسطرح عمل فرمایا یہ سنت اللہ اور سنتِ رسولؐ بلاشک و شبہ قرار پاتا ہے ـــ پس ان ہر دو سنتوں یعنی طریقوں پر چلنا ہی اُمتِ محمدی کا فرض ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ تعلیم قرآن حکیم کو اُمت نے یکسر بھلا دیا ہو ـــ اور نزولِ قرآن حکیم کے زمانہ کے مخاطبین کیطرح وہ باپ دادا کے تقلید جامد کی تاریکی میں گھر گئی ہو ـــ تو اسکے لئے سوائے اسکے چارہ نہیں کہ وہ ابجد خوانی ہی سے آغازِ نصاب کرکے اپنے بھولے ہوئے سبق کی یاد تازہ کرے ـــ اور عملی دُنیا میں مثل اپنے اسلاف کے حیاتِ جاوید حاصل کرسکے۔

آج ہماری مثال بالکل اُس شخص کے مانند ہے جو ابجد خوانی کے بغیر مولوی فاضل۔ یا بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے اُن درجوں کے نصابی کتاب کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو ـــ ظاہر ہے کہ وہ طوطے کی طرح اسکو رٹ لے گا۔ اور حافظ بن جائیگا ـــ لیکن مقصدِ علم سے وہ تہی دامن رہیگا۔

پس اسی اصول کے تحت وحی الٰہی ہر قوم کی اصلاح کے لئے اپنے نصاب کو بتدریج مرتب کرکے اعلان کرتی رہی ہے۔ چنانچہ مخاطبینِ وحی نے مکمل قرآن حکیم کے دفعتہً واحد میں نازل نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو یہی جواب ملا کہ "اصلاحِ قوم کیلئے بلحاظ حالات و ضرورت۔ وقتاً فوقتاً قرآن کا نزول سنت اللہ ہے ـــ اس حقیقت کو نہ ماننے والے بے عقل و ناسمجھ ہیں ـــ"

لیکن ہم نے ابجد خوانی کو غیر ضروری سمجھ کر آخیری نصاب کو رٹ لینا ہی اپنا فرض سمجھا جسکا نتیجہ کمثل الحمار بنکر رہگئے۔ پس میرے اس ترتیب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر آیت آسانی سے دو اور دو چار کی طرح فہم انسانی میں جاگزین ہو جائیگی۔ اور شاذ و نادر ہی کسی تفسیر سے مدد لینے کی ضرورت ہوگی۔

امی اصحاب رسولؐ کے جانشین کون ہو سکتے ہیں۔؟

کیا یہ بات کسی کیلئے بھی قابلِ انکار ہو سکتی ہے کہ عالم کا جانشین عالم ہی ہوگا اور حکیم کا جانشین حکیم ہی ہو سکتا ہے اور اُمی اصحاب کے جانشین اُمی ہی ہو سکتے ہیں۔ نکہ اسکی ضد۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ علماء و مشائخین۔ اور فارغ التحصیل طبقہ اپنے کو انکا جانشین قرار دیتا ہے۔ اور ہم بھی اندھے بنے ہوئے علماء سو کی رہبری کو تسلیم کرتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس دور میں غیر فارغ التحصیل ہی اُن انصارؓ اور مہاجرؓ کے حقیقی جانشین بن سکتے ہیں۔ جنھوں نے بلا صرف اور نحو۔ اور بغیر کسی تفسیر و تشریح کے آیات اللہ میں غور و فکر کرتے ہوئے قرآن اعظم کو دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ بشرطیکہ اُنکی طرح آزادیِ فکر کے بھی حامل ہو کر تقلید کی سنہری زنجیروں کو توڑ دیں۔

برخلاف اُن خود غرض پیشوایانِ مذہب کے۔ جن کو قرآن احبار۔ رہبان کہتا ہے جنھوں نے اپنی مقدس کتابوں کی بوٹیاں کر کے اپنے پیروؤں کو فہم وحی الٰہی سے محروم رکھا تھا۔ اور اپنی اجارہ داری منواتے رہے۔ اور نہ صرف خود چند درہم و دینار۔ اور روپیہ و نوٹوں۔ عزت و جاہ و جلال کیلئے بکے۔ بلکہ اللہ کی آیتوں کو بھی چند پیسوں پر بیچ ڈالا تھا۔ پس آج بھی وہی وطیرہ حاملین قرآن کے پیشوایانِ مذہب نے اختیار کر لیا۔ جس کا ثبوت یہ اُمت واحدہ زاید از چارسو فرقوں میں بٹ گئی۔

اگر کوئی ان فرقوں کے اختلافات کا تجزیہ کرے تو بہت آسانی سے مدعیانِ فہم قرآنی کی۔ نا فہمیِ قرآن کا ثبوت مل جائیگا۔ خصوصاً دین اکمل کے دعوے کے بعد۔ اور خاتم النبیینؐ کے ایمان کی موجودگی میں۔ جب اللہ! و رسول عربیؐ صلعم اور قرآنِ حکیم ہی ہر فرقہ کیلئے بنیاد ہے تو پھر ہر فرقہ کے علیحدہ علیحدہ فقہہ کے کیا معنے ہو سکتے ہیں۔[1]

تفاسیرِ قرآنی

جب اصل منشاء و مفہوم آیات اللہ کے حاملین۔ یعنی اصحابؓ رسولؐ اس دُنیا سے رخصت ہوگئے تو آنے والی نسلوں نے صرف و نحو۔ علمِ کلام۔ علمِ لغت۔ فلسفہ و منطق پر بِنا الفاظ وحی الٰہی کو دیکھنا۔ اور دیکھانا شروع کیا۔ اور اسکی اصلی روح کو نظر انداز کر کے جسمِ الفاظ کا پوسٹ مارٹم شروع کر دیا۔ پھر اپنے علم و فضل کا مظاہرہ اور زورِ کلام و قوتِ خطاب کو کام میں لا کر ایک ایک حرف کو لیکر بال کی کھال نکالنے لگے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل منشاء وحی کا مفہوم پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا چلا گیا۔ جسکی وجہ فکر انسانی اصلی مفہوم وحی معلوم کرنے سے معذور و مجبور ہو گیا۔ خصوصاً شخصیت پرستی اور عقیدت مندی کی تقلیدِ جامد نے قرآن حکیم کو ناقابلِ فکر و فہم ہونے (عوام تو عوام خواص کیلئے بھی) کا فتوٰی صادر کر دیا۔

میرے اس بیان کی تائید "فوز الکبیر" مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سے ہوتی ہے کہ۔ جس میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

"بال کی کھال نکالنے والے مفسرین نے قرآن کے محکم آیات کو متشابہ بلکہ مجہول بنا دیا ہے۔"

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ علمِ کلام اور فلسفہ و منطق پر عبور حاصل کر کے اسکا مظاہرہ اور دادِ سخن حاصل کرنیکا ایک فطری جذبۂ انسانی تھا۔ جسکا نتیجہ اندرون تیسری صدی ہجری ہی میں اُمت محمدی بیسیوں فرقوں میں بٹ گئی۔

جن مفسرین نے انتہائی نیک نیتی سے اپنے زمانہ کے ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا وہ اس زمانہ کے

---

[1] ۔ اگر اختلافات اُمتِ محمدی کے اسباب و علل معلوم کرنا ہو تو شاہ ولی اللہ کی تصانیف خصوصاً "فوز الکبیر" و نیز بزبان اُردو اختلافی مسایل میں اعتدال کی راہ۔ اور تجدید و احیائے دین کے مختصر رسایل کا مطالعہ غور و فکر سے کیجیئے۔

حالات کے لحاظ سے بلاشبہ حق ہوگا۔ لیکن شخصیت و تقدس نے آنیوالی نسلون کیلئے اُسکو حرفِ آخر قرار دید یا۔ جسکے بعد تقلید کی واجبیت کا فتویٰ ایمہ و مجتہدین و مفسرین پر ایمان لانے کا ایک عقیدۂ محکم بن گیا۔ پھر تو تفکر و فہم قرآن حکیم کے دروازہ بند ہو گئے ۔۔۔ ہر عالم اپنے زمانہ مین متقدمین کے اقوال کی نقل کرکے اپنے فرضِ دینی اور حصول ثوابِ آخرت پر ایمان لے آیا۔ اور اپنے علم و فضل کی روشنی مین اپنے زمانہ کے ماحول مین اجتہاد کرنے کو وہ گناہ سمجھنے لگا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز نے آج سے دو سو سال پہلے اس صورتِ حال پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"اُس زمانہ کے لوگون کا حال یہ ہے کہ ان سے علم بصیرت کی امانتین نکل چکی ہین۔ حتیٰ کہ اب امورِ دین مین غور و فکر اور تدبر کو مٹا کر وہ اطمینان کا سانس لے رہے ہین! اور علانیہ کہتے ہین کہ :- "انا وجدنا آباءنا"

آپ جب کبھی آیات اللہ کے تاویلات و توضیحات و تشریحات کے متعلق کسی تفسیر مین غور کرینگے تو واضح ہوگا کہ جسطرح ایک ادیب یا شاعر۔ یا سیاس جسکی شخصیت بلند و بالا ہو۔ کوئی کلام اپنی زبان سے نکالتا ہے۔ تو متکلم کے مفہوم کو مخاطبین آسانی سے سمجھ جاتے ہین۔ لیکن جب وہ کلام۔ الفاظ اور جملون کی صورت مین کاغذ پر نمایان ہوتا ہے تو ہر فن کے صاحبانِ علم و فضل اپنے فکرِ رسا کا مظاہرہ کرکے دادِ سخن حاصل کرنے بات کا بتنگڑ بنا کر اس مین موشگافیان شروع کر دیتے ہین۔ درآن حالیکہ متکلم کے کسی گوشۂ ذہن مین کبھی وہ باریکیان نہین ہوتین۔ چنانچہ اس حقیقت کا ثبوت شعراء کے کلام مین اور لیڈرون کے سیاسی تقاریر مین ہر روز اخبارات و رسایل کے ذریعہ آپکے پیش نظر رہتا ہے۔

چونکہ فطرتِ انسانی اپنے فکرِ رسا۔ اور علم و فضل کے مظاہرہ کیلئے داد خواہی کی متمنی رہا کرتی ہے۔ اسلئے وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے کلام مین اپنی جولانیِ طبع کو عوام کے سامنے پیش کرکے دادِ سخن حاصل کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا جب وہ اللہ کے کلام مین غور و فکر کرتی ہے تو فطرت کے یہ جذبات زیادہ نمایان ہونے لگتے ہین۔ چنانچہ علماء اُمتِ محمدی نے جب کبھی اپنے قلم کو متحرک کیا تو اپنے علم کلام کے زور پر علم فلسفہ و منطق ہند۔ یونان اور بابل کی روشنی مین بنی اسرائیل کے روایات کا سہارا لیکر ایسا رنگ چڑھا یا کہ کتاب اللہ۔ کتاب مبین کے بجائے۔ کتابِ مُبہم اور نا قابلِ فکر و فہم انسانی بنکر رہگئی۔

پھر یہ بھی ہوا کہ جب قرآنِ حکیم کی تعلیم کے اعلیٰ مقصد اور اسکی بلندیون تک متاخرین اپنے چنگ و رباب کے زمانہ مین پہونچنے کے قابل نہ رہے تو کتاب اللہ کے آیات کو انھون نے اپنے رنگ مین رنگ لیا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ :-

"جن لوگون کو اللہ کی آیتین ملی ہین وہ انکی حقیقت کو چھوڑ کر گمراہ ہو جاتے ہین۔ اللہ کا مقصد تو ان نصیحتون سے انسانیت کا مرتبہ بلند کرنا ہوتا ہے لیکن حاملینِ کتاب اللہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے تحت اپنی خود غرضیون پستی کی طرف چل پڑتے ہین۔ انکی مثال تو کتون کی سی ہے۔ کہ وہ ہر حالت مین زبان نکالے ہی رہتے ہین۔ پس یہ مثال ہے انکی جو جھٹلاتے ہین[1] کتابِ مقدس کی آیتون کو" لہٰذا اس مثال کو سامنے رکھ کر صاحبانِ فکر و غور نتایج اخذ کر سکتے ہین۔ (سورۂ فرقان۔ آیت ۳۰۔ اور سورۂ اعراف رکوع ۲۳)۔

---

[1] ۔ قرآن حکیم مین آیات اللہ کو جھٹلانے والون کے لئے سخت وعیدین ہین۔ اسلئے آیات اللہ کے جھٹلانے کی حقیقت سب سے پہلے پیش نظر ہونا چاہیئے۔ یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ کوئی صاحبِ کتاب اپنی کتاب کے کسی مشکوک آیت۔ یا جملے کے متعلق یہ نہین کہتا کہ یہ جھوٹ ہے۔ بلکہ جب کوئی اپنی مقدس کتاب کا کوئی جملہ سُنتا ہے تو وہ سرِ تسلیم خم کر لیتا ہے۔ کبھی کسی حاملِ کتاب کی زبان سے یہ الفاظ نہین نکل سکتے کہ :- "کتابِ مقدس کی یہ آیت جھوٹی ہے"۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کا مقصد۔ مفہوم۔ تفسیر۔ تشریح۔ توضیح فلان نے اس طرح کی ہے۔ لہٰذا مین اسکو مانتا ہون۔ دوسرون کے تفسیر و تشریح کو (باقی صفحہ ۱۸ پر)

سلسلۂ نزولِ وحی کے لحاظ سے مطالعۂ قرآن حکیم کی ضرورت

جس طرح ابتدائی صفحات میں میرا فکر و فہم واضح ہو چکا ہے اُسکے پیشِ نظر مکی اور مدنی وحیوں کا مطالعہ بلحاظ سلسلۂ نزول کیا جائے تو مفہوم بہت جلد حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ مخاطبینِ وحی کے تصورات، اور ماحول، عقاید جب آپکے سامنے ہونگے تو بلا کسی تفسیر کے ہر وحی کا مفہوم آسانی سے آپکے ذہن نشین ہوتا چلا جائیگا۔ اور آپ معلوم کرینگے کہ معلم قرآن صلعم نے اپنے معتقدین کو کسطرح زینہ بزینہ پستی سے بلندی کی طرف بڑھایا۔ پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ جب ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالینگے تو حقیقت واضح ہوتی چلی جائیگی۔ اور قرآن حکیم کی روشنی میں اپنی سنوار آسان سے اسان تر ہو جائیگی۔

میرے اس بیان کی تصدیق ہر شخص کو "میرا فکر و فہمِ قرآنی" کے چند صفحات کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔ کہ کس طرح وحیِ الٰہی بلحاظ سلسلۂ نزول قلبِ سلیم کی تشنگی کو بہ آسانی آبِ حیات سے فیض پہونچاتی ہے۔ اور تمام عقایدِ باطلہ و روایاتِ بے سند ہی معتقداتِ ظنی کو ہٹا کر نورِ ہدایت سے آپکے فکر و فہم کو منور کر دیتی ہے۔ اسطرح نقوشِ قدم معلم قرآن حکیم صلعم آپ کی نظروں کے سامنے نمایاں ہوتے جائینگے۔

میں جب تقلیدِ جامد کا منکر ہوں تو کس طرح دوسروں کیلئے میرے فکر اور ترتیبِ نزول کو ماننے اصرار کر سکتا ہوں۔ اسی لئے میں نے جملہ محققین نزولِ وحیِ قرآنی کا ایک نقشہ اسمواری مرتب کر دیا ہے۔ لہٰذا ہر صاحب فکر آزادی جس تحقیق کو وہ پسند کرے اسی کے سلسلۂ نزول کے لحاظ سے مطالعہ کرتے ہوئے فکر و فہم حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مفسرین کے حاشیہ سے اپنے فکر کو متاثر نہ کرے۔ البتہ اپنے فکر سے وحیِ الٰہی کا فہم حاصل کر لینے کے بعد اگر وہ حاشیہ پر سرسری نظر ڈالتا ہے تو کوئی مضایقہ نہیں۔ اسلئے کہ اگر اسکا فہم حاشیہ ہی کے موافق ہو تو اسکے لئے باعثِ مسرت ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) نہیں مانتا۔ بس اسکو جھٹلاتا ہے۔ جب تقلیدِ جامد میں جب کوئی قوم یا فرد گرفتار ہو کر آزادیٔ فکر کو کھو بیٹھتا ہے تو اسکے سامنے واضح حقیقت عام فہم بات عین الیقین کے مشاہدات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ وہ اپنے باپ دادا اور اپنے پیشوایانِ مذہب کے بتلائے ہوئے اصولوں ہی پر جما رہتا ہے۔ اور حقیقت کو جھٹلاتا ہے۔ چونکہ قرآن کھلی کھلی نشانیوں۔ اور واضح مثالوں حقیقت آشکار نصیحتوں کے ذریعہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔ تو اس پر غور و فکر کرنے کے بجائے تقلیدِ جامد کی وجہ اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ اسی کو قرآن حکیم آیات اللہ کو جھٹلانا کہتا ہے۔ چنانچہ آج اُمتِ محمدی کے ہر فرقہ کا یہی وطیرہ بلکہ نصب العین ہے کہ وہ قرآن کے آیاتِ بینات کے مقابل دوسروں کے اجتہاد۔ فکر۔ اور تفسیر و تشریح کو ترجیح دیتے ہوئے صاف کہہ دیتی ہے کہ آیاتِ مبین۔ آیاتِ محکم کا مفہوم جو فکرِ انسانی میں آسانی سے آسکتا ہے اسکو میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ بلکہ میرے بانیٔ فرقہ کی توضیح و تشریح حق ہے۔

ایک اور بات ذہن میں رکھئے کہ جب اُمتِ محمدی عروج سے زوال کی طرف اپنے ضعفِ عمل و کردار کی وجہ گرنے لگی تو وہ قرآن حکیم کی ملت و بالا تعلیم سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی تھی اسلئے [illegible] قرآن حکیم کی تعلیم کو اپنی پستی سے پست تر منزل سے لاگو کرنے کی کوشش کی یہ کوشش [illegible] ہر قوم جب فتوحات [illegible] چنگ و رباب ہی کا مشغلہ باقی رہتا ہے [illegible] ایثار و قربانی۔ اور عمل پیہم کی کشمکش [illegible] قایم رکھ کر عوام کو اپنا غلام بنانے کی [illegible] انکی قوتِ فکریہ کو سلب کر لیتی ہے [illegible] کا باعث بنا ہوا ہے۔

اگر خلاف ہو تو اپنے فکر اور معشر کے فکر کا اختلاف اسکو مزید فکر و غور کے داعی ہونگے۔ جسکے بعد میرا یقین ہے کہ اسکے پہلے فکر و فہم کی تائید میں قرآن حکیم کی دوسری آیت اسکے قلب سلیم کو مطمئن کر دینے والی ثابت ہوگی۔

مجھکو اس مخصوص میں ناظرین و ناظرات کے فکر و نظر کو مسحور کرنے کیلئے قلم کی روانی بتلانا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت کو پیش کر دینا ہے کہ فہم قرآن حکیم کے ذوقِ سلیم نے عرب اُمیّون کو کس طرح صرف (۱۳) سالہ مدت میں سنوار دیا۔ جسکے بعد مخاطبینِ وحی۔ اللہ کے شاگردِ رشید اُمّی رسولؐ کے زیرِ تربیت کیسے اچھے رسولؐ کے شاگردانِ رشید بنکر حکومتِ الٰہیہ یعنی عرشِ الٰہی کے حامل بن گئے۔ جس کا ثبوت آج چودہ سو سال کے بعد بھی اس ذاتِ مقدس کو امن و سلامتی کا معلم تسلیم کرنے اپنے نہیں بلکہ پرائے مجبور ہو رہے ہیں[ل]؎۔

"دیکھے نہ پڑھے جناب والاؐ　　شاگردِ رشید حق تعالیٰ"

اگر آپ کے قلب میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر فہم قرآن کا فقدان کب سے اور کیونکر ہوا تو اسکے لئے آپکو اس حقیقت کیطرف متوجہ ہونا پڑے گا کہ جب صاحبانِ فہم قرآن حکیم کے جانشین آزادیٔ فکر کو چھوڑ کر تقلید کی غلامی میں داخل ہوگئے تو مثل دیگر اُممِ سابقہ کے انھوں نے بھی اپنی مقدس کتاب کو صنم کدہ کا ایک ہتھیار بنا کر اسکی تعظیم و تکریم کا منشاء بلا کسی فکر و فہم کے اسکورٹ لینا۔ یا چوم لینا۔ باعثِ سعادت دارین اور عین ثواب دُنیا و دین کا عقیدہ بنا لیا اور مکذبینِ وحی کے وارث و قایم مقام بن بیٹھے۔ جس کا فیصلہ قرآن حکیم کے امر منفصلہ کی روشنی میں قانونِ قدرت سے نافذ ہو رہا ہے۔ چنانچہ خلافتِ زمین سے نکال کر ذلت و مسکنت کے عذاب میں ان کو ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن حاملینِ قرآن خوش ہیں کہ ان کے قافلہ سالاروں کی رہنمائی میں وہ آخرت کی دائمی حیات میں راحت و آرام کے حقدار ہونگے:—

"کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل　　جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پا نہ سکے"

میں نے جب کبھی کسی اُمت کے مغضوب اور ضالین ہونے کی بنیادوں پر قرآن حکیم میں فکر کیا تو میری سمجھ میں ایک ہی بنیادی وجہ آئی— کہ — جس قوم یا اُمت نے قانونِ مکافات کو چھوڑ کر۔ شفاعت۔ اور کفارہ کے بھروسہ عملِ صالح۔ کردار سازی۔ اور کوششِ پیہم سے دُوری اختیار کی۔ اور اپنے پیشوایانِ مذہب کے فلک سیر جنت کے تصور میں :— انا خیرٌ منھم" کا نعرہ لگا کر بے عمل۔ عیش پسند۔ کام چور بنکر عبادت کی روح کو فنا کر کے جسمِ مُردہ کو لئے لئے خدا کی خوشنودی کا گھمنڈ پیدا کر لیا۔ تو پھر قانونِ قدرت نے اُسکے لئے عذابِ غلامی۔ ذلت اور مسکنت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اور وہ "خیر الامم" سے "بدترین اُمت" بن گئی۔

میرے اس فکر و فہمِ قرآنی کا ثبوت ہر صاحبِ غور و فکر آیاتِ قرآن حکیم ہی سے حاصل کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ "میرا فکر و فہمِ قرآنی" کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارا ہو کر رہے گی کہ نزولِ وحی کے وقت مکذبین کے جو عقاید ایمانیات۔ ظنی و ذہنی تصورات تھے ان کا عکس آج اُمتِ محمدی کے ہر فرقہ میں نمایاں ہے اور مصدقینِ وحی الٰہی کے

ل۔ یوں تو اکثر بے تعصب غیر مسلموں نے محمد عربی صلعم کو معلمِ انسانیت ہونے کا اقرار کیا ہے۔ لیکن آزادیٔ ہند کے علمبردار مہاتما گاندھی جی کا تصور بھی اس خصوص میں قابلِ قدر ہے— عبدالماجد صاحب ایڈیٹر "صدق" نے مہاتما جی سے سوال کیا۔ کہ "آپ کا خیال توحیدِ باری تعالیٰ کے متعلق کیا ہے؟"— جواب ملا کہ :— "میں ذاتِ واحد کی توحید کا قایل ہوں! اور ایمانِ کامل رکھتا ہوں!"— پھر سوال کیا گیا کہ :— "محمد عربی صلعم کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟" جواب ملا کہ "میرا عقیدہ محمد عربی صلعم کے متعلق یہ ہے کہ وہ دُنیائے انسانیت کے ایک معلم تھے!" (اخبار "صدق" ۲۰؍ فروری ۱۹۴۸ء)۔

عکس سے ہمارے قلوب خالی ہیں[1]۔

پس آج ہر حامل قرآن جو تھوڑا بہت بھی لکھا پڑھا اور صاحبِ فہم ہو۔ خود قرآن حکیم میں تفکر کرکے فہم حاصل کرے کہ اسکے رہبر تیرہ سو سال سے جس منزلِ مقصود کی رہنمائی کر رہے ہیں ۔ کیا وہ فی الحقیقت قرآن حکیم ہی کی، راہِ مستقیم ہے ۔ یا شاہراہِ ضلالت ۔ کیا اُمتِ محمدی کے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ جو ہر قسم کی دماغی صلاحیتوں کی نعمتِ الٰہی سے سرفراز ہیں فکر و فہم کی نعمتِ عظمیٰ کو حاصل کرنا نہیں چاہتے ۔۔۔ ؟

انسان جب غلامی میں پُشت ہا پُشت گذار دیتا ہے ۔ تو اسکو غلامی کی زندگی ہی مرغوب و محبوب معلوم ہونے لگتی ہے ۔ آزادی کی فضاؤں میں وہ قدم رکھتے گھبراتا ہے ۔ جس کا ثبوت آپ کو بنی اسرائیل کی دو سو سالہ مصر کی غلامی سے مل سکتا ہے ۔ اور خود ہم کو ہندوستان کی آزادی کے متعلق غور و فکر کے نتائج سے حاصل ہوسکتا ہے ۔ چونکہ آزادی کے بعد اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریاں عملِ پیہم ۔ اور کردارِ صالح ۔ پھر ایثار و قربانی کے فرائض عاید ہو جاتے ہیں ۔ جو بحالتِ غلامی نہیں ہوتے ۔ اسی لئے اگر حاملینِ قرآن قرآنِ حکیم میں مثل قرنِ اولی کے غور و فکر سے کام لیں تو انکے لئے سوائے عمل اور جان گسل عمل کے نجات اور جنت کی دایمی مسرتوں کا امکان ہی نظر نہیں آتا ۔ تو پھر کس طرح اپنے پیشوایانِ مذہب کے ظنی و ذہنی عقاید کو چھوڑ کر مصدقین اور حزب اللہ کے مسلمانوں کی طرح جو اپنی جان ۔ مال ۔ اولاد ۔ راحت اور آرام کو جنت کے بدلے میں دیکر جو کچھ انھوں نے حاصل کیا تھا اسکے لئے تیار ہوسکتے ہیں ۔ اسکے برخلاف مسجدوں ۔ خانقاہوں اور تاریک حجروں میں بیٹھ کر اپنے وظیفوں ۔ تسبیحوں اور تلاوتِ آیات اللہ کا ورد کرتے ہوئے وہ سب کچھ حاصل کر رہے ہیں جو قرنِ اولی کے حاملینِ قرآن اور مصدقین کو بھی نصیب نہ ہوا تھا (یعنی دُنیا ہی میں قربِ الٰہی اور دیدارِ الٰہی جو ہم کو ہو رہا ہے) اس طرح ہم اپنے ایمان اور ایقان کی روشنی میں آخرت کے دایمی انعاماتِ الٰہی کے تصور میں مست و مدہوش ہیں ۔۔۔ برخلاف اسکے اگر ہم آزادیِ فکر سے فہمِ قرآنی حاصل کرنا چاہیں تو لازماً ہمکو سابقون الاولون کیطرح مصائب کا شکار ہونا پڑے گا ۔ فاقوں پر فاقے کرنا ہوگا ۔ جلتی اور تپتی ریت پر اور دریاؤں کے بہتے دھاروں میں اپنی جانوں کی بازی لگانی ہوگی ۔ بیوی بچوں ۔ گھر بار ۔ عزیز و اقارب سب کو چھوڑ کر جیلوں میں جانا ہوگا ۔ اور میدانوں میں بے سر و سامان سفر کرنا ہوگا ۔ جب کہیں دُنیا اور دین کے انعامات خصوصاً خلافتِ زمین اور زمین کے خزانوں پر ہمارا حق ہوگا ۔ تو بھلا کون ایسا ہوشمند ہوگا جو پیری ۔ اور مریدی کے آسان طریقوں سے دایمی جنت ۔ حور ۔ غلمان ۔ اور جملہ عیش و عشرت کے انعامات کو چھوڑ کر امید و بیم کی حالت میں ان مصائب کو

---

[1] ۔ یاد رکھئے کہ نزولِ وحی کے وقت مکذبین وحی توحیدِ الٰہی کے اُسی طرح قایل تھے جیسے آج اُمتِ محمدی کے فی ہزار (۹۹۹) مسلمان قایل ہیں ۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ خالقِ کائنات اور رزاقِ حقیقی تو وہ ایک ذاتِ واحد ہی کو سمجھتے تھے ۔ شاہ ولی اللہ نے "الفوز الکبیر" کے صفحہ (۵) پر لکھا ہے کہ: "نزولِ قرآن کے وقت مشرکین عرب عظیم الشان امور اور جواہر کی تخلیق میں خدا کو کسی کا محتاج نہیں سمجھتے تھے البتہ غیر اللہ (یعنی انبیاؑ و مرسلینؑ اور اولیاء اللہ) کے غصہ اور مہربانی کے قایل تھے جنکو خدا اور بندوں کے درمیان شفیع مجاز ۔ اور مختار کل مانتے تھے اور انکو خدا کی مرضی اور منشا میں دخیل اور مختار یقین رکھکر انکی روحانیت کو معبود بنائے ہوئے تھے"۔۔۔ اسکے بعد تو مسلمانوں کی بے معنیٰ توحید بھی مثل مکذبین کے سمجھی جاسکتی ہے ۔۔۔

جمیل کرداریں کے انعامات حاصل کرنے کی توقع کرے ۔۔۔؟

ذہنی غلامی

عمل کی تابناک زندگی تعلیم قرآن کے مقابل سب سے پہلے حیلۂ شرعی کا اس طرح کلوروفارم ہم کو دیا گیا کہ "فہم قرآن عوام حاصل نہیں کرسکتے" ۔۔۔ عوام میں صاحبانِ علم و فضل بھی رفتہ رفتہ داخل ہوگئے ۔۔۔ یہاں تک کہ ایک جامعہ ازہر کے اعلےٰ ڈگری یافتہ کو بھی ظنی و ذہنی عقاید آبائی کے خلاف حقیقی آیاتِ قرآنی عقل و خرد کو اپیل کرنیکے بعد بھی اُس کے اظہار کی جراءت نہیں ہوتی ۔۔۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے ۔۔۔ اور لطفِ خاص یہ ہے کہ ہمارا صرفی ۔۔۔ و نحوی عالم بلکہ وہ مسند نشین خلافت بھی جو ایک لفظ عربی کے معنی و مفہوم کو نہیں جانتا ۔ زمین اور آسمان کے قلابے من مانے طور پر ملاتا ہے ۔ جسکے مقابل ایک ماہر علم فلکیات ۔ ایک ماہر علمِ ارضی ۔ ایک ماہر سائنٹسٹ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا ۔ کیوں ؟ ۔۔۔ اسلیئے کہ ہماری گھٹی میں یہ ایمان اور عقیدہ پڑا ہوا ہے کہ ہمارے راویانِ معتبر جو کچھ لکھ گئے ہیں وہ حرفِ آخر ہے ۔ وہی منشاء قرآنی اور حقیقت کائنات ہے خواہ وہ فلسفہ ہند ۔ اور یونان ۔۔۔ یا روایات بے سندی بنی اسرائیل ہی سے اپنے زمانہ کے ماحول کے نظریات میں کیوں لکھا گیا ہو پھر وہ قدیم ماخذ آج کیوں نہ بدل چکے ہوں ۔۔۔

غور کیجیئے کہ عالم فلکیات کے موجودہ نظریہ کو کہ تم جس نیلگوں فضاء میں ٹکے ہوئے شمس و قمر اور ان باریک جھلملاتے تاروں کو جو محض اس مقصد کے تحت خالق اکبر کی تخلیق کا منشاء سمجھتے ہو کہ ۔۔۔ وہ تمہاری نظروں کی زینت یا سفر کی رہنمائی کے سوائے کچھ نہیں[۱]۔ خداوند تعالیٰ کی تخلیقِ اعظم کو ثابت کر رہا ہے کہ اُس خالقِ اکبر کی شان کی عظمت کا اندازہ اس ایک بات ہی سے کرلو کہ جس زمین پر تم رہتے ہو وہ اس خلاء میں ایک پہاڑ کے مقابل رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ۔۔۔ اور جسکو تم جھلملاتے تارے کہتے ہو وہ تمہاری زمین سے کروڑ در کروڑ درجے بڑے ہیں ۔۔۔ اس تحقیق عالمانہ کو سنکر ہمارا حاملِ قرآن اس نظریہ کو بیان کرنیوالے کیلیئے بجز کفر و الحاد کے فتوے سے نوازنے کے اور کچھ نہ کرے گا ۔۔۔ کیونکہ نظریات زمانۂ قدیم کے تحت وہ آیاتِ قرآنی کی

---

[۱] ۔ ایک قابلِ مضحکہ تقلید جامد کی مثال پر غور کیجیئے ۔۔۔ کیا آج کوئی کرۂ زمین پر کسی مسلمان شہری یا گاؤں کے رہنے والے کو بھی پیش کرسکتا ہے جو سفر کیلیئے سمت کی رہبری تاروں سے حاصل کرتا ہو ۔ یا نماز کے اوقات سورج کے سایہ اور رات کے تاروں سے معلوم کرتا ہو ۔ یا کوئی قطب تارے کو جاننے والا بھی آپ کو نظر آتا ہے ؟ ۔۔۔ ہر جگہ گھڑی لگی ہوئی ہے ۔ ہر ہاتھ پر ریسٹ واچ ہے ۔ رصدگاہ کی جنتری طلوع و غروب اور چاند گہن ۔ اور سورج گہن ۔ ہر ماہ کے قمری ۔ اور شمسی تاریخ کیلیئے ہر گھر میں موجود ہے ۔ سفر کیلیئے نشاناتِ میل اور راستوں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں ۔ ہر جہاز میں قطب نما ۔ اور بحری راستوں کے نشانات ہیں ۔۔۔ اسکے بعد غور کیجیئے کہ ہمارے مفسرین کا مقصدِ تخلیق تاروں اور سورج کے سایہ اور چاند کے عروج و زوال کی ضرورت اس بیسویں صدی میں کہاں باقی رہی ۔۔۔ لہذا کرۂ زمین کے چالیس کروڑ مسلمان جو آج رصدگاہوں اور ریڈیو کے محتاج ہوکر اسی پر اپنی نمازوں ۔ روزوں ۔ حج کو منحصر کیئے ہوئے ہیں ۔ لیکن عید الفطر کیلیئے وہ رصدگاہ اور ریڈیو کی اطلاع پر بھروسہ کرنا اسلام کی شریعت کے خلاف سمجھ کر رویتِ ہلال کے لیئے دو[۲] مسلمانوں کی شہادت کے طالب ہیں ۔۔۔ دیکھا آپ نے اندھی تقلید کے "لا یعقلون" کی نابینائی ۔۔۔!

ایک زمانہ تھا کہ جب رصدگاہ حیدرآباد میں نہ تھی تو ہم نے چار بجے دن کے روزے توڑ ڈالے تھے جب ہمکو رویتِ ہلال کی اطلاع ملتی تھی ۔۔۔ جب سے رصدگاہ کا قیام عمل میں آیا ہے ۔ میری نظر برابر جنتریوں پر ہے کہ آج تک قمری ہیئت میں کوئی غلطی مجھ کو نہیں مل سکی ۔۔۔ بات یہ ہے کہ ہمارا پیشوائے مذہب رصدگاہ کی حقیقت ہی کو نہیں جانتا ۔ تو پھر اسکے لیئے اسکا کہنا حق ہے ۔ اور اسکے مقلدین کیلیئے اسکا کہنا ہی حکم خدا و رسولؐ ہے ۔۔۔

فکر انگشت بہ دنداں کہ اسے کیا کہیئے!

تفسیر یہی سمجھتا ہے کہ زمین بچھی ہوئی ہے اور سُورج اور چاند اسکے اطراف گھوم رہے ہین۔ اور زمین ساکن ہے ——— عالمِ فلکیات و عالمِ نباتات۔ عالمِ جمادات وغیرہ کو کوئی حق نہین کہ وہ فہم قرآن حاصل کرکے صحیفۂ کائنات کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی حقیقت کو آشکارا کرین۔ اور مشاہدات سے اپنے نظریات کو دو اور دو چار کی طرح ثابت کرادین — کیون؟ — اسلئے کہ اس غریب سائنٹسٹ کے پاس سوائے علم الیقین اور حق الیقین کے روایاتِ فنی و ذہنی اور عقاید اب و جد کے مجبر العقول روایات کے دفتر نہین ہین۔ وہ آزادیِ فکر سے صحیفۂ کائنات کا علم حاصل کر رہا ہے۔ وہ اپنے علم۔ فکر۔ تدبر سے جو کچھ علمِ الٰہی حاصل کر رہا ہے۔ اُسکو پیش کر رہا ہے — وہ شخصیت پرستی سے بے نیاز ہے۔ نظریاتِ قدیم کو وہ حرفِ آخر نہین سمجھتا۔

میرا فکر یہ ہے کہ مقدس تہ بد کے سننے والے شودر کو پنڈتون نے سیسہ پگھلا کر کانون مین ڈالنے اور انکی قوتِ سماعت کو فنا کر دینے کا فتویٰ دیا تھا۔ وہ بمقابلہ فکر و فہم انسانی کو فنا کر دینے کے فتوے کے بہت ہی ادنیٰ درجہ کا ظلم تھا۔ کیونکہ کسی عضوِ جسمانی کی ایک قوت کو فنا کر دینا اتنا بڑا ظلم نہین جتنا کہ عقل و خرد کو معطل کر کے انسان کو فکر و فہم سے محروم کر دیا جائے۔ جسکے بعد انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے — چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک کائنات کی جاندار مخلوق مین سب سے بدتر مخلوق وہ ہے جو عقل و فکر کی نعمتِ الٰہی سے اپنے کو خود اپنے ہاتھون تقلیدِ جامد مین پھنسا کر اندھا۔ بہرا بن گیا ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیون ہو رہا ہے؟ — بات یہ ہے کہ ہر مذہب کے پیشوایانِ دین کو اپنے اقتدار کے منوانے کیلئے انسانون کو ذہنی غلامی مین قید رکھنے سنہری زنجیرون کی ضرورت لاحق ہوا کرتی ہے۔ بغیر اس طریقہ کے انسانی فکر و فہم۔ شعور و عقل کی فطری آزادی پر ان کا قبض و تصرف ناممکن ہے — یہ طریقہ آج کا نہین بلکہ ہزارون سال سے چلا آ رہا ہے۔ جو تاریخِ شعورِ انسانیت سے پیشوایانِ مذہب کے خاندانون مین نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتے ہوئے آج تک ہماری نظرون کے سامنے نمایان ہے — جسکا ثبوت نہ صرف تاریخ کے اوراق بلکہ مقدس کتاب مین مل سکتا ہے — خصوصاً مذاہبِ عالم کے مقدسون کے آخری ایڈیشن یعنی قرآن ازم کلامِ الٰہی کی شہادت آپ کی نظرون کے سامنے موجود ہے — اگر آپ اس حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہین کہ قرآن ازم نے کسطرح انسان کو آزادیِ فکر کی تعلیم دیکر اُنکی سنہری زنجیرون کو توڑ کر پیشوایانِ مذہب کی غلامی سے نجات دلوائی؟ — تو پھر آپ کو سلسلۂ نزولِ وحیِ الٰہی پر فکر کر کے فہم حاصل کرنا ہوگا — چنانچہ آپ نے گذشتہ اوراق مین اُس انقلابی پیام کو پڑھ لیا ہے — جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن ازم کی آواز پر لبیک کہنے والون نے اپنے ظنی و ذہنی نجات دہندہ شخصیتون کی روحانی پرستیون سے یکسر انکار کر کے ایک واحد آقا اور پروردگار کے اقتدارِ اعلیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ جسکے بعد پیشوایانِ مذاہب نے اپنے اقتدار کے باغیون کے جسم و جان پر جو کچھ ظلم ڈھائے اسکے اثرات انکے آزادیِ فکر کو متاثر نہ کر سکے — جب ہجرت کے بعد حکومتِ قرآن ازم کا قیام عمل مین آیا۔ اور حسبِ وعدۂ الٰہی فتح و نصرت کا وہ دن طلوع ہوا جسکی تمنا بار بار مکہ مین مسلسل تیرہ سال سے کر رہے تھے — چنانچہ وہی چند ریگستانِ مکہ کے ناتراشیدہ جواہر پارے دولتِ قرآنیہ کے تاج کے درخشندہ ہیرے بن گئے جن کے آگے گوہ نور کی ضیا پاشی ماند پڑ گئی[1]۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ اندرونِ چار صدی اُس پیامِ انقلاب کو سُن کر اسکی حکمتون کا فہم حاصل کرنیوالو

---

[1] مسلمان حکومتِ قرآنیہ کا جو چاہین مشاہدہ لین — لیکن میرے غور و فکر کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس کو کوئی (باقی صفحہ ۳۴ پر)

کرۂ زمین کے رہنے والوں کیلئے معلم کی حیثیت حاصل کرلی — حاملین قرآن ازم کا چہرہ مقدم مفتوحین نے فاتحین کی تلواروں کے ڈر سے نہیں کیا۔ بلکہ قرآن ازم کے حال وقال کو دیکھ دیکھ کر بے اختیار بول اُٹھے کہ "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" یعنی سچی انسانیت اور اچھی دُنیا سازی کیلئے اس قانون حکمتِ الٰہی میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجایش نہیں ہے۔[1]

پھر کیا آج ہم بھی اُسی طرح آزاد ہو سکتے ہیں جیسے کہ ہم اپنے ماؤں کے بطن سے آزاد پیدا ہوئے تھے —

انسان، خصوصاً مسلمان کسطرح آزادیٔ فکر حاصل کرسکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب ہر صاحبِ فکر ونظر کو خود ہی مرتب کرنا ہوگا۔ بظاہر اس بات پر
(۱) یقین کرلینا چاہئے کہ فکر وفہم قرآنی کی اجارہ داری۔ دارالعلوموں۔ خانقاہوں۔ اور مسجدوں میں۔ یا متقدمین اور موخرین کے فکر ونظر یعنی اُنکے اقوال میں بند نہیں ہے بلکہ وہ ہر انسان یعنی اولادِ آدم کی میراث ہے۔ جسکو قدرت ہر انسان کو ارتقائے دماغی کے لحاظ سے ہر زمانہ میں عطا کرتی رہتی ہے۔ البتہ اُن متقدمین کا فکر ونظر جو ہر زمانہ کے عقل وخرد کو اپیل کرسکتا ہے ایک حد تک ہمارے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم بھی قرآنِ حکیم کے ذکر یعنی نصیحت پر غور وفکر کرکے اس سے نتایج اخذ کرنے کے مجاز ہیں۔
(۲) اس بات پر ایمان کامل رکھنا ہوگا کہ خالق تعالیٰ کی ایک ذاتِ واحد ہی فرمانبرداری کے لائق ہے سوائے اسکے کوئی اور ذات یا قوت (چاہے وہ مادی ہو۔ یا روحانی) ہمارے فکر کو غلام بنانے کی حقدار نہیں۔
(۳) اللہ کی فرمانبرداری سوائے اسکے کچھ نہیں کہ ہر انسان انفراداً اور ہر قوم اجتماعاً اپنے فرضِ تخلیق کے منشاء کو کما حقہٗ پورا کرے (منشائے تخلیق کیا ہے؟ اچھی دنیا۔ اور سچی انسانیت، جسکے بغیر امن وسلامتی خود بخود نمایاں ہو سکتی ہے۔
(۴) جب ان اصولوں پر قایم ہو جائیں تو مقصدِ حیات کی یہی منزل مقصود متعین ہو جائیگی۔ اور اخلاقی اقدار جس کو دین اور مذہب سے قرآنِ حکیم تعبیر کرتا ہے۔ روحانی قوتوں کی نشو ونما کا باعث ہو جائیں گے۔ اور نتیجتہً ضمیر فکر۔ نفس۔ روح۔ آتما۔ کانشنس (CONSLIENCE) (جنکو میں قوتِ فکریہ کے ہم معنی سمجھتا ہوں) رضاجوئی خالقِ کائنات کیطرف متحرک ہونے لگیں گے۔ پھر تو ہر مومن اور مسلم کی سچی تدبیر کی صورت اختیار کرتا چلا جائیگا۔ اجتماعی قوت ظاہر ہونے لگے گی۔ اور "اعلون" کا انعام الٰہی بصورت خلافتِ زمین اُس اُمت کو مل جائیگا۔ پھر مستقبل کے وہ راحت و آرام کی زندگی جس کا وعدہ قرآنِ حکیم نے کیا ہے اس زندگی اور اسکے بعد کی دوسری حیات میں بھی یقینی حاصل ہو کر رہے گی — لیکن اس بات کا خیال پیشِ نظر ہونا چاہئے کہ — انسان کے خود اعتمادی اور قوتِ ارادی کیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۲)۔ حکومتِ الٰہیہ کہیے۔ یا سیکولر اسٹیٹ — رام راج کہیے — یا سچی جمہوریت۔ اگر وہ قانونِ قدرت کے تحت آزادیٔ فکرِ انسانی کو باقی رکھکر اچھی دُنیا۔ اور سچی انسانیت کیلئے برسرِ اقتدار ہے تو بات یک ہی ہے۔ ورنہ سب غلط۔

[1] ۱۴؍ اگسٹ ۱۹۷۵ء کے اخبار رہنمائے دکن کے صفحہ (۲) پر ڈاکٹر برنارڈ شیرپر۔ پروفیسر ہمبرگ جرمنی یونیورسٹی کے مقالہ کا ترجمہ شایع ہوا ہے۔ جو میری نظر سے گزرا — جس میں پروفیسر موصوف نے اپنے فکر وفہم کی آزادی کی روشنی بتلایا ہے کہ "اسلام تمام مذاہبِ عالم سے خاص محض قرآن کی عام فہم اور عالمگیر جامعیت۔ آزادیٔ فکر۔ رواداری۔ حُسنِ اخلاق اچھی زندگی اور سچی تعلیم کے ذریعہ بلا کسی اقتدار حکومت کے دباؤ کے یا کسی سلطنت کی سرپرستی کے کرۂ زمین پر پھیل گیا۔ کاش مسلمان قرآن کی تعلیم کو مثل قرونِ اوّل کے اپنالیں تو وہ بلاشبہ آج بھی مذاہبِ عالم کے راہ نما ثابت ہو سکتے ہیں! ..."

دیکھا آپ نے! غیر اُمتِ محمدی اور غیر مسلم کے مطالعہ قرآن نے فکر وفہم کے اقدار عظمت کلام اللہ —!!

قانونِ قدرت ہے۔ اسی لئے اقبال نے کہا تھا کہ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

یہ ہے اس قرآنی آیت کا مفہوم جسکو ہم رات دن اپنی زبان پر رواں رکھتے ہیں۔ یعنی :-

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"

پس ہمارے لئے تو ایک ہی کتاب اللہ کافی ہے۔ جسکے ذریعہ مثل قرونِ اولیٰ کے ہم راہِ مستقیم پا سکتے ہیں ؎

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز　　اندر آیاتش یکے خود را بسوز (اقبال)

کیا قوانینِ الٰہی عام فہم نہیں ہوتے؟

مقامِ غور ہے کہ دُنیا کا کوئی دستور تو ایسا نہیں ہو سکتا جو مبہم و ناقابلِ فکر و فہم ہو تو پھر کیسے خالقِ تعالیٰ سبحانہٗ کا ایسا دستور جو تمام اقوامِ عالم کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خصوصاً عرب کے اُمیوں کو تزکیۂ نفس۔ اور تمدن و معاشرت سکھا کر "خیر الامم" بنانے کے دعوے کیساتھ نازل ہوا ہو۔ عوام الناس۔ خصوصاً لکھے پڑھے صاحبِ علم و فکر، اعلیٰ تعلیم یافتہ (خواہ وہ کسی زبان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں) کیلئے ناقابلِ فہم ہو سکتا ہے؟[۱]

میرا چیلنج ہے کہ آیات اللہ کا واضح مفہوم جسطرح ایک تعلیم یافتہ سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک جنگل میں پتھر پھوڑنے والا ڈور اور خانہ بدوش قوم کا فرد بھی اپنے فکر و فہم سے بلا تصنع سمجھتا اور اسکو بتلا سکتا ہے۔ جب چاہو اس حقیقت کی آزمائش کرلو کہ کسطرح دینِ فطرت کے حسنات۔ اور سیئات۔ یعنی اچھائیوں۔ اور برائیوں۔ یعنی نیکی اور بدی کے سوالات کا جواب مثبت و منفی میں وہ دیتا ہے۔ البتہ وہ ہر مذہب کے شرع و منہاج سے بے خبر ہوگا۔ اور اپنے مذہب کی ذہنی غلامی میں گرفتار نظر آئیگا۔ پس الٰہی دستور بصورتِ بین الدفتین اور بصورتِ فطرت اللہ۔ یعنی کُھلی کتاب صحیفۂ کائنات ہر شخص کیلئے "کتابِ مبین" ہے۔ بشرطیکہ حصولِ نصیحت پیشِ نظر ہو۔ نہ دادِ کلام اور نہ فکر و نظر کیلئے منطق کے تاویلات و تشریحات و توضیحات کی واہ واہ۔ یا کفر و الحاد کے فتوؤں سے دُنیا کے تمام انسانوں کو دوزخ کا ایندھن بنا کر صرف اپنی ذات اور اپنے ہم خیال اندھے مقلدین کو جنت کی اجارہ داری کا پروانہ دلوا دینا۔

قرآن کو کسطرح پڑھنا چاہیئے؟

ہر شخص عربی قرآن کا ترجمہ اپنی مادری زبان۔ یا اس زبان میں جس پر اُس کو عبور ہو۔ ہر صبح غور و فکر سے چند صفحات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اور مطالعہ کے وقت یادداشت کیلئے قلم اسکے ہاتھ میں رہنا لازمی ہے۔ تاکہ کوئی آیت اسکی سمجھ میں نہ آئے تو اُس کو یادداشت میں لکھ لے۔ لیکن مطالعہ کیلئے شرطِ اول یہ ہے کہ وہ اپنے باپ دادا۔ اور ائمہ و مفسرین۔ یا راویانِ معتبر کی روایتوں سے اپنے ذہن کو صاف و پاک کرلے۔ اگر وہ ذہنی غلامی میں مبتلا ہے۔ یا اسکے فکر کا کوئی گوشہ روایتِ شخصی سے متاثر ہے تو یہ اصنام اور

---

[۱] یہاں پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ قانون کے نکات بیان کرنیکا حق تو قانون دان طبقہ ہی رکھتا ہے نہ کہ عوام۔ یہ اعتراض اپنی جگہ صحیح ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ واضعانِ قانون کا منشاء تو بلاشبہ عام فہم الفاظ میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن قانون دان افراد اپنے علمِ کلام فلسفہ و منطق کے ذریعہ ایک ایک لفظ اور حرف کا تجزیہ کرکے جج کے ذہن کو مسخر کر لیتے ہیں۔ اور اس سحر بیانی کی وجہ واضعانِ قانون کی تدوین قانون کا اصلی منشاء و مفہوم بدلتا رہتا ہے۔ یہی مثال کو سامنے رکھکر آپ ائمہ۔ فقہاء و مفسرین کے اقوال کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

غلامی کی سُنہری زنجیریں اصلی حقیقت تک پہونچنے میں سدِّ راہ ہو جائیں گی۔
علامہ آزاد نے "ترجمان القرآن" میں لکھا ہے کہ :-
"اگر ہم قرآن کو اسکی حقیقی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ضرور ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹا دیئے جائیں جو اسکے چہرے پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور پھر آگے بڑھیں! اور قرآن کی حقیقت کو قرآن حکیم کے صفحات ہی میں تلاش کریں"۔
شاہ ولی اللہ کا نظریہ "مصفیٰ" میں یہ ہے کہ :-
ہمارے زمانہ کے سادہ لوح (مقلد علماء) اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں۔ اونٹ کی طرح ناک میں نکیل پڑی ہے۔ کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں۔ ان کا کاروبار ہی دوسرا ہے۔ یہ ہمارے ان باتوں کو سمجھنے کے لئے مکلف ہی نہیں"۔
غور کیجئے کہ آج سے دو سو سال پہلے جو نقشہ ہمارے اسلاف کا شاہ صاحبؒ کے سامنے تھا۔ کیا آج اُس سے زیادہ ہم اور ہمارے علماء تقلیدِ جامد میں گرفتار نہیں ہیں؟ ـــ

ﻠﮧ وہ "پردے" کیا ہیں؟ - وہ پردے۔ یونانی، ہندی، فلسفہ اور روایات بے سند ہی تی اسرائیلی کے جو ہمارے ایمانیات و معتقدات، غیر قرآنی کو مستحکم کرنے کیلئے راوی معتبر کی شخصیت پرستی کے نام سے ڈالے گئے ہیں۔ انکو اس طرح اپنے ذہن سے دُور کر دیں کہ ہمارا ذہن بالکل صاف پاک ہو جائے۔ کیونکہ اس ریگستان سے ہم کو سونے کے ذرات حاصل کرنا ہے۔ نہ سنگریزے ـــ

اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کہیں ہمارا غلط فکر اور فہم ہمارے ایمان کو متزلزل نہ کر دے ـــ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ۔ اگر قرآن حکیم میں فکر اور اسکے فہم سے ہمارا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے تو ایسے ایمان سے تو دُوری بہتر ہے۔ کہ ایسے مکڑی کے جالے کا کمزور ایمان و یقین تو محمد عربی صلعم کا ئے ہوئے ایمان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ تو سیدنا ابراہیمؑ کے حصولِ اطمینانِ قلب کا ایک واقعہ مثالاً پیش کر کے استحکام اور یقینِ کامل کے ایمان کی دعوت دیتا ہے ـــ دیکھئے سورۂ بقرہ کی آیت (۲۶۱) رکوع (۳۵) :-
"اے مخاطبینِ وحی! اُس واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیم نے اپنے رب سے کہا تھا کہ اے میرے رب مجھ کو بتلا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ تو اللہ نے ابراہیم سے پوچھا کہ "کیا تیرے کو میری اس قدرت کا یقین نہیں"۔ ابراہیم نے عرض کیا کہ "اے میرے رب! مجھ کو اس تیری قدرت پر تو یقیناً ایمان ہے لیکن میں اپنے اطمینانِ قلب کیلئے عین الیقین (یعنی مشاہدات) کا طالب ہوں"!-
اے صاحبانِ عقل و خرد! ذرا تو غور کرو کہ اُس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم میں وحی الٰہی کیوں کر رہی ہے؟ـــ کیا ایک جلیل القدر رسولؑ کے ایمان کی تذلیل اسکو مقصود ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وحی الٰہی حاملینِ قرآن کو مثلِ ابراہیمؑ کے آزادیٔ فکر و فہم کی دعوت دے رہی ہے۔ اور بتلا رہی ہے کہ یقینِ کامل اور چیز ہے۔ اور ایمان بالغیب اور چیز ہے۔ پس آج ہم مشاہدات کی دُنیا میں فکر و فہم قرآنی کے لئے جب کوشش کریں تو کیوں ہمارا ایمان متزلزل ہوگا اور کیوں خدا کا عتاب ہم پر نازل ہوگا۔ جبکہ سیدنا ابراہیمؑ کی التجا پر اللہ کو غصہ نہیں آیا تو کیا ہمارا ایمان ایک رسولؑ کے ایمان سے زیادہ ہو سکتا ہے؟- بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کا مطالبہ تو یہ ہے کہ میری آیتوں پر غور و فکر کے بعد کفر سے انکار کرکے ناچار مومن ہو جاؤ۔ ع کافر نتوانی شد۔ ناچار مسلماں شو"۔

ایک اور علامہ کے قول پر بھی فکر کر لیجئے۔ شاید تقلید کے موتیابند کیلئے یہ سُرمہ مفید ثابت ہو جائے۔ علامہ مودودی اپنے ''تفہیم القرآن'' کے مقدمہ میں صفحہ (۳۱) پر لکھتے ہیں کہ:۔

''اس کتاب (یعنی۔ قرآن حکیم) سے اگر کوئی شخص صحیح مفہوم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اسکو چاہیئے کہ اپنے ذہن کو پہلے قایم شدہ ظنی و ذہنی اور عقاید موافق یا مخالف سے خالی کر لے۔ اور اسکا فہم حاصل کرنے کے خالص مقصد کو لئے ہوئے وسعتِ قلب سے اسکا مطالعہ کرے''۔

اقبال مرحوم کے فکر و نظر مطالعۂ قرآن کو بھی سُن لیجئے ؎

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی ضمیرِ ما بہ آیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد جاں بسوزد ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیلؑ است

پھر وہ کہتا ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

آئیے، اب ذرا ہم وحیِ الٰہی سے اسکے مطالعہ کے اصول کا سوال کر کے اطمینان حاصل کر لیں:۔

''افلا یتدبّرون القرآن۔ ام علیٰ قلوبٍ اقفالھا۔'' R

(''کیا یہ لوگ قرآن حکیم کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یا انکے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''——)

دیکھا آپ نے! وحیِ الٰہی اپنے مخاطبین کو کس طرح اس کتاب کے مطالعہ کے لئے فکر و تدبر[1] سے فہم حاصل کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ اور طوطے صفت تلاوت کرنے والوں کیلئے وہ کیا کہتی ہے:۔ ''فمثل الحمار یحمل اسفارا'' R

قرآن عربی اور ہم غیر عربی دان

گزشتہ صفحات میں بسلسلۂ تراجم قرآنی اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسی اعتراض کو دور کرنے کیلئے قرآن حکیم میں حٰم السجدہ کی (۴۴) ویں آیت میں نزولِ قرآن کے بزبان عربی نازل ہونیکا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ ''اے مخاطبینِ قرآن۔ اہلِ عرب! اگر یہ قرآن کسی دوسری زبان میں تم کو پہونچایا جاتا تو تم صاف کہتے کہ یہ عجیب بات ہے۔ کہ ہماری زبان تو عربی اور ہماری حیات کا دستور غیر زبان میں''۔ : 44

اس آیت حکمت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مدعیان جانشینیِ رسول عربیؐ پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ اگر وہ قرآن کی تعلیم کو عالمگیر سمجھتے ہیں تو اسکے مفہوم کو دُنیا کی ہر تحریری اور تقریری زبانوں میں پیش کریں۔ تاکہ وہ اپنے خدا اور رسولؐ کے سامنے جوابدہی سے بری ہو سکیں۔

یہ کیسی عجیب و غریب بات کہی جاتی ہے کہ ''قرآن حکیم صرف بزبان عربی تمام اقوام عالم کیلئے نازل ہوا ہے اور اسکی تلاوت بغیر زیر۔ زبر۔ پیش کے فرق کے کرنا فرض ہے ورنہ کفر ہوگا''۔ بلاشبہ یہ ایک حسین مکر ہے۔ مگر اللہ تو ''خیر الماکرین'' ہی ہے۔ وہ تو اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ یہ حیلہ محض کاہجوری۔ اور ادائے فرائض سے بچنے کیلئے تراشا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن تو فطرت انسانی کے ہر پہلو کو واضح کر رہا ہے۔ وہ مذکور الصدر حیلہ کو وحی کے ذریعہ مخاطبینِ وحی کو سُنا کر خاموش نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ بار بار اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ: ''اللہ نے

---

[1] ایک چھوٹا سا رسالہ ''تدبر قرآن'' مصنفہ امین احسن اصلاحی اس موضوع پر قابلِ مطالعہ ہے۔ مولف نے مطالعہ قرآن حکیم سے صحیح نتیجہ حاصل کرنے کیلئے اچھے انداز بیان میں حاملینِ قرآن کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ہر قوم مین اسکی زبان جاننے والا۔ اسی قوم کے فرد کو ہدایت کیلئے منتخب کیا ہے۔ تاکہ ہر قوم ہدایت کو (یعنی نصیحت) اپنی مادری زبان مین غور و فکر کے بعد حاصل کر سکے۔ یہ ایک سنت اللہ ہے"۔ پھر وہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ:۔
"دنیا مین جتنی زبانین بولی جاتی ہین اُن سب کا خالق اللہ ہی ہے"۔

اِن احکامِ قرآنی کی موجودگی مین علماءِ اسلام سے۔ خصوصاً اہلِ عرب سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انھون نے قرآن کے تراجم کتنی زبانون مین شایع کئے؟ جسکا جواب بجز نفی کے تاریخ مین نظر نہین آتا۔ میرا فکر و فہم تو یہ ہے کہ وہ اپنی زبانِ عربی کو سیاسی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی آڑ لیکر تمام قومون کی زبانون پر جاری کروا دیا تھا۔ گو سیاسی نقطۂ نظر سے حکومتِ الٰہیہ کے اقتدار کی روشنی مین یہ بات تو نامناسب نہ تھی۔ لیکن جب اقتدار ختم ہو چکا۔ اور اُمت کی ہوا بگڑ گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دستورِ حیات ایک مقدس صنم بنکر رہ گیا۔ ہان۔ اس فرض کی تکمیل صحیح معنی مین علامہ رومیؒ نے مثنوی کے ذریعہ مفہومِ قرآنی کو بزبانِ فارسی لکھ کر کی۔ لیکن افسوس کہ اس دفتر کو صوفیا نے اپنے رنگ مین پیش کر کے اسکو تصوف اور معرفت اور حقیقت کے رنگون سے اس طرح رنگ لیا کہ علامہ رومیؒ کا مقصد ہی فنا ہو گیا۔ کہنے کیلئے تو صرف بات ہی رہی کہ:۔

مثنوئی مولویِ معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

اسکے بعد علامہ سعدیؒ نے قرآن کا تحت اللفظی ترجمہ لکھا۔ اور بس[۱]۔

اُردو زبان کیلئے سب سے پہلے ترجمہ کا خیال شاہ عبد القادرؒ کو پیدا ہوا تو ۱۲۰۵ھ مین اُمتِ محمدی کی انتہائی مخالفتون اور سخت سے سخت جسمانی تکالیف برداشت کرتے ہوئے قرآن کے اس حکم کی تعمیل مین کہ:۔ "ہر قوم کیلئے اسکی مادری زبان جاننے والا اسی قوم سے ہدایت دہندہ ماموریمن اللہ ہوا کرتا ہے"۔ تحت اللفظی ترجمہ کر دیا۔ تاکہ ہندوستان کے رہنے والون کیلئے کوئی حجت باقی نہ رہے[۲]۔

لیکن تیرہ زبان تلنگی۔ کنڑی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ پنجابی۔ بنگالی۔ چینی۔ جاپانی۔ لمباڑی۔ گونڈی وغیرہ وغیرہ قومون مین اب تک رسول اللہؐ کی جانشینی کے مدعیون نے چودہ سو سال سے اس پیام کو پہونچانے کی طرف خیال بھی تو نہین کیا۔

مین بانگِ دہل کہتا ہون کہ ہمارے علماء جو عربی زبان کی تعلیم پر زور دیتے ہین۔ وہ ایک "مکرِ عظیم" ہے۔ کیونکہ وہ "سنت اللہ" کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم تو اپنے رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہدایت کا پیام انسانون کے کانون تک اُنکی مادری زبان مین پہونچانے کے ذمہ دار ہین۔ نہ کہ انسانون کو ہدایت حاصل کرنیکے لئے رسولِ عربیؐ کے پاس

---

[۱] آپ کو تاریخ سے پتہ چلے گا کہ شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ، شاہ عبد القادرؒ کے تراجم پر اس زمانہ کے علماء و فضلاء نے کیسے سخت ریمارک کئے اور کسطرح ان ماموریمن اللہ پر نہ صرف کفر کے فتوے صادر ہوئے بلکہ انکی اُنگلیان کاٹی گئین۔ اور ہاتھ بیکار کر دئے گئے کہ اس گناہِ عظیم کے وہ مرتکب ہی نہ ہون۔ دیکھا آپ نے! پیشوایانِ مذہب کی اجارہ داری کے حفاظت کی سُنہری زنجیرین۔

[۲] وہ تو اسوقت کی ضرورت تھی۔ لیکن موجودہ ماحول و رفتارِ زمانہ کے لحاظ سے مفہوم آیاتِ قرآنی کے معلوم کرنیکی پیاس ہے جسکو علامہ مودودی نے ۱۹۵۸ء مین "تفہیم القرآن" لکھکر بڑی حد تک دُور کرنیکی کوشش کی ہے۔ دیکھئے اس بندۂ خدا نے جو فرض ادا کیا ہے اسکے ساتھ اجارہ دارانِ قوم کیا سلوک کرتے ہین۔ بہرحال میرے اُن تمام افکار کو جو چالیس سال سے میرے دماغ مین گردش کرتے رہے اور جو میرے زبانِ قلم سے دس بارہ سال پہلے کا تذکرہ نمایان ہو چکے ہین تفہیم القرآن کا مقدمہ اور دیباچہ صفحہ (۹۰) فیصد تصدیق کرتا ہے

عربی دانی کے بعد آنے کا حکم قرآن نے دیا ہے ـــ ایسی حالت مین ہمارے علماء پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام زبانون کو سیکھین ـ اور ان قومون کی زبانون مین اس کلام الٰہی کو سنّتِ رسول اللہ کے تحت ذریعۂ خطاب یا موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسکا مفہوم بصورت کتاب انکی آنکھون کے سامنے رکھ دین ـ یہ ایسا فرضِ کفایہ ہے کہ جب تک دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی قوم کی زبان مین قرآن نہ پہونچایا جائے وہ علمائے اسلام کیلئے باقی رہے گا ـــ بشرطیکہ وہ قرآنِ حکیم کو آخری کتاب اور محمدِ عربی صلعم کو خاتم النبیین اور تمام انسانیت کیلئے آخری رسولؐ اور تمام دنیا کیلئے قیامت تک اس قرآن کو نافذ العمل سمجھتے ہون ـــ

کیا آپ بتلا سکتے ہین کہ حاملینِ قرآن اور جانشینِ رسالت مآب صلعم ہندوستان کی قدیم زبان تلنگی ـ کنڑی ـ مرہٹی ـ گجراتی جاننے والے کتنے ہین؟ ـــ میرے خیال مین تو ایکہزار مین ایک عالم بھی ایسا نہین جو عربی ـ فارسی ـ اردو کے سوائے کوئی دوسری زبان مین بات بھی کرسکتا ہو ـــ

حاملینِ انجیل کا ایک حُسنِ عمل

اگر اردو تراجم کی ایک فہرست تیار کیجائے تو تقریباً پچاس ترجمے مختلف علماء کے آپ کو ملین گے ـ جس مین بجز چند الفاظ کے ہیر پھیر کے یا حاشیہ ہین ـــ تقلیدِ جامد ـ اور شخصیت پرستی کی نقالی کے مفہوم وحی کی وضاحت نظر نہ آئے گی ـــ

اس موقع پر اگر مین حاملینِ توراۃ اور انجیل کے تبلیغ کی مثال پیش کرون تو بے جا ہوگا کہ ـــ توراۃ اور انجیل کا عبرانی زبان سے انگریزی زبان مین لفظی ترجمہ ناقابلِ فہم ہو چکا تھا ـ تو سولھوین صدی عیسوی مین ایک مجلسِ شوریٰ نے اس پر غور کیا ـ اور متفقہ طور پر اسکا ترجمہ شایع ہوگیا ـــ لیکن اٹھاروین صدی مین جب اس ترجمہ مین تنگی محسوس کی گئی تو پھر مجلسِ شوریٰ نے عام فہم اور دلنشین انداز مین اسکو مرتب کرکے شایع کیا جو اسوقت تک مقبولِ عام ہے۔[1]

پھر اس متفقہ ترجمہ ہی کو دنیا کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی زبانون مین ترجمہ کرکے شایع کیا گیا بلکہ

---

[1] اس طریقہ پر علمائے اسلام اور ہم حاملینِ قرآن اہلِ کتاب خصوصاً عیسائیون کو کہتے ہین کہ ـ واہ صاحب واہ ـــ کیا کہنا ہے آپکی مقدس کتاب کا کہ جب چاہے آپکی مرضی و منشاء کے تحت وہ بدلی جاسکتی ہے ـ دیکھئے ہماری کتاب کو کہ آج چودہ سو سال سے زیر و زبر کے فرق کے بغیر باقی ہے ـــ پھر یہی، منبر و محراب و ممبر اور اسٹیج سے سامعین کو بذریعۂ خطابت شکر و دادِ سخن حاصل کیجاتی ہے ـــ لیکن اس موقع پر اپنی تنگ نظری ـ اور جمود و جہالت تبلیغ دین ـ یا مذہب سے سہل انگاری کا جایزہ نہین لیا جاتا ـ اور مدِمقابل کے ایثار و قربانی اور خدمتِ دین و مذہب کی داد دیکر انکے نقشِ قدم پر چلنا کفر و بے دینی سمجھا جاتا ہے ـ البتہ انکے جہلِ مرکب ـ یا تحریفِ کلام اللہ کو پیش کرکے مضحکہ اُڑانا ثوابِ عظیم ـ بلکہ اللہ کی راہ مین جان ـ مال ـ اولاد کو قربان کرنے سے زیادہ ہزارون درجہ کا ثواب سمجھا جاتا ہے ـــ

کیا مین معترضین سے یہ سوال کرسکتا ہون کہ ـ عیسائیون نے ایک مجلسِ شوریٰ کے تحت اپنی مقدس کو عام فہم بنانے کے لئے جو تحریف کی وہ تو قابلِ مواخذہ ہین ـ اور ضرور ہین ـــ تعجب یہ ہے کہ باوجود اسکے صاحب کلام نے آج تک ان سے مواخذہ نہین کیا ـ برخلاف اسکے آپ نے قرآنِ حکیم کو اسکی اصلی صورت مین باقی رکھکر جسطرح اسکی معنوی تحریف کی ـ اور کر رہے ہین (جسکا ثبوت یہ ہے کہ آج چالیس کروڑ مسلمانون مین چار سو مسلمان بھی بمشکل تمام قرآنِ حکیم کی حقیقی تعلیم کو متفقہ پیش کرنے والے نہین نکل سکتے) ـ تو کیا اسکے بعد آپ پر یہ مقولہ صادق نہین آتا کہ: "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" (باقی صفحہ ۲۹ پر)

ہر قوم کی زبان امریکہ کے رہنے والون نے اسطرح سیکھی کہ اپنی کتاب مقدس کا مفہوم اس قوم کو آسان سے آسان تر طریقہ پر انکی مادری زبان مین سمجھا دیا جائے۔ پھر اول مبلغین نے دنیا کی قومون کی بڑی بڑی زبانون پر اپنی توجہ کو مرکوز نہین رکھا بلکہ چند سو۔ یا چند ہزار نفوس مین بھی اگر کوئی قوم اپنی علیحدہ زبان رکھتی ہے تو اسکو بھی انھون نے حاصل کیا — دیکھا آپ نے! — تبلیغ کی سنت اللہ کو غیر شعوری طور پر کسطرح اہل کتاب نے روبہ عمل لایا۔ درآن حالیکہ انکی کتاب اور ان کا مذہب غیر وسعت پذیر کہا جاتا ہے — لیکن حاملین قرآن اور امت محمدی تو کرۂ زمین پر اپنے مذہب کا جھنڈا لہرانے کے مدعی ہین — تو پھر آپ کا مذہب کیون محدود ہوکر رہ گیا ہے — ؟

اعلی تعلیم یافتہ نوجوانون سے قرآن کا مطالبہ

آج قرآن حکیم پاکستان۔ ہندوستان کے زاید از چارسو قرنون کے روشن خیال وسیع القلب اعلی تعلیم یافتہ۔ بلکہ ریسرچ کرنیوالون سے بزبان حال کہہ رہا ہے کہ — جہان تم تمام شعبہ حیات مین ریسرچ کرتے ہو۔ بلکہ بعض اسلامی مضامین بھی تمہارے زیر ریسرچ آجاتے ہین تو کیا تم قرآن حکیم کی تعلیم کی حقیقت کو معلوم کرکے دنیا کے سامنے رکھنے کیلئے ریسرچ نہین کر سکتے — اور پھر ایک مرتبہ تم حضرت عثمانؓ کی مجلس شوریٰ کی تقلید مین اپنا قدم آگے نہین بڑھا سکتے — کیا حاملین قرآن پاکستان پر یہ فرض عاید نہین ہوتا کہ وہ عمل صحابہؓ کی روشنی مین کم از کم مفہوم قرآن حکیم کو پیش کرکے اسکے مقصد اصلی کو دنیا کے سامنے رکھدین — کہ کوئی اگر اس سے بہتر قانون۔ اچھی دنیا اور سچی انسانیت کیلئے پیش کرسکتا ہے تو وہ پیش کرے — تو اسکو دنیا کے بہترین دماغ رکھنے والون (بلالحاظ مذہب و ملت) کے فیصلہ کی بنا پر رد کردیا جائے — یا پھر اسکو دنیا قبول کرلے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) لہذا یہ تو بین نظر آرہا ہے کہ قانون قدرت ہر دو جماعت کے مقابل اپنا فیصلہ نافذ کر رہا ہے جسکے نتایج ہر دو امتون کیلئے ظاہر ہورہے ہین۔ آیندہ اوراق مین میرا فلسفہ فہم۔ ہر دو وحی الہی کی روشنی مین آپکے پیش نظر ہوگا۔ کہ قرآن کے وعدون کا ظہور ہر زمانہ مین بلا کم و کاست کسطرح ہورہا ہے۔ بشرطیکہ "انا خیر منہ" کی عینک آپ کی نظرون کو حقیقی رنگت کے نمایان کرنے مین حارج نہ ہو۔

بسلسلۂ تبلیغ و اشاعت پیام الہی ایک معمولی سی بات پر ہی غور کیجیئے کہ توراۃ اور انجیل کا نسخہ ہر زبان مین جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ چار پانچ روپیہ مین آپ کو دستیاب ہوتا ہے۔ یا اسکے پارے چند آنون مین۔ لیکن کیا قرآن کی اشاعت بسلسلۂ تبلیغ بھی امت وسطاء کے کسی گوشہ مین اس ایثار و قربانی کی مثال بتلا سکتی ہے ؟ —

[1] صدر پاکستان کرنل ایوب خان کی ایک تقریر — جو جلسۂ تقسیم اسناد "دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار" مین بتاریخ ۳ رمئی ۱۹۵۹ء ہوئی تھی۔ اسمین آپ نے فرمایا تھا کہ :۔ "اگر زندگی اور مذہب کے رشتۂ اتحاد مین کمزوری آجائے تو — زندگی کسی نہ کسی نہج پر چلتی ہی رہیگی۔ لیکن — مذہب ایک ایسا بت بن جائیگا جو ساکت و سامت۔ بے حس و حرکت مسجدون اور خانقاہون کے جیل خانون مین مقید ہوکر رہ جائیگا۔ پس یہی حال آج اسلام کا نظر آرہا ہے — لہذا اسلام کے احیاء کی ذمہ داری علماء و فضلاء پر عاید ہوتی ہے۔ انکو بطور خاص اس جانب متوجہ ہونا چاہیئے"۔ غالباً صدر پاکستان نے اس حقیقت کو نظر انداز فرمادیا کہ — دین الہی کی حقیقی خدمت کلام الہی کی روشنی مین کبھی بھی اس طبقہ نے نہین کی — البتہ وہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنیکی خدمت بلند و بالا طریقون پر انجام دیتا رہا ہے۔ اور آج بھی دے رہا ہے — البتہ آپ نے جسطرح پاکستان کی ڈوبتی کشتی کو سنبھالا دیا ہے اسی سیاست مومن کی روشنی مین امت محمدی کی مذہبی کشتی کو جو تقریباً ڈوب چکی ہے — علماء و فضلاء کے طوفانی تھپیڑون سے بچانے کیلئے اپنی قوت بازو سے پتوارون کو حرکت دین تو پھر وہ اچھی دنیا اور سچی انسانیت کیلئے قرآن ازم کی امن و سلامتی کی راہ پر رواں ہوسکتی ہے البتہ آپ اپنے ساتھ نوجوانون کو اس مہم عظیم کیلئے آواز دیسکتے ہین جنکے جھنڈے تلے ہمیشہ فتح و نصرت ہوا کرتی ہے — کیا شوہری حقیر آواز صدر پاکستان کے گوش گذار ہوکر قابل توجہ قرار پاجائے۔

لیکن شیطان تو اس اختلاف ہی پر اپنی کامیابی و کامرانی کو دیکھ رہا ہے۔ اور قہقہۂ مسرت لگا رہا ہے۔ پھر کس طرح ہم اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں۔

اے حاملینِ قرآن کے مدعی نوجوانو! اٹھو! اور اپنی آزادیِ فکر کا ثبوت اس طرح دو کہ "قرآن ازم" کا جھنڈا ارب در ارب انسانیت کیلئے بلند کر دو۔ اور اے کوہ ہمالیہ کی آخری چوٹی پر پہونچنے کیلئے اپنی جانوں کو قربان کرنے والوں کو دیکھنے والو۔ انسان کی فلاح و بہبود اور اسکی منزلِ مقصود کا پتہ لگانے میں اسی طرح ہمت و استقلال سے قدم کو آگے بڑھائے چلے چلو! محض زبان سے قدم ملائے چلو۔ بڑھائے چلے! اٹھ کر قدم کو ایک انچ بھی آگے نہ بڑھانا۔ بلکہ دو گز پیچھے ہٹ جانا۔ اور آخرت کی سعادتوں کے سبز باغ میں مگن رہنا۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا شیوۂ حیات نہیں ہو سکتا۔

خادمِ کعبہ معظمہ کا ایک اہم فریضہ

آج حکومتِ سعودیہ خادمِ حرمین شریفین کا شرف رکھتی ہے۔ اور اسکی مادری زبان قرآنی ہے۔ کیا اس حکومت پر یہ فرض عاید نہیں ہوتا کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں تبلیغ کے اہم فریضہ کو انجام دے۔ آج اسکے پاس ہر قسم کے خداداد مواقع موجود ہیں۔ خصوصاً ہر سال کرۂ زمین کے ہر حصۂ ملک اور قوم کے افراد حج بیت اللہ کو بلا لحاظِ فرقہ حاضر ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہر شہر یا قوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ وسیع النظر مفکر نوجوانوں کی ایک مجلس ریسرچ قرآنی تشکیل دے اور ہر قوم کی زبان میں مفہومِ کلام اللہ کو یکسانیت کے ساتھ شایع کرنیکا انتظام کرے تو یہ کام اسقدر آسانی سے ہو سکتا ہے کہ اسکی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ؎۲

لے۔ صدر امریکہ آئزن ہوور نے ۲۵ اگست ۱۹۵۴ء کو گل چرچ کی عالمی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔ "آج امن و سلامتی کو مستقل و پائیدار بنانے کیلئے اس بات کی ضرورت شدید ہے کہ آپ دیگر مذاہب کے قائدین سے ملکر متفقہ طور پر کوئی صحیح صراطِ مستقیم دنیا کے سامنے پیش کریں"۔ دیکھا آپ نے! دنیا کس قدر "قرآن ازم" کی حقیقی تعلیم کی پیاسی ہے ——— کاش ایک مطبوعہ "ایک کتاب کیا کہتی ہے" دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ کیجا کر شایع ہو جاتی۔ اور انسان حقیقت کی جستجو میں اس کتاب کو حاصل کر کے چیخ اٹھتا کہ "وہ کتاب قرآن ہے"۔

ےل۔ یہ تحریر تو سلطان ابن سعود کی حیات میں لکھی گئی تھی۔ جو شایع نہ ہو سکی۔ آج جبکہ "قرآن ازم" مکمل شایع ہو رہا ہے تو کیا موجودہ حکومتِ سعودیہ کے سربرآرائے سلطنت۔ جن کی روشن خیالی اور وسعتِ قلب کی اطلاعات ہماری نظروں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس تحریک پر توجہ کرنیکی سعادتِ دارین حاصل کرنے تیار ہیں؟۔ کاش میرا یہ "قرآن ازم" اور میرا فکر و فہم شاہِ موصوف کی نظر سے گذر جائے۔ بلاشبہ قدرت اللہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

شاہ سعود نے تو یورپ کا بھی سفر کیا ہے۔ وہاں کی چرچ کی مشنریوں کی کارکردگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہوگا۔ کیا حدودِ حجاز میں انھیں نقوش پر مبلغینِ "قرآن ازم" کی جماعت تیار نہیں کیجا سکتی؟۔ صرف ارادہ شرط ہے۔ اور بس۔

مالی مشکلات کا حل اس قدر آسان ہے کہ عیسائی مشن اسکا مقابلہ نہین کر سکتے۔ کہ سالانہ ہر حاجی پر ایک تبلیغ قرآنی کا مختصر سا ٹیاکس لگا دیا جائے۔ لیکن اسکے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت سعودیہ اس فرض کی ادائی مین (یعنی اُمتِ واحدہ بنانے مین) جب اسکو تکفیر کے فتوؤن سے توڑا جائے تو اس سے اسی طرح بے پروا ہوکر اپنے فرض کو ادا کرتی رہے جب کہ وہ فتح حجاز کے موقع پر اصلاحات کے سلسلہ مین مستقل مزاج رہی ہے

مین بلبلِ نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا ۔ تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے! (اقبال)

ہے کوئی بندۂ خدا! جو اس عاجز حقیر کی آواز کو سلطان تک پہونچا دے!۔

قرآن مسلمانون کیلئے نازل ہوا یا غیر مسلمون کے لئے؟

مین ایک دلچسپ حقیقت کو ضیافت صاحبانِ غور و فکر کیلئے پیش کرنا چاہتا ہون۔ بشرطیکہ عقل و خرد سے کام لیا جا کر حصولِ فہم کی کوشش کیجائے۔

یون تو ہر حاملِ قرآن کا قول ہے کہ۔ قرآن تمام دُنیا کے انسانون کیلئے نازل ہوا ہے۔ لیکن قول اور عمل مین تضاد ہے۔ عملاً تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف مسلمانون کیلئے نازل ہوا ہے۔ اور غیر مسلم اسکو چھو نہین سکتا۔ بلکہ خود مسلمان بھی بغیر وضو کے اسکو انگلی بھی نہین لگا سکتا۔ کیا قرآنِ حکیم کا منشا یہی ہے؟ ——

قرآنِ حکیم از ابتدا تا انتہا اس حقیقت نزولِ وحی کو بار بار دھراتا ہے کہ وہ اُمیون کو اہلِ کتاب بنانے آیا۔ مشرکین کو موحد بنانے نازل ہو رہا ہے۔ وہ بدکارون کو نیکوکار بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ کافرون کو مومن اور مسلم بنانے معلمِ قرآن حکیم کی زبان پر جاری کیا جا رہا ہے۔ جسکے واضح معنی و مفہوم یہ ہین کہ وہ غیر مسلمون کو مسلمان بنانے نازل ہوا تھا۔ اور آج بھی اسکا یہی مقصد و مدعا ہے۔

مسلمانون کو مسلمان بنانے کا کوئی سوال ہی قرآن حکیم کیلئے نہین۔ وہ تو ایک عظیم الشان نظریہ کا حامل ہے۔ یعنی وہ گمراہون کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے۔ وہ دُنیا سے تقلیدِ جامد کو مٹا کر شخصیت پرستی کے بُتون کو توڑ کر۔ فرقہ بندیون کی زنجیرون کو کاٹ کر۔ سب کو اُمتِ واحدہ بنا کر مقصدِ تخلیقِ انسانیت کو واضح کرنا چاہتا ہے۔ وہ دین کو تمام اقوامِ عالم مین دینِ واحدہ قرار دیکر۔ مذاہب کے شرع و منہاج کے فتنہ و فساد کو مٹانے کیلئے آیا تھا۔ اور آج بھی وہ اسی عظیم مقصد کا حامل ہے۔ مسلمانون کو مسلمان بنانے کا کوئی سوال وحیِ الٰہی کے زائد از چھ ہزار آیتون مین نظر نہین آتا۔ بلکہ ہر مذہب کے چند مسلم افراد اپنی مقدس کتاب کی تعلیم کی روح سے آشنا ہوکر عزلت گزینی مین زندگی گذارا کرتے تھے۔ یا ہر زمانہ مین گذار رہے ہین۔ اُنکے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ ۔ ان لوگون سے کوئی تعرض نہ کرو۔ انکو انکے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ مومن مسلم اور متقی ہین۔ البتہ جو گمراہ ہین۔ اور مغضوب ہین۔ ضلالت مین مبتلا ہین۔ حقوقِ انسانیت کے کافر ہین۔ اندھی تقلید کے غلام ہین۔ انکو قرآن کی نصیحتون سے آگاہ کرتے رہو۔ انکے گوشگذار کرو۔ انکی نظرون کے سامنے پیش کرکے دعوتِ غور و فکر سوجھ بوجھ دیتے جاؤ —— (دیکھو آلِ عمران آیات ۱۰۹ و ۱۱۳ و ۱۱۴ اور المائدہ ۵۹ و ۶۶)۔

وہ اعلان کر رہا ہے کہ کرۂ زمین کے ہر زمانہ کے انسانون کیلئے یہ ایسا قابلِ عمل دستورِ حیات ہے جس پر عمل کرکے (۹۹) فیصد صاحب فکر انسان مومن اور مسلم بنکر حاملِ قرآن ہو سکتا ہے۔

لیکن۔ دیکھا آپ نے اس حقیقتِ کُبریٰ کو کسطرح الٹ دیا گیا!۔۔۔

ایک چیستان

جنکے لئے یہ دستورِ حیات نازل ہوا تھا۔ انکے لئے اس کتاب کو ہاتھ سے چھونے کی بھی اجازت اجارہ داران قرآن حکیم دینا نہین چاہتے۔ اور پھر اس دستورِ حیات کو سُنتِ اللہ کے تحت انکی مادری زبان مین انکے گوشگذار کرنے کی صلاحیت ہی نہین رکھتے۔ اسکے بعد حاملینِ قرآن کا یہ عقیدہ و ایمان کہ۔ سوائے اُمتِ محمدی۔ اور

حاملینِ قرآن کے ارب در ارب انسان جو کرۂ زمین پر ہر زمانہ مین پیدا ہوتے اور مرتے ہین۔ یہ سب ہی دوزخ کا ایندھن ہین۔
"این طرفہ تماشا بین ناکردہ گناہ گنہگار ے"

دیکھا آپ نے حاملینِ قرآن یُامتِ محمدی خیرالامم یُامتِ وسطا اور اجارہ دارانِ راحت و آرام دائمی آخرت کا فہم و فکرِ قرآنی !۔۔۔
کیا فرق ہے آج ہندو۔ عیسائی۔ پارسی۔ اور مسلمانون مین ؟۔۔ یہ سب بھی اپنے آبائی مذہب کے ماحول مین نشو ونما پاکر ہندو۔ عیسائی وغیرہ کہلاتے ہین ۔ اسی طرح مسلمان بھی ہین ۔ وہ بھی اپنے آبائی مذہب کے مقابل اپنی جان کو قربان کر دینا اپنا فرضِ مذہبی سمجھتے ہین ۔ اور ہم مسلمان بھی ۔ وہ بھی تقلیدِ جامد کی غلامی مین گرفتار رہ کر آزادیِ فکر کے میدان مین قدم رکھنے سے گریز کرتے ہین اور ہم بھی ۔ پھر انھون نے بھی اپنی پیدائش کیلیئے کوئی درخواست خالق تعالیٰ کے پاس نہین پیش کی تھی کہ۔ ہم کو فلاں مذہب کے ماں باپ کے گھر پیدا کر دے۔ اور نہ ہم نے ایسی کوئی درخواست پیش کی تھی۔ تو بتلایئے کہ سب ناری اور ہم ناجی کا وہ نعرہ جو تمام مذاہبِ عالم نزولِ قرآن حکیم کے وقت لگا رہے تھے آج وہی نعرہ ہمارا بھی ہے یا نہین ۔۔ ہان ۔ اس قدر ضرور ہوا کہ اس وقت حاملینِ قرآن کی جو بھی اس قسم کا نعرہ لگانے والو نعرہ تھی اور آج وہ پوری ہو گئی ۔ اسطرح شیطان اپنی کامیابی پر خندہ زن اور مسرت سے پھولون نہین سما رہا ہے۔۔۔
کیا ان کھُلی حقیقتون کے بعد بھی انسانوں کا نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان اس دستورِ حیات پر غور و فکر کرنے کیلیئے تیار ہے ؟۔۔ اس سلسلہ مین میرا فکر "قرآن ازم" عالمگیر کیون ہے ؟ اور سلسلۂ نزولِ وحی مین میرا فہم و فکر شاید آپ کی تشنگی کو بجھا دے ۔۔۔

لذتِ صوت یعنی خوش الحانی سے تلاوتِ قرآن۔
یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو حاملینِ قرآن حکیم اسلام مین گانے کو۔ اور گانا سُننے کو حرام قرار دیتے ہین ۔۔ اور دوسری طرف تجوید کے قواعد اور اسکے ساتھ (۷) قراءت کو بھی مانتے ہین۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے آیات اللہ مین فکر و غور کے لحن داؤدی مین اس کا پڑھنا یا سننا سُنانا داخلِ ثواب قرار دیا جاتا ہے ۔۔ شاہ ولی اللہ نے سچ کہا تھا کہ :۔ "جب سے تجوید کا علم جاری ہوا ہے ۔ خشوع کے ساتھ تلاوتِ قرآنِ مجید سے محرومی ہو گئی۔" (دیکھو فوز الکبیر صفحہ ۲۴)۔
لذتِ صوت قرآنی کی حقیقت پر آپ غور کیجیئے گا شاہ صاحبؒ کے نظریات کے تحت معلوم ہوگا کہ :۔
"قرآنِ حکیم جس طرزِ بیان کو لیئے ہوئے نازل ہوا ہے اسمین فطرتِ انسانی کے تصورات کی کشش ضرور ہے جو اسکی قافیہ بندی اور آواز کا اُتار چڑھاؤ سامع کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتا ہے ۔ جس سے ایک خاص کیفیت لذتِ صوت محسوس ہوتی ہے[لہ] جب اسکے معنیٰ اور مطالب بھی ساتھ ساتھ ذہن نشین ہوتے جاتے تو کیفیت لذتِ صوت دہ چند ہو جاتی ہے ۔ جسکے بعد وہ کلام دل پر نقش ہو جاتا ہے اور زبان پر رواں۔"

لہ۔ آواز کا اُتار چڑھاؤ ۔ کیا آپ جانتے ہین گانے کی حقیقت کیا ہے ؟ یہی آواز کا اُتار چڑھاؤ ۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ موسیقی مین مزامیر کی روح کیا ہے ؟ یہی آواز کا اُتار چڑھاؤ ۔ اسی کو غیر مسلم گانا کہتے ہین ۔ اور مسلمان تجوید یا لحن داؤدی ۔ یا قراءت ۔ اگر آپ مزید غور و فکر سے حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہین تو تجوید کے قواعد اور گانے بجانے کے قواعد کے فنی تحریرات کا تجزیہ کیجیئے ۔ معلوم ہوگا کہ ہر دو کی نوعیت ایک ہی ہے ۔ مگر اُمتِ محمدی مین سرود و مزامیر کو ایک جماعت حرامِ مطلق کہتی ہے اور دوسری جماعت اس کو عین عبادت و سعادت ۔ اس خصوص مین میرا فکر سورۂ رحمٰن مین آپ کی تشفی کیلیئے تفصیل سے مل جائیگا۔۔۔۔
علامہ مودودی نے بھی تفہیم القرآن کے مقدمہ مین لذتِ صوت قرآنی کی طرف اشارہ کیا ہے ۔۔

جب یہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے تو احکام پر عمل پیرا ہونے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ بلکہ دیوانہ وار عمل کیطرف قدم بڑھتا چلا جاتا ہے"۔

آپ ان اصولی نظریات پر غور کریں گے تو آسانی سے معلوم ہو گا کہ عرب کے اُمیّوں کے قلوب تلاوتِ قرآن کے مفہوم سے منور ہو رہے تھے۔ قرآنِ حکیم کے آیات بچہ بچہ کی زبان پر رواں تھے۔ ہر قدم پر مفہوم و منشاءِ وحی پیش نظر تھا۔ جب کبھی کوئی وحی پڑھی جاتی تو سامعین کے تصورات حصولِ انعاماتِ الٰہی آنکھوں سے مسرت کے آنسوؤں کو رواں کر دیتے۔ اور کبھی نتائج نافرمانی کا خوف ان کو لرزہ براندام کر دیتا۔

لیکن آپ کو قرونِ اولیٰ میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی ایسی نہ ملے گی کہ جس میں کسی صحابیؓ نے قرآنِ حکیم کو سُن کر۔ یا پڑھتے ہوئے رقص کیا ہو۔ جیسے کہ آج حاملین قرآن حکیم پر قوالی وغیرہ میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے ---- البتہ تاریخ پس منظر اسلام پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ کفار مکہ پر کھلی و ذہنی عقاید کے سلسلہ میں فرشتہ۔ یا روح۔ یا کسی دیو کے حلول کرنے سے ایسی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ جیسا کہ آج کل بھی ہم کو آسیب زدہ اور دیولوں کی پوجا پاٹ کے وقت پست طبقہ کی عورتوں پر ایسی کیفیت طاری نظر آتی ہے جس کو ہندی میں آنگ بھرنا کہا جاتا ہے۔

ایک بات اور بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ نے کسی عالم۔ فاضل۔ مشایخ۔ یا پیر کو تلاوت قرآن کے موقع پر عالم بے خودی میں مست و مدہوش بھی دیکھا ہے؟ ۔ برخلاف اسکے شعراء کے کلام پر نہ صرف صاحبانِ طریقت و معرفت کو بلکہ ایک جاہلِ مطلق کو جو شعر کے ایک لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتا وجد طاری ہو جاتا ہے۔ جب آپ اس کی حقیقت پر غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ خوش الحانی ہماری سماعت پر ایک کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ حیوان بھی اُس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اگر شعر کا مطلب و مفہوم ذہن نشین ہو جائے تو نہ صرف شعر از بر ہو جاتا ہے بلکہ وجدانی کیفیت بھی دو آتشہ بن جاتی ہے۔ جس کا مزید ثبوت آپ کو اس طرح مل سکتا ہے کہ آپ سورۂ فاتحہ کو ہر جمعہ میں اپنے امام سے سُنتے ہیں۔ آپ کبھی جھومتے نہیں۔ لیکن حسنِ اتفاق سے کوئی خوش الحان خطیب آپ کا امام بن جائے تو پھر تمام مقتدیوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اب بات یہ ہوئی کہ محض خوش الحانی نے ایک کیفیت پیدا کر دی۔ اور بس ----

میرا فکر تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کو خوش الحانی سے کوئی دُور کا واسطہ نہیں۔ کیونکہ تاریخ شعور انسانی سے آج تک کوئی کتاب حکمت کسی معلم نے گاگا کر سُناتے ہوئے حکمت نہیں سکھائی۔ تو پھر قرآنِ حکیم کا منشاء اپنی تلاوت میں لذتِ صوت کے کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ ۔ البتہ وہ لذتِ فکر و فہم حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے ---

احترام قرآن مجید

اسی سلسلہ میں احترام و عظمت قرآن کا مفہوم بھی قابلِ فکر ہے۔ اگر ہم کسی صاحبِ اقتدار کے حکم سے سرتابی کریں۔ یا کسی نصیحت کو یاد رہوا سمجھیں۔ اور اسکے منشاء کے خلاف ہر مرتبہ ہمارا عمل نمایاں رہے۔ لیکن حکم کو بصورتِ تحریر۔ ایک قیمتی مجلد میں لکھکر ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھا کریں تو کیا یہ اُس کلام کا احترام ہے؟۔ برخلاف اسکے اگر ہم اس شخص کے کلام کو وقتِ ضرورت پڑھیں۔ اور جس قدر پڑھا ہے اس پر قولاً و فعلاً عمل کرنے کی سعی میں لگ جائیں تو حقیقت میں اسکے احترام و عظمت کا تصور صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اصحابِ رسول اللہ صلعم نے کبھی بھی مثل بنی اسرائیل۔ یہود ی۔ اور نصاریٰ کے قرآن حکیم کا چوم چاٹ کر احترام نہیں کیا۔ نہ وہاں قرآن حکیم کیلئے جزدان تھے اور نہ مرصع رحل۔ اور نہ چاندی سونے کے صندوق۔ لیکن تعمیلِ احکام قرآنی کا احترام ہر آن اور ہر لحظہ ہو رہا تھا۔

لیکن جب سے حاملینِ توراۃ اور انجیل کی طرح ہم نے قرآنِ حکیم کا تصور اپنے ذہن میں پیدا کر لیا تو اسکی بے حرمتی کا آغاز ہو گیا ---- اب تو وہ صرف حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب۔ یا غیر مرئی قوتوں۔ یعنی موکلین اور فرشتوں کو

مطیع کرنے۔ یا امراضِ جسمانی کو دفع کرنے۔ یا آسیب کو دُور کرنے کے نقوش کے کام کیلئے رہ گیا ہے ــــ بلکہ اس کی ہر سورۃ اور ہر آیت کے تابع ایک موکل۔ جنات۔ یا فرشتہ ــ مقرر سمجھا جاتا ہے۔ یا بعد وہ اوراد۔ اور وظایف حصول مقصد۔ خوش حال زندگی کیلئے مختص سمجھا جانے لگا ــ مختصر یہ کہ وہ ایک طلسماتی بیاض کی صورت مین ہمارے ظنی و ذہنی تصورات کا ایک معبود ہے ــ اور بس ــ

خلاصہ دعوت فکر و فہم قرآن حکیم

گزشتہ اوراق مین جو کچھ مین نے اپنا ذاتی فکر لکھا ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ــ قرآن حکیم کی تلاوت ثواب کی حقیقت کو ہم غلط سمجھ رہے ہین ــ دراصل اسکی تلاوت کا منشا و مقصد یہ ہے کہ ــ ہم اسکے نصایح سے۔ اور اُن مثالون۔ اور تاریخی واقعات سے کوئی سبق اپنے غور و فکر کی حد تک حاصل کرکے اپنی زندگی کو سنوارلین اور اچھی دنیا۔ سچی انسانیت پیدا کرلین۔ اسکے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ایسے دستورِ حیات کو اپنی مادری زبان مین بصورت ترجمہ پڑھین۔ اور ترجمہ سے مفہوم حاصل کرین۔ پھر اسکی روشنی مین اپنی عملی زندگی کا راستہ معین کرلین ــ بس یہ ہے ثواب "مطالعہ قرآن حکیم کا۔ اگر یہ مقصد حاصل نہین ہو رہا ہے تو ہر ساعت ایک ختم قرآن عمر بھر پڑھا کرین تو رتی برابر بھی ثواب یعنی فایدہ حاصل نہین ہوسکتا ایک بات کو ذہن مین جگہ دیجئے کہ (۱۱۴) سورتون کی تلاوت۔ اور رات دن اسکے فکر و فہم مین استغراق۔ کاروبارِ معیشت کو ترک کرکے۔ ایک مہمل اور بے معنیٰ بات ہے۔ قرآن حکیم اپنی ہر سورۃ۔ بلکہ ہر رکوع کو قرآن کہتا ہے۔ اگر آپ کسی ایک جامع سورۃ ہی کو غور و فکر سے عمر بھر پڑھتے رہین تو بلاشبہ قرآن حکیم کی مکمل تعلیم آپکو پیش نظر آجائیگی۔ کیونکہ قرآن کا اساس یہ ہے کہ۔ پڑھو ــ سمجھو ــ اور کرو ــ کیا کرو؟۔ ایسی زندگی اختیار کرو کہ جس سے انفرادی اور اجتماعی انسانیت نمایان ہو جائے اور منشا تخلیق پورا ہو۔ وہ کس طرح؟۔ اس طرح کہ ــ تمہاری دُنیاوی زندگی اچھی سے اچھی ہو جائے جو دوسرون کیلئے قابلِ تقلید ہو۔ یعنی تمہارا تمدن۔ اور معاشرت ــــ تمہارے قول و فعل کی یکسانیت جس مین سوائے سچائی کے دھوکہ۔ فریب نہ ہو۔ جسکے بعد تم کو قانونِ قدرت کے تحت۔ تمام انعامات الٰہی۔ ارضی و سماوی حاصل ہو جائین گے ــ لیکن اسکے لئے تم کو تقلیدِ جامد سے نکل کر آزادیِ فکر و عمل کی فضاؤ مین قدم جمائے رہنا لازمی ہے۔ اور قانونِ مکافات پر تمہاری نظر ہر آن اور ہر لحظہ رہے ــ

پس اہین بنیادون پر قرآن حکیم کی زاید از چھ ہزار آیتین گھوم رہی ہین۔ جس کو (۲۳) سال تک دھیرے دھیرے معلمِ قرآن حکیم کو بتلایا جاتا رہا۔ اور اس حکیم اُمت صلعم نے اپنے اردگرد کے معتقدین کو (۲۳) سال تک بتدریج یہ نصاب سمجھایا [1] اس حقیقت کو سامنے رکھکر ذرا آپ غور کیجئے کہ (۳۰) دن مین قرآن کے (۳۰) ٹکڑے پڑھ لینے۔ اور وہ بھی بلا غور و فکر رٹ لینے۔ یا ایک شب مین قرآن حکیم کا ختم کرکے اپنے کو مستحقِ ثواب قرار دینے کا تصور کس قدر مضحکہ انگیز ہے ــ

---

[1] ۔ نزول وحی قرآنی کا زمانہ (۲۰) سال کا رہا۔ (کیونکہ (۲۳) سال مین پہلی وحی کے بعد (۳) سال فترۃ الوحی کا زمانہ بغیر وحی کے گذرا) اگر حساب کیا جائے تو نزولِ وحی کا اوسط فی آیت (۲۶) گھنٹے (۱۷) منٹ اور فی سورۃ (۶۴) دن ــــ قرار پاتا ہے ــــ اب ہمارے تلاوت کے ثواب اور نزولِ وحی کے ثواب پر غور کیجئے ــــ

میرا یقین یہ ہے کہ اگر کوئی تعلیم یافتہ انسان[1] قرآن حکیم کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں ہفتہ میں ایک مرتبہ صرف ایک صفحہ پڑھ کر ایک دو گھنٹے اس ذکر۔ یعنی نصیحت پر غور و فکر کر کے اپنی عقل کے لحاظ سے تعلیم حاصل کر رہا ہے تو اسکا ثواب اس قاری قرآن کے مقابل ہزار گونہ بڑھا ہوا ہے۔ جو پچاس سال سے روزانہ صبح اور شام ایک ایک سالم قرآن کو رٹنے کا عادی ہے۔

آپ اس روایت پر غور کیجئے کہ جب سورۂ روم کی وحی نازل ہوئی تو غلبت الروم۔ یفرح المومنون بنصر اللہ" کے دو جملے حضرت عمرؓ کیلئے مہینوں مرکز غور و فکر رہے۔ یا عبد اللہ بن عمرؓ سورۃ البقرہ کو آٹھ سال تک پڑھتے رہے۔ اسکے بعد کیا آپ تلاوتِ کلام الٰہی کے مقصد کو بھی کبھی پیشِ نظر لائیں گے؟۔

شیخ سعدیؒ نے کہا تھا ـــ

گر تو قرآں بریں نمط خوانی   بہ بری رونقِ مسلمانی

تو ہم نے اسکا مقصد یہ لیا کہ قرآن کو اسطرح قراءت سے پڑھو کہ صرف کیفِ سماعت سے ہم مسحور ہو جائیں۔ گویا یہ ایک موسیقی کے بول ہیں ـــ غور کیجئے کہ جب ہم نے قرآنِ حکیم کی معنوی تحریف سے احتراز نہیں کیا تو بھلا شیخ سعدیؒ کا کلام کس شمار و قطار میں ـــ میرا فکر اس شعر کے متعلق تو یہ ہے کہ ـــ اگر قرآن کو یہود اور نصاریٰ کے طور طریق پر رٹ لیا جائے اور فکر و فہم کا اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اس طریقہ کی تلاوت بلاشبہ تیرے مقصدِ حیات کو برباد کر دینے والی ہوگی۔

میرے زیرِ مطالعہ تراجم قرآن

جو

سلسلۂ نزولِ وحی کے ترتیب کا ماخذ ہیں

(۱) ترجمہ فارسی، شیخ سعدیؒ (۲) ترجمہ فارسی، حضرت شاہ ولی اللہؒ (۳) ترجمہ ہندی، شاہ عبد القادرؒ (۴) ترجمہ اردو، نذیر احمد صاحب مرحوم (۵) ترجمان القرآن، محمد علی صاحب لاہوری (۶) ترجمہ محمود الحسن صاحب شیخ الہند (۷) ترجمان القرآن، علامہ ابو الکلام آزاد (۸) ترجمہ اردو، فتح محمد خان صاحب جالندھری[2]

متذکرۂ بالا ترجموں میں جو ترجمہ حصولِ فہم کے لئے مجھکو آسان معلوم ہوا اسکو میں نے لے لیا۔ یا اس آیت کے مفہوم کو لکھدیا۔ کیوں؟ـــ اسلئے کہ اگر آپ اس بات پر غور و فکر کریں کہ قرآن حکیم "خطاب" ہے۔ یا "مضمون"! تو معلوم ہوگا کہ ـــ قرآن حکیم از آغاز تا اختتام "خطاب" ہی "خطاب" تھا۔ اور آج بھی ہے۔ نہ کہ "مضمون"۔ ظاہر ہے کہ تقریر اور

---

[1] ۔ میں ہر اس شخص کو تعلیم یافتہ کہتا ہوں جو اپنی مادری زبان میں دُنیاوی کاروبار کی سوجھ سمجھ رکھکر اپنے نفع و نقصان کا اندازہ صحیح طور پر کر لیتا ہے۔ جب وہ اپنے دُنیاوی معاملات کے نفع و نقصان کو سمجھ سکتا ہے تو پھر اچھی دنیا اور سچی انسانیت کے واضح نظریات اسکے سوجھ بوجھ سے اوجھل نہیں رہ سکتے۔ وہ پڑھ کر۔ اور سُن کر۔ اپنے فکر سے کام لے سکتا ہے۔ اور نتائج نیک و بدکی تمیز کر کے صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ چونکہ نزولِ قرآن کے وقت مخاطبین میں فی ہزار ایک بھی لکھا پڑھا نہ تھا۔ لیکن سب نے قرآن حکیم کو سُن کر ہی فہم حاصل کیا۔ سمجھا۔ اور عمل کیا تھا۔ تو آج ایسا کیوں نہیں ہو سکتا ـــ

[2] ۔ (۷) وہیں مکی وحی سے علامہ مودودی کا "تفہیم القرآن" ستمبر ۱۹۵۹ء سے میرے زیرِ مطالعہ آ گیا ہے۔ یعنی سورۂ "زمر" سے۔

تحریر مین بڑا فرق ہوتا ہے۔ خطاب مین خطیب کے مخاطبین۔ اُنکے فہم و ادراک کے لحاظ سے ہی مخاطب کئے جاتے ہین۔ جسکے بعد سُننے والے اشارات۔ محاورات و کنایات سے سب کچھ سمجھ لیتے ہین۔ اور مثالون کو واضح طور پر بیان کرنیکے بجائے اجمالاً ذکر کردینا کسی تاریخی حقیقت کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اور بعض طنزیہ فقرہ مجمع میں بعض افراد کیلئے تازیانۂ عبرت بن جاتا ہے — بہرحال خطاب تو سب ہی کے سمجھ کی بات ہوتی ہے۔ اور یہی شانِ خطابت ہے[1]۔ اگر کسی خطیب کی تقریر کو کوئی شارٹ ہینڈمین وعن قلمبند کرکے — بعد تصدیقِ مقرر شایع کرادے تو اس تحریر کے پڑھنے والون کیلئے نہ تو وہ لطف آئیگا جو خطابت مین آیا تھا۔ اور نہ تحریر مین وہ شانِ خطابت نمایان ہوگی۔ بلکہ بعض جملون کا مفہوم محتاجِ توضیحات ہوگا۔ اگر اسی خطبہ کو بر زبان یا دکرکے دہرایا جائے۔ جب بھی حاضرینِ مجلس کے بدل جانیکی وجہ خطاب مبہم ہی رہیگا۔ چنانچہ آپ اس حقیقت کو آج کل زمانہ عام جلسون مین خطبۂ صدارت یا تقاریر کے وقت محسوس کرسکتے ہین۔ اور وہان سے ہٹ کر وہی تقاریر و خطبات جب اخبارات مین آتے ہین اور اس مجلس کے باہر والے اسکو پڑھتے ہین تو ان کے مختلف الرائے ہوتے پر آپ نے اکثر حیرت و استعجاب ظاہر کیا ہوگا۔ اگر اس کلیہ کو پیشِ نظر رکھکر قرآن کے ترجمون کو پڑھا جائے تو وہ آسانی سے فہم مین آسکتے ہین — لیکن بجائے تحت اللفظی ترجمہ کے قرآن کا مفہوم بطور ترجمانی بیان کیا جاتا تو وہ زیادہ دلنشین ہوتا تھا۔ اسی نظریہ کے تحت سب سے پہلے علامہ ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" کو لکھا۔ اور اردو والون کیلئے فہم قرآن حکیم کا ایک دروازہ کھول دیا[2] — پس مین نے بھی ترجمہ کے بجائے مفہوم کو ان عام فہم الفاظ مین لکھنے کی کوشش کی ہے — خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے ارادہ مین استقامت عطا فرما کر میرے اس فکر و فہم کو منشاء قرآن حکیم سے قریب سے قریب تر اور عام فہم بنادے — آمین ثم آمین[3]۔

میرے نوٹ ہر آیت یا سورۃ یا رکوع کے متعلق جو کچھ ہین وہ زمانۂ نزول کے ماحول اور مخاطبین کے پیشِ نظر اسی ماحول کی روشنی مین ہین[4]۔

---

[1]۔ میرے اس فکر کی تائید کیلئے دیکھئے "تفہیم القرآن" کا مقدمہ صفحہ ۲۴ و ۲۵۔

[2]۔ کاش۔ علامہ آزاد مابقی دو حصص "ترجمان القرآن" کی اشاعت فرمادیتے۔ اور ہر چہار حصص کی اشاعت کیلئے کوئی ٹرسٹ کی اپیل مسلمانانِ ہند سے کرکے معمولی قیمت پر اس تعلیم کو دُنیا کے انسانون تک پہنچانے کی سعی فرماتے۔ مین سمجھتا ہون کہ سیاسیات کی مصروفیات مین "ترجمان القرآن" کا مقام بھارت مین بہت بلند ہوگا کیونکہ سکولرزم حکومت کیلئے قرآن حکیم سے بہتر دستور الہٰی اور کوئی نہین ہوسکتا۔ بشرطیکہ بھارت کی قوم بلالحاظ مذہب و ملت ترجمان القرآن کو بلاتعصب مطالعہ کرے۔ (۱۹۴۵ء)

[3]۔ اس کتاب کے طبع ثانی کے موقع پر مجھ کو اس حقیقت کے اظہار کی مسرت ہے کہ علامہ مودودی کا "تفہیم القرآن" اس فرض کو بڑی حد تک پورا کررہا ہے۔ اور میرے فکر متذکرہ صدر کی کما حقہٗ تائید بھی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن "جلد اول کا مقدمہ"

[4]۔ میرے مطالعۂ قرآنی کا زمانہ اس طرح گزرا ہے کہ کفر و شرک اور وجودِ ذات باری تعالیٰ اور رسول دینی وادبیا اللہ ہر حالی ہر ایک کے متعلق کوئی پہلو ایسا نہین تھا جو میرے لئے انکار کا نہ رہا ہو۔ لیکن بالآخر غور و فکر و نفسیاتی حقیقت کا پتہ چلانے کے بعد مجھ کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ بمصداق ؎

"کافر نتوانی شد۔ ناچار مسلمان شو"

ان تاریخی واقعات کا ماخذ تمدنِ عرب اور پس منظرِ اسلام سیرۃ قرآنیہ محمد صلعم ۔مولفۂ علامہ محمد اجمل خان ایم ۔اے ہے ۔کیونکہ جناب خانصاحب موصوف نے اپنے تین سالہ ریسرچ کے بعد اسکو شایع کیا ۔اور علامہ عبید اللہ سندھیؒ کے فیضِ صحبت سے بھی آپ نے کما حقہٗ استفادہ کیا ہے ۔میرا خیال ہے کہ محمد اجمل خانصاحب کا ریسرچ ایک نئے انداز پر ہوا ہے ۔جس کو صحیح معنی میں قرآن کی تلاش ۔قرآن ہی میں کہنا بے جا نہ ہوگا ۔وہ محض روایات ہی میں بہتے نظر نہیں آتے ۔بلکہ نزولِ وحی کو قرآن حکیم کے اندر ہی تلاش کرتے ہیں ـــــ پھر اس کو سیرت محمد صلعم کی روشنی میں کافی جانچ کرتے ہیں ۔جس میں وہ زمانۂ تبلیغ کے ماحول اور رسالت مآب کے طرزِ تعلیمِ اسلام سے اپنی نظر کو ہٹنے نہیں دیتے ۔یہ ہے ان کے ترتیب نزولِ قرآن مجید کے تحقیق کا طریقہ۔[۱]

علامہ محمد اجمل خان کی تحقیق کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کے نقش قدم پر اجتہاد کے اصول مقرر کرکے اپنی خداداد قوتِ غور و فکر سے آگے بڑھتے چلے گئے ہیں ۔اور تقلید جامد کی انھوں نے یکسر نفی کردی ۔کیونکہ یہ رنگ نہ صرف حضرت امام حنبلؒ کا تھا ۔بلکہ یہی طریقہ امام بخاریؒ و امام اعظمؒ نے اختیار کیا تھا[۲] میرے اس خیال کی تائید میں شارح حکمت ولی اللہی[۳] حضرت علامہ عبید اللہ سندھیؒ کی رائے کا اقتباس بطور سند کے پیش کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

اقتباسِ رائے متعلق ترتیب نزولِ قرآن مجید

قرآن عظیم کا ہر سورۃ کے متعلق مفسرین کے پاس روایتیں موجود ہیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئیں یا مدینہ میں ـــ لیکن متعدد سورتوں کے متعلق روایتیں اس قدر مختلف ہیں کہ جن کی تطبیق و ترجیح با سانی ممکن نہیں بعض احکام کی تاریخ ان روایتوں کی تغلیط کرتی ہے ۔محقق مفسرین اپنے مسلمہ نظریہ کی مدد سے ان روایتوں کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اسلئے یہ روایتی سلسلہ ناقابلِ اطمینان ہوگیا ہے[۴] مولانا محمد اجمل خان با لقابہ کا ان مفسرین پر ہمیشہ احسان رہے گا ۔کیونکہ انھوں نے قرآن کی اندرونی شہادت کی مدد سے مکی سورتوں کے معین کرنیکا راستہ کھولدیا ہے ۔اور روایات کے اختلاف سے جو اغلاق پیدا ہوا تھا ۔اسکو دور کرنیکی پوری کامیابی سے کوشش کی ہے ۔

مولانا اجمل خان نوجوان مسلمانوں کیلئے قابلِ تقلید نمونہ ہیں ۔وہ گیتا کا ترجمہ کرتے ہیں ۔وہ قرآن کے

---

[۱] ۔ترتیب نزول قرآن مجید ۔مولفۂ علامہ محمد اجمل خان --- ایم ۔اے ۔مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی)۔ یہ مقالہ اخبار مدینہ میں مسلسل شائع ہوتا رہا جسکو لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا ۔اور ہزاروں نے بصورتِ رسالہ اس کے اشاعت کی خواہش کی ۔جسکی وجہ سے ۱۹۴۱ء میں یہ کتاب شایع ہوئی جسکو صاحبانِ علم نے بنظرِ استحسان پڑھا لیکن آج تک اس تحقیق پر کسی کا اعتراض میری نظر سے نہیں گزرا ۔بلکہ علامہ عبید اللہ سندھی نے اسکو سراہا ہے ۔اور اجمل خان صاحب کے نام کے ساتھ "مولانا" کا لفظ استعمال کیا ہے ۔اسلئے میں بھی انکے نام کے ساتھ لفظ "علامہ" لکھتا ہوں ۔

[۲] ۔ترتیب نزول قرآن مجید کے اصول صفحہ (۴۵) پر ملاحظہ ہوں ۔

[۳] ۔علامہ عبید اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ حکمتِ قرآنی کو نظر تعمق سے دیکھا ۔اور اسکو دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا ۔اور دنیائے اسلام کو اس سے روشناس کرانیکے لئے انتہا تکالیف برداشت کیں یہاں تک کہ اپنی زندگی ختم کردی ۔ اس صلہ میں بعض علمائے اسلام نے آپ کو شارح حکمت ولی اللہی کا خطاب دیا ۔

[۴] ۔رسائل فوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عام مفسرین کی بعید از قیاس (باقی صفحہ ۳۸ پر)

احکام مین طبعی نظام پیدا کرنیکے لئے جد وجہد مین مصروف ہین ۔ اسی طرح وہ ہندوستان کے مسلمانون کیلئے نیا پروگرام معین کرنیکی صلاحیت پیدا کر رہے ہین ۔ خدا کرے کہ ہمارا نوجوان ۔ جو بے انتہا قوتِ عمل کا مالک ہے یشعر وشاعری سے بچکر اسلامی پروگرام سوچنے مین مصروف ہو جائے ۔ چونکہ اسکا نصب العین دھندلا ہے ۔ وہ اسلامیت اور ہندوستانیت مین تطبیق نہین دے سکتا ۔ اس گرد وغبار کو قرآنی نظریات ہی سے صاف کرنا ہوگا ۔ جیسے کہ مولانا اجمل خان نے اس کام کا آغاز کیا ہے[۱]

اگر جامعہ ملیہ قرآنی تحقیقات کیلئے فیکلٹی (FACULTY) قائم کرے تو مین اسکے سامنے شہادت دینے تیار ہون کہ مولانا اجمل خان کو ڈاکٹر مان لیا جائے ۔

اب آیندہ اوراق مین موجودہ قرآن حکیم کے جمع وترتیب کے متعلق تاریخی واقعات سے روشنی ڈالی جائے گی ۔ تاکہ میرے مرتبہ چارٹ کے لحاظ سے قرآنی سورتون کو ترتیب نزولِ وحی سے مطالعہ وغور وفکر مین آسانی ہو جائے ۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

"اس کتاب کے قانون الٰہی ہونے مین ذرا بھی شک وشبہ نہین"

یون تو ہر حامل کتاب اپنی مقدس کتاب کو بیجا میر خدا کیطرف بلا کسی تحریف وتغیر کے منسوب کرتے ہوئے اس کے ہزارون سال سے محفوظ ہونیکا بالیقین کامل رکھتا ہے ۔ لیکن دوسرے مذاہب کے پیرو اسکے تغیرات کو بڑی تحقیق و تدقیق سے جانچ کر اپنے زورِ کلام سے اس پر نکتہ چینی کرنیکی کوشش مین سرگردان رہتے ہین ۔

جب کسی مذہب کی کتابِ مقدس کے متعلق کوئی غیر مذہب با وجود سخت تعصباتِ ذہنی کے اپنی ممکنہ تحقیق کے بعد اسکو مستند مان لینے پر مجبور ہو جائے تو میرے خیال مین اس سے بڑھ کر کوئی ثبوت اس کتاب کے اصلی ہونیکا نہین ہو سکتا ۔

قرآن کے غیر مسلم مصدق

نظریۂ بالا کو سامنے رکھکر جب ہم قرآن حکیم کے متعلق ۔ جو تمام کتبِ مقدسہ کا آخری ایڈیشن اور تمام سابقہ کتبِ مقدسہ کا مصدق بھی ہے ۔ ایک ایسے مورخ کا بیان دیکھتے ہین جس نے حضرت محمد صلعم کے حیاتِ طیبہ پر سیر حاصل تنقید وتبصرہ کرتے ہوئے "لائف آف محمدؐ" لکھی ہے ۔ تو ہم اپنی کتابِ مقدس کے اصلی حالت پر ہونے پر ایمان کے ساتھ اطمینانِ قلب بھی حاصل کرتے ہین ۔ مسٹر ولیم میور جیسے محقق مؤرخ (جو ایک غیر مسلم یعنی عیسائی مذہب کے پیرو تھے "قرآن اور محمد صلعم" کے حالات کا ریسرچ کرنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ مکہ اور مدینہ مین گزارا) اپنی تالیف کو یورپ کے سامنے پیش کرتے ہین ۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسے محقق کو قرآن کے متعلق ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ رائی کو پہاڑ بنانے مین کچھ بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) موشگافیونکے باعث علم تفسیر قرآن سے فہم قرآن کی محرومی اور دوری کے اسباب معلوم ہوسکتے ہین ۔ جو اس جملہ کی بین شہادت ہے ۔

[۱] اس سوال کا جواب کہ کیا چودھوین صدی مین اسطرح اجتہاد کا حق کسی کو ہے؟ آپکو آیندہ اوراق مین ایک مستقل عنوان کے تحت ملے گا ۔

پس وپیش نہ کرنا۔ پس ہم قرآن کے متعلق انکی رائے کا اقتباس پیش کرتے ہین :۔

"جہان تک ہمارے معلومات ہین۔ دنیا بھر مین ایک بھی ایسی کتاب مقدس نہین جو اسکی (قرآن) طرح بارہ صدی تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔ اور ہمارے لئے اس بات کو مان لینے کے لئے ناقابلِ تردید ایسے زبردست وجوہات موجود ہین کہ محمدؐ کی زندگی مین قرآن کے (سورتین) متفرق نسخون مین لکھے ہوئے صحابہؓ کے پاس موجود تھے۔ اور ان نسخون مین تقریباً سارا قرآن موجود تھا۔

چونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دعوتِ نبوت سے پہلے مکّہ مین فنِ تحریر رائج تھا۔ اسکے متعلق نہ صرف مین بلکہ وآن ہیمر نے بھی انتہائی تحقیق کے بعد یہی رائے قایم کی ہے۔

ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآنِ موجودہ کو بعینہٖ (محمد صلعم) کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھنے پر مجبور ہین جیسا کہ مسلمان اسکو خدا کا کلام سمجھتے ہین"۔

ایک اور مغربی مورخ و محقق مسٹر راڈویل نے جو ترتیب نزولِ وحی کا ریسرچ کیا ہے اپنے ترجمۂ قرآن بزبان انگریزی مین لکھتا ہے کہ :۔

"کم از کم اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی سورتین لکھے ہوئے نسخون کی صورت مین زیرِ استعمال تھین۔ چنانچہ عمرؓ کی بہن نے سورۂ طٰہٰ کا نسخہ بغیر غسل کے عمرؓ کے ہاتھ مین دینے سے انکار کیا تھا"[1]

اللہ تعالیٰ خود قرآن کی حفاظت فرماتا ہے۔

اب قرآن حکیم کے اس دعوے پر نظر ڈالئے جس مین اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" (الحجرات)

(اس قرآن کو ہم نے اتارا ہے اور اسکی حفاظت کے ہم ہی ذمہ دار ہین)

جب تک کسی وعدہ کا ایفاء ثابت نہ ہو۔ ایسا وعدہ اور عہد کوئی چیز نہین۔ اسلئے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے وعدۂ الٰہی جو اس قرآن کی حفاظت کا فرمایا گیا تھا۔ اسکے پورا ہونیکی تصدیق اپنون[2] سے نہین بلکہ غیرونکی انتہائی قوتِ تلاش کے بعد جو بیان کی گئی ہے۔ آپکے سامنے پیش کردی گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کا وعدہ سچا ہوگا۔

حفاظِ قرآن

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مقدس کتابون کو از ابتداء تا انتہا مسلسل حفظ کرنے والونکی تعداد فی زمانہ عام طور پر اتنی نہین ہے جتنی کہ قرآن کے حفاظ کی ہے۔ باوجود اس کے کہ عربی کا ایک لفظ نہین جانتے۔ لیکن ہر ملک اور ہر قوم مین قرآن کے حفاظ موجود ہین۔ جن کی تعداد

---

[1] گو اس روایت کو ضعیف کہا جاتا ہے۔ اسلئے کہ اس وقت طہارت و غسل کے احکام نازل نہین ہوئے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہین کہ زمانۂ کفر مین بھی کفار اپنے اصول کے تحت طہارت کے قایل تھے۔ جیسے کہ آج بھی اہلِ ہنود بغیر اشنان کے کھانا نہین کھاتے۔ پوجا وغیرہ تو بڑی چیز ہے۔ پس اس اعتبار سے اگر حضرت عمرؓ کی بہنؓ نے زمانۂ کفر کی عادت کے تحت حضرت عمرؓ کو غسل کرنے کہا ہو تو کوئی عجیب بات نہین تھی محض اس نظریہ کے تحت کہ احکامِ غسل بعد مین نازل ہوئے اس روایت سے انکار کی کوئی وجہ نہین۔ البتہ دوسرے اسناد سے اس واقعہ کی نسبت ضعیف ہونا کہا جاسکتا ہے۔

[2] "کس نگوید کہ دوغِ من ترش است"۔ اپنی چیز کو ہر ایک اچھی ہی کہتا ہے۔ بات تو جب ہے کہ دوسرونکی نظر مین اسکی اچھائی نظر آئے۔

ہر زمانہ مین کرۂ زمین پر تیرہ سو سال سے لاکھون کی شمار ہوتی رہی ہے۔ برخلاف اسکے دیگر مقدس کتابون کے حافظ فی زمانہ بمشکل معدودے چند نکلین گے۔

بہر حال قرآن حکیم اپنے روشن نقوش کے ساتھ آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ ساڑھے تیرہ سو سال قبل زمانۂ خلافت عثمانی مین تھا۔

تدوین قرآن حکیم

روایات سے ثابت ہے کہ ہر سال ماہ رمضان المبارک مین آنحضرت صلعم جبریل امین سے نازل شدہ حصہ کو دُہرا لیا کرتے تھے۔ اور سنہ کے رمضان مین جب کہ آپ کو ہام مجاہدانہ سرگرمیون سے فرصت مل گئی تو آپ نے دو مرتبہ تمام منزل قرآن کو فرشتۂ وحی یعنی جبریل کے ذریعہ دُہرایا۔ اور مختلف سورتون کو الگ الگ کرکے ہر سورۃ کو دوسری سورۃ سے علیحدہ کرسکنے لئے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کی تاکید فرمائی لیکن خود مختلف سورتون کی کوئی ترتیب نہین دی۔ کیونکہ صحابہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ کونسی تعلیماتِ قرآنی کس زمانہ کی ہین۔ اور کیون نازل ہوئی ہین۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد (۲۳) سال تک مختلف اصحابؓ رسولؐ کے پاس مختلف ترتیب سورۃ کے ساتھ پورا قرآن محفوظ تھا۔ سنہ ۳۳ھ مین حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ نے مشورہ سے موجودہ سورتون کی ترتیب دی۔ جو آج ہمارے سامنے ہے (اقتباس از مختصر سیرۃ مرتبہ محمد اجمل خان صاحب صفحہ ۲۴۵)۔

احادیث ہی نہین۔ بلکہ مورخین کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر حصہ قرآن حکیم کا آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین تحریر ہوتا رہا ہے۔ نہ صرف لکھا گیا۔ بلکہ قرآن کے حافظ[1] و قاری بھی موجود تھے۔ لیکن جب ہم نزولِ قرآن کے (۲۳) سالہ زمانہ پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت وحالات وقتاً فوقتاً بتدریج (۲۳) سال تک نازل ہوتا رہا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم سے کذبین نے اس طریقۂ نزول پر اعتراض کیا کہ "کیون وقتِ واحد مین قرآن آپؐ پر نازل نہین ہوتا؟" تو ذریعۂ وحی اس کا جواب ملا کہ :-

"اور کافر کہتے ہین کہ اس پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیون نہین نازل کر دیا گیا؟ — ان ناسمجھون سے کہدو کہ۔ بتدریج نزول کا منشاء یہ ہے کہ تمہارے تزکیۂ نفس و اطمینانِ قلب کو مستحکم کیا جائے۔ پس اسلئے ہم اسکو بتدریج نازل کر رہے ہین۔" (الفرقان۔ آیت ۳۲)۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔ کیا موجودہ قرآن حکیم جسکو ہم پڑھتے ہین۔ نزولِ وحی کے موافق ہے؟ — اسکا جواب کہین سے بھی اثبات مین بجز نفی کے نہیں ملتا[2]۔ لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہین کہ سورتون مین آیات و رکوع

---

[1] اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن کی ہر سورۃ "قرآن" کہلاتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات مین اور بعد بھی جس کسی کو سورۂ بقرہ یاد تھی وہ حافظ قرآن کہلایا جاتا تھا۔ یا کسی کو دس پندرہ سورتیں یاد تھین وہ بھی حافظِ قرآن کہلاتا تھا۔

سنہ ۳۳ھ مین جب موجودہ ترتیب عمل مین آئی۔ اور اسکے بعد ترتیبِ موجودہ کے لحاظ سے (۱۱۴) سورتین مسلسل حفظ کی جانے لگین تو حافظِ قرآن کا مفہوم بدل گیا۔

[2] تفصیلی حوالون کیلئے ملاحظہ ہو "کشاف البدیٰ" صفحہ (۱۵۰) بحوالہ "اتقان" و "فتح الباری"۔

جس سلسلہ سے ہم پڑھتے ہین۔ وہ حسب ارشاد آنحضرت صلعم کے ہی لکھے ہوئے ہین۔ اور آج بھی اسیطرح موجود ہین جس طرح کہ آپ کی حیات ہین اسکا سلسلہ قایم کرایا گیا تھا۔ پس اس حدتک واقعہ تواتر سے ثابت ہے جسمین کسی کو بھی اختلاف نہین ہے۔ بلکہ نامسلمان مورخین بھی اسکو تسلیم کرتے ہین۔ اب رہی یہ بحث کہ سورتون کو ایک جگہ کب اور کسطرح جمع کیا گیا۔ آیندہ صفحات کے پڑھنے سے اسکا انکشاف ہوگا۔

محرک جمع القرآن

حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ:۔ "جنگ یمامہ کے بعد ابوبکرؓ نے مجھے بلا بھیجا (جب مین حاضر ہوا) تو دیکھا کہ عمرؓ بن الخطاب بھی موجود ہین۔ ابوبکرؓ نے مجھے دیکھ کر کہا کہ۔ عمرؓ میرے پاس آئے ہین۔ اور مجھسے کہتے ہین کہ۔ یمامہ کی جنگ مین قاریان قرآن ستر شہید ہو گئے ہین۔ مین ڈرتا ہون کہ اگر اور جنگون مین بھی اسی طرح قاری لوگ شہید ہوتے رہین تو قرآن کا بہت سا حصہ گم ہو جائیگا۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم دین"۔

(حضرت ابوبکرؓ نے کہا اس تحریک کے جواب مین کہ):۔

"مین عمرؓ سے کہہ رہا ہون کہ۔ تم کیون کر اس کام کو کرتے ہو۔ جسکو آنحضرت صلعم نے نہین کیا[1]۔ اس کا جواب عمرؓ یہ دے رہے ہین کہ:۔ خدا کی قسم۔ اسی مین بہتری ہے۔ الخ۔ پس عمرؓ میرے ساتھ مباحثہ کرتے رہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ کھول دیا۔ اور میری بھی یہ رائے ہوگئی۔ یعنی مین بھی جمع القرآن کی تحریک عمرؓ سے متفق ہوگیا۔"

زیدؓ کہتے ہین کہ:۔ "(اس تمام واقعہ کو سنانے کے بعد) پھر ابوبکرؓ نے مجھے مخاطب کیا۔ اور کہا کہ:۔ تم عقلمند جوان آدمی ہو۔ ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہین لگا سکتے۔ اور تم رسول اللہ کے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ پس تم قرآن کو تلاش کرکے جمع کرو[2]"۔

(زیدؓ کہتے ہین کہ) "خدا کی قسم۔ وہ مجھے کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا زیادہ دشوار نہ تھا۔ جتنا کہ قرآن کو جمع کرنا دشوار تھا[3]۔ (اس کے بعد زیدؓ نے جواب مین ابوبکرؓ سے) کہا کہ:۔ تم لوگ وہ کام کیونکر کروگے جس کو

---

[1] ۔ یہ روایت صحیح بخاری و اتقان و فتح الباری۔ و ترمذی۔ کے حوالون سے کشاف الہدی کے صفحہ (۱۰۵) پر مفصل درج ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی مین تمام قرآن کو یکجا جمع نہین فرمایا تھا۔ اور نہ ایسا حکم دیا تھا۔ البتہ وہ ذات رسول صلعم مین مکمل جمع تھا۔ جیسا کہ صحفات صدر مین حضرت جبریلؑ سے دو مرتبہ قرآن کے دُہرانیکا ذکر موجود ہے۔

[2] ۔ دیکھیے اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ تمام قرآن نہ تو کسی کو حفظ تھا۔ اور نہ لکھا ہوا کسی ایک ہی کے پاس تھا۔ بلکہ چیدہ چیدہ مختلف صحابہؓ کے پاس یا تو لکھا ہوا تھا۔ یا حافظہ مین تھا۔ جس کو تلاش و جستجو کے بعد یکجا جمع کرنیکا حکم دیا گیا تھا۔

[3] ۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری تھی کہ نزول وحی مکی کا دور جس کشمکش و مخالفت مین گذرا۔ اور ابتدائی دور کی جو بے سرو سامانی پاس و نا امیدی کی وجہ ہوا کرتی ہے۔ اس پر اگر نظر غائر ڈالی جائے تو کاتب وحی حضرت زیدؓ کا یہ جملہ صاف سمجھ مین آسکتا ہے کہ مکی دور کی وحیان کس طرح ضبط تحریر مین لائی جاسکتی ہین۔ جب کہ ان کے محفوظ رکھنے کا اس وقت کوئی سوال ہی نہ تھا۔ میرا فکر تو یہ ہے کہ اُن وحیون کو آنحضرت صلعم بھی بجز مدد جبریل کے اپنی یاد داشت مین جگہ نہین دے سکتے تھے۔ اسی لئے تو یہ روایت احادیث مین موجود ہے کہ ہر سال رمضان مین حضرت جبریلؑ کے سامنے (باقی صفحہ ۴۲ پر)

رسول اللہ صلعم نے نہین کیا؟ (تو ابو بکرؓ نے) کہاکہ — خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے! — ابو بکرؓ برابر اصرار کرتے رہے:
یہان تک کہ خدا نے میرا سینہ بھی اس کام کیلئے کھول دیا جس کام کیلئے اس نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کا سینہ کھول دیا تھا.
پس مین نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس کو ہڈیون۔ سفید پتھرون اور لوگون کے سینون سے جمع کرنے لگا۔
یہان تک کہ مین نے سورۂ توبہ کا آخری حصہ ؎ — "لقد جاءکم رسول الخ" سے آخری سورۃ تک
ابو خزیمہؓ کے سوائے کسی کے پاس نہین پایا۔"

اِس تصفیہ کے بعد جمع قرآن کا جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ حسب ذیل تھا:—
ابو بکرؓ نے یہ حکم دیا کہ عمرؓ اور زیدؓ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائین۔ اور جو شخص تمہارے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ پیش کرے تو جب تک وہ دو گواہ نہ لائے۔ اسکی پیش کردہ آیات تسلیم نہ کی جائین۔؎
چنانچہ اس حکم کی تعمیل حضرت عمرؓ و زیدؓ نے نہایت شدت کے ساتھ کی۔ ابن ابی داؤدؒ کی روایت ہے کہ:—
"عمرؓ کسی شخص سے قرآن کا کوئی حصہ اس وقت تک قبول نہین کرتے تھے جب تک کہ وہ دو گواہ نہ لائے"۔؎
اِس حزم و احتیاط کے ساتھ قرآن کی وہ تمام سورتین نقل کرلی گئین جو وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلعم پر نازل ہوئی تھین۔
اور متفرق تھین۔
گویا رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ قرآن حکیم کے متفرق اجزاء اوراق مین یکجا جمع کر دیئے گئے۔
لیکن ان اوراق مین سورتون کی ترتیب نہین تھی۔ کیونکہ اوراق ایک جلد مین نہین تھے کہ سورتون کی ترتیب ہوتی۔
بلکہ یہ متعدد صحیفون (یعنی ٹکڑون) مین لکھے ہوئے تھے۔ لیکن ہر سورۃ کی آیتین اسی طرح لکھی گئین جس ترتیب سے آنحضرت صلعم نے اپنی حیات مین بتلا دیا تھا۔؎
مذکورہ جمع القرآن کے بعد یہ صحیفے حضرت ابو بکرؓ کے پاس محفوظ کر دیئے گئے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے۔ اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ام المومنین حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے۔؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) قرآن کو دو وقت دُہرایا تھا۔
یہ بات اس مثال سے ذہن مین آسکتی ہے کہ — علامہ اقبال مرحوم کی زندگی مین اُن سے کہا جاتا کہ — آپ نے آغاز شاعری سے جو کلام لکھا ہے کیا وہ آپ کے حافظہ مین محفوظ ہے؟ تو جواب نفی مین ملتا — اسی طرح کسی زبردست حافظہ کے خطیب کا حال ہوگا۔
یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد ترتیب نزول وحی کے صحیح اور مستند روایات تاریخ حدیث مین نہین ہین۔
اور بعض اصحابؓ رسول صلعم اور تابعین نے اِن الفاظ مین سچائی سے اعتراف کیا کہ: "اگر جن و انس ملکر بھی ترتیب نزول وحی کو مرتب کرنا چاہین تو نہین کرسکتے"۔ — اِس جملہ کو جس رنگ مین حاملین قرآن نے سمجھا اور پیش کیا وہ ان کا اپنا اپنا فکر اور عقیدہ تھا۔ اور آج بھی ہے — لیکن ایک محقق کیلئے تو ان عقاید کی کوئی اہمیت نہین ہو سکتی —
البتہ بنیاد حقیقت اسکے پیش نظر ہوگی — اور اسکے لئے قیاس محکم کی بناء پر غور و فکر کا میدان ہمیشہ کھلا ہوا ہے — پس ترتیب نزول وحی کے محقق کیلئے (خواہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ ہون یا عکرمہؒ یا ہرشفیلڈ یا علامہ اجمل خان) بجز اپنی اپنی قیاسی اور فکری تحقیق کے کوئی چارہ نہین — یہی وجہ ہے خود اصحابؓ رسول اللہ صلعم مین نزول وحی کے سلسلہ مین — اور شان نزول وحی کے سلسلہ مین اختلافات موجود ہین — ؎ حوالہ کیلئے دیکھو بخاری باب جمع القرآن — (باقی ؎ تا ؎ صفحہ ۴۳ پر)

ان تمام روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جمع القرآن کے محرک حضرت عمرؓ ہین۔ آنحضرت صلعم کی حیات مین بعض امور کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے اس قدر صحیح ہوتی تھی کہ اسکی تائید وحیِ الٰہی سے ہو جاتی۔ چنانچہ بعض نامسلمان مورخین کو اس مین ایک قسم کا اشتباہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ جس کو انھوں نے ان الفاظ مین لکھا کہ:۔

"قرآن مین بعض امور عمرؓ کی رائے کے مطابق ہین"

اس بیان کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے آپؓ کی اصابتِ رائے کی قدر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا"

پس اس روشنی مین میرا یہ ایقان ہے کہ حفاظتِ قرآن کیلئے حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کے بعد الہامِ خداوندی کے ذریعہ جمع قرآن کا حکم ملا تھا جسکی تعمیل ہوئی۔ ایک جلیل القدر صحابیؓ کے متعلق میرا یہ فکر بے محل نہین ہو سکتا ـــ لہذا مین محرک جمع القرآن اور جامع القرآن حضرت عمرؓ کو سمجھتا ہون۔

یہان تک تو سورتون کو یکجا جمع کرنے کا ذکر کیا گیا۔ اب آیندہ اوراق مین یہ بتلایا جائیگا کہ یہ تمام سورتین ایک مصحف مین کس طرح لکھے گئے۔

مرتب سور القرآن حضرت عثمانؓ

اب ہم خلافت حضرت عثمانؓ کا ذکر کرین گے۔ جن کے عہدِ خلافت (۲۳ تا ۳۵ھ) مین موجودہ ترتیب سور القرآنی کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

صحاح کی روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

حذیفہؓ فتح ارمنیا مین اہلِ شام کے ساتھ تھے۔ اور وہ جب آذربیجان مین اہلِ عراق کے ساتھ جنگ مین شریک تھے تو وہان پر ان کو مسلمانون کی مختلف قراءتون نے گھبرا دیا تھا۔ پس وہ جب مدینہ واپس ہوئے تو حضرت عثمانؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ:۔ "یا امیرالمومنین! اس امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ مین ایسا اختلاف[۱] پیدا کر دین۔ جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کرتے تھے"! ـــ اس تحریک پر حضرت عثمانؓ نے اصحابِ رسول صلعم کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور سب کی متفقہ رائے سے ایک مجلس تشکیل دی جس مین قریش اور انصار کے (۱۲) صحابیؓ مقرر کئے گئے۔ جن مین زیدؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ سعید بن العاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن الحارثؓ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲ ۵ تا ۹) ۵۔ اتقان وفتح الباری کشاف الہدیٰ ص۱۵۱۔ ۶۔ اتقان ۷۔ فتح الباری وبخاری وکشاف الہدیٰ ص۱۵۲۔

۸۔ حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد یہ امانت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس محفوظ رہی۔ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت امیہ کے زمانہ مین مروان بن الحکم نے ان صحیفون کو ابن عمرؓ سے حاصل کر لیا۔ اسکے بعد پتہ نہین چلتا کہ کیا ہوا۔

۹۔ اگر اس روایت کو ضعیف بھی قرار دین تو پھر بھی قرآن کی بعض آیات کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کے اصابتِ رائے اور تائیدِ وحی کا ثبوت تواتر سے ملتا ہے۔

۱۔ غالباً یہ اختلاف قراءتِ قرآنی تھا جس کی وجہ معنوی حیثیت ہی بدل رہی تھی۔ م (رائے) علامہ محمد اجمل خان ـــ اختلاف قراءت سے مراد یہ ہے کہ لوگ مختلف ترتیبون سے قرآن پڑھتے تھے۔ اس کا اختلاف تلفظ سے کوئی تعلق نہین۔ نہ ہو سکتا ہے۔

تحریر کا حکم دیا۔ اور عبداللہؓ، سعیدؓ اور عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ جب زیدؓ کے قرات میں اختلاف ہو تو وہ لفظ قریش کی زبان میں لکھا جائے۔ کیونکہ تم قریش ہو۔ اور قرآن قریش کی زبان ہی میں اترا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔[1]

جب اس مجلس کی تشکیل ہو چکی تو حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے صحف جو آپ کے پاس محفوظ ہیں بھیج دیئے جائیں۔ تاکہ ہم ان کو مصحف میں نقل کرا لیں۔[2] اور اسکے بعد وہ آپکو واپس کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ ام المومنینؓ نے صحیفے حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیئے۔ جب مجلس نے صحیفوں کو مصحف میں نقل کر لیا تو حضرت عثمانؓ نے وہ مصحف حضرت حفصہؓ کے پاس واپس کر دیئے۔[3]

پس حضرت عثمانؓ نے قرآن ایک خاص ترتیب سے لکھوایا۔ اور اسکو مصحف کی صورت دی اس مصحف کے نسخے ممالکِ مفتوحہ کے ہر علاقہ میں بھیج کر حکم دیا کہ وہ تمام صحیفوں اور مصحفوں کو جو مختلف قراتوں میں کسی کے پاس بھی ہوں جلا دیا جائے۔ یہ حفاظتِ قرآن کے وعدۂ الٰہی کا دوسرا ذریعہ تھا۔ جو حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ظاہر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اختلافِ قرات۔ الفاظ وغیرہ کے جھگڑوں کا سدِ باب ہو گیا۔ اور قیامت تک کے لئے قرآن محفوظ ہو گیا۔[4]

یہاں پر اختلافِ قرات کے وجوہات قابلِ وضاحت معلوم ہوتے ہیں۔ تاکہ مرتب القرآن حضرت عثمانؓ کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔ عرب مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ اور ہر شہر زبانِ عربی کے الفاظ و محاورات علیحدہ علیحدہ اپنے خطہ کی حد تک کہتا تھا۔ اور سمجھتا تھا۔ جس طرح آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عرب "ق" نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ "گ" کی آواز نکالتے ہیں۔ اور "ث" کا تلفظ "ت" کا ادا کرتے ہیں۔[5] اس کی مثال اسی طرح سمجھ لیجئے کہ پنجابی۔ کشمیری۔ مدراسی۔ بنگالی بعض حروف کے تلفظ کو قطعاً ادا نہیں کر سکتے۔ کسی انگریز سے کہئے کہ وہ "دال" کا صحیح تلفظ ادا کرے۔ ہرگز نہ کر سکے گا۔ بلکہ "ڈال" کا تلفظ ادا ہو گا۔ اس مثال کو پیش نظر رکھکر ان اختلافات کا اندازہ لگائیے کہ اگر قرآن قریش کی قرات پر متعین نہ کر دیا جاتا تو آج اس میں اختلافاتِ قرات کیا عالم ہوتا۔

---

[1] بخاری۔ باب جمع القرآن و اتقان و کشاف الہدیٰ۔ صفحہ (۱۵۴ و ۱۵۵)۔

[2] صحف جمع ہے "صحیفہ" کی جس کے معنی "رسالہ"۔ "جز"۔ "پارہ" کے ہیں۔ یعنی چھوٹے چھوٹے سے رسالے۔ یا کسی کتاب کے مختلف ابواب کے علیحدہ علیحدہ جیسے۔ مصاحف۔ مصحف کی جمع ہے۔ مصحف لغت میں اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں رسالے یا صحیفے جمع ہوں۔ اس روایتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ خلافت صدیقی کا قرآن مصحف نہ تھا۔ بلکہ ہر سورۃ علیحدہ علیحدہ اوراق پر لکھی ہوئی تھی۔ جس کو عہدِ خلافتِ عثمانی میں مصحف کی صورت دی گئی۔

[3] حوالہ کیلئے دیکھئے بخاری۔ باب جمع القرآن و اتقان و کشاف الہدیٰ صفحہ (۱۵۴ و ۱۵۵)۔

[4] „ „ „ اتقان اور کشاف الہدیٰ صفحہ (۱۵۷)۔

[5] عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو قرآن کی آیت میں "طعام الاثیم" پڑھایا وہ "طعام الایتیم" پڑھتا تھا۔ کیونکہ وہ "ث" کا تلفظ ادا ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے آپ نے مجبوراً اس کو (باقی صفحہ ۴۵ پر)

اب رہا سوال سورتوں کی ترتیب کا۔ اسکے متعلق روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یقیناً بمشورۂ صحابہؓ بڑی سورتوں کو پہلے رکھا۔ اور اسکے بعد متوسط سورتیں لکھی گئیں۔ اور آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نقل کی گئیں۔ جس کو محاورۂ تفسیر و حدیث میں "طوال"۔ "مبین" اور "مثانی" کہتے ہیں۔ اسکے علاوہ جب ہم زمانۂ موجودہ کے ترتیب قوانین پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترتیب مملکتِ قرآنیہ کے ہیں (اسٹیٹ) کے تمام قوانین احکم الحاکمین کی اس طرح ہوئی ہے کہ اسکی موزونیت پر کوئی حرف نہیں آسکتا جو حضرت عثمانؓ کے ایک اعلیٰ ذوق علم سیاست کا ثبوت ہے۔ چنانچہ جب ہم قرآن کو کھولتے ہیں تو سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ملی اور مدنی ہم کو ملتا ہے۔ جو یقیناً تمام قرآن کی تعلیم کا ایک بہترین خلاصہ اور ہماری دُنیوی اور دینی تمناؤں اور خواہشات کے حصول کی دُعا ہے جو بلا شک وشبہ فطرتِ انسانی کے مطابق ہی نظر آئیگی۔ پھر معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے قبول کرنے والے کون ہیں (متقی) اور انکی تعریف کیا ہے۔ یعنی اُمّی۔ جو غیب کی باتوں پر آسانی سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ انکے قلوب عکس کے حاصل کرنیکے لئے مثل آئینہ کے صاف رہتے ہیں۔ جیسے کہ فوٹو کا نگیٹیو۔ یہ لوگ حکومتِ قرآنی سے وفاداری کا حلف اس طرح لیتے ہیں کہ قوانینِ ماسبق اور اسکے لانے والوں کی تصدیق کرتے ہیں اس کے بعد شرع و منہاج کے واجبات۔ اور ترکِ واجبات کے نتائج اور حقوق۔ معاہدات۔ معاشرت اور تمدن وغیرہ کے تفصیلات اس سلسلہ سے نظر آتے ہیں کہ بے اختیار زبان سے:—

"ذالک الکتاب لاریب فیہ"

نکل جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں محقق محمد اجمل خان کی تحقیق کا اقتباس ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ اس موضوع بحث پر صاحبانِ غور وفکر کیلئے مزید روشنی سامنے آجائے[1]:—

اقتباس مسودہ ترتیب نزولِ قرآن

از

علامہ محمد اجمل خان

"مکی زندگی کے سمجھنے کیلئے تاریخی ترتیب نزولِ وحی سے پہلے مکی قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسکے بعد مدنی زندگی معلوم کرنے مدنی سورتوں کے رکوع سلسلۂ نزولِ وحی کے لحاظ سے دیکھنا ہوگا۔
کیونکہ مدنی سورتوں کے اکثر رکوع بلحاظ سلسلۂ وحی ایک سورۃ کی تعریف میں آتے ہیں۔
ہمارے لئے یہ بحث غیر ضروری ہے کہ وہ آیات یا رکوع کن کن سورتوں میں بحکم رسالت پناہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) "طعام الفاجر" پڑھایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معنیٰ و مفہوم بدل جاتے۔ دیکھا آپ نے اصحابہؓ کا عمل۔ کہ مقصد تلاوت معنوی ہوتا تھا۔ نہ کہ بے معنیٰ۔ کشاف الہدیٰ۔ صفحہ (۱۶۱)۔

[1] انتہائی شکر گزاری کے ساتھ اس اقتباس کو یہں درج کر رہا ہوں۔ جو خان صاحب موصوف نے اپنے زیر طبع مسودہ سے مجھ کو استفادہ کا موقع عنایت فرما کر ان اوراق میں درج کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

رکھے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر سورۃ میں جو آیت آج ہمارے سامنے موجود ہے ــــ وہ آنحضرت صلعم کے حیات ہی میں اسی مقام پر رکھ دی گئی تھی۔

محدثین و محققین صرف ترتیب سور و نزول وحی کی حد تک مختلف رائے رکھتے ہیں ــــ یہ امر قابل غور ہے کہ آنحضرت صلعم کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں جو قرآن باوقات مختلف نازل ہوا وہ بلاشبہ مکی تھا۔ ہجرت کے بعد جتنے مہاجرین اور انصار تھے وہ یقیناً مکی سورتوں ہی کی تلاوت کرتے تھے۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم بتلاتے تھے۔

ایک جماعت حبشہ کی جو بعثت کے پانچویں سال ہجرت کی تھی۔ وہ یقیناً سورۂ "علق" سے ۵ھ ہجری تک کے قرآن ہی کی تلاوت کرتی تھی۔

اسکے بعد شعب ابی طالب کے زمانہ کا قرآن ۵ھ سے ۱۰ھ نبوی تک جو نازل ہوا۔ اور جو مخصوص نوعیت کا تھا۔ جس میں قطعاً کوئی مدنی آیت یا سورۃ نہ تھی۔ وہ صرف آنحضرت صلعم اور آپ کے شعب کے مسلم ساتھیوں کے حافظہ میں تھا کیونکہ باہر کا کوئی مسلم آپ سے نہیں مل سکتا تھا ــــ

غرض تیرہ سالہ قرآن مکی کو تاریخی حیثیت سے معلوم کرنے کے بعد صحیح فہم قرآن حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ کو آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا کہ قرآن موجودہ کو ترتیب نزول سے پڑھنا حکم خداوندی اور سنت نبوی کے خلاف ہے۔ وہ بہ وجوہات بالا۔ بلاشبہ تاریخ نزول قرآن حکیم۔ اور سلسلۂ نزول وحی اور سنت آنحضرت صلعم و تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بے معنیٰ قرار دیتا ہے۔

اس واقعہ سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ تیرہ سالہ مکی قرآن ہجرت کے بعد ہر سال آنحضرت صلعم کو رمضان میں جبرئیل امینؑ دُہرایا کرتے تھے۔ اور حضرت مصعبؓ نے جو قرآن انصار کو سُنایا۔ اور یاد دلایا۔ یا لکھایا۔ وہ صرف مکی ہی تھا۔ جسکے بعد مدنی قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔

مدنی قرآن تو نہ صرف مہاجرین ہی جانتے تھے۔ بلکہ انصار بھی اسکی ترتیب سے اچھی طرح واقف تھے ــــ پس سلسلۂ وحی مدنی کے لحاظ سے تو مہاجر اور انصار سب ہی مکی و مدنی قرآن سے واقف ہو رہے تھے۔ کیونکہ حکومت قرآنیہ قایم ہونیکے بعد تو سب مسلمان ایک ساتھ خطاب قرآنی شرف حاصل کر رہے تھے ــــ

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بعض اصحابؓ کے پاس قرآن لکھا ہوا تھا لیکن اس میں سور کی ترتیب ایک دوسرے سے ملتی جلتی نہ تھی۔ اور نہ مکمل قرآن کی (۱۱۴) سورتیں کسی کے پاس مکمل لکھی ہوئی تھیں۔ بلکہ آج کل جس طرح پنج سورہ۔ دہ سورہ۔ بست سورہ وغیرہ کا طریقہ سہولت وظایف کیلئے ہے۔ اس وقت بھی تھا۔ اور اسی طرح اسکے حفاظ و قراء بھی تھے۔ نہ مکمل (۱۱۴) سورتوں کے موجودہ ترتیب کے لحاظ سے ــــ سوائے آنحضرت صلعم کے۔

بلاشبہ اس طرح مختلف صحائف میں مکمل (۱۱۴) سورتیں محفوظ تھیں جن کو حضرت صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک جگہ پہلی مرتبہ مرتب و جمع کر کے محفوظ کر دیا گیا۔ اور سورتوں کے اختلاف یعنی

مقدم و موخر کو دُور کر کے یکسانیت قایم کرنے حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت میں موجودہ ترتیبِ سور دی گئی۔"

اختلافِ قراءت

اختلافِ قراءت یعنی ترتیبِ سور میں جو اختلاف تھا۔ اس کو دُور کر دیا گیا۔ لیکن عام طور پر اختلافِ قراءت سے اختلافِ تلفظ جو مُراد لی جاتی ہے۔ وہ دُرست نہیں ہے۔ اسلئے کہ جو قرآن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مرتب ہوا اور اسکی نقلیں مختلف مقامات پر روانہ کی گئیں۔ وہ نقاط و اعراب کے ساتھ نہ تھےؔ[1]

یہ کہنا بھی بے معنیٰ ہے کہ کاتبوں کی کمیٹی میں حضرت عثمانؓ کے حُکم سے قرآن قراءتِ قریش پر جو لکھا گیا۔ وہ مخارج کے تحت تھا۔ اسکے معنیٰ یہ ہوں گے کہ یہ کمیٹی مصحفِ صدیقی کے اِملا کو دُرست کرنیکے لئے مامور تھی۔ اس کمیٹی میں کاتبِ وحی حضرت زیدؓ ہی تو تھے۔ جو مصحفِ صدیقی کے کاتب تھے۔ اور پھر نقاط و اعراب سے مُعرا دونوں مصحف تھے تو کسطرح پر اِملا و تلفظ و مخارج و حروف کی اصلاح کا کام تصور کیا جا سکتا ہے۔ قابلِ غور ہے۔

اگر "قراءت" کے معنیٰ وہ لئے جائیں جس کا ذکر صدر میں کر دیا گیا ہے۔ یعنی سلسلۂ سور کی قراءت۔ تو مسئلہ آسانی سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ "قریش کی زبان میں لکھا جائے"۔ واضح ہو جاتی ہے ــــ کہ سلسلۂ قراءتِ سور اہلِ قریش کے بتلائے ہوئے کو ہی مستند مان لیا جائے۔ اسطرح تمام اختلافات دُور ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ بقول امام مالک ــ قاضی ابوبکر اور ابن فارس قرآن کی سورتوں کی ترتیب اجتہادِ صحابہؓ پر مبنی ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بتلائی ہوئی نہیں ہے۔ البتہ بعض سورتوں کو ایک خاص ترتیب سے پڑھنا سنتِ رسول اللہ صلعم ضرور ہےؔ[2]۔ ان مستند تحقیقی آراء کے بعد تو کوئی تعارض ہی باقی نہیں رہتا۔

سیوطی نے اتقان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:۔ "ترتیبِ نزول کے لحاظ سے جمع قرآن کا خیال سب سے پہلے حضرت علیؓ کو ہوا۔ اور آپؓ نے جمع کیا"۔

غالباً سیوطی نے ترتیبِ سور حسین بن ابی الحسن اور عکرمہؓ کے نام سے دی ہے ــ وہ حضرت علیؓ کے ترتیب ہی کے لحاظ سے ہوگی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے جو تاریخی ترتیبِ سور روایت کی ہے۔ وہ تقریباً اسی ترتیب کے مطابق ہےؔ[3]۔

حافظ سیوطی نے ابنِ اشتیہ کی کتاب "المصاحف" سے ابی بن کعب۔ اور مصحف۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی ترتیبِ سور کی جو فہرست دی ہے۔ یہ دونوں اجلِ قرار سے تھے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ تو وہ صحابی ہیں جنھیں خود رسول اللہ صلعم نے اپنی زبانِ مُبارک سے ستر (۷۰) سورتیں یاد کرائی تھیں۔ اور وہ عشرۂ مُبشرہ سے تھے۔ آنحضرت صلعم نے عبد اللہ ابن مسعودؓ کی طرف اشارہ کر کے صحابہؓ کو فرمایا تھا کہ "قرآن سیکھنا ہو تو عبد اللہ ابنِ مسعودؓ سے پڑھو!"

---

[1] ۔ جیسا کہ صفحہ (۴۹-۵۰) پر نمونۂ کتابت جزمانۂ آنحضرت صلعم سے ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اعراب و نقاط تو دوسری صدی ہجری کے آخر کی بات ہے۔

[2] ۔ کتاب التبیان (صفحہ ۷۸)۔

[3] ۔ اتقان۔ صفحہ (۱۰)۔ ترتیب نزولِ قرآن۔ صفحہ (۱۶) الفہرست۔ صفحہ (۳۹)۔

ایک خاص بات قابلِ یادداشت ہے کہ :— مروان بن الحکم نے مصحفِ عثمانی کے وقت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ اور نہ ان کے قرآن کو قابلِ اعتنا سمجھا۔ اور یہی حال حضرت علیؓ کا رہا۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ابنِ مسعودؓ کو قرآن کی تعلیم دینے کو فہ روانہ کیا تھا۔ اسلئے کوفہ میں انکے شاگرد بکثرت تھے۔ جو آپؓ ہی کے ترتیب سور کی پیروی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ۔ خود عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے رسول اللہ صلعم سے قراءت سیکھا تھا۔ تو کیا کسی کو آپؓ کے تلفظ سے اختلاف کی گنجایش ہو سکتی تھی؟[۱]

فرقۂ امامیہ کے مُفکّرین

جب ہم مصحفِ عثمانی کا ذکر کرتے ہیں تو ہم کو فرقۂ امامیہ کے معتقدات پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے کہ۔ موجودہ ترتیب کے متعلق وہ کیا رائے رکھتے ہیں!۔

اس موقعہ پر جب علماء فرقۂ امامیہ کی محققانہ رائے ہمارے پیشِ نظر آتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ قرآنِ حکیم کو بلاکم و کاست اسی طرح مسلمہ مانتے ہیں جیسے کہ اسلام کے دوسرے فرقے۔ چنانچہ علامہ ملا محسن مجتہد۔ مفسر و محدث فرقۂ امامیہ نے اپنی "تفسیر صافی" کے صفحہ (۳۴۱) پر بڑے بڑے علماء و فضلاء و محدثینِ امامیہ کے معتقدات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :—

"اس وقت جو قرآن دُنیا میں عام طور پر مروج ہے۔ وہ لفظ بہ لفظ۔ اور حرف بہ حرف وہی ہے جو۔ آنحضرت صلعم پر بذریعۂ وحی نازل ہوا تھا۔ اس میں کوئی تبدل یا تغیر نہیں ہوا۔"

اس مستند محقق کے بعد فرقۂ امامیہ کے عامیانہ تصورات خود بخود مٹ جاتے ہیں۔

نماز میں سورتوں کی ترتیب

ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ۔ واقعاتِ بالا کی روشنی میں آنحضرت صلعم، حضرت صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ۔ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں کیا موجودہ ترتیب ہی کے لحاظ سے سور کی تلاوت ہوتی تھی؟۔ روایات کے لحاظ سے اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تحدید محض موجودہ ترتیب کے تحفظ کے پیشِ نظر فقہاء۔ آئمہ اور علماء سلف نے عاید کی ہے۔ (اقتباس ختم)

قرآن کا رسم الخط

جنوبی عرب کے باشندوں نے مسیح سے صدیوں پہلے "حمیری خط" ایجاد کیا تھا۔ جو شمالی اور مغربی عرب میں بھی رائج ہو گیا تھا۔ "نبطی"۔ جو اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے بھی ایک خط ایجاد کیا تھا۔ عرب مکہ نے حیرہ والوں سے عربی خط سیکھا تھا۔ وہی رسم الخط نزولِ وحی کے زمانہ میں اہلِ عرب میں رائج تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے مکتوبات (۶) ۶ھ ہجری کے مستند دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کے چربے آپ کے پیشِ نظر ہیں[۲]۔ اِن مکتوبات کے رسم الخط سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات میں۔ دورِ خلفاء۔ صدیقؓ و عمرؓ کے زمانہ میں بھی قرآن کی کتابت اسی طرح پر ہوا کرتی تھی۔ جس میں نہ تو حروف کے لئے نقطے ہوتے تھے۔ اور نہ اعراب وغیرہ —— غالباً

---

[۱]۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ اور حضرت عکرمہؓ و حسین بن ابی الحسن۔ کے مصحف کے متعلق ترتیب سور [illegible] ترتیب نزولِ وحی کے لحاظ سے ہے۔ وہ اوراقِ آخر میں پیشِ نظر ہوں گے۔ مزید وضاحت کیلئے دیکھو اقتباس "ترتیب نزول قرآن مجید"۔

[۲]۔ دیکھو "فرمانِ نبوت"۔ علامہ عبدالجلیل نعمانی۔ صفحہ (۴۱۳) ۳۴ بسلسلہ مکتوبات نبوی

مکتوب مبارک محمد عربی صلعم

بنام

مقوقس اعظم سلطان قبط و مصر۔ کاتب نامہ عبد اللہ بن ارقم رض۔ محررہ ۶ ہجری مطابق سنہ ۶۱۹ء

موجودہ رسم الخط میں مکتوب مبارک کا مضمون حسب ذیل ہے:

(۱) بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَ

(۲) سُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى ۔

(۳) مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ

(۴) اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ

(۵) يُؤْتِكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ

(۶) فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ مَا يُفْجِعُ الْقِبْطَ

(۷) يا اهل الكتاب تعالوا الى كَلِمَةٍ

(۸) سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ

(۹) وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

(۱۰) بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ

(۱۱) تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

(۱۲) مُسْلِمُوْنَ ۔

اللہ رسول محمد

نوٹ۔ درمیانی حصہ کرم خوردہ ہے جو سیاہی سے بتلایا گیا ہے

مکتوب مبارک محمد عربی صلعم بنام شاہ نجاشی عظیم الحبش ۶ ہجری سنہ ۶۲۰ء

مں محمد رسول الله ا ا
ںحی عطىم الحىسه سلام على م
اںع الهدى اما ںعد فاںى احمد ا
ك الله الذى لا اله الا هو الملك
القدوس السلام المومں المهىمں
و اسهد اں عىسى ںں مرىم روح
الله و كلمںه الٯاها الى مرىم الںو
ل الطىىه الحصىىه فحملت ںعىسى مں ر
و حه و ...... كما حلٯ ادم ىىده و
ںى ادعوك الى الله وحده لا سر
ىك له و الموالاه على طاعىه و ا ں
ىىىعىى و ىو مں ىالذى حاىى فاىى ر
سو ل الله و اىى ادعوك و حىو
دك الى الله عر و حل و ٯد ...
... ىلعى و ىصحى فاٯىلوا ىصحى .....
على مں اىىع الهدى



موجودہ رسم الخط میں

من محمد رسول الله الی النجا
شی عظیم الحبشہ سلام علی من
اتبع الهدی اما بعد فانی احمد الیه
ک الله الذی لا اله الا هو الملک
القدوس السلام المومن المهیمن
و اشهد ان عیسی بن مریم روح
الله وکلمته القاها الی مریم البتو
ل الطیبة الحصینة فحملت بعیسی من ر
وحه ونفخه کما خلق آدم بیده و
انی ادعوک الی الله وحده لا شر
یک له والموالاة علی طاعته وان
تتبعنی وتوقن بالذی جاءنی فانی ر
سول الله ۔ وانی ادعوک وجنو
دک الی الله عزوجل وقد بلغ
ت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام
علی من اتبع الهدی

مہر

اصل مکتوب کا بلاک ڈاکٹر حمید اللہ پروفیسر جامعہ عثمانیہ حال فرانس نے سنہ ۱۹۳۲ء کے مجلہ عثمانیہ میں اپنے تحقیقی نوٹ کے ساتھ شائع کرایا تھا۔ اس مکتوب مبارک کا خاکہ رسم الخط زمانہ نزول وحی کو پیش نظر رکھنے کے لئے یہاں پر پیش کیا جا رہا ہے۔
حضرت عثمانؓ کے قلمی قرآن کے ایک صفحہ کا بلاک جو ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اسکا رسم الخط بھی اسی رسم الخط کے مماثل ہونا۔ اور سنہ ۳۱ہجری کا جو کتبہ مصر میں ملا ہے۔ اس کا رسم الخط بھی یکساں ہونا ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون سے ظاہر ہے۔
بہرحال یہ بات مسلمہ ہے کہ پہلی نصف صدی ہجری تک اہل عرب کا رسم الخط ایسا ہی تھا جس میں قرآن کی کتابت ہوا کرتی تھی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے لکھے ہوئے قرآن بخطِ کوفی کا ایک صفحہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ

عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ

بَیْنَھُمْ تَرٰیھُمْ رُکَّعًا

سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

علامات

- • نقطہ
- ○ زیر و زبر
- 8 تنوین
- ᵛ جزم
- ه جزم
- ـــ مد
- — مد

ولادت امام بمقام مدینہ سنہ ۸۳ھ م سنہ ۷۰۲ء

وفات سنہ ۱۴۸ھ م سنہ ۷۶۵ عیسوی

اس چربہ کا اصل راجہ اعجاز رسول خاں رئیس جہانگیر آباد کے نوادرات میں محفوظ ہے۔ جسکے بلاک خواجہ حسن نظامی نے سنہ ۱۹۳۷ء میں بنوا کر شائع کئے۔

۲۶ و ۲۷ سنہ ہجری تک اسی طرزِ تحریر سے قرآن کو اصحابُ رسولؐ لکھا کرتے تھے۔
چونکہ اہلِ زبان صرف اشارون پر الفاظ کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ اوران کو کوئی دشواری محسوس نہین ہوتی تھی۔ جیساکہ آج بھی ہم نہایت شکستہ خطوط کو انداز سے بلا تکلف پڑھتے چلے جاتے ہین۔ بس یہی حال اُسوقت کا تھا۔ لیکن جب اسلام ترقی کرتے ہوئے عجم پہنچا تو عجمی بہ کثرت مسلمان ہوئے۔ ان کیلئے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت مین دقت محسوس ہونے لگی۔ اس موقع پر ابو الاسود نے پہلے پہل آیاتِ قرآنیہ پر نقطون کے ذریعہ اعراب لگانے کا تب کو اس طرح ہدایت کی کہ :۔ "دیکھو! جس حرف کے ادا کرتے ہین مین مُنہ کھول دون تو اس حرف کے اُوپر "نقطہ" دینا۔ اور جس حرف کے بولتے ہین آواز نیچے ہو۔ اسکو نیچے نقطہ۔ اور جس حرف کے ادا کرنے مین میرا مُنہ گول ہو جائے تو اُسکو آگے نقطہ دیدو!" (وفات ابو الاسود ۲۹ سنہ ہجری)۔ چنانچہ کاتب نے اسکی تعمیل کی اور تمام قرآن اسی طرح زیر۔ زبر۔ اور پیش کی علامتون سے لکھا گیا جسکو عجمی پڑھا کرتے تھے۔
یہ سلسلہ نقطون کا غالباً سو برس تک جاری رہا جس کا نمونہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی تحریر ہے۔ دوسری صدی ہجری مین مشہور نحوی خلیل بن احمد (وفات سنہ ۱۷۰ ہجری) نے زیر۔ زبر۔ پیش کی موجودہ علامتین ایجاد کی۔ جس کے بعد سے نقطون کا رواج موقوف ہو گیا۔[۱]
چوتھی صدی مین ابن مقلہ نے خطِ کوفی سے خطِ نسخ ایجاد کیا۔
پانچوین صدی مین مشہور کاتب ابن البوّاب (وفات سنہ ۴۲۳ ہجری) کی کوششون نے نسخ کی ایسی اصلاح کی کہ جو آپ کے سامنے بہترین عربی شان کا نمونہ ہے۔
گویا اس طرح قرآنِ حکیم کے دائمی تحفظ کا انتظام منجانب اللہ اسکے بندون سے کرایا گیا۔
حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی خدمت مذکور الصدر تابعینؒ وغیرہ نے ایسی کی جسکی مثال نہین مل سکتی۔ کہ ہر غیر صرفی ونحوی غیر عربی دان۔ خواہ وہ کسی مُلک کا رہنے والا ہو۔ قرآن کی قراءت مین زیر۔ زبر کا بھی فرق نہین کر سکتا۔ بلکہ اگر اہلِ زبان قراءت مین غلطی کرین تو غیر زبان والا قاریِ قرآن اسکو فوراً ٹوک دیتا ہے۔[۲]

ساتَ قراءتین

مصحفِ عثمانی کی اشاعت سے پہلے قرآن کے سیکھنے یا سکھلانے کا دار و مدار صرف زبانی قراءت پر تھا۔ جب مصحفِ عثمانی کی متعدد نقلین ممالکِ اسلامیہ مین پھیل گئیں تو لوگ کتابی قراءت کی طرف مائل ہوئے۔ چونکہ کتابت۔ اعراب۔ جزم و تشدید سے مُعرّا ہوتی تھی۔ اور پھر بلا نقطہ۔ جس کا نتیجہ "یعلمون" کو "تعلمون" پڑھنے کا قوی امکان تھا۔ اسلئے قراء ہی سے صحیح قراءت سیکھے بغیر چارہ نہ تھا۔
صحابہؓ۔ اور تابعینؒ قراءت مین اکثر حضرات نے کافی شہرت حاصل کی۔ اور اس فن مین اس قدر شغف پیدا ہوا کہ بعض حضرات قراءت کے امام تسلیم کئے گئے۔ اس سلسلہ مین ساتَ ائمہ قراءت کے طرز پر آج تک

۱۔ کشاف الہدیٰ۔ بحوالۂ اتقان۔ صفحہ (۱۶۷)۔

۲۔ کشاف الہدیٰ۔ مولفۂ سیٹھ یعقوب حسن۔ مدراسی۔ کا مطالعہ کرین۔ جو اُردو زبان کی اچھی کتاب ہے۔ یہ میرے مطالعہ مین آ چکی ہے۔ ممکن ہے اور بھی اس موضوع پر اُردو مین کتابین ہون۔

قراءت جاری ہے۔ جنکے نام حسب ذیل ہین :۔

(۱) نافع بن ابی نعیم اصفہانی (۲) عبداللہ بن کثیر مکی (۳) ابو عمرو بن العلا گازرونی (۴) عبداللہ بن عامر دمشقی (۵) عاصم بن ابی النجود کوفی (۶) حمزہ بن حبیب الزیات کوفی (۷) ابو الحسن علی الکسائی۔

اِن سات قراءت کے اماموں کے شاگرد در شاگردوں کی جماعت نے تمام دُنیا مین اپنے اپنے اماموں کے طرزِ قراءت کو جاری کر دیا۔[1]

پہلا تصور ترتیب نزولِ وحی

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے رسول اللہ صلعم کے وصال کے ساتھ ہی قرآن کو ترتیبِ نزول سے لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور اسکی فہرست بھی مرتب کرلی۔ چنانچہ "الفہرست" کے صفحہ (۴۲) پر حسبِ ذیل عبارت ہے :۔

"یہ پہلا مصحف تھا جس مین حافظہ سے قرآن کو جمع کیا گیا تھا۔ یہ مصحف امام جعفرؓ کے خاندان مین محفوظ تھا۔ چند دن ہوئے ہین نے اسکو ابی یعلیٰ حمزہ الحسینی کے پاس دیکھا۔ اسکے کئی اوراق گر چکے ہین۔ یہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ امام حسنؑ کے خاندان مین یہ مصحف باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس جلد کی سورتون کی تفصیل حسب ذیل ہے"۔

اس عبارت کے بعد حسب ذیل نوٹ ہے کہ :۔

"افسوس ہزار افسوس کہ الندیم مین کوئی فہرست درج نہین ہے۔ بلکہ ایک صفحہ معرّا ہے۔ اور اسکے بعد دوسرا صفحہ شروع ہے"۔

الندیم کا بیان ہے کہ :۔

"خلافت صدیقؓ کے بعد تین دن مین حضرت علیؓ نے اِس کو مرتب کیا"۔

اِس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے حافظہ کے لحاظ سے تین دن مین (۱۱۴) سورتون کے ترتیب نزول کی فہرست مرتب فرمائی ہوگی۔ ورنہ اس قدر قلیل عرصہ مین تمام قرآن کا لکھ لیا جانا۔ وہ بھی کاغذ پر نہین۔ بلکہ چمڑے۔ ہڈیون۔ یا پتھر کی تختیون پر کسطرح ممکن ہوسکتا ہے۔ غور طلب ہے۔ اس مین شک نہین کہ۔ حضرت علیؓ جو آغازِ رسالت ہی سے آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے۔ ہر آیت کے شانِ نزول و ترتیب نزول سے اچھی طرح واقف تھے۔

اِس خیال کی تائید اِس واقعہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ جمع القرآن کے موقع پر حضرت علیؓ نے کوئی قرآن اپنا مرتبہ پیش نہین کیا۔ اور نہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ترتیب کے موقع پر۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ قرآن کو بلحاظ ترتیب نزولِ وحی آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد مکمل طور پر مرتب کر چکے ہوتے۔ تو ضرور وہ ان دو مواقع پر پیش ہوتا۔ اور اسکا ذکر روایات مین آتا۔ لیکن کسی ضعیف سے ضعیف روایت مین بھی اسکا ذکر موجود نہین ہے۔ بلکہ فرقۂ امامیہ نے بھی کہین اسکا ذکر نہین کیا ہے۔ اِن حالات کے مدِ نظر میری یہ رائے قابلِ غور ہوجاتی ہے کہ۔ حضرت علیؓ نے غالباً

---

[1] بعض لوگون کا خیال ہے کہ سات حرفون پر سات قراءت ہوتے ہین۔ یہ غلط ہے۔ حدیث مین جو سات حرفون کا ذکر ہے وہ "سبع قراءت" سے غیر متعلق ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھو کشاف الہدیٰ صفحہ (۱۶۲)۔

ترتیبِ نُزول کے لحاظ سے صرف فہرستِ سور کی تکمیل کی ہوگی۔

دوسرے محقق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہیں[1]۔ جن سے سلسلۂ نزولِ وحی کے اسناد ملتے ہیں۔ اور ان ہی سے سلسلۂ نزولِ آیات وسور کا پتہ چلتا ہے۔ اور بعض رکوع کے الحاق وشانِ نزول کے اسناد بھی ملتے ہیں۔ پس عبداللہ ابن عباسؓ کو ترتیب سلسلۂ نزول قرآنِ حکیم کا سرچشمہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

تیسرے محقق اس سلسلہ کی تیسری کڑی حضرت حسین ابی الحسنؓ وعکرمہؓ ہیں۔ چونکہ حضرت عکرمہؓ عبداللہ ابن عباسؓ کے مولیٰ تھے۔ اسلئے جب ہم اس تیسری کڑی کے ترتیبِ سور پر غور کرتے ہیں تو عبداللہ ابن عباسؓ کی روشنی کا زیادہ عکس نظر آتا ہے۔ یا بہ قول اجمل خان صاحب:۔
"ان تینوں کی تحقیق میں حضرت علیؓ کی ترتیبِ سور کی روح کار فرما ہے"۔

چوتھے محقق چوتھے محقق جابر بن زیدؒ تابعی ہیں۔

پانچویں محقق محمد بن نعمان بن بشیر کا ذکر "الفہرست" میں ندیم نے کیا ہے۔ یہ پانچ محقق دورِ اول کے ہیں جنکا پتہ روایت میں ملتا ہے۔ جو بہت ہی جزوی اختلاف کے ساتھ نمایاں ہیں۔

نامسلمان محققین چودھویں صدی ہجری میں عیسائی محققین نے اپنی عمروں کا بڑا حصہ اس تحقیق میں لگا کر بہت کچھ مواد فراہم کیا۔ جن کی تعداد سات آٹھ تک پہنچ چکی ہے[2]۔

چودھویں صدی کے مسلم محققین۔ چودھویں صدی یعنی۔ ایک ہزار سال سے زاید سکوت کے بعد اس بے بہا خزانہ کے متلاشی چند مسلم محققین۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اس فرض کی تکمیل کیلئے ہم کو کمربستہ نظر آتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلے سیٹھ یعقوب حسن مدراسی (مرحوم) ہیں۔ جنھوں نے جیل خانہ کی تنگ وتاریک کوٹھری میں ۱۳۴۲ھ میں اس روشنی کو پایا۔ اور باہر نکلے تو "کتاب الہدیٰ" و"کشاف الہدیٰ" کی ضخیمیں لے کر نکلے۔ افسوس کہ کشاف الہدیٰ تو شایع ہوگئی۔ لیکن کتاب الہدیٰ کا ایک حصہ شایع ہوا تھا کہ مولف نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔
مرزا ابوالفضل بن فیاض علی۔ مولف "غریب القرآن" نے بھی بزبانِ انگریزی ریسرچ کیا تھا جس کا مسودہ طبع نہ ہوسکا۔ فہرست سلسلۂ نزول کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحقیق کا ماخذ زیادہ تر راڈویل ہی کی تحقیق ہے۔

مصری ترتیب ایک مصری فہرست کا بھی پتہ ملا ہے۔ لیکن اسکے مولف سے افسوس ہے کہ میں بے خبر ہوں۔ البتہ بحوالۂ فہرست۔ مرتبۂ محترم میر ولایت علی صاحب اسکو میں نے شریکِ چارٹ کردیا ہے۔

ہاشم امیر علی۔ اس تحقیق کے متعلق میرے مطالعہ میں کوئی خاص مواد نہیں آیا۔

---

[1] حضرت عبداللہ ابن عباسؓ۔ اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب کہ قریش نے بنی ہاشم۔ اور بنی مطلب کا بائیکاٹ کیا تھا۔ یہ زمانہ شعب ابوطالب کا تھا۔ آپکی پیدائش سنہ ۱۰ نبوی میں ہوئی۔ گویا ہجرت سے تین سال قبل۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے وقت آپکی عمر (۱۳) سال تھی۔ ۶۸ھ میں بمقام طائف انتقال کیا۔ آنحضرت صلعم نے علمِ قرآن عبداللہ ابن عباسؓ کو عطا ہونیکے لئے کئی بار دُعا فرمائی تھی۔

[2] ہمارے لئے عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے فرض کو دوسروں نے اپنا لیا۔

زمانۂ موجودہ کا ایک محقق

علامہ محمد اجمل خان ایم۔ اے نے ۱۹۳۰ء سے بالکل جدید بنیادوں پر ترتیب نزولِ قرآنِ مجید کا کام شروع کیا۔ اور اسی روشنی میں وہ سیرۃ محمد صلعم مرتب کر چکے ہیں۔ جس کی اشاعت دھیرے دھیرے ہو رہی ہے۔
(علامہ محمد اجمل خان۔ نہ صرف عربی کے ایم۔ اے ہیں۔ بلکہ علامہ عبید اللہ سندھیؒ۔ اور علامہ ابوالکلام آزاد جیسی ہستیوں کے فیضِ صحبت سے استفادہ حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس فرض کی تکمیل کیلئے (۲۳) سال سے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔)

میں جب کبھی ان کے "ترتیب نزولِ قرآن مجید" پر غور کرتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غواص نے ساڑھے تیرہ سو سالہ گہرے سمندر میں غوطہ لگا کر کس طرح دُر ہائے بے بہا کو جمع کیا ہے۔ اب یہ ہر جوہری کا کام ہے کہ وان سچے موتیوں کو اپنے خزانۂ عقل و فہم میں محفوظ کرنے کی کوشش کرے۔ اور مصنوعی کنکروں کے بجائے ان اصلی جواہر ریزوں سے اپنے عقل و فہم کو منور کرلے۔ اور ان کو سنگِ میل قرار دے کر خود بھی اس منزل میں قدم بڑھاتا چلا جائے۔ شاید قدرت اسکے لئے اس سے بہتر جواہر مہیا کر دے۔

بہرحال۔ ہر مسلم نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ سے قرآن۔ حقیقی تدبر و فہمِ "قرآن ازم" کا طالب ہے۔

اب میں علامہ اجمل خان کے رسالۂ "ترتیب نزولِ قرآن مجید" کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جس سے ان کی تحقیق کی بنیادوں کا نقشہ واضح ہو کر ان کے کام کی اہمیت کو ظاہر کر دے گا۔ جو میرے ترتیبِ نزولِ وحی کی بنیاد ہے۔

مخفی مباد کہ۔ میں اس تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کو سنگِ میل سمجھتا ہوں کہ شاید ان نکات پر نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ آگے بڑھنے کی کوشش کر کے اس سے بہتر جواہرات دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اقتباس از ترتیب نزول قرآن مجید

مولفۂ علامہ محمد اجمل خان ایم۔ اے

سورتوں کی جو ترتیب موجودہ مخطوطہ و مطبوعہ قرآنوں میں ہے۔ وہ تاریخی نہیں ہے۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب خود آنحضرت صلعم کی دی ہوئی ہے۔

محدثین میں اس بات پر اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ۔ قرآن کی مختلف سورتوں کی ترتیب رسول اللہؐ کی بتلائی ہوئی ہے۔ لیکن محدثین کی کثیر تعداد کی رائے ہے کہ موجودہ ترتیبِ قرآن صحابہؓ کے اجتہاد پر مبنی ہے۔[۱]

قرآنِ حکیم۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں جمع ہوا۔ اور شایع کر دیا گیا۔ سنہ ۹۸ ہجری تک جملہ اصحابِ رسولؐ وفات پا چکے تھے۔ یعنی جنھوں نے واقعی طور پر۔ قرآن کو رسول اللہ صلعم سے سُنا۔ اور سمجھا تھا۔ وہ باقی نہ رہے۔ جسکی وجہ اہلِ علم کی جماعت پیدا ہو گئی۔ اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ۔ اِس خدائی پیغام کو۔ جو محمد عربی صلعم کے ذریعہ

۱۔ اقتباس۔ صفحۂ (۸)۔

تمام بنی نوعِ انسان کو بھیجا گیا ہے۔ ہم سمجھ کر رہین گے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے احادیث و اخبار نبوی کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ ابھی زمانہ تھا کہ ایکدادی سے دوسرے راوی تک زبانی حدیث بیان ہورہی تھی۔ احادیث کا تحریر مین آنا ایک مشہور حدیث کے تحت تھا کہ۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ :۔ "مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔ تاکہ احادیث اور قرآن کے مسودون مین خلط ملط نہ ہو"۔ یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز المخاطب "عمر ثانی" کی خلافت کا ۹۹ تا ۱۰۱ھ ہے۔ جنھون نے علوم قرآنیہ کو از سرِ نو زندہ کردیا۔ خصوصاً۔ احادیث و مغازی کا بہت چرچا اسی زمانہ مین ہوا۔ اور عباسی دور مین احادیث کا مطالعہ اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ لہذا ہم بلاشبہ یہ دعویٰ کرسکتے ہین کہ پہلے چار خلفائے راشدینؓ کے زمانہ مین قرآن کی تفسیر کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کے جملہ اعمال ملکی و خانگی۔ قرآن و سنت کی روشنی مین چلتے تھے۔ اسلئے ان کی مجموعی زندگی۔ یا سوانح حیات پر بہ نسبت ان کی مروی احادیث کے زیادہ توجہ دینا۔ اور سمجھنا بہتر ہوگا کہ۔ ان کی زندگیان اور ان کے اعمال سب قرآن اور سنت کی عملی تفسیر تھے۔

لیکن۔ بعد کے زمانہ مین تفسیر کیلئے احادیث کو زیادہ اہم سمجھا جانے لگا۔ (اس سلسلہ مین متقدمین اسلام اور مغربی مورخین نے ترتیب نزولِ قرآنی کے لئے کیا کیا کیا۔ اس پر سیر حاصل بحث کو دیکھنے کے لئے۔۔۔ رسالہ "ترتیب نزولِ قرآن مجید" مولفۂ علامہ محمد اجمل خان کو ملاحظہ کیجئے۔ جس کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ محقق نے تلاش کی کونسی راہ اختیار کی۔ اور خان صاحب موصوف کے اجتہاد (ریسرچ) کے اصول کیا ہین۔ اور وہ کس حدتک صحیح اصول پر مبنی ہین۔۔ م)۔

ترتیب تنزیلی کے تاریخی اصول۔ متذکرۂ صدر اصولون کو سامنے رکھکر ہم پورے قرآن کی سورتون کو مکی۔ اور مدنی سورتون مین تقسیم کرسکتے ہین۔ لیکن تاریخی ترتیب نزول مشکل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ تاریخی اشارات مکی سورتون مین بہت کم ملتے ہین۔ البتہ مدنی سورتون کی تنزیلی ترتیب مین اتنی مشکل نہین ہے۔ ان مین ہم کو تاریخی اشارات پائے جاتے ہین۔ جس کی وجہ تنزیل کا قطعی زمانہ متعین کیا جاسکتا ہے۔ لہذا قرآن کے مختلف رکوعون اور سورتون کے مخصوص زمانۂ نزول کو متعین کرنیکے لئے ہم مندرجۂ ذیل اصول سے مدد لے سکتے ہین۔ جس سے صحیح اور یقینی نتائج ظاہر ہون گے :۔

(۱) اصولِ ارتقاء تاریخ اور حدیث سے ظاہر کہ قوم کی اصلاح۔ تعقل و تفکر کیلئے سب سے پہلے چھوٹی چھوٹی سورتین نازل ہوئین۔ جن مین اخلاقی حقایق کو بار بار دُہرایا گیا ہے کہ لوگون کے دلون مین وہ اچھی طرح سمو جائین۔ اور ان کے ذہن ان کو قبول کرلین۔ اس طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالین گے تو ہمین معلوم ہوگا کہ بہت سی سورتین نہایت سادہ خیالات سے شروع ہوکر پھر رفتہ رفتہ یہ سبق مفصل و مشرح ہوتا جاتا ہے یعنی۔ ابتدائی تعلیم کے بنیادی اینٹ رفتہ رفتہ عظیم الشان عمارت کی صورت اختیار کرلیتے ہین[1]۔

---

[1] جسطرح ابتدائی تعلیم کیلئے "الف بے" ہر بچہ۔ یا بالغ کو پڑھنا لازمی ہے۔ تاکہ بتدریج اسکے ذہن مین حروف کی آواز آجائے! اور پھر حروف سے الفاظ۔ اور الفاظ سے جملے وہ بنا سکے! اسی طرح قرآن نے سب سے پہلے اخلاق و اطوار کے سنوارنے سے ابتدا کی۔ جو عین فطرت اللہ کے تحت تھی! اور بحر انفرادی اصلاح کردار کے بغیر کوئی صالح معاشرہ بن ہی نہین سکتا۔ اصلاح کی کوشش ایکہزار سال سے جاری ہے۔ مگر کامیابی کا کوئی گوشہ بھی نظر نہین آتا۔ (م)۔

(۲) دوسرا اصول ادبی

اگر آپ کوئی بھی کتاب سامنے رکھکر اسکا تجزیہ کریں تو آپ کو یہ بات صاف نظر آئیگی کہ ابتدائی جو طرزِ بیان اسکا ہے۔ مابعد تحریر میں الفاظ اس کثرت سے استعمال نہیں ہو رہے ہیں جو پہلے استعمال ہوئے تھے۔ اسی اصول کے تحت قرآن حکیم کے آیات نمایاں ہیں۔ جن کو مختلف عرب محدثین و مفسرین نے کتاب اللہ میں پایا ہے۔ لہذا اس بنا پر وحی کے مختلف دَور قایم کئے گئے۔ اور آج بھی قایم کئے جا سکتے ہیں۔ اور ہر دَور کے الفاظ۔ اور اندازِ بیان میں فرق کیا جا سکتا ہے (یعنی اس طرح سلسلۂ نزول کے معلوم کرنے میں ایک محقق اپنے لئے راہِ جستجو اور تلاش کو صحیح طور پر پہچان کر منزلِ مقصود پر جا پہنچتا ہے (خانصاحب نے اسی کو اپنی تلاش سلسلۂ نزول کا دوسرا اصول قرار دیا ہے)۔

(۳) تیسرا اصول تاریخ پس منظر اسلام و اسلام

آنحضرت صلعم کے حیاتِ طیبہ کے بڑے بڑے چند تاریخی حصوں پر غور کیا جائے تو مندرجۂ بالا اصولوں کے لحاظ سے جو ترتیب سور ٹھرایہ پاتی ہے۔ اسکا مقابلہ اگر ایک معمولی سمجھ والا بھی کرے تو آسانی سے سمجھ سکے گا کہ ہمارے نتائجِ تحقیق کس قدر واضح اور معقول ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ہمارے ترتیب تنزیلی کے اصول پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل فطری اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ (اقتباس صفحۂ ۴۹ و ۵۰ ترتیب نزول قرآن مجید)۔ اقتباس ختم

حضرت شاہ صاحبؒ کے بتلائے ہوئے سنگ میل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ جو اپنے وقت کے نہ صرف امام بلکہ مجدد بھی تھے۔ نصل (۵۶) حجتہ اللہ البالغہ میں "حقیقت النبوۃ وخواصہا" کے عنوان سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اسی روشنی میں آنحضرت صلعم کے حیاتِ حسنہ کے (۸) ادوار قرار دیکر علامہ محمد اجمل خان صاحب نے اپنی تحقیق اور اجتہاد و ترتیب نزول کی بنیادوں کو مستحکم کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحۂ ۵۲ تا ۵۵ کتاب ترتیب نزول)۔

اقتباس ختم

کیا چودھویں صدی میں سلسلۂ نزولِ وحی پر کوئی تحقیق ہو سکتی ہے؟

اب ہم کو غور کرنا ہے کہ کیا ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد آج کسی مسلمان۔ یا انسان کو ایسا حق ہے کہ وہ ترتیب نزولِ قرآنی کی تحقیق کیلئے (ان اصحاب کے مقابل جو قرنِ اوّل میں گذر چکے ہیں۔ اور جنھوں نے اس خصوص میں حقیقت معلوم کرنے کے عجز کا اعتراف ایمان دارانہ طریقہ پر کر لیا ہو) کھڑا ہو کر اپنی خداداد نعمتوں کو ظاہر کرنے کا حق جتلائے؟

لیکن جب ہم حضرات فقہاء و محدثین اور مجتہدین کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس کو جانچتے ہیں تو یقین ہو جاتا ہے کہ نہ صرف آج بلکہ قیامت تک بھی ایسا حق متلاشیانِ حق کے لئے باقی ہے۔ جب کبھی ترقیِ زمانہ کی رفتار ایک بلند زینہ سے دوسرے بلند زینہ پر پہنچ جائے تو اسوقت کی سہولتوں سے استفادہ حاصل کرنا ہی عین فریضۂ انسانیت ہے۔ اور اسکے خلاف تاخوت کی بندگی جسکو "تقلیدِ جامد" کہا جاتا ہے۔

کیا کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ۔ آج کے زمانہ میں جس قدر سہولتیں "سیرو فی الارض و فی السماء" یعنی زمین و آسمان کی سیر دن کیلئے مہیا ہیں۔ اور قرآن۔ تفسیر۔ حدیث۔ سیر الہیات۔ وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے علوم کے خزانوں سے مالامال خزانے کتب خانوں کی شکل میں موجود ہیں جن سے استفادہ کا ہر متلاشی مستحق قرار دیا گیا ہے اور پھر جب کہ زمین اپنے تاریخی خزانوں کو اُگل رہی ہے۔ اور آسمان سے رحمت کی لگاتار بارش ہو رہی ہے۔ اس روشنی میں کوئی۔ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ انگریزی وغیرہ کی زبانوں پر عبور کامل رکھنے والا اپنی عمر کا بڑا حصہ

ایمان دارانہ طریقہ پر اس کام کیلئے وقف کر دے۔ اور اپنے عقل وفہم اور قوت فیصلہ کو کام میں لاکر ایک نتیجہ پر پہنچ جائے اور اس کو عوام کے سامنے رکھے۔ تو ہم محض اپنی اندھی تقلید۔ اور اپنے غلط تصورات میں اس کو مورد الزام قرار دیکر حق وصداقت کی روشنی سے انکار کرتے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ــ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ!

یقیناً ہر صاحب فہم انسان اس تصور انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ۔ قرآن حکیم۔ اور رسول اللہ صلعم کے سامنے بروز حشر جوابدہی پر مجبور کیا جائیگا۔ اس بیان حق پر غور کرنے کیلئے کہ۔ ہمارے سلف الصالحین نے ہر زمانہ کی رفتار ترقی سے کس طرح استفادہ کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔[له] اس موقعہ پر اگر میں حضرت امام بخاریؒ۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے متعلق ایک روایت بیان کروں تو بے محل نہ ہوگا کہ:

"ایک مرد بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم اس سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ:۔
"لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ میری کتاب چھوڑ کر امام شافعی کی کتاب پڑھتے ہیں؟"۔ اس بزرگ نے عرض کیا کہ:۔ "یارسول اللہ! آپ کی کتاب کونسی ہے؟"۔ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ:۔ "صحیح بخاری!"۔

بھلا غور تو فرمایئے کہ اس کتاب کی شہرت اور عظمت کا کیا عالم تھا۔ قرآن کے بعد کسی کتاب کا نام لیا جاتا ہے تو وہ "صحیح بخاری" ہے۔ اس روایت کے بعد کسی کی مجال تھی کہ وہ حدیث یا فقہ میں ایک قدم بھی آگے بڑھاتا۔ لیکن۔ کیا ایسا ہی ہوا؟۔ نہیں!۔ بلکہ نہ صرف امام مسلمؒ و امام داؤدؒ و امام ترمذیؒ وغیرہم نے اپنی اپنی تحقیق کو برابر جاری رکھا۔ اور تقلید شخصی وجمود سے دور رہ کر اپنی خداداد قابلیت علم وغور وفکر سے کام لیتے ہوئے اپنے اپنے دفتر اوراق پر اپنے اخلاف کیلئے چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ظاہر ہے کہ۔ ہر متلاشیٔ حق۔ جو اندھی تقلید سے بیزار ہو۔ وہ اپنی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر اپنی خداداد قوت غور وفکر۔ اور علوم محصلہ سے آگے بڑھے تو کیا عجب کہ وہ اپنے اپنے ذوق فکر کے لحاظ سے اپنے زمانہ کا ایک درخشان سیارہ بن کر "قرآن اعظم" کی روشنی سے کرۂ زمین کو منور کر دے۔ بشرطیکہ خود غرضی اور

له۔ اگر آپ شاہ صاحبؒ کی کتاب اختلافی مسایل میں اعتدال کی راہ کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ کسطرح امام مالکؒ سے امام حنبلؒ تک اور امام بخاریؒ سے امام ترمذیؒ و رازیؒ و غزالیؒ تک ایک دوسرے کی تحقیق سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے اپنی قوت غور و فکر کو تقلید جامد کا شکار ہونے نہ دیا۔ اور یہ سمجھتے ہوئے برابر آگے بڑھتے ہی گئے کہ۔ انسان۔ جو اشرف المخلوقات ہے۔ اُسکا دماغی ارتقاء ہمیشہ بلند سے بالاتر ہی ہوتا جائیگا۔ انھوں نے کبھی بھی یہ خیال نہ کیا کہ۔ جو کچھ اسلاف نے کہا وہ اخلاف کیلئے "حرف آخر" تھا۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے رہے کہ۔ اسلاف کے اکتساب سے آگے بڑھنا ہی اخلاف کا رُشد ہے۔ جسکے لئے ماحول زمانہ "کل یوم هو فی شان" کے تحت خالق کون ومکان کے "رازہائے تخلیق" زیادہ سے زیادہ اور آسان سے آسان۔ واضح سے واضح طریقہ پر۔ مشاہدات کی دنیا میں فراہم کرتا رہے چنانچہ اس میں اضافہ ہی اضافہ نظر آرہا ہے۔ جسکا ثبوت ہر صاحب غور وفکر انسان کو اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں ہر آن وہر لحظہ دے رہی ہیں۔ باوجود اسکے کوئی اپنی آزادیٔ ذہن وغور وفکر کا منکر ہے۔ تو قرآن حکیم کا فیصلہ موجود ہے کہ:۔ "وہ ظالموں میں ہے۔ اور خدا کبھی ظالموں کیلئے راہ ہدایت نہیں کھولتا"۔ "واللہ لا یھدی القوم الظلمین ہ"۔

انانیت و طلب شہرت سے ہٹ کر ایمان دارانہ فرضِ انسانیت کی ادائی اِسکے پیش نظر ہو۔ یقیناً ایسے ہی لوگون کیلئے اللہ تعالیٰ کا فضل مختص ہے۔ اور ایسون ہی پر وہ اپنا فضل پر فضل کرتا ہے۔ اسکا یہ وعدہ اٹل ہے۔

میرا فکر و فہم

اور

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی

اِس مرتبہ جب کہ "قرآن ازم" کی اشاعت ثانی ہو رہی ہے۔ میرے زیر مطالعہ "تفہیم القرآن" علامہ مودودی کا دیباچہ اور مقدمہ آچکا ہے۔ جسکا اقتباس حسب ذیل ثواب "(یعنی "فایدے") کے تحت پیش کر رہا ہون:۔

(۱) میرے فکر و فہم کی تائید علامہ موصوف کے فکر و نظر سے کس حد تک منطبق ہو سکتی ہے۔ اس کا اندازہ ناظرین کو ہو جائیگا۔

(۲) اِس کتاب کے ناظرین۔ علامہ موصوف کے "تفہیم القرآن" سے متعارف ہو کر اُسکے مطالعہ سے فہم قرآن حاصل کرنے کی کوشش کرین گے۔

(۳) میرا فکر و فہم پڑھنے کے بعد ہر حاملِ قرآن اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم حاصل کرنے کی طرف راغب ہوگا۔ بدین خیال کہ جب ایک اُمّی کو اللہ کے فضل و کرم سے "فہم قرآن کی نعمت" اس طرح مل سکتی ہے کہ وہ ایک علامہ کی وسیع النظری سے مطابقت پائے۔ تو کیون مین بھی تقلید جامد کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے اپنے فکر سے فہم قرآنی کی نعمتِ عظمیٰ حاصل نہ کرون!

خدا کرے کہ میرا یہ تیسرا لفصور صحیح معنی مین نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے فکر و خرد کیلئے ایک لیور کی حرکت کے مصداق بن جائے۔

جوانون کو میری آہِ سحر دے   پھر ان شاہین بچوں کو بال و پَر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے   مرا نورِ بصیرت عام کر دے (اقبالؒ)

اقتباس دیباچہ تفہیم القرآن

از

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی[۱]

قرآنِ حکیم کے تراجم و تفاسیر پر زبانِ اُردو مین اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کو محض خیر و برکت کے لئے مزید اس پر وقت ضایع کرنا صحیح نہ ہوگا۔

البتہ طالبینِ قرآن کی ایسی ضرورت کو پورا کرنا۔ جو گذشتہ تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہو سکی احسن ہوگا۔ اِن صفحات مین ترجمانی اور تفہیم کی جو سعی کی گئی ہے۔ وہ اسی بنا و پر ہے۔ کیونکہ ایک مدت سے مین محسوس کر رہا تھا کہ

(۱ صفحہ ۱۰۰ دیکھو)

ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآنِ حکیم کے حقیقی منشاء سے روشناس کرانے کی شدید ضرورت ہے۔ اور وہ روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے۔ لہذا اس تشنگی کے بجھانے کیلئے اگر میں کچھ کرسکوں تو بہتر ہوگا۔

میرے اس کام کے پیشِ نظر علماء و محققین کی ضروریات نہیں ہیں۔ جن کے لئے بہت کچھ سامان پہلے ہی سے موجود ہے۔ میں تو ان لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں جو عربی سے محروم ہیں۔ میرا مقصد تو یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت اسکا مفہوم اور مدعا آسانی سے سمجھ میں آتا جائے اور کوئی اُلجھن نہ پیدا ہو۔ (ص۵)۔

اس کتاب میں ترجمہ کے طریقہ کو چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ترجمۂ قرآن کی خدمت تو بہت سے لوگ کر چکے ہیں۔ لیکن طالبین قرآن کی ضرورتیں اس سے پوری نہیں ہوتیں۔ اسلئے کہ وہ لفظی ترجمہ سے کوئی اثر قبول ہی نہیں کرسکتے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کسی بہتر سے بہتر مضمون کو لیکر اسکے فقرے الگ الگ کر دیجئے جس کے بعد اس کا ربط ہی باقی نہیں رہے گا۔ ایسے جُدا جُدا فقرے آپ کے فکر کو کسی طرح متاثر نہیں کرسکتے۔

ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کا طرزِ تقریری ہے نہ کہ تحریری۔ تقریر کو تحریر میں منتقل کرتے وقت جب تک تحریر کے طریقہ پر وہ نہ بدلا جائے اور صرف اس کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط اور ناقابلِ فہم ہوکر رہ جائے گی۔ (ص۶)۔

(ص۸ و ۹) یہ تو ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم ابتداء میں کتاب یا رسایل کی صورت میں شایع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں وہ وقتاً فوقتاً حسب موقع و ضرورت بصورت تقریر وحی الٰہی نازل ہوتا رہا۔ اور آپؐ اس کو بذریعۂ خطاب مخاطبین کو سُناتے رہے۔ چونکہ تقریر اور تحریر کی زبان میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں (ایک زبان کی) تقریر کو (دوسری زبان میں) پیش کرنے کیلئے تحریری زبان کا اختیار کرنا لازمی ہوگا۔ اسکے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ تقریر میں مخاطب بار بار بدل لیتے ہیں۔ اور خود متکلم کبھی خود بولتا ہے۔ اور کبھی گروہ کی طرف سے بولتا ہے۔ کبھی کسی بالائی طاقت کی طرف سے بولتا ہے تو کبھی بالائی طاقت اس کی زیادہ سے زیادہ بولتی ہے۔[۱]

چونکہ قرآن حکیم کی ہر سورۃ ایک تقریری دعوتِ اسلام کیلئے تھی۔ جس کا ایک خاص پس منظر ہوتا تھا۔ کچھ مخصوص حالات۔ اور کچھ خاص ضرورتیں۔ جس کیلئے وحیِ الٰہی نازل ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں مجرد الفاظ کا ترجمہ کسی کے سامنے رکھ دیا جائے تو کبھی بھی صحیح مفہوم واضح نہیں ہوسکتا۔ عربی زبان کے قرآن کے معاملہ میں تو تفسیر سے مدد لیکر اس مشکل کو دُور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس کی اصل زبان میں کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دوسری زبان میں ہم بصورت ترجمانی (یا تفہیم) اس کے پس منظر اور حالاتِ نزول کو ساتھ ساتھ جوڑتے چلے جائیں تو ناظر کیلئے وہ بامعنی اور قابلِ فہم

(ملہ۔ حاشیہ صفحہ ۵۹) میرا یہ اقتباس علامہ موصوف کے فکر و نظر کی نقل نہیں ہے۔ بلکہ میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس کے فکر و نظر کا خلاصہ کیا ہے۔ البتہ بریاکٹ میں یا فٹ نوٹ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ میرا ذاتی فکر و فہم ہے جسکو علامہ کی اصل تحریر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[۱] اس فکر و نظر پر سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے۔ تاکہ نزولِ قرآنی کی حقیقت آپکی سمجھ میں آجائے۔ براہ کرم تقلیدِ جامد کی عینک فکر و فہم کی آنکھوں سے ہٹا کر پڑھئے تو ان چند سطور کے اطراف ہی نہ صرف علامہ موصوف کا بلکہ میرا فہم اور "قرآن ازم" آپکو گھومتا ہوا نظر آئیگا۔ پھر صحیح معنی میں آپکا فکر آپکو فہم قرآن عطا کریگا۔

ہو سکتا ہے۔ (صفحہ ۹۱)۔

محاورے

پھر قرآن نے ایسے محاوروں کا بکثرت استعمال کیا ہے جس کا مطلب لغوی معنیٰ سے بالکل جداگانہ ہے۔ ایسی حالت میں لفظی ترجمہ اصل مفہوم کے حاصل کرنے کیلئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور ناظر الجھن اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ "کفر" ہی کو لے لیجئے۔ جو قرآن کی اصطلاح — اصلی عربی لغت اور ہمارے فقہاء و متکلمین کے اصطلاح (اور عوام کی اصطلاح) میں مختلف معنیٰ (منشا و مفہوم) رکھتا ہے۔ پھر خود قرآن میں بھی تو وہ ہر جگہ ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے۔ کہیں جحود انکار۔ کہیں محض ناشکری اور احسان فراموشی کے مفہوم کو بتلاتا ہے۔ کہیں مقتضیات ایمان کو پورا نہ کرنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ کہیں اعتقادی اقرار۔ مگر عملی انکار یا نافرمانی کیلئے۔ لیکن ظاہری اطاعت۔ مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اگر ان تمام مقامات پر "کفر" کا ترجمہ "کفر" ہی کرتے چلے جائیں تو بلاشبہ ترجمہ تو صحیح ہوگا۔ لیکن مطلب سے محرومی ہوتی رہے گی۔ (صفحہ ۱)۔

ترجمہ یا مفہوم کو کس طرح لکھا گیا ہے (صفحہ ۱۱)

لفظی ترجمہ کی اس کسر اور خامی کو میں نے پہلی مرتبہ دور کرنے کی کوشش کی ہے اس طرح کہ قرآن کی عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آیا ہے یا جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اس کو حتی الامکان اپنی زبان میں منتقل کر دیا ہوں۔ اس طرح عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو کہ تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو جائے۔ اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زور بیان بھی منعکس ہو جائے۔ جس کے لئے آزاد ترجمانی ناگزیر تھی[1]۔ چونکہ معاملہ کلام الٰہی سے وابستہ ہے اسلئے اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادیٔ بیان کی گنجایش دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

حواشی (یعنی فٹ نوٹ) میں جس جگہ عام ناظر تشریح چاہتا ہے۔ یا اسکے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے یا کسی شبہ میں مبتلا ہو سکتا ہے تو اس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ پھر جہاں ناظر کے سرسری طور پر گذر جانے کا امکان تھا جسکی وجہ قرآن حکیم کے ارشاد کی اصلی روح اس پر واضح نہیں ہو سکتی اور تشنگی کا اندیشہ تھا۔ وہاں پر حاشیہ لکھا گیا ہے۔ (تاکہ اصل روح پر اس کا فکر غور کر کے سوجھ بوجھ سے نتیجہ اخذ کرے)۔ جو لوگ اس کتاب سے پورا فایدہ اٹھانا چاہیں۔ ان کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ پہلے اپنے روزمرہ کے مقررہ تلاوت قرآن حکیم کا لفظی ترجمہ اپنے زیر مطالعہ قرآن میں پڑھیں۔ اس غرض کے لئے وہ فارسی۔ یا اردو۔ یا انگریزی تراجم سے جو ترجمہ بھی منتخب کر سکتے ہیں کر لیں۔ اسکے بعد تفہیم القرآن کی ترجمانی اور اسکے حواشی کا مطالعہ کریں جس کے بعد عام ناظر کو

---

[1] میرا آج سے چالیس سال پہلے کا فکر و فہم قرآنی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھ کو ملا تھا۔ علامہ کے اس فکر سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے۔ ھذا من فضل ربی۔ اسی لئے سنہ ۱۹۵۴ء میں۔ جب "قرآن ازم" کی ابتدائی اشاعت کا آغاز ہوا تو۔ ایسے الفاظ اور محاوروں کو فہم قرآن حکیم کیلئے ضروری سمجھ کر بوضاحت تمام۔ اچھی دنیا۔ سچی انسانیت رسایل میں شایع کر رہا ہوں۔ اور آج اصل کتاب۔ یعنی "میرا فکر و فہم قرآنی" کے آغاز ہی میں۔ ان الفاظ کے معنیٰ و مفہوم کو لکھ دیا ہوں۔ تاکہ ناظر و طالب فہم قرآن حکیم کو مطالعہ کے وقت کوئی الجھن نہ پیدا ہو۔ اور آسانی سے منشاء وحی سمجھ میں آجائے۔ بزبان "اردو مبین" ہر اردو داں فہم حاصل کرے۔

قرآنِ مجید کی عالمانہ واقفیت نہ سہی۔ عامیانہ واقفیت انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی حاصل ہو جائیگی۔[له] (صـ۱۲،۱۱)۔

اقتباس مقدمہ تفہیم القرآن

از

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی

"تفہیم القرآن" کا مقدمہ لکھنے سے میرے پیشِ نظر دو مقصد ہیں۔ اولاً ناظران باتوں سے اچھی طرح واقف ہو جائے جن کو ابتدا ہی میں سمجھ لینے سے فہمِ قرآنی کی راہ آسان ہو جائے گی۔ ورنہ یہ باتیں دورانِ مطالعہ میں باربار کھٹکتی رہیں گی۔ اور بسا اوقات محض ان کی سمجھ میں نہ آنے سے آدمی برسوں تک قرآنی معنیٰ کے سطح پر گھومتا رہتا ہے۔ اس کو گہرائی میں اترنے کا راستہ نہیں ملتا۔ دوم۔ اُن سوالات کا جواب پہلے ہی دیدیا جائے جو قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے وقت عام طور پر لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ لہذا

اس مقدمہ میں صرف ان سوالات کا جواب دیا جائے گا جو خود میرے ذہن میں اول اول پیدا ہوئے تھے یا جن سے بعد میں مجھ کو سابقہ پڑا۔ (صـ۱۳)۔

عام طور پر کتابوں کا ایک ہی موضوع ہوا کرتا ہے۔ اگر مختلف موضوع ہوں تو اُن کی تقسیم ابواب میں ہوا کرتی ہے۔ لیکن ہم کو قرآنِ حکیم کی تلاوت کے وقت خلافِ توقع ایک انوکھا انداز نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ اعتقادی مسایل۔ اخلاقی ہدایت۔ شرعی احکام۔ دعوت نصیحت۔ عبرت۔ قصص۔ تنقید۔ تخویف۔ بشارت۔ تسلی۔ آثارِ کائنات۔ نہ صرف بار بار اشارات۔ اجمال تفصیل سے ملتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے سے خلط ملط کے ساتھ بار بار دُہرائے جا رہے ہیں۔ پھر نہ تو وہ تاریخی انداز کے زبان میں ہے اور نہ فلسفہ۔ اور نہ کے کتابوں کی طرح ہیں سیاست۔ معیشت۔ معاشرت پر گفتگو کے علوم عمران کے طرز پر ہیں۔ اس طرح ہر موضوع ہماری تالیف و تصنیف کے خلاف نظر آتا ہے۔ جس سے ایک قسم کا انتشار ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بے ربطی کو محسوس کر کے ایک معتقد صاحبِ غور و فکر انسان (یعنی عقیدت مندی کے تحت) شکوک سے بچنے کیلئے (زبان پر مُہر لگا کر اپنے فکر کو مفلوج کر کے بلا کسی غور و فکر کے الفاظ کو زبان سے ادا کر لینا محض ثواب کیلئے کافی سمجھ لیتا ہے) تلاوت کر لیتے۔ یا اپنے دل کو سمجھا لیتے۔ یا دوسروں کو مطمین کرنے کیلئے عجیب عجیب منطقی و ذہنی نتائج اخذ کر کے منشار و مفہوم کلام سے دُور جا پڑتا ہے۔ (صـ۱۴)۔

ظاہر ہے کہ کسی کتاب کا فہم حاصل کرنے کیلئے اسکا مقصد و مدعا۔ اور پھر اس مصنف۔ اور مولف کی

له۔ میں نے بھی اپنے فکر و فہم قرآنی میں ناظرین سے یہی خواہش کی ہے۔ جب تک وہ لفظی ترجمہ کو نہ پڑھ لیں وہ معلوم نہیں کرسکتے کہ ترجمانی کی کیا حقیقت ہے۔ پھر وہ ترجمہ کو پڑھ لینے کے بعد اپنا ذاتی فہم بھی تو حاصل کرسکتے ہیں۔ اور ترجمانی اصلی حقیقت بھی منکشف ہو سکتی ہے۔ وہ غور کرسکتے ہیں کہ مفہوم میں کوئی تحریف تو نہیں کی گئی ہے۔ اسلئے لفظی ترجمہ کو پہلے یا بعد پڑھ لینا ضروری ہے۔

اصطلاحی زبان۔ اور محاوروں۔ اور مخصوص طرزِ بیان سے شناسائی حاصل کر لینا ضروری امر ہے۔ پھر اس کے ظاہری عبارت کے پیچھے اور آگے جن احوال و معاملات کے تعلقات ہوں۔ وہ بھی ذہن و فکر کے سامنے ہوں۔ تو حصولِ فہم میں کوئی زحمت نہیں ہوتی۔ جب مطالعۂ قرآن کے وقت ناظر کیلئے یہ تمام باتیں ذہن سے خارج ہوں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُن بکھرے ہوئے علمی جواہر کی اصلی روح تک پہونچنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر مواقع پر پسِ منظر کا صحیح علم نہ ہونے پر وہ عقایدِ ظنّی میں گرفتار ہو کر بے سند روایات اور غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۵)۔

قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟۔ اسکے نزول کی کیا حقیقت ہے؟۔ اور اسکے ترتیب کی نوعیت کیا ہے؟۔ اس کا موضوعِ گفتگو کیا ہے؟۔ اِسکی ساری بحث کس مدعا کیلئے ہے؟۔ کس مرکزی مضمون کے ساتھ اسکے بے شمار مختلف مضامین وابستہ ہیں؟۔ کیا طرزِ استدلال اور کیا طرزِ بیان اس نے اپنے مدعا کیلئے اختیار کیا ہے؟۔

اِن سوالات کا جواب اگر ابتدا ہی میں صاحبِ غور و فکر ناظر کو صاف اور سیدھے طور سے مل جائے تو اس کے فہم و تدبر کی راہیں آسانی سے کشادہ ہو سکتی ہیں۔ اسلئے اگر اس کو سمجھنا ہے تو پہلے سے قایم شدہ تمام قیاسات۔ ظنّی و ذہنی اور تقلیدِ جامد کے عقاید۔ و۔ نیز روایاتِ عجیب و غریب) کو ذہن سے دُور کر کے آزادیٔ فکر سے اِن بکھرے ہوئے موتیوں کی روح سے شناسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اصلِ قرآن ناظرِ قرآن کو سب سے پہلے قرآن کی اصل سے واقف ہونا لازم ہے (خواہ وہ اہلِ قرآن ہو۔ یا نہ ہو۔ اُمتِ محمدی ہو۔ یا کسی اور اُمت سے متعلق ہو) ہر حال میں اس کتاب کو سمجھنے کے لئے اُس کے نقطۂ آغاز کی وہی اصل سامنے رکھنی ہوگی جس کو کلامِ الٰہی نے اور اس کے پیش کرنے والے (یعنی محمد عربی صلعم) نے بیان کی تھی۔۔ وہ اصول یہ ہیں:۔

(۱) خداوندِ عالم۔ جو ساری کائنات کا فرمانروا ہے۔ جس نے اس حصۂ زمین پر آدم زاد کو پیدا کیا۔ اور اس کو قوتِ فکریہ عطا کی۔ جس کی وجہ وہ اپنی بُرائی۔ بھلائی کی تمیز۔ اور ارادے میں آزاد ہے۔ اور تصرفاتِ اشیاء کائنات میں مختار۔ اور ایک بڑی حد تک خود مختار بھی ہے۔ جس کی وجہ وہ اس زمین کا خلیفہ (یعنی آخری قایم مقام) بنایا گیا ہے۔۔

(۲) دُنیا کی زندگی میں ایک ہی ذاتِ واحد خالقِ کائنات کو اپنا آقا مانکر۔ اُسی کی فرمانبرداری کا تصور لئے ہوئے۔ مرنے کے بعد اسکے آگے ہر چھوٹے بڑے عمل کے محاسبہ و جواب دہی کا یقین کامل رکھتے ہوئے ہر حرکت کے ارادے پر نظر جمائے رکھیں کہ اچھے عمل کا بدلہ اچھا۔ یعنی جنّت۔ اور بُرے عمل کا بدلہ بُرا۔ یعنی جہنم ملے گا۔ اور ضرور ملے گا۔ (صفحہ ۱۶ و ۱۷)۔

(۳) انسان کے جدِ اعلیٰ (یعنی آدمؑ و حوّاؑ) کو راہِ ہدایت کے ساتھ زمین پر رہنے کا حکم ملا۔۔۔ پس اوّلین انسان۔ جہالت اور تاریکی کی روشنی میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا نے زمین پر ان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں کیا تھا۔ وہ حقیقت سے کما حقہٗ واقف تھے۔ ان کو ان کا قانونِ حیات بتا دیا گیا تھا۔ ان کا طریقۂ زندگی۔ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری تھا۔ یعنی۔ اسلام۔۔ وہ اپنی اولاد یعنی نسل کو یہی بات

سکھلا گئے۔ کہ وہ مسلم بن کر رہیں ۔ لیکن بعد کی صدیوں میں انسان اس صحیح طریقۂ زندگی (یعنی دین) سے منحرف ہو گیا[1]۔ اور خدا کے مقرر کئے ہوئے عادلانہ اصول اخلاق و تمدن۔ یعنی شریعت کو چھوڑ کر اپنے تعصبات کے مطابق اپنے قوانین بنا لئے جن سے خدا کی زمین ظلم سے بھر گئی۔

---

(۴) خدا نے جو محدود خود مختاری انسان کو دی تھی۔ اس میں تخلیقی مداخلت کو کام میں لا کر انسان کو ایک ہی رویہ پر قایم کر دینا (منشار تخلیق خالق تعالیٰ سبحانہ تعا) مقصود نہ تھا۔ بلکہ اسکی مہلت عمل کے دوران میں (یعنی قانونِ امہال کے تحت) قدرت اسکی رہنمائی بھی کرتی رہی ہے۔ اور کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے نمایندوں (یعنی مامور من اللہ) کے ذریعہ صحیح قانونِ حیات (یعنی منشاء تخلیقِ انسانیت) کیلئے انسان کی برابر رہنمائی کرتی رہی ہے۔

---

(۵) مامور من اللہ۔ ہر ملک اور قوم میں ظاہر ہوتے رہے۔ ہزاروں سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جو سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے۔ (یعنی اخلاق و تمدن جو منشاء تخلیقِ انسانیت کا عین مقصد تھا) اور ان سب کا ایک ہی مشن تھا۔ جب کبھی کسی قوم میں ایسا معلم ظاہر ہوا تو اس قوم نے ایک امتِ مسلمہ کی حیثیت اختیار کی لیکن مامور من اللہ معلم کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ وہ اس طرح بگڑی کہ وہ اصل تعلیم ہی کو کھو بیٹھی۔ (یعنی تحریفِ معنوی کے پس پردہ ہر اہلِ کتاب کے علماء نے خدمتِ مذہب کو اپنا وطیرہ نجاتِ اُخروی سمجھ کر پیشوائی اُمت کا مقام حاصل کر لیا)۔ (ص ۱۹)۔

---

(۶) آخر خداوندِ عالم نے سرزمینِ عرب پر محمد صلعم کو اُسی کام کیلئے مبعوث کیا۔ جو سابقہ مامور من اللہ کے بگڑے ہوئے پیروؤں کو خدا کی ہدایت واضح طور پر پہونچا کر دنیا کی اصلاح کیلئے آخری جد و جہد کرے۔

اِسی دعوت اور ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے
جو اللہ نے محمد صلعم پر نازل کی[2]

قرآن کا مرکزی مضمون اور اسکا مدعا کیا ہے؟

(۱) اس کا موضوع انسان ہے۔ اس اعتبار سے کہ بلحاظ حقیقت نفس الامری اس کی فلاح اور اس کا

---

[1] گو مجھکو علامہ موصوف کے اس فکر سے اختلاف ہے لیکن جب میں غور کرتا ہوں کہ علامہ کا ایسا فکر کیوں ہے؟۔ تو مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو ایسا ہی لکھنا۔ اور کہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ طریقہ مامور من اللہ کی ایک سُنت ہے۔ جو تابعِ سُنت اللہ ہے۔ کہ عوام الناس کے بگڑے ہوئے تصورات کو بتدریج موڑتے چلے جائیں۔ نہ کہ ایک دم سے پلٹ دیا جائے جس کا نتیجہ تخریب ہوگا۔ نہ کہ تعمیر۔ البتہ مجھ جیسا۔ آزاد فکر۔ گوشہ نشین فرد۔ اپنے ہم فکر معدودے چند۔ انسانوں کیلئے جسطرح چاہے اپنا فکر پیش کر سکتا ہے! اسلئے کہ معمار کی حیثیت میری نہیں ہے۔ بلکہ ایک "نقشہ نویس" جو تعمیر قدیم کے متعلق ایک آزاد قیاسی فکر رکھتا ہے۔ جسکے بعد ہر طرف سے اعتراف ہو کر ایک "صحیح عمارت" تعمیر ہو سکتی ہے۔ [2] میں سمجھتا ہوں کہ۔ فقرہ (۵) کے لحاظ سے جو سُنت اللہ رہی ہے (باقی صفحہ ۶۵ پر)

خسران (یعنی تباہی) کس چیز مین ہے ـــ

(۲) اسکا مرکزی مضمون ـ یہ ہے کہ ـ انسان نے ظاہر ہیئ ـ یا خواہشاتِ غلامی (نفس) کی وجہ (تقلیدِ جامد مین اندھا بنکر) جو رَوِّ سے اختیار کر لئے ہین ـ وہ غلط ہین ـ حقیقت وہ ہے ـ جو انسان کی خلافت کیلئے خداوند تعالیٰ نے اسکی تخلیق مین ودیعت کر دیئے ہین ـ یہی ایک صحیح رویہ ہے ـ

(۳) اسکا مدعا ـ انسان کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دیتا ہے ـ جو اس نے اپنی شرارت سے مسخ کر دیا ہے (یعنی اندھی تقلید ـ اور باپ ـ دادا کے رسم و رواج کے مدِ نظر ـ بے روح ڈھانچے کو اُٹھائے ہوئے ـ "کمثل الحمار" بنا ہوا ہے ـ اور آزادیٔ فکر کو ـ تقلید کی غلامی پر قربان کر چکا ہے) ـ

اِن ہر سہ بنیادی امور کو ذہن مین رکھکر اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ ہر چیز کا ذکر بلحاظِ ضرورت واضح ـ مختصر ـ اِس حد تک ـ اور اِس انداز مین کرتا ہے جو اُس کے مدعا کیلئے ضروری ہے ـ اور اس کا بیان ایک ہی محور کے اطراف گھومتا نظر آئے گا ـ اسکا مطلب کسی فن ـ یا علم کی تعلیم دینا نہین ہے ـ چاہے وہ تاریخ ہو ـ یا سائنس ـ وغیرہ ـ البتہ ـ عام ظنّی و ذہنی ـ غلط ـ اور ـ بے معنی تصورات ـ اور مہمل عقاید کی وجہ جو غلط فہمیان کسی قوم مین نمایان ہو چکی ہین ـ ان کی اصلاح ـ ایک مُصلح کُن انداز مین ! اختلافات کو ختم کرنے کیلئے کرتا ہے جس کا مقصد کسی خاص قسم کا ریسرچ ـ یا تحقیق ـ اور اصل حقیقت کو آشکارا کرنا نہین ہوتا)

فہم قرآن کیلئے ایک بنیادی حقیقت (صـ۲) ـ قرآن حکیم کے طرزِ بیان ـ اور اسکے مضامین کو آدمی اِس وقت تک نہین سمجھ سکتا ـ جب تک کہ اسکے کیفیتِ نزول کو بھی اچھی طرح نہ سمجھ لے ـــ (اسلیئے سب سے پہلے ـ ناظر ـ یا مفکر کو یہ بات ذہن نشین کر لینا ہو گا کہ) (صـ ۱۹ و ۲۰) یہ قرآن حکیم کوئی ایسی کتاب نہین ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمدِ عربی صلعم پر بہ یک وقت بصورتِ تحریر بھیج کر ارشاد فرمایا ہو کہ اسکو شایع کر دو ـــ بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۶۴) وہ محمدِ عربی صلعم کے بعد بھی جاری رہی ـ اور قیامت تک جاری رہے گی کیونکہ سُنّت اللہ ـ بدلا نہین کرتی ـ لیکن محمد عربی صلعم کے بعد ہدایت کیلئے جو مامور من اللہ قدرت منتخب کرتی ہے ـ اسکا نام اِس دُنیا مین ـ نبی ـ رسول نہین ہو سکتا ـ اور نہ کوئی مُنزل من اللہ دستور وہ لا سکتا ہے ـــ ہر قوم مین اسکا نام جُداگانہ ہو گا ـ کوئی اس کو "لیڈر" کہے گا ـ کوئی "مُصلحِ قوم" ـ کوئی "ہادی" ـ کوئی "مُجدد" ـ کوئی "مہاتما" ـ بہرحال ـ ہر زبان مین ـ اس زمانہ کے لحاظ سے وہ موسوم ہو گا ـ اور اُس آخری دستورِ الٰہی کے بنیادون ہی پر ـ وہ قوم کی اصلاح کرے گا ـ جو آخری دستورِ الٰہی اِس وقت دُنیا مین موجود ہے ـ جو بنی اسمٰعیل کے اوّل و آخر نبیؑ و رسولؐ پر چودہ سو سال ماضی مین نازل ہوا تھا ـ جسکا نام "قرآن" ہے ـــ لیکن اس دستور کو مان کر ـ اور پڑھ کر بھی ہدایت و تعمیل کا لزوم مین نہین سمجھتا ـــ بلکہ غیر شعوری طور پر دستورِ الٰہی کے آخری ایڈیشن کے نظریات مصلح قوم کے پیشِ نظر ہوتے جائین گے ـ کس طرح ہون گے؟ ـ اس کا جواب قرآن حکیم کی پہلی وحی دیتی ہے کہ "علم الانسان مالم یعلم" انسان نہین جانتا کہ اسکو ایسا علم کہان سے مِل رہا ہے ـ پس ایسے مصلح قوم مامور من اللہ تخلیقِ انسانیت کا مقصد ـــ یعنی "صالح اُمتِ واحدہ" بنانے کی ممکنہ کوشش کر کے اسکی رہنمائی کرتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہتا چلا جائیگا ـ لیکن میرا فکر و فہم قرآنی مامور من اللہ کیلئے کسی خاص اُمت ـ یا قوم مین اُسکی پیدائش ـ یا مذہب کی قید کا لزوم ماننے کیلئے تیار نہین ہے ـــ کیونکہ قرآن حکیم کی روشنی مین تمام مرسلینؑ کی مثالین میری ایسی ہی رہنمائی کرتی ہین ـــ

اسکا نزول وقتاً فوقتاً جن ہدایات کی ضرورت تھی (مخاطب و متکلم کی ہدایت و رہنمائی کیلئے (۲۳) سال تک) نازل ہوتا رہا ـــــ جو تین نوعیتوں پر مشتمل ہے:۔

(۱) پیغمبر کو اِس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اِس عظیم الشان کام کیلئے کس طرح تیار کریں ـــ اور کس طرز پر کام کریں۔

(۲) حقیقتِ نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات۔ اور ان غلط فہمیوں کی اجمالی تردید۔ جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا (یعنی تقلید کی تاریکی سے آزادیِ فکر کی روشنی میں لانے کیلئے دعوتِ فکر و غور)۔

(۳) صحیح رویہ کی طرف دعوت ہدایتِ الٰہی کے بنیادی اصولِ اخلاق کا بیان جن کی پیروی انسان کیلئے فلاح و سعادت کا باعث ہو سکتی ہے۔

شروع میں یہ نصاب۔ ابتدائی تعلیم کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے بولوں پر مشتمل نازل ہوتا رہا۔ جو مخاطبین کے مذاق کے مطابق تھا۔ تاکہ وہ آسانی سے اس کی طرف نہ صرف متوجہ ہوں۔ بلکہ اس کو بار بار زبان پہ دہرانے لگیں ـــ

اگرچہ بیان ٹوکی جا رہی تھیں عالمگیر صداقتیں۔ مگر دلایل۔ اور شواہد۔ اور مثالیں قوم کے قریب تر ماحول سے دیجا رہی تھیں کہ مخاطبین اس سے اچھی طرح مانوس تھے۔ تاکہ اس سے وہ بآسانی متاثر ہو سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار۔ پانچ سال تک جاری رہا۔ جس میں:ـــ

(۱) چند صالح انسان (آزادیِ فکر والے) دعوت کو قبول کر کے مصدقین میں داخل ہو گئے۔

(۲) کثیر تعداد۔ جہالت۔ اور خود غرضی۔ یا آبائی طریقے کی محبت کے سبب مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔ (یعنی آبائی مذہب اور اس کی حفاظت کے خاطر اس غلط نظریہ کے تحت کہ یہ ہمارا جہاد فی سبیل اللہ ہو نیکی وجہ خوشنودیِ خدا کا باعث ہوگا۔ کیونکہ ہمارے باپ۔ دادوں کا بتلایا ہوا طور طریق اور ان کا مذہب ہی اللہ کو مرغوب و محبوب ہے۔ جس پر صدیوں سے ہمارے اسلاف چلتے آرہے ہیں۔ اگر وہ خدا کا ناپسندیدہ ہوتا تو وہ ہمارے بزرگوں کو روک دیتا)۔

(۳) مکہ اور اہلِ قریش کے حدود سے متجاوز اس نئی دعوت نے وسعت اختیار کی۔ (ص۲۱)۔

پہلے دور کے بعد دوسرا دور جب شروع ہوا تو۔ نئی تحریک۔ یعنی دعوتِ اسلام۔ اور پرانی جاہلیت (یعنی تقلید جامد۔ اب وجد کے مذہب کی پابندی و حفاظت ایک طرف۔ اور دوسری طرف آزادیِ فکر کے علمبردار۔ یعنی مصدقین) کے درمیان جان گسل کشمکش برپا ہو گئی ـــ جس کا سلسلہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ جو لوگ اپنے آبائی مذہب کو قایم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس نئے مذہب کو مٹانے پر تل گئے تھے ـــ جس کیلئے ہر طرح کی کوششیں وہ کرتے رہے۔ اور جب مظالم شدید صورت میں رونما ہونے لگے ـــ یہاں تک کہ تین سال تک قریش سے بھی مقاطعہ۔ یعنی ترکِ تعاون کیا گیا (جو سماج کیلئے ایک بدترین سزا ہوتی ہے) اور مظلومین کیلئے انتہائی ظلم۔ جاری رہا۔ کیونکہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیس دیا جاتا ہے۔ (تاریخ شعب ابی طالب کا مطالعہ کیجئے تو واقعہ کربلا کی کوئی حقیقت نہیں رہتی) جسکی وجہ مصدقین (یعنی آزادیِ فکر کے

متوالون کو) دو مرتبہ ہجرت کر کے حبش کو جانا پڑا۔ بالآخر (۱۳) سال کی کشمکش کے بعد آزادیٔ فکر کے داعی یعنی معلمِ قرآن صلعم کو ایک راہنما کی حیثیت سے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنی پڑی (جب کہ جان کے لالے پڑ گئے) لے (صد ۲۲)۔

اس تیرہ سالہ شدید کشمکش کے دوران مین۔ اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبی پر ایسے پُر جوش خطبے نازل کرتا رہا۔ جن مین دریا کی سی روانی۔ سیلاب کی سی قوت۔ اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبات مین مصدقین کو ڈھارس دی جاتی تھی۔ اور صبر و تحمل کے دیرپا نتایج اور مستقبل کی خوشخبریان تھین۔ اور مکذبین کو آبائی اندھی تقلید سے متنفر ہو کر آزادیٔ فکر سے کام لینے کیلئے کھلے اور واضح ولایل و براہین سے سمجھایا جاتا رہا کہ عقل و خرد کیلئے کوئی شک و شبہ کی گنجایش ہی باقی نہین رہ سکتی تھی۔ اور جاہلیت ان واضح اور سیدھے سادھے مثالون اور نصیحتون کی تردید سے دن بہ دن عاجز اور لاجواب ہوتی چلی جا رہی تھی (جسکے بعد اس کے پاس بجز ہٹ دھرمی کے ساتھ مظالم ڈھانے کے کوئی اور حربہ باقی نہ تھا)۔ مختصر یہ کہ یہ (۱۳) سالہ زمانۂ تبلیغ مختلف ادوار اور منازل سے گذرتا رہا۔ اور ہر جدید دَور گذشتہ دَور کے مقابل مصدقین و مکذبین کیلئے کشمکش کی شدت کے اضافہ ہی کا باعث ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس طرح قرآن مجید کی مکی سورتون کا زمانۂ نزول (۱۳) سال مین اختتام کو پہونچا۔ (صد ۲۳)۔

آنحضرت صلعم کی ہجرت کے بعد تحریک (قرآن ازم) کیلئے ایک ایسا محفوظ و مامون مقام یثرب یعنی مدینہ قدرتاً قرار پا گیا کہ تمام منتشر علمبرداران (قرآن ازم) یعنی مصدقین ایک جگہ سمٹ کر آ گئے۔ اس مرحلہ پر حالات نے پلٹا کھایا۔ اور ایک اسٹیٹ کی بنیاد قایم کرنیکا موقع مل گیا۔ یعنی ابتدا مین تو اہلِ کتاب۔ یعنی یہود اور نصاریٰ نے منافقت برتی (یعنی اہلِ کتاب کو قرآن ازم کی سیاست کچھ بھی سمجھ مین نہین آئی۔

لے یونان مین آزادیٔ فکر کا طالب حکیم سقراط تھا جسکو سنگین مجرم آزادیٔ فکر کا قرار دیکر زہر کا پیالہ پلایا گیا (چونکہ اس زمانہ کے اخلاقیات کے مدِنظر اسکو پی لینا ہی اعلیٰ کردار کا باعث تھا۔ اسلیئے اس نے پی لیا)۔ جب اسکے شاگرد نے اپنے اُستاد کے آزادیٔ فکر کے نقشِ قدم پر نعرۂ حق بلند کیا تو اسکو بھی ماخوذ کیا جا کر زہر کا پیالہ اسکے سامنے پیش کیا گیا۔ افلاطون نے زہر کے پیالہ کو قبول نہ کیا۔ اور راہِ فرار اختیار کی۔ فراری کو اس زمانہ مین پست کرداری سمجھا جاتا تھا۔ جب اسکے شاگردون نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے کہا کہ "مین موت کے ڈر سے نہین بھاگ رہا ہون۔ میری ہجرت کا منشاء ایک بلند و بالا مقصد کا حامل ہے کہ میرا فکر اگر میری قوم کے اندھے درخورِ التفات نہین سمجھتے تو مین اسکو دوسرون تک پہونچاؤن گا۔ تاکہ پھر کسی دَورِ مستقبل مین میری قوم میرے فکر و نظر کے نتایج پر متوجہ ہو سکے"۔ یہ واقعہ محمد عربی صلعم کے ہجرت سے (۸۰۰) سال ماضی کا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آپؐ کی ہجرت اور پھر ہجرت کے کامیاب نتایج قابلِ غور و فکر ہین۔ عقاید و ایمانیات سے ہٹ کر ایک صاحبِ عقل و خرد انسان کیلئے دعوتِ فکر ہی نہین بلکہ قابلِ تقلید قرار پاتے ہین۔

لے ۲۔ بعد ہجرت یہ مقام یثرب رسالت مآب صلعم کی تشریف آوری نے نہ صرف اس کو مدینہ سے موسوم ہونے کا شرف بخشا۔ بلکہ قرآن ازم کی تحریک کا وہ "دار التبلیغ" اور حکومتِ قرآن ازم کا دار السلطنت بھی بن گیا۔ پھر اس تیرہ سالہ نزول وحیِ الٰہی کی ایک ایک پیشین گوئی جس کو عقل و خرد والے دیوانہ کی بڑ سمجھتے تھے ـــــ اور اس خواب کے شرمندۂ تعبیر نہ ہونے کا یقین کامل رکھتے تھے۔ صرف آٹھ سال کی مدت مین سب کچھ عالمِ مشاہدات مین نمایاں ہو گیا۔ یہ ہے اقبالؒ کے فکر کا منبع "تھم قرآن حکیم سے جس مین نہ ہوا انقلاب موت ہے وہ زندگی۔ روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب"

انھون نے ابتدائی معاہدات کو قبول کرکے محمد عربی صلعم کو ایک سرسری نظر سے سرپنچ تسلیم کر لینے مین کوئی قباحت نہ سمجھا) بعد مین ان کو اندرونی نظام مین مختلف قسم کی منافقانہ چالین چلنی پڑین (اور اسکے انسداد کیلئے رسول عربی صلعم کو بھی شعبۂ حیات کے مختلف پہلوؤن کی رخنہ اندازیون کا سدِ باب کرنا پڑا جسکا ذریعہ وحیِ الہٰی تھا۔ جو وقتاً فوقتاً تعمیرِ حکومت الہٰیا کیلئے قرآن ازم کے دستور مین مدون ہوتا رہا۔ یہان تک کہ وہ "ذالک الکتاب" کی شان مین آج تک ہمارے نظرون کے سامنے موجود ہے) اور ان ضرورتون کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تقریرین نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہین جن کا انداز کبھی آتشین خطاب کبھی شاہانہ فرامین واحکام کبھی معلمانہ درس و تعلیم۔ اور کبھی مصلحانہ افہام و تفہیم کا ہوتا تھا۔ ان سب مین یہی بتایا گیا کہ جماعت اور ریاست۔ اور مدنیت کی تعمیر کس طرح کیجانی چاہیئے۔ اور زندگی کے مختلف شعبون کو کن اصولون اور ضوابط پر قایم کیا جائے[له]

ان تقریرون مین ایک طرف مصدقین (حزب اللہ) یعنی جماعتِ قرآن ازم) کو تعلیم و تربیت دیجارہی تھی اور ان کی کمزوریون پر تنبیہہ بھی کی جارہی تھی۔ پھر ان کو ایثار و قربانی کیلئے ابھارا جارہا تھا۔ فتح و نصرت۔ شکست و مصیبت۔ بدحالی و خوش حالی۔ امن اور خوف۔ غرض ہر حال مین مناسب درسِ اخلاقیات کیلئے تقریرین بذریعۂ وحی نازل ہو رہی تھین۔ تو دوسری طرف مخالفین (قرآن ازم) کو نرمی سے دعوتِ حق دینے۔ اور سختی سے ملامت کے ساتھ نصیحت۔ اور عذاب الہٰی کے نتایج سے ڈرانیکی کوشش کیجارہی تھی۔

یہ ہے قرآن مجید کا (یعنی قرآن ازم کی تدوینِ اسٹیٹ قوانین و قواعد و ضوابط مفاجاتی و غیر مفاجاتی = امن اور جنگ کے حالات مین وحیِ الہٰی کے نزول) پس منظر۔ (ص۲۴)

متذکرۂ بالا واقعات سے یہ بات سمجھ مین آجاتی ہے کہ جس دعوت کے آغاز سے اختتام تک کیلئے (۲۳) سال لگے ہون۔ وہ ایسی ترتیب تو نہین ہوسکتی۔ جو کسی فن یا موضوع کیلئے (تالیف یا تصنیف) مقالہ نویسی مین اختیار کی جایا کرتی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت مین جب کہ نزولِ وحی کے ہدایات رسالون کی صورت مین شایع نہین ہوئے تھے۔ اس کا اسلوب کوئی تحریری نہ تھا۔ بلکہ از اول تا آخر خطاب ہی خطاب تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کام کے سلسلہ مین اپنے پیغمبرؐ پر جو تقریرین نازل فرمائین ان کا طرزِ خطابت وہی ہوسکتا تھا جو دعوت کے مناسبِ حال ہوتا۔ (ص۲۵)۔

قرآن مین تکرار کی وجہ پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک دعوت اور عملی تحریک کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ جس وقت اور جس مرحلے مین دیجارہی ہو وہی ہو اس مین وہی باتین ہونی چاہئین جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہون۔ پھر اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر مرحلے مین جو باتین بار بار کہی جائین وہ نیے نئے انداز۔ اور الفاظ۔ اسلوب۔ اور آن بان کے ساتھ کہی جائین تاکہ بار بار کا خطاب

له۔ واہ۔ سبحان اللہ۔ کیا لکھا ہے علامہ مودودی کے فکر و فہم کا۔ اللہ تعالیٰ علامہ کے فکر و نظرین اور وسعت عطا فرمائے اور "تفہیم القرآن" کے مطالعہ کرنے والون کو بھی اندھی تقلید سے نکلکر آزادیٔ فکر کے ساتھ اس کتاب کے مطالعہ سے فکر و فہم حاصل کرنے کی توفیقِ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سامعین کیلئے ناگواری طبایع کا سبب نہ بن جائے ۔ بلکہ وہ مختلف پہلو سے دل نشین ہوتا جائے ۔۔۔ جب اصلاحِ قوم کیلئے اُن بنیادی اور دیرینہ عقاید کو جو صدیوں کی موروثی ذہنوں سے وابستہ ہوں ۔ اُکھاڑنا ہو تو اُن کا ذکر مختلف دلایل اور مختلف پہلوؤں سے ہی مقصد کو پورا کر سکتا ہے ۔۔۔ لہٰذا اس طرح بنیادی تصورات (تشویق و تخویف) مین ذرا بھی کمزوری لاحق ہوئی تو اسلام کی تحریک اپنی صحیح روح کے ساتھ آگے نہین بڑھ سکتی تھی ۔

ترتیبِ نزول (۲۳) سال تک جس ترتیب سے منازل ارتقاء طے کروائے گئے ۔ پھر تکمیلِ مقصد کے بعد اس دستور العمل کی ترتیب مین دوسری ہی ترتیب کی ضرورت ہوگی ۔ اور لامحالہ یہ بات لازم آئے گی کہ پہلے جماعت اپنے فرایض سے آگاہ ہوتی رہے پھر اسلام سے بیگانہ دُنیا کے سامنے اِس ہدایت نامہ کو پیش کرنے کیلئے اپنے فرایض کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھے ۔ ورنہ ترتیب نزول کے لحاظ سے قرآن حکیم مرتب ہو تو کیفیتِ نزول (یعنی تاریخ) ہر وحی کیلئے جزو لازم قرار پاتی ۔ جسکی وجہ وحیِ الٰہی مین غیر الٰہی الفاظ کا غلط ملط لازمی ہو جاتا ۔۔

جو لوگ قرآن کی موجودہ ترتیب پر اعتراض کرتے ہین وہ محض اِس کتاب کے مقصد و مدعا (بلکہ نزول کی حقیقتِ نفس الامری سے) نابلد اور غلط فہمی مین مبتلا رہتے ہین[1] ۔ (صفحہ ۲۶ و ۲۷) ۔

---

[1] اِس خصوص مین مجھکو علاّمہ کا فکر کچھ بند سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس پر "فکر مبین" کی تعریف صادق نہین آتی ۔ جس کی دو ہی صورتین میرے پیشِ نظر ہین :۔۔

(۱) متقدمین کے طریقۂ کار کو حرفِ آخر سمجھکر اسکو نباہنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔

(۲) چالیس کروڑ مسلمانون کے عقاید کے خلاف کسی ایسے فکر کو پیش کرنا جس مین منفعت کم اور نقصانِ کثیر کا اندیشہ ہو ۔ مصالحِ اصلاح کے خلاف ہے ۔۔

صورتِ اوّل کے متعلق تو مین علاّمہ مودودی کے متعلق خیال کرنا اُن پر بہتان لگانے کے مترادف سمجھتا ہون ۔ البتہ صورتِ ثانی کے متعلق میرا حُسنِ ظن ہے کہ اِسی نقطۂ نظر سے اُنھین اِن سطور کو لکھنے پر مجبور ہونا پڑا ۔ مین علاّمہ موصوف کے اِن نظریات سے متفق ہون ۔ چنانچہ میرے ۱۹۴۸ء کے مسودہ سے (جس کا کچھ حصہ ۱۹۵۲ء مین شایع بھی ہو چکا ہے) ظاہر ہوگا کہ میرے خیالات وہی ہین جو علاّمہ موصوف کے ہین ۔۔ چنانچہ ابتدائی صفحات اس خصوص مین آپکی نظر سے گذر چکے ہین ۔۔ لیکن مین انتہائی احترام کے ساتھ علاّمہ کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ ۔ جب کبھی اُمتِ محمدیؐ ۔ یا کوئی اُمت اُنھین لوگون کے نقشِ قدم پر گامزن ہو جائے ۔ جو اسلام سے ناآشنائے محض تھے ۔ اور اُسی تقلید کی تاریکی مین اندھی اور بہری بن جائے تو کیا یہ بات لازم نہ آئیگی کہ پھر انکو وہی الف ۔ ب سکھائے جائین جو اس قسم کی تاریکی کو روشنی سے بدلنے اور تقلید کی غلامی سے آزادیِ فکر کی فضا پیدا کرنے کیلئے قدرت نے مقرر کئے تھے ؟ ۔ بلاشبہ جب اُمت ایسی منزل پر پہونچ جائے جہان پر اس کو حروف شناسی کی ضرورت نہین ۔ تو پھر حروف فہمی لطور یادداشت آخر صفحات پر جگہ پالینگے ۔۔

پس ۔ میرا "قرآن اقدم" اور "میرا فکر و فہمِ قرآنی" اُسی منزل کی پہلی سیڑھی سے منزلِ مقصود کے بلند و بالا زینہ تک پہونچانیکی کوشش مین پیش کیا جا رہا ہے ۔۔ اور جو نصب چودہ سو سال پہلے کا تقاضا تھی کو لطور آموختہ (باقی صفحہ ۷۰ پر)

موجودہ ترتیب قرآنی اصحاب رسولؐ کی اجتہادی نہین ہے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت نبی صلعم ہی نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا ہے۔ جو اُس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب بھی کرنے والا تھا۔ اور جس کے قلب پر وہ نازل ہوا اسی کے ہاتھون اس کو مرتب بھی کرادیا گیا۔ کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ اس مین مداخلت کی جاتی[1]

نماز ابتداء ہی سے مسلمانون پر فرض تھی۔ اور تلاوتِ قرآن نماز مین ایک ضروری جزو قرار دیا گیا تھا۔ اور اسی طرح اختلافِ قرأت کے متعلق مقدمہ کے صفحات (۲۸ تا ۳۰) مین توضیح و تشریح کیگئی ہے[2]۔ (ص ۲۸ و ۲۹)۔

قرآن کے غیر محرف ہونیکی دلیل

انسانی تاریخ مین کوئی دوسری کتاب ایسی نہین پائی جاتی جو اس قدر قطعی الثبوت ہو جسکی صحت مین ذرا بھی شک و شبہ کی گنجایش نہ ہو۔ جس کو لکھ کر چودہ سو سال گذر چکے ہون اور پھر اسکو مختلف زمانہ مین مخالف و موافق ادوار سے گذرنا پڑا ہو۔ لیکن آج بھی اس مین ایک نقطہ یا زیر و زبر کا فرق نہ ہوا ہو[3]۔ (ص ۳۰)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) یاد دلانا مقصود ہے۔ کیونکہ آج تو اُمتِ محمدی کو اسلام کی اصلی تعلیم کے الف۔ ب بھی تو یاد نہین رہے۔ بلکہ انکی صورت بھی ذہنون سے مٹ چکی ہے۔ ایسی حالت مین مین نہین سمجھ سکتا کہ کس طرح مقصدِ اعلیٰ کا بلند و بالا انقلابی خطاب ان کیلئے قابلِ استفادہ ہوسکتا ہے۔ بجز اسکے کہ غایب دماغی سے اسکو بلا غور و فکر ایک طلسمی تصور ثواب مین طوطی صفت بنکر وردِ زبان کرتے رہین۔ لہذا سلسلۂ نزولِ وحی کے لحاظ سے میرا یہ دفتر بلا شبہ "قرآن اردو" "مبین" کی تعریف مین داخل ہے۔ جو ایک آموختہ کی صورت مین ہے۔ شاید اس آموختہ کو یاد کرکے پھر اُمتِ محمدی اپنا مقصدِ حقیقی حاصل کرلے۔

[1] اگر علامہ کا منشاء قرآن سے اصطلاحاً قرآنِ حکیم کی ہر سورۃ مکی اور ہر رکوع مدنی ہے۔ تو بلا شبہ علامہ کے اس یقین کے ساتھ میرا بھی ایمان کامل اسی پر ہے کہ ہر سورۃ نبی کریم صلعم کے ارشاد کے مطابق مختلف وحیون کے لحاظ سے مرتب ہوئی ہے۔ اور ہر سورۃ کی آیتین اور ہر رکوع کی آیتین آنحضرت صلعم کے ہدایات ہی کے لحاظ سے اپنی مقام پر لکھی گئین جہان آج بھی وہ نظر آتی ہین۔ لیکن اگر علامہ کا منشاء موجودہ ترتیب سورتون کے متعلق ہے تو پھر میرے صفحہ (۴۰ تا ۴۴) کے نوٹس یہان بھی سمجھ لئے جائین۔ اور ایک سرسری نظر ان پر ڈال لی جائے۔

[2] یہ ایک تاریخی۔ پھر وہ بھی تاریخِ حدیث کا موضوع ہے۔ جسکے متعلق مین جو کچھ فکر رکھتا ہون وہ اپنا ذاتی فکر ہے۔ گو علامہ کے فکر سے مجھ کو اس خصوص مین اختلاف ضرور ہے لیکن مین اپنے اختلافی پہلو پر کسی قسم کی روشنی یہان پر ڈالنا نہین چاہتا۔ میرے اور علامہ کے فکر و نظر کے مطالعہ کے بعد ناظرین اپنی اپنی صلاحیتِ فکر کے مدِ نظر کوئی صحیح رائے قایم کرسکتے ہین۔ [3] مصحفِ عثمانی کے متعلق قرآن ازم مین جو کچھ مین نے لکھا ہے وہ ناظرین کے زیر مطالعہ آچکا ہے۔ چنانچہ مین نے حضرت عثمانؓ کے فکر و نظر کو بھی سراہا ہے۔ جو دراصل ایک بہت ہی بڑی سیاستِ مومن تھی۔ پھر بعد مین جن ہستیون نے قرآن کو اعراب لگاکر اسکی قراءت کی بھی حفاظت کردی۔ یہ سب قرآنی وعدہ کے لحاظ سے تھا ——— "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون"۔ کارکنانِ قضا و قدر نے کس کس سے یہ کام لیا گذشتہ صفحات مین آپکی نظر سے گذر چکا ہے۔

فہم قرآن حکیم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسکو دنیا کے بے شمار انسان بے شمار مقاصد کے تحت مطالعہ کرتے ہین۔ ہر ایک کے مقاصد کے پیشِ نظر مشورہ دینا کسی کیلئے بھی ممکن نہین۔ البتہ جو اشخاص قرآن کے متعلق یہ سمجھنا چاہتے ہین کہ یہ کتاب انسان کے مسایلِ حیات کی کس طرح رہنمائی کرتی ہے۔ ایسے لوگون کیلئے میرا مشورہ ہوگا:-

کوئی شخص چاہے وہ قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔ یا نہ رکھتا ہو۔ اگر فی الواقع اس کو سمجھنا چاہتا ہے — تو سب سے پہلے اسکے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے ذہن کو پہلے سے قایم شدہ خیالات و تصورات۔ خواہ وہ مخالف ہون یا موافق (جو ظنّی و ذہنی معتقدات و ایمانیات پر مبنی ہون۔) جس حد تک بھی ممکن ہو سکے خالی کر دے۔ اور اسکے بعد اسکو سمجھنے کے خالص مقصد کو لیکر پڑھنا شروع کر دے —

جو لوگ محض چند مخصوص خیالات (یا معتقدات و ایمانیات) کو ذہن مین جگہ دیکر اس کتاب کو پڑھنا شروع کرتے ہین تو پھر اس کتاب مین ان کو وہی خیالات نظر آتے ہین — ان کو فہمِ قرآن کی ہوا بھی نہین لگتی۔ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کو غور و فکر سے سمجھنے کا یہ طریقہ از سر تا پا غلط ہے —

پھر جو شخص اسکے مطالعہ سے فکر و فہم حاصل کرنیکا طالب ہو تو اسکے لئے اس کتاب کا صرف ایک مرتبہ مطالعہ (یا معتقدات کے تحت "تبرکاً" یا "حصولِ ثواب" کیلئے اسکی روزانہ تلاوت) کس طرح کافی ہوگا۔ لہذا اسکے لئے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ دو چار مرتبہ ہی نہین۔ بلکہ بار بار پڑھنے کی کوشش کرے۔ اور ایک طالبِ علم کی طرح (بوقتِ مطالعہ) پنسل اور کاپی رکھکر ضروری نکات کا نوٹ کرتا چلا جائے۔ اسطرح کئی مرتبہ مطالعہ کیساتھ نوٹ کرتے ہوئے اسکے سامنے بحیثیتِ مجموعی وہ پورا نظامِ فکر و عمل آجائیگا جسکو یہ کتاب پیش کرنا چاہتی ہے۔

مین اپنے تجربہ کی بناء پر کہتا ہون کہ اسطرح کے مطالعہ سے قرآن کا فہم بآسانی حاصل ہو سکتا ہے[1] (ملاحظہ ص۳)۔

اگر مطالعہ کنندہ مفکر اپنے نوٹس اس طرح مرتب کرتا چلا جائے۔ مثلاً — قرآن کس انسانیت کے نمونہ کو پسند کرتا ہے — اور کس نمونہ کو ناپسند کرتا ہے — قرآن کے نظریات مین کونسے عمل صالح ہین اور کونسے غیر صالح۔ وغیرہ اس طرح وہ ہر بات کے دو پہلو مثبت و منفی کو ابواب۔ موضوعات۔ فکر و فہم مین تقسیم کر کے لکھتا چلا جائے۔ اور جو بات سمجھ مین نہ آئے تو اسکے سمجھنے کی کوشش اسی قرآنِ حکیم کے آنے والے آیات مین کرتا رہے۔ اور جہان اس کو تشنگی کا جواب مل جائے تو اس مقام پر اس کا حوالہ نوٹ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ فکر و فہمِ قرآن سے کبھی بھی

---

[1] مین بھی اسکی تصدیق کرتا ہون۔ چنانچہ میرا فکر اس خصوص مین گذشتہ صفحات پر ناظرین کے زیرِ مطالعہ آچکا ہے۔ دیکھئے۔ قرآن کا مطالعہ کرنے والے دو گروہ ہین: ایک تو نامسلمان: اور ایک مسلمان — غیر مسلمان مین عمومیت اُن لوگون کی ہے جو متعصبانہ نظر سے اسکا مطالعہ کرتے ہین: اور صرف اعتراضات کیلئے جملے اور الفاظ کی تلاش انکے پیشِ نظر رہتی ہے جسکو لیکر وہ اس کتاب کے کلام اللہ نہ ہونیکا ثبوت اپنے فکر و ذہن سے دُنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہین: البتہ مخصوص نامسلمان تحقیق و جستجو کیلئے اسکا مطالعہ کرتے ہین تو وہ اسکی بے ترتیبی مین گم ہو جاتے ہین: حاملینِ قرآن مین بھی شاید فی لاکھ ایک انسان اس مقدس کتاب کا مطالعہِ فکر و فہم کیلئے کرنے والا نکلے گا۔ ورنہ حصولِ ثواب کے تصور مین اس کتاب کی تلاوت انکا ایمان ہوتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض بزرگانِ خاندان صرف قرآن بھر ورق پر نظر ڈالکر ورق گردانی کرکے یہ لیکر کہتے تھے کہ انھون نے چند گھنٹون مین سالم قرآن کی ورق گردانی کر کے ایک ختمِ قرآن کا ثواب حاصل کر لیا۔

محروم نہین وہ سکتا (میرا دعویٰ ہے کہ اِس طور طریق کے مطالعہ سے ایک بڑے سے بڑے عالم و فاضل عربی کے مقابل ایک معمولی لکھا پڑھا انسان بھی فکر و فہم قرآنی کو اس طرح حاصل کر سکتا ہے کہ جسکی ہوا بھی غیر مفکر زبانِ عربی کے فارغ التحصیل عالمِ دین کو نہین لگ سکتی کیونکہ "مولوی" و "ملا" اور "مشائخ" کے پیش نظر فکر و فہم قرآنِ حکیم نہین ہوتا۔ بلکہ اسکی تلاوت حصولِ ثواب" کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے)۔

پھر ایک محقق مفکر کو اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہ قدیم و جدید نظریات اور تاریخی حالات کو بھی قرآن کے مطالعہ کے وقت پیشِ نظر رکھے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ انسان نے ان بنیادی نکات پر کیا سوچا اور سمجھا ہے[1]۔ (صفحہ ۳۲)۔

لیکن فہم قرآن کی اِن ساری تدبیرون کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پورے طور پر آشنا نہین ہو سکتا۔ جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کیلیئے قرآن آیا ہے ــ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب تو ہے نہین کہ آرام سے گدون پر بیٹھ کر اسکو پڑھین۔ اور سب کچھ سمجھ مین آجائے ــ یہ تو دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک بڑی مذہبی کتاب بھی تو نہین ہے۔ کہ مدارس اور خانقاہون مین اس کے سارے رموز بتلا دیئے جائین۔ اور وہ سمجھ مین آجائین ــ یہ تو ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس کتاب ہی نے تو ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت کے (یعنی تقلیدِ جامد کے غلامون سے جو دُنیا بھری پڑی تھی) مقابل لا کھڑا کیا۔ پھر ایک فردِ واحد کی پکار نے (یعنی محمدِ عربی صلعم کی تبلیغ حق نے) جب کام شروع کیا تو (۲۳) سال کی کشمکش مین وہ (یعنی آیاتِ قرآنی) ہر مرحلہ پر اس تحریک کے علمبردارون کی رہنمائی کرتی رہی۔ اور قدم قدم پر اسکی تعمیر کے نقشے بتلائی گئی۔ ایسی حالت مین یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے کفر و دین کے نزاع مین۔ یا اسلام و جاہلیت کے میدان مین قدم بھی نہ رکھین اور پھر اس کتاب کی ساری حقیقت آپ پر آشکارا ہو جائے ــ

---

[1] اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھنا لازمی ہے کہ جن نظریات کو قرآن پیش کرتا ہے۔ نزولِ وحی کے وقت مخاطبین کے فکر و نظر مین انکا مقام کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے بلند فکر و نظر کے مقابل تو وہ ہو نہین سکتا کیونکہ آج جس سائنسی دُنیا مین ہم ہین۔ ہمارے مقابل چودہ سو برس ماضی کے انسان کے فکر و نظر کا ذکر ہی کیا؟۔ آج سے سو سال ماضی کے انسان بھی تو اس بیسوین صدی کے فکر و نظر اور ان کے معلومات کے مقابل کوئی حقیقت نہین رکھتے تھے۔ چونکہ ہر زمانہ کے انسان کا تصور ماضی کے انسانون کے متعلق انکے بزرگی و احترام کے مدِ نظر ہر بات مین احترام شخصیت کا ہوتا ہے۔ اور اپنی پستی کا بھی۔ اِسی لئے ہر مفسر اپنی تفسیر کا دار و مدار متقدمین کے فکر و نظر کی نقالی پر منحصر کر لیتا ہے یا پھر کوئی محقق آزاد فکر نزولِ وحی کے فکر و نظر کو اس سائنسی صدی کا فکر و نظر سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسطرح ہر جدید ایجاد ــ جدید علم و فن کو وہ قرآن سے نکال کر پیش کرنے کی کوشش مین لگا رہتا ہے۔

مین سمجھتا ہون کہ جب مسلمانون کی بدقسمتی کا زمانہ انکے ترکِ مفہومِ قرآنی اور عملِ پیہم سے آرام و آسایش مین بدلنے والا آیا۔ تو وہ قرآنِ حکیم کی بلند و بالا تعلیم سے پستی مین گر گئے۔ اور جب انھون نے دیکھا کہ ان کی پستی و انحطاط کا ساتھ قرآن کی تعلیم نہین دے سکتی۔ تو انھون نے آیات اللہ کی توضیح و تشریح اور تفسیر کے ذریعہ اسکو اپنی غیر فلاح یافتہ زندگی سے لاگو کر لیا۔ جسکا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح آج بھی قرآنِ حکیم کے اسی مدعا، مقصد۔ اور منشاء کو نظر انداز کر کے اس مین موجودہ سائنسی تاریخ فن۔ انجینیری، فنِ ڈاکٹری، علمِ طبیعات و فلکیات۔ و علمِ نباتات کے نظریونکی تلاش و جستجو اسکے عظمت و احترام اور خدا کے عالم الغیب ہونے اور محمدِ عربی صلعم کو تاریخ آفرینش سے تا قیامت علم ہونیکا ثبوت دینے ایڑی چوٹی کا زور لگانا خدمتِ قرآنِ حکیم سمجھا جا رہا ہے۔

اس کو تو وہی آدمی کچھ سمجھ سکتا ہے جب کہ اس کتاب کے ہدایت کی تعمیل مین وہ کم از کم دو چار قدم ہی آگے بڑھائے ہوئے (اور اسکو سمجھ ٹھوکرین بھی لگی ہون)۔ تو شاید اسکی ایک دو باتین سمجھ مین بھی آئین یا اسکی حقیقت تو جب ہی سمجھ مین آسکتی ہے جب کہ ہر قدم پر ابواب سے واسطہ پڑے۔ اور ہر موقع پر جسمانی تکالیف سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہونا پڑے۔ یا کم از کم دو تین ماہ کے بچے ہی مقاطعہ کی زندگی بسر کرنا پڑے۔ اسکے بعد قرآن کی بتلائی ہوئی راہ سے فلاح و بہبود کا سُلوک ظاہر ہوگا۔ بس وہی سُلوک قرآنی آپکے مشاہدات کے ذریعہ حقیقت کو سمجھانے والا ہوگا۔

اب غور کیجئے کہ اسکے خلاف جو کچھ انفرادی و اجتماعی طریقوں پر فہم قرآن حکیم کی حقیقتون کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوششین ہو رہی ہین وہ کہان تک درست ہو سکتی ہین[1] (ص۳۳ و ۳۴)۔

قرآن کا روئے سخن عرب کیطرف کیون ہے؟

اسلئے کہ اسکی مخاطب قوم عرب تھی اسی لئے وہ عرب ہی کے رسم و رواج کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسی مُلک کے اطراف و اکناف کے تاریخی واقعات دُہراتا ہے (اور اس کے انبیاء و مرسلین کا ذکر کرتا ہے) جو مخاطبین کے ذہنون مین جاگزین ہیں کیونکہ اجنبی واقعات کا اظہار با مثال تعلیم یا نصیحت کیلئے قطعاً فایدہ بخش نہین ہوتا۔ بلکہ اسکے سننے سے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ (ص۳۵ و ۳۶)

اسی طرح قرآن کے تعلیم کی عمومیت پر ایک اعتراض عاید ہوتا ہے کہ۔ جب وہ مُلک عرب کیلئے نازل ہوئی ہے اور مخاطب قوم عرب ہے تو پھر اسکے عالمگیر دعوت کے کیا معنی! ۔ بات یہ ہے کہ ہر ایسی تحریک جو عالمگیر انسانیت کیلئے فلاح و بہبود کی ہو تو کسی ایک مُلک کی چھوٹی سی جماعت ہی سے شروع ہوگی ۔ اور اسکی عالمگیر انسانیت کی افادیت اسکو عالمگیر بنا دے گی۔ کسی عالمگیر انسانیت کی اصلاح کیلئے وقتِ واحد مین وہ تمام دُنیا مین ابتداء ہی مین تحریک پھیلائی نہین جا سکتی۔

---

[1] بڑی سچی بات علامہ نے لکھی ہے۔ میرا فکر تو یہ ہے کہ قرآن کے لغوی معنیٰ تو پڑھنے۔ یا بار بار پڑھنے کے ہین۔ جو قرآن (۶۶۶۶) آیتون مین پھیلا ہوا ہے۔ ان سب کا مفہوم۔ مقصد۔ مدعا صرف تین الفاظ مین ہے۔ پڑھو۔ سمجھو۔ اور کرو۔ بالفاظ عربی (اقراو۔ تدبرون۔ تفکرون۔ تعقلون۔ اور اعملوا) گویا آخری مقصد یا نتیجہ "عمل" ہے اگر صرف پڑھنا۔ اور کسی حیثیت سے علم کلام کی روشنی مین سمجھنا۔ یا سمجھانا ہے۔ اور تیسری شرط مفقود ہے۔ تو پھر سب کچھ بے معنی و مہملات مین۔ کسی تحریک کی حقیقت جب تک اُن حالات سے گذرتے ہوئے محسوس نہ کیجائے صحیح علم کا حصول نہیں ہو سکتا مثلاً، آگ جلاتی ہے۔ اسکا جاننا تو قیاسی ہے۔ لیکن جب ہم کو بذاتِ خود کوئی چرکا لگے تو جلانیکا علم ہی نہین بلکہ جلنے کی تکلیف بھی محسوس ہوگی۔ اور آیندہ اس سے بچنے کی فکر۔ اور اتفاقاً اگر جل جائین تو اسکے علاج کا علم بھی ہوگا۔ ایک بے شعور بچہ بھی آگ کے پاس جانے ڈریگا۔ کہ کسی وقت اسکو چرکا لگا تھا۔ اسی مثال کے پیش نظر علامہ کا خیال ہمین قرآن حکیم اور سُنتِ رسولؐ و اصحاب رسولؐ کے بلکہ سُنتِ اللہ کے تحت حق ہے۔ سچ کہا ہے اقبالؔ نے ؎ "کیا صوفی و مُلا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہین ہے"۔ پس۔ جو علماء و مشائخ آرام دہ گدّون پر رونق افروز ہو کر جب تفسیر قرآن کا درس دیتے ہین۔ تو انکو اسکی بھی خبر نہین کہ "صلوٰۃ خوف" کی کیا حقیقت ہے۔ کیونکہ انکو کبھی میدان جنگ کی ہوا بھی تو نہین لگی۔ برخلاف اسکے ایک جنگجو سپاہی (زمانہ نزولِ قرآن حکیم کا نہین بلکہ اس بیسوین صدی کا صلوٰۃ خوف کے احکام قرآن کو سُنکر اسکا صحیح مفہوم حاصل کر سکتا ہے۔ اور بتلا سکتا ہے۔ پس اس نظریہ کے تحت علامہ کا فکر ایک سیاستِ مومن کا سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ زمانے کی عدالتون کی وجہ اب ہمارے علماء کیلئے تمدن و معاشرت کے معاملات کا فکر بھی باقی نہین رہا البتہ ایکے ... لیکن ایک وسیع میدان ہے وہ فتاوے کفر کا جسمین وہ بال کی کھال نکالنے کی رات دن کوشش کرتے رہتے ہین! اور جہانتک ممکن ہو سکے مسلمانون کو دین سے خارج کرنے کی فکر اُنکے دامنگیر ہے۔

بلکہ اسکا آغاز محدود مقام سے ہوگا، اور انجام عالمگیر بن جائیگا۔ اسکو خود بخود مقبولیت حاصل ہوتی چلی جائیگی، پس اس اصول پر آپ قرآن حکیم کی تعلیم میں غور کریں تو یہ اعتراض باقی نہیں رہتا[۱]

قرآن میں تفصیلات کیوں نہیں ہیں؟ یہ اعتراض بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کو ایک مفصل اور مکمل ہدایت نامہ سمجھا جاتا ہے تو اسمیں ارکانِ اسلام کے تفصیلات بھی تو کہیں نہیں ملتے۔ جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ۔

اس معاملہ میں ساری اُلجھن صرف اسلئے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی کی نگاہ سے حقیقت کا پہلو اوجھل رہ جاتا ہے۔ خدا نے صرف کتاب ہی نازل نہیں کی۔ بلکہ ایک رسول بھی بھیجا۔ جو ہر قسم کے طور طریق (یعنی شرع و منہاج) کو عملاً بتلا دیا (جسکی مثال کسی بڑے پراجکٹ کی تعمیر سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ۔ ابتداءً حکومت تعمیر کے ارادہ کو ظاہر کرتی ہے تو انجینیر اسکی تعمیر کے تمام سلسلوں کو عملاً اپنے ماتحتین کو بتلاتا جاتا ہے۔ صرف نقشہ کے مرتب کرنے سے کوئی کام نہیں چل سکتا! ورنہ بغیر نقشے کے تعمیر ہوسکتی ہے۔ ہر چھوٹا اور بڑا کام عملی طور پر انجینیر حالات کے لحاظ سے بتلاتا جاتا ہے۔ جب کہیں ایک بڑا سا اگر تعمیر ہوتا ہے) انھیں نقوش پر اللہ کی مرضی کے مطابق اُمت کی تعمیر رسولِ عربی نے بھی کی[۲]

فرقہ بندی قرآن کے منشاء کے خلاف ہے؟ پھر اُمتِ محمدی میں فرقوں کا وجود کیسا! یہ ایک وسیع الاطراف مسئلہ ہے جس پر مفصل بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں پر ایک عام طالبِ علم کی اُلجھن دور کرنیکے لئے صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ۔ قرآن اُس صحت بخش اختلافِ رائے کا مخالف نہیں۔ جو دین میں متفق اور اسلامی نظامِ جماعت میں متحد رہتے ہوئے محض احکام و قوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق کی بناء پر کیا جائے۔ وہ مذمت اُس اختلاف کی کرتا ہے جو نفسانیت اور کج نگاہی سے شروع ہو۔ اور فرقہ بندی و نزاعِ باہمی کی نوبت تک پہونچ جائے۔ پہلی قسم کا اختلاف تو ترقی کی جان ہے اور زندگی کی روح ہے۔ دوسری قسم کا اختلاف مرض نہیں بلکہ مرض الموت کا باعث ہے۔ پس قرآن نے دوسرے قسم کے اختلاف کی مخالفت کی ہے۔ نہ کہ احتجاجی اختلاف کی[۳] (ص ۳۸ و ۳۹)۔

(خاتمہ پر علامہ نے لکھا ہے کہ) "اس مقدمہ میں مسایل کو واضح کرنا میرے پیشِ نظر نہیں۔ بلکہ ایسے سوالات جو عام طور پر مطالعۂ قرآنِ حکیم کے وقت ناظر کے ذہن اور فکر میں کھٹک پیدا کرتے ہیں اسکی طرف (غور و فکر کیلئے) اشارے کردئے گئے ہیں۔ (ص ۴۰)۔

"تفہیم القرآن" کے دیباچہ اور مقدمہ کو پڑھنے کے بعد میرے دل کی گہرائیوں سے یہ دُعا نکلی کہ "اللہ تعالیٰ علامہ کے فکر و نظر مطالعۂ قرآنِ حکیم میں اور زیادہ شرح صدر عطا فرمائے۔ این دُعا از من و از جملہ جہان آمین باد!" فقط (۷ اراکتوبر سنہ ۱۹۵۹ء)۔

---

[۱] میرا فکر دیرینہ جسکو آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ آئے ہیں۔ یا آیندہ صفحات میں آپکے زیرِ مطالعہ آئیگا۔ اسکی تائید میں علامہ موصوف کا فکر آپکو نظر آئیگا جو شرح و بسط کیساتھ مقدمۂ قرآن کے (دو) صفحات پر ہے۔ [۲] اس بات کو ذہن نشین رکھئیے کہ محمد عربی صاحبِ مقابلۂ گذشتہ مرسلین کے دائمی ارتقاء انسانی کی بلندی پر تھے۔ اسی لئے منشاءِ نزول وحیِ الٰہی کی جسطرح آپنے تکمیل کی اسکی مثال دیگر انبیاء و مرسلین کی تاریخ میں آپکو نہیں ملیگی۔ وہ تو قرآنِ حکیم ایک دستورِ حیات ہے۔ دستور مجمل ہوا کرتا ہے۔ مگر مفصل قانون مفصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی تشنہ۔ البتہ ضابطہ عمل کے تفصیلات کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن ہم تو قرآن کو ایک فقہ کی کتاب کیطرح سمجھنا چاہتے ہیں۔ میرے گذشتہ صفحے کے افکار کی تصدیق تو آپکو علامہ کے اس فکر سے ہوسکتی ہے۔ جس سے آپکی تشنگی دور ہورہی ہوگی۔ [۳] بلاشبہ یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے کہ اسکے حل کرنے کیلئے ہزاروں صفحات کی ضرورت ہے۔ علامہ نے جس اختصار سے ایک عام طالب العلم کیلئے بنیادی نقطۂ نظر آپکو واضح کردیا ہے وہ حق ہیں لیکن اس بدقسمتی کا کیا علاج کہ دوسری قسم کا اختلاف کرتیوالا قسمِ اول کے اختلاف ہی کی چادر اوڑھے ہوئے اپنے فرقہ کو ناجی بنا کر تمام دُنیا کے غیر اُمتِ محمدی ہی کو نہیں بلکہ اُمتِ محمدیہ کے تمام فرقوں کو بھی وہ ناری قرار دیتا ہے۔ ایسی حالت میں بجز "مالکِ یوم الدین" کے کوئی ہے جو اس اختلاف کا تصفیہ کرے! ورنہ یہ مرض تو نزولِ قرآن کیوقت اہلِ کتاب یکذبین میں تھا۔ اور آج اُس سے زیادہ حاملینِ قرآن کیلئے وہ مرض متعدی بن چکا ہے۔ پھر لطف خاص تو یہ ہے کہ جو وسیع النظر ہستیاں اس حقیقت سے آشنا ہیں وہ بھی تو عملاً اسی رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اب بتلائیے کہ اس عالمگیر زہریلے افتراق کا علاج کسکے بس کی بات ہوسکتی ہے!۔ چنانچہ میرا مقالہ "قرآن اور عالمگیر کیوں ہے" علامہ موصوف کے پیش نظر آجاتا تو ہے شاید وہ اسکو درخورِ التفات سمجھیں۔ بہرحال میرا فکر تو یہ ہے کہ نزولِ قرآن کیوقت جو کیفیت عوام و اہلِ کتاب کے علماء کی تھی آج اسکا عکس اُمتِ محمدیہ میں نظر آرہا ہے کہ وہ بیگ وقت فلم قلم ہی ہیں۔

ترتیب نزول وحی قرآنی کے محققین کی ایک مکمل فہرست ـ من ابتدائے سنہ ۱۳ قبل ہجرت مطابق ۶۱۰ء تا سنہ ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء :ـ

[illegible]	موجودہ سلسلہ	نام سورۃ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	توضیحات تحقیق مصر	صفحہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	
۱	۹۶	علق	۱	۱	۱	۱	۱۹	۱	۱	۱	۱۱	۱۱و۱	۱	۱	۱	ابتدائے وحی	۱۲۱
۲	۹۳	ضحیٰ	۱۰	۱۰	۱۱	۱۱	۱۶	۱۳	۴	۱۳	۱۳	۱۶	۱۱	۲۳	۱۱		۱۳۷
۳	۹۴	نشرح	۱۱	۱۱	۸	۱۲	۱۷	۱۲	۵	۱۲	۱۳	۱۰	۱۲	۲۴	۱۲		۱۴۱
۴	۱۱۳	فلق	۱۹	۱۹	۲۰	۲۰	؟	۴۶	۶	۴۶	۳۹	۸۴	۱۷	۳۹	۲۰		۱۴۵
۵	۱۰۵	فیل	۱۸	۱۸	۱۸	۱۹	۱۳	۹	۱۹	۹	۴	۳۹	۱۶	۳۲	۱۹		۱۴۷
۶	۹۷	قدر	۲۴	۲۴	۲۴	۲۵	۲۴	۱۴	۲۱	۱۴	۵۵	۴۱	۲۲	۲	۲۵		۱۴۹
۷	۱۰۶	قریش	۲۸	۲۸	۲۸	۲۹	۵	۴	۲۰	۴	۳	۳۳	۲۶	۳۳	۲۹	آغاز دعوت جہر	۱۵۵
۸	۹۲	واللیل	۸	۸	۱۲	۹	۱۲	۱۰	۱۶	۱۰	۱۵	۳۷	۹	۲۲	۹		۱۵۸
۹	۱۰۰	عادیات	۱۳	۱۳	۱۳	۱۴	۲	۳۰	۳۴	۳۰	۸	۳۱	۹۷	۲۷	۱۴		۱۶۱
۱۰	۹۹	الزلزالۃ	۹۲	۹۱	۹۲	؟	۳	۲۵	۳۰	۲۵	۹	۲۱	۹۵	۲۶	۹۳		۱۶۳
۱۱	۱۰۳	عصر	۱۲	۱۲	۹	۱۳	۱	۲۱	۲۷	۲۱	۶	۴۶	۱۳	۳۰	۱۳		۱۶۵
۱۲	۱۰۲	تکاثر	۱۵	۱۵	۱۵	۱۶	۹	۸	۱۵	۸	۷	۴۰	۹۸	۲۹	۱۶		۱۶۸
۱۳	۱۰۱	قارعہ	۲۹	۲۹	۲۹	۳۰	۷	۲۴	۲۹	۲۴	-	۳۲	۲۷	۲۸	۳۰		۱۷۰
۱۴	۱۱۴	الناس	۲۰	۲۰	۲۱	۲۱	؟	۴۷	۷	۴۷	۳۸	۸۳	۱۸	۳۰	۲۱		۱۷۲
۱۵	۹۱	شمس	۲۵	۲۵	۲۵	۲۶	۴	۱۶	۲۳	۱۶	۱۶	۳۸	۲۳	۳۱	۲۶		۱۸۲
۱۶	۱۰۴	ہمزۃ	۳۱	۳۱	۳۱	۳۲	۱۰	۶	۱۳	۶	۵	۱۳	۲۹	۳۱	۳۲		۱۹۳
۱۷	۷۰	معارج	۷۸	۷۶	۷۷	۷۷	۳۷	۴۲	۴۷	۴۲	۳۵	۳۰	۷۹	۰	۷۹		۱۹۵
۱۸	۸۰	عبس	۲۳	۲۳	۲۳	۲۴	۲۶	۱۷	۲۴	۱۷	۲۷	۲۲	۲۱	۱۰	۲۴		۲۰۴
۱۹	۹۰	بلد	۳۴	۳۴	۳۴	۳۵	۱۵	۱۱	۱۸	۱۱	۱۷	۳۶	۳۱	۳۰	۳۵		۲۱۳
۲۰	۸۹	فجر	۹	۹	۱۰	۱۰	۱۴	۳۵	۳۹	۳۵	۱۸	۴۳	۱۰	۱۹	۱۰		۲۱۷
۲۱	۸۷	اعلیٰ	۷	۷	۷	۸	۲۳	۱۹	۲۵	۱۹	۲۰	۲	۸	۱۷	۸		۲۲۶
۲۲	۱۰۸	کوثر	۱۴	۱۴	۱۴	۱۵	۱۸	۵	۱۴	۵	۱۰	۳۵	۹۶	۳۵	۱۵		۲۴۱
۲۳	۱۰۷	ماعون	۱۶	۱۶	۱۶	۱۷	۳۹	۷	۱۴	۷	۲	۳۴	۱۴	۳۴	۱۷		۲۴۷
۲۴	۱۱۱	لہب	۵	۵	۵	۶	۲۲	۳	۱۱	۳	۱	۱۲	۶	۳۷	۶		۲۵۲
۲۵	۸۶	طارق	۳۵	۳۵	۸۶	۳۶	۲۹	۱۵	۲۲	۱۵	۲۱	۲۳	۳۲	۱۶	۳۶		۲۵۵
۲۶	۷۳	مزمل	۳	۳	۳	۳	۳۶	۲۳	۳	۳۳	۳۴	۸	۳	۳	۳	۱-۱۰و۲۰ مدنی	۲۵۸
۲۷	۹۵	والتین	۲۷	۲۷	۲۷	۲۸	۸	۲۰	۲۶	۲۰	۱۴	۴۷	۲۵	۲۵	۲۸		۲۶۶

[illegible]	[illegible]	نام سورۃ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	توضیحات تحقیق مصر	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	
۲۸	۸۴	انشقاق	۸۲	۷۹	۸۱	۸۱	۲۸	۲۹	۳۳	۲۹	۲۳	۲۰	۸۳	۱۴	۸۳		۲۷۰
۲۹	۸۲	انفطار	۸۱	۸۰	۸۰	۸۰	۱۱	۲۶	۳۱	۲۶	۲۵	۱۹	۸۲	۱۲	۸۲		۲۸۰
۳۰	۷۷	مرسلات	۳۲	۳۲	۳۴	۳۳	۳۴	۳۲	۳۶	۳۲	۳۰	۲۷	۳۰	۷	۳۲	آیت (۸۴) مدنی ہے۔	
۳۱	۷۵	قیامۃ	۳۰	۳۰	۳۰	۳۱	۳۶	۳۶	۴۰	۳۶	۳۲	۲۴	۲۸	۵	۳۱		
۳۲	۵۶	واقعہ	۴۵	۴۴	۴۴	۴۶	۴۱	۴۱	۴۵	۴۱	۴۰	۲۹	۴۵	۴۷	۴۶	آیت (۸۱ و ۸۲) مدنی	
۳۳	۷۱	نوح	۷۰	۶۸	۷۱	۷۲	۵۴	۵۱	۵۱	۵۱	۷۱	۷۶	۶۸	۹	۷۱		
۳۴	۷۹	نازعات	۸۰	۷۸	۷۹	۷۹	۴۷	۳۱	۳۵	۳۱	۲۸	۱۴	۸۱	۹	۸۱		
۳۵	۸۵	بروج	۲۶	۲۶	۲۶	۲۷	۳۱	۲۲	۲۸	۲۲	۲۲	۴۵	۲۴	۱۵	۲۷		
۳۶	۷۴	مدثر	۴	۴	۴	۴	۲۱	۲	۲	۲	۳۳	۷	۴	۴	۴		
۳۷	۸۳	تطفیف	۸۵	۸۳	۸۴	۸۴	۳۲	۳۷	۴۱	۳۷	۲۳	۲۵	۸۶	۱۳	۸۶	آخری مکی سورۃ یلی تحقیق مصر	
۳۸	۶۸	ن۔ قلم	۲	۲	۲	۲	۵۲	۱۸	۱۷	۱۸	۳۷	۴۸	۲	۴۸	۲	۱۷ آیا ۳۳ ۴۸ تا ۵۰ } مدنی	
۳۹	۸۱	تکویر	۶	۶	۶	۷	۲۷	۲۷	۳۲	۱۰	۲۶	۱۸	۱۷	۱۱	۷		
۴۰	۵۱	ذاریات	۶۶	۶۴	۶۶	۶۵	۶۳	۳۹	۴۳	۳۹	۴۵	۴۹	۶۵	۴۲	۶۷		
۴۱	۶۹	حاقہ	۷۷	۷۵	۷۶	۷۶	۵۱	۳۸	۴۲	۳۸	۳۶	۲۷	۷۸	۔	۷۸		
۴۲	۵۴	قمر	۳۶	۳۶	۸۸	۳۷	۴۸	۴۹	۴۹	۴۹	۴۲	۵۱	۳۴	۴۵	۳۷		
۴۳	۸۸	غاشیہ	۶۷	۶۵	۶۷	۶۶	۲۵	۳۴	۳۸	۳۴	۱۹	۲۶	۷۷	۱۸	۶۸		
۴۴	۷۸	النبأ (عمایتساءلون)	۷۹	۷۷	۷۸	۷۸	۳۳	۳۳	۳۷	۳۳	۲۹	۲۸	۸۰	۸	۸۰		
۴۵	۷۶	دہر	۹۷	۹۶	۹۷	۔	۳۵	۵۲	۵۲	۵۲	۳۱	۹	۳۹	۶	۹۸		
۴۶	۵۵	رحمٰن	۹۶	۹۵	۳۵	۔	۴۰	۴۳	۴۸	۴۳	۴۱	۷۷	۴۰	۴۶	۹۷		
۴۷	۵۰	ق	۳۳	۳۳	۳۳	۳۴	۵۶	۵۴	۵۴	۵۴	۴۶	۷۷	۳۳	۴۱	۳۴	(۳۸) مدنی	
۴۸	۵۳	نجم	۲۲	۲۲	۲۲	۲۳	۴۳	۲۸	۴۸	۲۸	۴۳	۱۵	۲۰	۴۴	۲۳	(۳۲) مدنی	
۴۹	۶۷	ملک	۷۶	۷۴	۷۵	۷۵	۴۲	۶۳	۶۳	۶۳	۶۵	۸۰	۷۶	۔	۷۷		
۵۰	۴۶	احقاف	۶۵	۶۳	۲۷	۶۴	۶۴	۸۸	۸۸	۸۸	۵۰	۷۱	۶۴	۰	۶۶	۱۰-۱۵-۳۵ مدنی	
۵۱	۴۴	دخان	۶۳	۵۸	۶۳	۶۲	۵۸	۵۳	۵۳	۵۳	۵۳	۵۳	۶۲		۶۴		
۵۲	۱۱۲	اخلاص	۲۱	۲۱	۱۹	۲۲	۲۰	۴۴	۱۰	۴۴	۹۰ ۱-۹۰	-	۱۹	۳۸	۲۲		
۵۳	۳۷	صافات	۵۵	۵۳	۵۳	۵۶	۵۹	۵۰	۵۰	۵۰	۵۹	۵۲	۵۴	۔	۵۶		
۵۴	۳۲	السجدہ	۷۴	۷۲	۷۳	۶۹	۴۴	۷۰	۷۰	۷۰	۷۳	۸۰	۷۳	۔	۷۵	۱۶ تا ۲۰ مدنی	
۵۵	۱۹	مریم	۴۳	۔	۴۲	۴۴	۶۸	۵۸	۵۸	۵۸	۷۷	۵۹	۴۳		۴۴	۵۸ و ۷۱ مدنی	
[illegible]	۵۲	طور	۷۵	۷۳	۷۴	۷۳	۵۵	۴۰	۴۴	۴۰	۴۴	۲۹ ۵۶	۷۵	۴۳	۷۶		

سلسلۂ نزول تحقیق جدید مصری	موجودہ سلسلہ	نام سورۃ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	توضیحات تحقیق مصر
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷
۵۷	۳۸	ص	۳۷	۳۷	۳۸	۳۸	۷۳	۵۹	۵۹	۵۹	۵۸	۵۴	۳۵	؟	۳۸	
۵۸	۱۵	الحجر	۵۳	۵۱	۵۲	۵۴	۶۲	۵۷	۵۷	۵۷	۴۷	۵۶	۵۲	؟	۵۳	آیت (۸۷) مدنی
۵۹	۱۸	کہف	۶۸	۶۶	۶۸	۶۷	۶۹	۶۹	۶۹	۶۹	۸۰	۵۷	۶۶	؟	۶۹	۲۸ و ۸۳ تا ۱۰۱ مدنی
۶۰	۲۰	طٰہٰ	۴۴	۴۲	۴۳	۴۵	۷۵	۵۵	۵۵	۵۵	۷۳	۶۲	۴۳	؟	۴۵	۱۳۰ و ۱۳۱ ؍؍
۶۱	۲۳	المومنون	۷۳	۷۱	۵۵	۷۴	۸۴	۶۳	۶۴	۶۴	۷۴	۷۰ و ۸۱	۷۲	؟	۷۴	
۶۲	۲۱	الانبیاء	۷۲	۷۰	۵۷	۷۰	۸۶	۶۵	۶۵	۶۵	۷۶	۹۰	۷۱	؟	۷۳	
۶۳	۳۶	یٰسین	۴۰	۳۹	۳۷	۴۱	۴۷	۶۰	۶۰	۶۰	۶۰	۸۷	۳۸	؟	۴۱	آیت (۴۵) مدنی
۶۴	۲۶	شعراء	۴۶	۴۴	۴۵	۴۷	۶۱	۵۶	۵۶	۵۶	۷۰	۵۰	۴۶	؟	۴۷	۱۹۷ و ۲۲۴ تا ۲۲۷ مدنی
۶۵	۱۳	رعد	۹۵	۹۴	۹۶	؟	۸۹	۸۰	۹۰	۹۰	۸۳	۸۳	۷۰	؟	۹۶	
۶۶	۲۵	فرقان	۴۱	۴۰	۳۹	۴۲	۷۳	۶۶	۶۶	۶۶	۷۲	۸۱	۴۱	؟	۴۲	۶۸ تا ۷۰ مدنی
۶۷	۴۲	شوریٰ	۶۱	۶۰	۶۱	۶۸	۷۱	۸۳	۸۳	۸۳	۷۹	۷۸	۶۰	؟	۶۲	۲۳ تا ۲۵ و ۲۷ مدنی
۶۸	۳۴	سبا	۵۷	۵۵	۵۶	؟	۷۹	۸۵	۸۵	۸۵	۶۲	۶۴	۵۶	؟	۵۸	۶ مدنی
۶۹	۴۰	مومن	۵۹	۵۷	۵۹	۵۹	۷۲	۷۸	۷۸	۷۸	۵۶	۷۶ و ۸۹	۵۸		۶۰	۵۶ و ۵۷ مدنی
۷۰	۳۹	زمر	۵۸	۵۶	۵۸	۵۸	۴۵	۸۰	۸۰	۸۰	۵۷	۸۸	۵۷		۵۹	۵۲ تا ۵۴ مدنی
۷۱	۱۰۹	کافرون	۱۷	۱۷	۱۷	۱۸	۳۸	۴۵	۹	۴۵	۹۰ و ۱۱۲	۱۷	۱۵	۳۶	۱۸	
۷۲	۳۱	لقمان	۵۶	۵۴	۵۴	۵۷	۵۰	۸۲	۸۲	۸۲	۶۴	۸۶	۵۵	؟	۵۷	۲۷ تا ۲۹ مدنی
۷۳	۲۸	قصص	۴۸	۴۶	۴۷	۴۹	۸۳	۷۹	۷۹	۷۹	۶۸	۵۵	۴۸	؟	۴۹	(۵۲ تا ۵۵ و ۸۵) اثنائے سفر ہجرت
۷۴	۱۲	یوسف	۵۲	۵۰	۵۰	۵۳	۷۷	۷۷	۷۷	۷۷	۸۴	۵۳ و ۵۸	۵۱	؟	۵۳	۱ تا ۳ و ۷ مدنی
۷۵	۱۴	ابراہیم	۷۱	۶۶	۷۲	؟	۸۰	۷۶	۷۶	۷۶	۴۹	۹۱	۶۹	؟	۷۲	۲۸ و ۲۹ مدنی
۷۶	۳۰	روم	۸۳	۸۱	۸۲	۸۳	۶۰	۷۴	۷۴	۷۴	۶۶	۸۸	۸۴	x	۸۴	(۱۷) مدنی
۷۷	۷	اعراف	۳۸	؟	۸۹	۳۹	۹۱	۸۷	۸۷	۸۷	۸۷	۹۵ و ۸۷	۳۶	۰	۳۹	۱۶۳ تا ۱۷۰ مدنی
۷۸	۲۹	عنکبوت	۸۳	۸۲	۸۳	۸۳	۹۰	۸۱	۸۱	۸۱	۷۶ و ۹۹	۷۸ و ۹۰	۸۵	؟	۸۵	۱ تا ۱۱ مدنی
۷۹	۳۵	فاطر	۴۲	۴۱	۴۱	۴۳	۶۶	۸۶	۸۶	۸۶	۶۱	۷۹	۴۲	؟	۴۳	
۸۰	۴۱	حٰم سجدہ = فصلت	۶۰	۵۹	۶۰	۶۰	۵۳	۷۱	۷۱	۷۱	۵۴	۷۹	۵۹	؟	۶۱	
۸۱	۷۲	جن	۳۹	۳۸	۳۶	۴۰	۶۵	۶۳	۶۲	۶۲	۵۱	۴۴	۳۷	؟	۴۰	
۸۲	۱	فاتحہ الحمد	؟	؟	؟	۵	۶	۴۸	۸	۴۸	۷۸	۷۵	۵	۴۸	۵	
۸۳	۴۵	الجاثیہ	۶۴	۶۲	۶۴	۶۳	۵۷	۷۳	۷۲	۷۲	۵۲	۷۸	۶۳	؟	۶۵	۱۴ مدنی
۸۴	۴۳	زخرف	۶۲	۶۱	۶۲	۶۱	۷۶	۶۱	۶۱	۶۱	۷۵	۵۹ و ۸۲	۶۱	؟	۶۳	۵۴ مدنی
۸۵	۲۷	نمل	۴۷	۴۵	۴۶	۴۸	۷۰	۶۸	۶۸	۶۸	۶۹	۵۴	۴۷	؟	۴۸	

۱ [illegible]	۲ موجودہ سلسلہ	۳ نام سورۃ	۴ [illegible]	۵ [illegible]	۶ [illegible]	۷ [illegible]	۸ [illegible]	۹ [illegible]	۱۰ [illegible]	۱۱ [illegible]	۱۲ [illegible]	۱۳ [illegible]	۱۴ [illegible]	۱۵ [illegible]	۱۶ [illegible]	۱۷ توضیحات تحقیق مصر
۸۶	۱۷	بنی اسرائیل	۴۹	۴۷	۴۸	۵۰	۸۷	۶۷	۶۷	۶۷	۸۱	۶۶ و ۸۵ و ۹۰	۷۴	؟	۵۰	۲۶ و ۳۲ و ۳۳ و ۵۷ و ۷۳ تا ۸۰ مدنی
۸۷	۱۱	ہود	۵۱	۳۹	۳۹	۵۲	۷۸	۷۵	۷۵	۷۵	۸۵	۶۳	۵۰	؟	۵۲	۱۲ و ۱۷ و ۱۱۴ مدنی
۸۸	۱۰	یونس	۵۰	۴۸	۵۱	۵۱	۷۹	۸۴	۸۴	۸۴	۸۶	۶۹	۴۹	؟	۵۱	۴۰ و ۹۴ تا ۹۶ مدنی
۸۹	۱۶	نحل	۶۹	۶۷	۷۰	۷۱	۸۸	۷۳	۷۳	۷۳	۸۲	۸۴	۶۷		۷۰	آخری تین آیات مدنی
۹۰	۶	انعام	۵۴	۵۲	۴۹	۵۵	۸۱	۸۹	۸۹	۸۹	۸۸	۷۴ و ۹۰	۵۳		۵۵	۲۰ و ۲۳ و ۹۱ و ۹۳ و ۱۱۴ و ۱۴۱ و ۱۵۱ و ۱۵۳ مدنی
۹۱	۲	البقرہ	۸۶	۸۴	۸۷	۸۵	؟	۹۱	۹۱	۹۱	۹۱	۹۷۳ ۸۹	۸۷		۸۷	آخری آیت ۲۸۱ بمقام منیٰ حجۃ الوداع
۹۲	۶۲	جمعہ	۱۰۸	۱۰۸	۱۰۸	۹۸	؟	۹۴	۹۴	۹۴	۹۲	۵	۱۰۸		۱۱۰	
۹۳	۸	انفال	۸۷	۸۶	۸۸	۸۷	سنہ ۲ ہجری	۹۵	۹۵	۹۵	۹۵	۳	۸۸		۸۸	۳۰ تا ۳۶ مکی
۹۴	۴	النساء	۹۱	۱۰	۹۲	-	-	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	-	۹۴		۹۲	
۹۵	۴۷	محمد	۹۴	۹۳	۶۵	-	۹۹	۹۶	۶۶	۹۶	۹۴	-	۱۰۰		۹۵	(۱۳) در سفر ہجرت
۹۶	۶۱	صف	۱۱۰	[illegible]	۱۱۰	۱۰۰	-	۹۸	۹۸	۹۸	۱۰۳	-	۱۱۰		۱۰۹	
۹۷	۳	آل عمران	۸۸	۸۵	۹۰	۸۶	[illegible]	۹۷	۹۷	۹۷	۹۸	۹۸	۸۹		۸۹	
۹۸	۹۸	البینہ	۹۹	۹۸	۹۹	-	-	۹۲	۹۲	۹۲	۸۹	۴۲	۱۰۱		۱۰۰	
۹۹	۵۹	الحشر	۱۰۰	۹۹	۱۰۰	-	سنہ ۴	۱۰۲	۱۰۲	۱۰۲	۹۷	-	۹۱	-	۱۰۱	
۱۰۰	۶۳	منافقون	۱۰۴	۱۰۳	۱۰۳	۹۴	سنہ ۶	۱۰۴	۱۰۴	۱۰۴	۱۰۸	-	۱۰۴		۱۰۴	
۱۰۱	۲۴	النور	۱۰۲	۱۰۱	۱۰۲	۹۲	سنہ ۵	۱۰۵	۱۰۵	۱۰۵	۹۶	-	۱۰۳		۱۰۲	
۱۰۲	۵۸	المجادلہ	۱۰۵	۱۰۴	۱۰۵	۹۵	-	۱۰۶	۱۰۶	۱۰۶	۱۰۵	-	۱۰۵		۱۰۵	
۱۰۳	۳۳	احزاب	۸۹	۸۷	۴۰	۸۸	-	۱۰۳	۱۰۳	۱۰۳	۱۰۷	-	۹۲		۹۰	
۱۰۴	۴۸	فتح	۱۱۱	۱۱۰	۱۱۱	۱۰۱	سنہ ۶	۹۸	۱۰۸	۱۰۸	۱۱۱	-	۱۱۱		۱۱۱	
۱۰۵	۶۰	ممتحنہ	۹۰	۸۹	۹۱	۹۰	سنہ ۸	۱۱۰	۱۱۰	۱۱۰	۱۰۴	-	۹۳		۹۱	
۱۰۶	۱۱۰	نصر	۱۰۱	۱۰۰	۱۰۱	۹۹	۳۰	۱۱۱	۱۱۱	۱۱۱	۱۱۰	-	۱۱۳		۱۱۴	بمقام منیٰ حجۃ الوداع
۱۰۷	۵۷	حدید	۹۳	۹۲	۹۳	-	-	۹۹	۹۹	۹۹	۱۰۱	-	۹۹		۹۴	
۱۰۸	۶۴	تغابن	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹	۹۹	۸۲	۹۳	۹۳	۹۳	۱۰۲	-	۱۰۹		۱۰۸	
۱۰۹	۴۹	حجرات	۱۰۶	۱۰۵	۱۰۶	۹۶	-	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۰۹	-	۱۰۶		۱۰۶	
۱۱۰	۶۶	تحریم	۱۰۷	۱۰۶	۱۰۷	۹۷	[illegible]	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹	۱۱۲	-	۱۰۷		۱۰۷	
۱۱۱	۶۵	طلاق	۹۸	۹۷	۹۸	-	-	۱۰۱	۱۰۱	۱۰۱	۱۰۶	-	۱۰۲		۹۹	
۱۱۲	۲۲	حج	۱۰۳	۱۰۴	۱۰۳	۹۳	۸۵	۱۰۷	۱۰۷	۱۰۷	۴۸	۸۹	۹۰		۱۰۳	۵۲ تا ۵۵ سفر مکہ و مدینہ کے درمیان
۱۱۳	۹	توبہ = برأت	۱۱۳	-	۱۱۳	-	۱۱۴	۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳		۱۱۲		۱۱۳	آخری ۲ آیات مکی
۱۱۴	۵	مائدہ	۱۱۲	۸۸	۱۱۲	-	[illegible]	۱۱۴	۱۱۴	۱۱۴	۱۱۱	۷۲ و ۹۳	۱۱۴		۱۱۲	(۳) عرفات حجۃ الوداع

فہرست مدنی قرآن مجید بلحاظ سلسلہ نزول وحیؒ بموجب تحقیق علامہ محمد اجمل خان

من ابتدائے سنہ ۱ ہجری ۔ لغایۃ سنہ ۱۱ ہجری ۔ مطابق سنہ ۶۲۲ء لغایۃ سنہ ۶۳۲ء

سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع	سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع	سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع
۱	البقرہ ۔ سنہ ۱ ہجری	۴	۲۲	البقرہ ۔ رجب سنہ ۲ھ تا شوال سنہ ۳ھ	۹	۴۳	النساء ۔ رجب سنہ ۳ھ تا شوال سنہ ۳ھ	۲
۲	〃 〃	۵	۲۳	〃 〃	۱۰	۴۴	〃 〃	۳
۳	〃 〃	۶	۲۴	〃 〃	۱۱	۴۵	〃 〃	۴
۴	〃 〃	۷	۲۵	〃 〃	۱۲	۴۶	〃 〃	۵
۵	〃 〃	۸	۲۶	〃 〃	۱۳	۴۷	〃 〃	۶
۶	〃 〃	۲	۲۷	〃 〃	۱۴	۴۸	〃 〃	۱۹
۷	〃 〃	۳۲	۲۸	〃 〃	۱۵	۴۹	〃 〃	۲۲
۸	〃 〃	۳۳	۲۹	〃 〃	۱۶	۵۰	آل عمران 〃	۱۹
۹	الجمعہ 〃	۲	۳۰	الجمعہ 〃	۱	۵۱	النساء 〃	۷
۱۰	البقرہ 〃	۳۴	۳۱	البقرہ 〃	۲۳	۵۲	〃 〃	۸
۱۱	〃 〃	۳۵	۳۲	الانفال 〃	۵	۵۳	〃 〃	۱۰
۱۲	〃 〃	۳۶	۳۳	〃 〃	۲	۵۴	〃 〃	۱۲
۱۳	〃 〃	۳۷	۳۴	〃 〃	۱	۵۵	〃 〃	۱۳
۱۴	〃 〃	۴	۳۵	آل عمران 〃	۲	۵۶	〃 〃	۱۴
۱۵	المائدہ 〃	۵	۳۶	〃 〃	۵	۵۷	〃 〃	۲۱
۱۶	البقرہ ۔ رجب سنہ ۲ھ تا شوال سنہ ۳ھ	۲۷	۳۷	انفال 〃	۹	۵۸	〃 〃	۱۶
۱۷	〃 〃	۱۷	۳۸	〃 〃	۸	۵۹	〃 〃	۱۷
۱۸	〃 〃	۱۸	۳۹	〃 〃	۷	۶۰	〃 〃	۱۸
۱۹	〃 〃	۱۹	۴۰	محمدؐ 〃	۱	۶۱	〃 〃	۱۹
۲۰	〃 〃	۲۲	۴۱	نور 〃	۴	۶۲	محمدؐ 〃	۲
۲۱	〃 〃	۲۱	۴۲	النساء 〃	۱	۶۳	〃 〃	۳

له ۔ اس بات کو یاد داشت میں جگہ دیجئے کہ ۔ مدنی قرآن کا ہر رکوع مختلف اوقات میں بلحاظ حالات نازل ہوا ہے جسکو آنحضرت صلعم کے حکم سے ہر سورۃ سے ملا کر لکھا گیا تھا ۔ چونکہ میرے پیش نظر سلسلہ وحی ہے اسلئے ہر رکوع بلحاظ سلسلہ نزول پیش کیا جا رہا ہے تاکہ نزول وحی مدنی کا مفہوم آسان ہو ۔

سلسلہ نشان	نام سورة	رکوع	سلسلہ نشان	نام سورة	رکوع	سلسلہ نشان	نام سورة	رکوع
۶۴	محمد ۔ رجب سنہ ۲ھ تا شوال سنہ ۳ھ	۴	۹۱	الحشر سنہ ۳ھ تا سنہ ۵ھ	۱	۱۱۸	البقرہ سنہ ۳ھ تا سنہ ۶ھ	۲۸
۶۵	الصف 〃	۱	۹۲	〃 〃	۲	۱۱۹	〃 〃	۲۹ جزو
۶۶	〃 〃	۲	۹۳	〃 〃	۳	۱۲۰	الاحزاب 〃	۴
۶۷	المائدہ 〃	۴	۹۴	النساء 〃	۷	۱۲۱	آل عمران 〃	۸
۶۸	〃 〃	۶	۹۵	〃 〃	۹	۱۲۲	〃 〃	۹
۶۹	〃 〃	۷	۹۶	المنافقون 〃	۱	۱۲۳	〃 〃	۱۰
۷۰	〃 〃	۸	۹۷	〃 〃	۲	۱۲۴	〃 〃	۱۱
۷۱	〃 〃	۹	۹۸	النور 〃	۱	۱۲۵	البقرہ 〃	۲۹ جزو
۷۲	〃 〃	۱۰	۹۹	〃 〃	۲	۱۲۶	〃 〃	۳۰
۷۳	الانفال 〃	۳	۱۰۰	〃 〃	۳	۱۲۷	〃 〃	۳۱
۷۴	〃 〃	۴	۱۰۱	〃 〃	جزو ۴	۱۲۸	الاحزاب 〃	۶
۷۵	〃 〃	۱۰	۲۰۲	〃 〃	۵	۱۲۹	〃 〃	۷
۷۶	〃 〃	۶	۱۰۳	〃 〃	۶	۱۳۰	〃 〃	۸
۷۷	آل عمران سنہ ۳ھ تا سنہ ۶ھ	۱۳	۱۰۴	〃 〃	۷	۱۳۱	الفتح سنہ ۶ھ تا سنہ ۸ھ	۱
۷۸	〃 〃	۱۴	۱۰۵	〃 〃	جزو ۴	۱۳۲	〃 〃	۲
۷۹	〃 〃	۱۵	۱۰۶	〃 〃	۸	۱۳۳	〃 〃	۳
۸۰	〃 〃	۱۶	۱۰۷	〃 〃	۹	۱۳۴	〃 〃	۴
۸۱	〃 〃	۱۷	۱۰۸	المجادلہ 〃	۱	۱۳۵	الاعراف 〃	۲۰
۸۲	〃 〃	۱۸	۱۰۹	〃 〃	۲	۱۳۶	آل عمران 〃	۷
۸۳	〃 〃	۱۹	۱۱۰	〃 〃	۳	۱۳۷	البقرہ 〃	۲۴
۸۴	〃 〃	۲۰	۱۱۱	البقرہ 〃	۲۶	۱۳۸	النساء 〃	۱۳
۸۵	[illegible] 〃	۲	۱۱۲	النساء 〃	۱۱	۱۳۹	الممتحنہ 〃	۱
۸۶	〃 〃	۱۸	۱۱۳	الاحزاب 〃	۱	۱۴۰	〃 〃	۲
۸۷	〃 〃	۲۴	۱۱۴	〃 〃	۹	۱۴۱	البقرہ 〃	۲۰
۸۸	〃 〃	۱۵	۱۱۵	〃 〃	۲	۱۴۲	〃 〃	۱
۸۹	البینہ 〃	۱	۱۱۶	〃 〃	۳	۱۴۳	〃 〃	۳
۹۰	آل عمران 〃	۱۲	۱۱۷	〃 〃	۵	۱۴۴	النصر 〃	۱

سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع	سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع	سلسلہ نشان	نام سورۃ	نمبر رکوع
۱۴۵	الحدید سنہ ۶ھ تا سنہ ۸ھ	۱	۱۷۲	البقرہ سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ	جزو ۲۷	۱۹۹	المائیدہ سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ	۳
۱۴۶	〃 〃	۲	۱۷۳	توبہ 〃	۸	۲۰۰	〃 〃	۶
۱۴۷	〃 〃	۳	۱۷۴	الحجرات 〃	۱	۲۰۱	〃 〃	۱۱
۱۴۸	〃 〃	۴	۱۷۵	〃 〃	۲	۲۰۲	〃 〃	۱۲
۱۴۹	التغابن 〃	۱	۱۷۶	التحریم 〃	۱	۲۰۳	〃 〃	۱۳
۱۵۰	〃 〃	۲	۱۷۷	〃 〃	۲	۲۰۴	〃 〃	۱۴
۱۵۱	البقرہ 〃	۲۵	۱۷۸	التوبہ 〃	۶	۲۰۵	〃 〃	۱۵
۱۵۲	الحج 〃	۱	۱۷۹	〃 〃	۷	۲۰۶		۱۶
۱۵۳	〃 〃	۲	۱۸۰	الطلاق 〃	۱	۲۰۷	التوبہ	۵
۱۵۴	〃 〃	۳	۱۸۱	〃 〃	۲	۲۰۸	البقرہ آخری وحی	۴۰
۱۵۵	〃 〃	۴	۱۸۲	التوبہ 〃	۹		ختم	
۱۵۶	〃 〃	۵	۱۸۳	〃 〃	۱۰			
۱۵۷	〃 〃	۶	۱۸۴	〃 〃	۱۱			
۱۵۸	〃 〃	۷	۱۸۵	〃 〃	۱۲			
۱۵۹	〃 〃	۸	۱۸۶	〃 〃	۱۳			
۱۶۰	〃 〃	۹	۱۸۷	〃 〃	۱۴			
۱۶۱	〃 〃	۱۰	۱۸۸	〃 〃	۱۵			
۱۶۲	النساء 〃	۲۰	۱۸۹	〃 〃	۱۶			
۱۶۳	〃 〃	۲۳	۱۹۰	〃 〃	۱			
۱۶۴	آل عمران سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ	۱	۱۹۱	〃 〃	۲			
۱۶۵	〃 〃	۲	۱۹۲	〃 〃	۳			
۱۶۶	〃 〃	۳	۱۹۳	〃 〃	۴			
۱۶۷	〃 〃	۴	۱۹۴	〃 〃	۵			
۱۶۸	〃 〃	۵	۱۹۵	البقرہ 〃	۳۸			
۱۶۹	〃 〃	۶	۱۹۶	〃 〃	۳۹			
۱۷۰	〃 〃	۷	۱۹۷	المائیدہ 〃	۱			
۱۷۱	البقرہ 〃	۲۶	۱۹۸	〃 〃	۲			

ترتیب سور مصحف ابی بن کعب

الحمد	السبا	الجن	عبس	التکاثر
البقرہ	العنکبوت	النجم	المطففین	العصر
النساء	المومن	سال سائل	اذا السماء انشقت	الخلع
آل عمران	الرعد	المزمل	والتین	الحفد
الانعام	القصص	المدثر	اقرا باسم ربک	ویل لکل ہمزہ
الاعراف	النمل	اقترب	الحجرات	اذا زلزلت
المائدہ	الصافات	حامیم	المنافقون	العادیات
یونس	ص	الدخان	الجمعہ	الفیل
الانفال	یٰسین	لقمان	لم تحرم	لایلاف قریش
براءۃ	الحجر	حم الجاثیہ	الفجر	ارایت
مریم	حم عسق	الطور	لااقسم بہذا البلد	انا اعطینک
الشعراء	الروم	الذاریات	واللیل	القدر
الحج	الحدید	نوح	اذا السماء انفطرت	الکافرون
یوسف	الفتح	الحاقہ	والشمس	اذا جاء نصر اللہ
الکہف	القتال	الحشر	والسماء والطارق	تبت یدا
النحل	الظہار	الممتحنہ	سبح اسم ربک	الصمد
الاحزاب	تبارک الملک	المرسلات	الغاشیہ	الفلق
بنی اسرائیل	السجدہ	عم یتساءلون	الصف	الناس
الزمر	انا ارسلنا نوحاً	لااقسم بیوم القیامۃ	التغابن	
طٰہٰ	الاحقاف	اذا الشمس کورت	اہل الکتاب (لم یکن)	
الانبیاء	ق	یا ایہا النبی (طلاق)	الضحیٰ	
النور	الرحمٰن	النازعات	الم نشرح	
المومنون	الواقعہ	التقاب	القارعہ	

ترتیب سور مصحف عبداللہ بن مسعودؓ

(الطوال)	۲۲ القصص	۴۴ الاحقاف	۶۶. الطور	۸۹. البلد
۱. البقرہ	۲۳ طس النمل	۴۵. الجاثیہ	۶۷. الذاریات	۹۰. الضحیٰ
۲. النساء	۲۴. النور	۴۶ الدخان	۶۸. اقترب الساعۃ	۹۱ الطارق
۳. آل عمران	۲۵. الانفال	۴۷ الممتحانات	۶۹. الواقعہ	۹۲ العادیات
۴. الاعراف	۲۶. مریم	۴۸ انا فتحنا لک	۷۰. النازعات	۹۳ ارایت
۵. الانعام	۲۷. العنکبوت	۴۹ الحشر	۷۱ سال سائل	۹۴. القارعہ
۶. المائدہ	۲۸ الروم	۵۰ تنزیل السجدہ	۷۲ المدثر	۹۵ لم یکن
۷. یونس	۲۹ یاسین	۵۱ الطلاق	۷۳. المزمل	۹۶ والشمس وضحٰھا
(المئین)	۳۰ الفرقان	۵۲ ن والقلم	۷۴ المطففین	۹۷ والتین
۸. براءۃ	۳۱ الحجر	۵۳ الحجرات	۷۵ عبس	۹۸ ویل لکل ہمزہ
۹. النحل	۳۲. الرعد	۵۴ تبارک	۷۶ ہل اتی	۹۹. الم تر کیف

۱۰ . هود
۱۱ . یوسف
۱۲ . الکهف
۱۳ . بنی اسرائیل
۱۴ - الانبیاء
۱۵ - طاها
۱۶ - المومنون
۱۷ - الشعراء
۱۸ - الصافات
۱۹ - المثانی
۲۰ - الاحزاب
۲۱ - الحج

۳۳ سبا
۳۴ الملائکه
۳۵ . ابراهیم
۳۶ . ص
۳۷ الذین کفرو
۳۸ . لقمان
۳۹ . الزمر
(حوامیم)
۴۰ - المومن
۴۱ - الزخرف
۴۲ - السجده
۴۳ - لم عسق

۵۵ . التغابن
۵۶ اذا جاءک المنافقون
۵۷ . الجمعه
۵۸ . الصف
۵۹ . قل اوحی
۶۰ . انا ارسلنا
۶۱ المجادله
۶۲ الممتحنه
۶۳ یا ایها النبی لم تحرم
(المفصل)
۶۴ . الرحمن
۶۵ النجم

۷۷ .. المرسلات
۷۸ . القیامه
۷۹ . عم یتساءلون
۸۰ . اذا الشمس کورت
۸۱ اذا السماء انفطرت
۸۲ الغاشیه
۸۳ سبح
۸۴ اللیل
۸۵ . الفجر
۸۶ . البروج
۸۷ . اذا السماء انشقت
۸۸ . اقرا باسم ربک

۱۰۰ لایلاف قریش
۱۰۱ . الحکم
۱۰۲ . انا انزلنا
۱۰۳ . اذا زلزلت
۱۰۴ . والعصر
۱۰۵ اذا جاء نصر الله
۱۰۶ الکوثر
۱۰۷ . قل یا ایها الکافرون
۱۰۸ . تبت
۱۰۹ . قل هو الله احد

قال فی دلائل النبوة (النوع الاول مکی صد فی القان)

عن عکرمه و الحسین بن ابی الحسن

اقرا
ن
المزمل
المدثر
تبت یدا
اذا الشمس
سبح اسم ربک
الاعلی
واللیل
والفجر
والضحی
الم نشرح
والعصر
والعادیات
الکوثر
التکاثر
ارایت
الکافرون
الفیل
الفلق
الناس
قل هو الله احد
والنجم

عبس
انا انزلنا
والشمس
البروج
والتین
قریش
القارعه
القیامه
الهمزه
المرسلات
ق
لا اقسم بهذا البلد
والسماء والطارق
اقتربت الساعة
ص
الجن
یاسین
الفرقان
الملائکه
طاها
الواقعه
طسم
طس

بنی اسرائیل
(یونس)
هود
یوسف
الحجر
الانعام
الصافات
لقمان
سبا
الزمر
حم المومن
حم الدخان
حم السجده
حم عسق
حم الزخرف
الجاثیه
الاحقاف
الذاریات
الغاشیه
الکهف
النحل
نوح
ابراهیم

الانبیاء
المومنون
الم السجده
والطور
تبارک
الحاقه
سال
عم یتساءلون
والنازعات
والسماء انشقت
والسماء انفطرت
الروم
العنکبوت
مدنی
ویل للمطففین
البقره
آل عمران
الانفال
الاحزاب
المائده
الممتحنه
النساء
اذا زلزلت

الحدید
محمد
الرعد
الرحمن
هل اتی
الطلاق
لم یکن
الحشر
اذا جاء نصر الله
النور
الحج
المنافقون
المجادله
الحجرات
یا ایها النبی لم تحرم
الصف
الجمعه
التغابن
الفتح
البرات
قد سقط الفاتحه
و الاعراف و کهیعص
فیما نزل بمکة

میری آخری التجاء بحضور صاحبِ کلام تعالیٰ سبحانہ

میرے رب! آج میں تیرے چودہ سو سالہ انصاب کو۔ جو تو نے اپنے رسول عربی صلعم کے ذریعہ اُمی قوم عرب کی اصلاح کیلئے بزبان عربی مبین نازل فرمایا تھا جس نے اُس تقلید جامد کی عصبیت اور جہالت میں سرشار قوم کو جو اپنے باپ۔ دادوں کے ظنی و ذہنی ایمانیات و عقاید میں شخصیت پرستی کے اصنام کو کعبہ ابراہیمی میں بٹھلا کر۔ اور اسی کو عین تعلیم ابراہیمؑ سمجھکر نجات کا یقین کامل رکھتی تھی۔ انکو مقصدِ تخلیق انسانیت۔ آزادیٔ فکر سے سنوار کر "خیر الامم" بنا دیا تھا۔ آج اسی نصاب سے تیرے فضل و کرم نے مجھکو شخصیت پرستی کا منکر بنا کر تقلید جامد۔ باپ۔ دادوں کے طور طریق اور انکے ظنی و ذہنی عقاید سے دور کر کے نقشِ قدم محمد عربی صلعم کی توفیق رفیق عطا فرمائی جسکی وجہ تیری عطیہ حیات کے (۷۰) سال کے منجملہ زاید از چالیس سال اچھی دنیا۔ سچی انسانیت کے نقوش مجھ کو نظر آرہے ہیں۔ اور تیرے ہی حکم "اقرا باسم ربك الذى خلق" ــــ کی تعلیم میں اپنے رسول عربی صلعم کی سُنت پر اعلانِ حق کی جراءت کر رہا ہوں۔ میرے رب! میرا یقین کامل ہے کہ اس کام کا صلہ تیرے قانون قدرت ہی کے ذریعہ مجھکو ملیگا۔ موجودہ اُمت کیطرف سے تو تیری مقررہ اٹل "سُنت اللہ" کے تحت فتوہائے کفر و الحاد سے نوازا جاؤنگا۔ لیکن مجھکو تو اپنا فرض ادا کرنا ہے یعنی تیرے فضل و کرم سے مجھکو جو نعمتِ عظمیٰ ملی ہے اسکو دوسروں کی ترغیب و تحریص کیلئے انکے سامنے پیش کر دینا ہے۔ مجھکو نہ تو کسی کے صلہ و ستایش کی تمنا ہے اور نہ کسی کی سرزنش کی پرواہ۔ اے میرے آقائے بے نیاز! میں تیری بارگاہ میں عجز و انکساری سے عرض کرتا ہوں کہ مجھکو اُس جنون قرب سے دور رکھ جسمیں بڑی بڑی شخصیتیں مسحور ہو گئیں! ور تیرے کلام مبین کی غیر شعوری طور پر معنوی تحریف کرتے ہوئے انکو تیری خوشنودی کا باعث سمجھ کر ماز ان و فرمان زمین میں دفن ہو گئیں۔ جنکو آنیوالی نسلوں نے اپنا معبود و مشکل کشا! اور مسجود بنا لیا۔ میرے مولا! میرے فکر و فہم کا جو عکس میرے قلب میں نمایاں ہوتا ہے! اسکو تو اچھی طرح جانتا ہے جس سے میں خود بے خبر رہتا ہوں۔ بظاہر تو میں اپنے اس کام میں اپنے ہی ضمیر کی خوشی کو محسوس کر رہا ہوں! لیکن تو ہی بہتر جاننے والا ہے کہ اس میرے عمل ظاہری میں "انا خیر منه" کے کتنے ابلیسی جراثیم نشو و نما پا رہے ہیں۔ اسکا صحیح علم تو تیرے ہی کو ہے۔ بس میں اس مرضِ متعدی سے بچنے کیلئے تیری ہی پناہ کا طالب ہوں ــــ اے خدائے کائنات! تو جانتا ہے میرے ایمان کی اقدار کو۔ میری یہ کوشش تیرے بندوں کی خدمتگذاری کیلئے حق ہے۔ پُر خلوص ہے۔ تو بلاشبہ تیرا قانونِ قدرت نہ صرف اسکو آگے بڑھائیگا۔ بلکہ باقی بھی رکھیگا۔ میرے لئے تو تیا کچھ پردۂ غیب میں ہے۔ لیکن مجھکو تو تیرے ہی عطیہ فہم کے تحت اپنا کام کرنا ہے! وبس۔ کیونکہ۔ "نہ آوردم از خانہ چیزے نخست ؛ تو دادی ہمہ چیز من چیز تست"!

اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ اپنے فکر کو تیرے بندوں تک بصورتِ کتاب پہنچانیکا کوئی تصور بھی تیرے اس ادنیٰ غلام کے وہم و گمان میں نہ تھا لیکن تیری ہی قدرت نے تو تیرے ایک بندے محترم حسن الدین احمد صاحب کو اچانک اس کام کی اشاعت کیلئے کھڑا کر دیا۔ جو تیری مخلوق کو "اچھی دنیا" "سچی انسانیت" تک پہنچانیکا ایک جذبہ رکھتا ہے۔ اور محض اسی جذبہ میں انکے یہ عمل نمایاں ہو رہا ہے جسکے متعلق میرا یہ بھی یقین ہے کہ میں اپنے کام کو جلد سے جلد مکمل کر دوں قبل اسکے کہ۔ "زاں بیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند"۔ لہذا تو ہی تیرے بندۂ نوجوان صالح کو اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمادے۔ و نیز محمد عبدالرحیم صدیقی سلمہٗ جو اس کام نے اپنی ہمت سے اسکی طباعت و اشاعت کو اپنے ذمہ لیا ہے وہ بھی تیری رحمتوں کا محتاج ہے۔ اور جن تیرے بندوں نے میرے کشکول میں تیرے نام پر قرضِ حسنہ دیا ہے۔ تو ان سب کو فکر و فہم قرآنِ حکیم کی نعمتوں سے نواز دے۔ اور انسانیت کی اس کشتی کو منزلِ مقصود تک پہنچانے میں انکی مدد کر۔

اے میرے رب! جو کچھ تیری قدرت سے برکتیں مل سکتی ہیں۔ ہم سب اسکے فقیر ہیں۔ آخری التجا یہ ہے کہ ؎

دلے را کہ شد بردست راز دار ؛ ز دروبزہ ہر درے باز دار

تو ہی تو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

قرآن

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ
(یہ حق باتیں ایسی ہی ہیں جیسے کہ تم گفتگو کرتے ہو)

لازم

حصہ مکی

پر

میرا فکر و فہم

جلد اوّل

وحی (۱) تا (۲۹)

از

(اُمّی) غلام احمد نائطی

فہرست

انہ لقرآن الکریم (واقعہ)
یہ جلیل القدر اعلیٰ پایہ بلاشک و شبہ نفع بخش ہے!

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (رعد ۴)
(ان لوگوں کے لئے جو فکر و عقل سے کام لیتے ہیں)

سب سے پہلی بات

آزادیٔ فکر کے لئے

اِن سطور کو بغور پڑھیئے ـــــ اور سمجھئے ـــــ اور عمل کیجئے ـــ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزا وار ہیں ـ جس نے قرآنِ حکیم کو اپنے رسول محمدِ عربی صلعم پر (۲۳) سال تک بلحاظِ ضرورت و حالات مختلف اوقات میں اصلاحِ انسانیت کیلئے نازل فرماتا رہا ـ اور آپؐ نے اپنی انتہائی جد و جہد سے اس وحیِ الٰہی کو پہلے اپنی قوم کو خطاب کیا ـ اور پھر اقوامِ عالم کیلئے محفوظ کرا دیا ـ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد آنیوالی انسانی نسل کیلئے بصورتِ کتابت قدرت نے اُسی کو اُسی حالت میں محفوظ رکھا ہے ـ بلا شبہ اللہ ہی آپ اپنے کلام کا محافظ ہے۔ اِس وحیِ الٰہی کو سُننے والوں نے سُنا ـ اور اس پر عمل کیا ـ تو وہ "مُصدقین" کہلائے ـ اور جن لوگوں نے سُنا ـ مگر اپنی سُنتِ اولین کے (یعنی باپ دادا کی مذہبی تقلیدِ جامد کی وجہ آزادیِ فکر سے انکار کیا) نشہ میں حق بات سے انکار کیا۔ وہ کافر اور مکذبین کہلانے کے مستحق قرار پائے ـ

لہٰذا سُنتُ اللہ ـ یعنی ـــــ قدرت کا وہ اٹل قانون ـ مصدقین و مکذبین کیلئے نتائج کو اُسی زمین پر اور اُنکی حیات ہی میں ظاہر و نمایاں کرتا رہا ـ اصحابِ رسولؐ و تابعین جب تک فہمِ قرآنِ حکیم ـ منشاء نزولِ وحی کے لحاظ سے حاصل کرتے رہے اور اس پر سچائی سے عمل پیرا رہے ـ کامیاب و کامران رہے ـ فتح و نصرت ان کے قدم چومتی رہی ـ قوتِ ملکوتی ـ ارضی و سماوی انکے آگے مسخر تھی ـ جب یہ قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچکر اپنا سفر ختم کر چکا اور راہِ عدم اختیار کیا تو انکی پشت سے جو نسلیں عالمِ وجود میں آئیں انھوں نے اِس دفترِ وحی کی حقیقت کو بُھلا کر اس میں الدفتین (یعنی مجلد قرآنِ حکیم کے حروف ـ الفاظ ـ اور اصوات کی صنم پرستی شروع کر دی ـ جسکا نتیجہ قانونِ قدرت کے تحت بجائے کامرانی ـ و شادمانی ـ فتح و نصرت کے ذلت و مسکنت کے عذابِ شدید میں ظاہر ہونے لگا ـ

میرے افکارِ قرآنِ حکیم کا مقدمہ "قرآن ازم" تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جسکے بعد یقیناً سلسلۂ نزولِ وحی ـ جمع القرآن۔ اور موجودہ ترتیب ـ اور فہمِ قرآنی کے متعلق آپ کے فکر نے موجب ـ بوجھ حاصل کر لیا ہوگا ـ مزید اِس حقیقت کو ذہن نشین کیجئے کہ

قرآنِ حکیم مین جو الفاظ ہین وہ ایسے محاورے ہین جو مخاطبینِ وحی کے سوجھ۔ بوجھ۔ اور انکے ظنی و ذہنی تصورات کے آئینہ دار تھے۔ و۔ نیز نزولِ قرآنِ حکیم کے وقت مکہ مین۔ فارسی۔ یونانی۔ رومی۔ نبطی۔ عبرانی۔ سریانی۔ حبشی۔ قبطی۔ ہندی وغیرہ زبانون کے محاورے اور الفاظ بھی اہلِ عرب کے زبانون پر جاری تھے۔ جو زبانِ عربی کا جزو بن چکے تھے۔ جیسے کہ آج ہماری اُردو یا ہندی زبان مین۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ تلنگی۔ مرھٹی۔ کنڑی اور سنسکرت کے الفاظ اور محاورے اُردو ہی کے سمجھے جاتے ہین۔

نزولِ قرآنِ حکیم کے ایک عرصہ کے بعد لغت۔ اور صرف و نحو عالمِ وجود مین آئے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی زبان کے خطاب۔ یا تحریر کا ترجمہ جس کی صرف و نحو۔ بعد مین مدوّن ہوئی ہو۔ کس قدر دشوار ہوگا۔ جب کہ صرف و نحو والی زبان کے خطبات اور مضامین کا ترجمہ دوسری زبان مین ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی زبان کا دوسری زبان مین لفظی ترجمہ لغت کو سامنے رکھکر اصل مفہوم کو غارت کردیتا ہے۔ جیسے کہ "اسد اللہ" اسکا ترجمہ لغوی "خدا کا شیر" ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عاشور خانون مین علیؓ کا تصور آپ کو بصورتِ شیرِ صحرائی نظر آتا ہے۔ ہان۔ ایک زبان کے خطاب یا عبارت کو دوسری زبان مین وہی شخص صحیح طور پر ظاہر کرسکتا ہے جس کو دوسری زبان کے محاورون پر کامل عبور ہو۔ تاکہ ترجمہ اصلی مفہوم کو واضح کرسکے۔ اور قابلِ فہم ہوجائے[1]۔

بدقسمتی سے قرآنِ حکیم۔ یا ہر مقدس کتاب کو جب دوسری زبان مین پیش کیا گیا تو۔ لغوی ترجمہ تحت اللفظ ہی کیا گیا۔ اور اصلی زبانِ مقدس کے محاورون کو نظر انداز کردیا گیا۔ بدین خیال کہ کہین تحریفِ کلامِ مقدس کا مرتکب مترجم کو قرار نہ دیا جائے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کتاب مقدس ایک چیستان بنکر رہ گئی۔ اور اسکے الفاظ۔ اصوات۔ کو بت بناکر پوجنا لازمی ہوگیا! اس طرح ہر مذہب کی تعلیم کی اصلی روح فنا ہوتی چلی گئی۔ اور جسم کو بلا روح کے اہلِ مذہب اپنے کندھون پر اُٹھائے اُٹھائے پھر رہے ہین۔ درآنحالیکہ ہر مقدس کتاب کی تعلیم کا منشا یہی تھا اور ہے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ دماغ اسکو ایک ہی سطح پر سمجھے اور اُس سے استفادہ کرے۔ خصوصاً قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان اس قدر آسان اور سلیس ہے کہ ہر انسان خواہ وہ ماہرِ علومِ عقلیہ و نقلیہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن ذرا سی سوجھ بوجھ کی صلاحیت رکھتا ہو تو اگر اسکے کانون تک اسکی مادری زبان مین صحیح چلتے محاورۂ مروجہ مین پہنچ جائین تو وہ فوراً دل کے اندر اتر ہی جاتے ہین۔ ایسی حالت مین قرآنِ حکیم کے مفہوم کو فلسفہ و منطق۔ یا علمِ کلام۔ یا علمِ حدیث و فقہہ۔ یا صرف و نحو مین مقید کردینا ہی دراصل معنوی طور پر "تحریفِ قرآنِ حکیم" کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ جس کا نتیجہ چودہ سو سال سے قرآنِ حکیم بھی مثلِ دیگر مقدس کتابون کے ایک چیستان۔ اور عجائب و غرائب کا پیٹارہ بنا ہوا ہمارے گھر کا ایک مقدس تبرک ہے۔ درآنحالیکہ وہ بار بار اپنے بیان کو۔ یعنی اپنی نصیحت = تذکرہ = ذکر۔ کو آسان۔ بلکہ فہمِ انسانی کیلئے آسان تر ہونیکا اعلان کررہا ہے۔ اور بتلا رہا ہے کہ وہ خود اپنی ہر آیت کا مفسر۔ اور شارح ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری کوئی نصیحت۔ ناقابلِ فہم و ادراک نہین = میری کوئی آیت مبہم اور چیستان نہین = اور نہ وہ شعر۔ سحر۔ اور جادو بیانی ہے = بلکہ یہ تو فرقان۔ ذکرِ مبین۔ اور قرآن ہے یعنی ہر چیز کھلی اور روشن۔ ہے اور اس مین صاف صاف نصیحتین ہین۔

اس بات کو ذہن مین جگہ دیجئے کہ قرآن کا یہ دعویٰ کہ "وہ گذشتہ تمام مقدسون کی تعلیم کو پیش کررہا ہے۔ جو دیگر

---

[1] علامہ مودودی نے بڑی حد تک اس چودہ سو سال مین سب سے پہلے اس بات پر توجہہ کی اور تفہیم القرآن کو اسی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔ اور لکھا بھی سلیس اُردو مین۔ جزاک اللہ۔

زبانون مین تھین جسکو اہلِ عرب نہین سمجھ سکتے تھے اسلیئے انکی تفہیم اور غور و فکر کیلیئے انکی مادری زبان عربیِ مُبین مین اسکو بتلایا جارہا ہے؟ تو کیا اسکے معنیٰ یہ ہین کہ وہ دوسری مقدسون کا بزبانِ عربی لفظی ترجمہ سنا رہا ہے؟ نہین۔ بلکہ وہ زبانِ عربی کے اُن محاورون کو جو نزولِ وحی کے وقت مخاطبین کے ذہن و فکر مین تھے۔ استعمال کر رہا ہے۔ پس اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ترجمانی "منشاءِ قدرت" کے خلاف نہین۔ بلکہ عین مطابق ہے۔ بہرحال مین اپنے افکارِ قرآنی کے۔۔۔ یادداشتون مین ہر آیت کا مفہوم لکھکر اسکے متعلق اپنا ذاتی فکر قلمبند کر رہا ہون[1]۔ مین سمجھتا ہون کہ میرا مفہوم مروجہ اُردو مین اس قدر اٹل اور ناقابلِ انکار ہے کہ فی زمانہ آزادیِ فکر کی روشنی مین آسانی سے اسکو قبول کر لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح چودہ سو سال ماضی بعید مین مخاطبین کو (جن ظنی و ذہنی تصورات کے تحت) وحیِ الٰہی خطاب کر رہی تھی۔ اسکا وجود آج بھی ہر قوم و ملت کے انسانون مین انفراداً و اجتماعاً موجود ہے۔ خصوصاً حاملینِ قرآن مین۔ تو ایسی حالت مین جن قیاسات پر مین اپنی رائے قایم کر کے فہم حاصل کر رہا ہون اور اسکو لکھ رہا ہون وہ صاحبانِ غور و فکر کیلیئے ضرور قابلِ توجہ ہونگے۔ اسلیئے کہ وہ دو اور دو چار کی طرح آسانی سے ہر وقت ادنیٰ و اعلیٰ انسان کے مشاہدہ اور علم مین موجود ہین جسکے بعد کسی قسم کا الجھاؤ یا پیچیدگی آیات اللہ کے سمجھنے مین باقی نہین رہتی۔ اور یہ بات آسانی سے سمجھ مین آ سکتی ہے کہ جیسے رسولِ عربی صلعم اہلِ مکہ کو۔ و نیز اہلِ عرب کو بزبانِ عربی مخاطب فرما رہے ہین۔ ایک مترجم بزبان اُردو مین ترجمانی کر رہا ہے اور اسکا مفہوم سمجھا رہا ہے۔ اور ہم اُن اُمّی مخاطبین کیطرح صاف و سلیس مروجہ اُردو مین فہم حاصل کر رہے ہین جیسا وہ اپنی مادری زبان عربی مُبین مین نصیحت حاصل کر رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین کسی صرف و نحو۔ یا نزولِ قرآن حکیم کے تین سو سال بعد کے ظنی و ذہنی روایات۔ و تصورات کی تفسیرون سے مجھ کو کوئی تعلق نہین ہو سکتا۔

ہان۔ اگر کسی کو تفاسیر کی کتابون کا کھوج لگانا ہو تو وہ توراۃ۔ انجیل۔ اور راماین۔ ژند۔ اوستا۔ وغیرہ پر نظر ڈال کر فکر کر سکتا ہے! جسکے بعد غالباً اسکو یقین ہو جائیگا کہ یہ تفاسیر انھین عقایدی روایات کی بنیاد پر ہین۔ جو محض راویِ معتبر کی شخصیت پرستی سے بلا کسی غور و فکر کے مسلسل نقل در نقل چلی آ رہی ہین۔ اور ان روایات کا مقام مقلدین کے یقین کیلیئے مثل وحیِ الٰہی کے ہو گیا ہے[2]۔

لیکن ہر صاحبِ فکر انسان کیلیئے اُن روایات کو یکسر سخت ناقابلِ قبول کہہ کر نظر انداز کر دینا فکرِ انسانی کی توہین کا باعث سمجھتا ہون۔ کیونکہ دیگر اقوام اور اُمم کے روایات بھی کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی ہوتے ہین۔ اگر ذرا سا فکر کیا جائے تو کوئی نہ کوئی نتیجہ فہمِ انسانی مین جگہ پا سکتا ہے جس سے عقلِ انسانی قلبِ سلیم کو مطمئن کر سکتی ہے۔ البتہ جو لوگ تقلیدِ جامد کے مرضِ متعدی مین مبتلا ہین۔ انکی آنکھون مین تو عقایدِ ظنی و ذہنی۔ باپ دادا۔ اور بزرگانِ ملت کی شخصیت پرستی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ یا اسی رنگ کی عینکین انکو اصلی رنگ کے معلوم کرنے مین حارج ہو جاتی ہین۔ لہٰذا اُن کو افکارِ قرآنی کا حقیقی فہم قطعاً حاصل نہین ہو سکتا۔ وہ تو ہتھیلی کی جنت کو تیرہ سو سال سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہین۔ اور صورِ اسرافیل تک یہ مقلد جماعت اسی مرض مین مبتلا رہے گی۔ جیسے کہ نزولِ قرآنِ حکیم کے وقت ایسے افراد اور جماعتون کی کثرت تھی۔ وہی اس سے زیادہ آج بھی ہے! اور آیندہ بھی رہیگی۔

---

[1]۔ میرے اس دس بارہ سالہ فکر کی تائید علامہ مودودی کے "تفہیم القرآن" کے مقدمہ اور دیباچہ سے ہو رہی ہے کہ علامہ موصوف نے اسی اصول کو اپنا کر بجائے ترجمہ کے مفہومِ آیات کو بزبان "اُردو مُبین" لکھا ہے۔

[2]۔ چوتھی صدی ہجری مین ایک جماعت "اخوان الصفا" مسلمانون کے عہدِ اقتدار مین قایم ہوئی تھی۔ جو راز مین فلسفۂ یونان۔ ہند۔ اور فارس کے نظریات معلوم کر کے بلحاظ اقتضاءِ ماحول اسلام کی تعلیم کا اس کو جزو بنا رہی تھی۔ غالباً اسکے اصول آج تک اُمتِ محمدی کے ایمانیات مین نظر آتے ہین۔

مین نے جس حد تک فکر و فہم قرآنِ حکیم سے حاصل کیا ہے اسکی تعلیم کو ازابتداء تا انتہا انسانیت نوازی کیلیئے مندرجہ ذیل بنیادون پر قایم کرنیوالی پایا — وہ یہ کہ:— (۱) باپ دادا کے مذہب کی اندھی تقلید کو چھوڑ دو! — (۲) تقلیدِ جامد کی سنہری زنجیرون کو توڑ دو! — (۳) آزادیِ فکر و نظر۔ اور عقل و تدبّر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ (۴) ایک ہی ذاتِ واحد قوت یعنی خالقِ کائنات کو اپنا آقائے بے نیاز مان کر۔ اسکی غلامی کا اقرار اپنے ایمان و عقیدہ مین کامل طور پر جمالو۔ اور پوجا۔ عبادت۔ پرستش کیلیئے اُسی کو اپنا مرکز قرار دو۔ اسکے سوا سب سے انکار کردو۔ (۵) اپنی عقل۔ فکر۔ فہم اور ادراک سے کام لیکر مذہبِ انسانیت کے پیرو بن جاؤ۔ (۶) اللہ کے پاس قابلِ نفرت — اور قابلِ ذلیل۔ ”انا خیرٌ منہ“ یعنی مَین اس سے اچھا ہون“ کا تصور ابلیسی ہے۔ چاہے وہ افراد مین ہو۔ یا جماعت۔ یا قومون یا امم مین۔ (۷) اللہ کے پسند صرف کردار۔ اعمال۔ اخلاق کی اچھائی ہے۔ (۸) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان نیکیون مین ایک دوسرے پر سبقت لے جانیکی کوشش کرنے والا ثابت ہو۔ اور شرع و منہاج کے اختلاف مین نہ پڑے۔ (۹) اللہ چاہتا ہے کہ انسان بُرائیون یعنی ”المنکر“ سے کنارہ کش رہے۔ اور شر و فساد سے دُور ہوجائے۔ (۱۰) اللہ کے نزدیک اسلام (اتباعِ قوانینِ فطرت) کا مذہب ہی پسندیدہ ہے جسکو قرآنِ حکیم کے ذریعہ امن و سلامتی کے ساتھ کرۂ زمین پر اولادِ آدم کو اُنس و محبت اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ مقامِ انسانیت کیلیئے مُقدر ہونا بتلا) گیا ہے جسکو وہ قدیم دین (یعنی سناتن دھرم) کہتا ہے۔ (۱۱) اللہ تعالیٰ کا حُکم قضا رشیم یہ ہے کہ ابلیسی مذہب سے دُوری اختیار کی جائے: وہ تمام مذاہب ابلیسی ہین جن کو ذرّیاتِ شیاطین نے بصورت اقوال رہبان۔ احبار۔ پادری۔ پنڈت۔ وغیرہ یعنی پیشوایانِ مذاہب اپنی اپنی خود غرضیون کے تحت خُدا کی آیتون کے معنیٰ و مفہوم کو چند سکۂ رائج الوقت یا نام و نمود۔ اقتدار۔ اور وقار عظمت و احترام کیلیئے علمِ کلام فلسفہ منطق کے زور پر شرع و منہاج کی بُت گری۔ اور صنم تراشی کر رکھی ہے — اس پر اندھے بنکر نہ گرو — بلکہ فکر و تدبر سے اپنی اپنی مقدس کتاب کی روشنی مین اسکو جانچو سکو سمجھو سمجھو۔ اور اس پر عمل کرو۔ اسکے بعد راہِ مستقیم پر چل کھڑے ہو۔ ”وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا“ (الفرقان۔ رکوع (۶) آیت ۷۳) یعنی۔ وُہی لوگ مستحق الغامات الٰہی ہین جو اللہ کی باتون کے سمجھانے والون کے خطاب یا کتاب پر شخصیت پرستی کی وجہ متاثر ہوکر اندھے اور بہرے بنکر نہین گرتے — یعنی“ اندھی تقلید کے مقابل آزادیِ فکر سے غور کرتے ہین۔ کہ کیا فی الحقیقت یہی منشاء الٰہی ان نشانیون (آیات اللہ) کا ہوسکتا ہے۔

اس آسان اور عام فہم تعلیمِ حق کو پسِ پشت ڈال کر قرآنِ حکیم کی وایداز چار سو ہڈیان[1] اپنے مُنہ مین دبائے ہوئے ایک دوسرے پر غراتے نظر آرہے ہین؛ اور غیر شعوری طور پر غیر حاملینِ قرآن اسکا مغز حاصل کرکے وہی نتائج حاصل کر رہے ہین جس کا وعدہ قرآنِ حکیم نے اپنے بتلائے ہوئے اصولون پر کاربند رہنے والون کے ساتھ کیا تھا — اور ہم ”انا خیرٌ منہم“ کے ابلیسی تصور مین پھنسے ہوئے ہتیلی کی بہشت کی سیر کر رہے ہین۔

اگر میرے افکار کو بنیادون پر موجودہ صدی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ دماغ اپنی ریسرچ کی بنیادین قایم کرکے حقیقت کی تلاش و جستجو کرین تو بلاشبہ وہ قرآنِ حکیم کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دینگے؛ اور ڈھائی ارب انسانیت کے لئے وہ مذہبِ انسانیت یعنی دینِ اسلام جو خدا کا پسندیدہ دین ہے اسکی راہ نمائی کیلیئے خضرِ راہ قرآنی ثابت ہوکر حیاتِ جاوید حاصل کرلینگے۔

---

[1] محققین نے اسلام کے چار سو سے زیادہ فرقے گنوائے ہین۔ یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

چونکہ اس عظیم الشان کام کیلئے نزولِ قرآن کے زمانے کی طرح جد و جہد کی ضرورت موجودہ ماحول کے اصولوں پر لازمی ہے بغیر اسکے یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔ اسلئے نوجوان نسلِ انسانی ہی اس انقلاب کی علمبردار بن سکتی ہے۔ نہ کہ فرسودہ تقلیدِ جامد کے پرستار۔ لہذا آخر میں نوجوان نسل سے میری التجا ہے کہ وہ اقبال مرحوم کے پیام کو دہراتے ہوئے قرآن کو پہچان کر سمجھیں اور انقلاب کیلئے آگے قدم بڑھائے چلیں :۔

جس میں نہ ہو انقلاب ۔ موت ہے وہ زندگی ؛؛ روحِ اُمم کی حیات ۔ کشمکشِ انقلاب

صورتِ شمشیر ہے ۔ دستِ قضا میں وہ قوم ؛؛ کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

"كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ" (یونس ۔ رکوع (۳) آیت ۲۴)۔ "صاحبانِ غور و فکر کیلئے قرآن اپنی باتوں کو اس طرح واضح کرتا ہے"۔

کہنے سے تھا ہمیں سروکار ۔ ؛؛ اب مان نہ مان تو ہے مختار

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

پس منظر نزولِ قرآنِ حکیم

فکر و فہم قرآن حکیم کیلئے اس بات کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ آج بیسویں صدی کے تاریخی تحقیقات نزولِ قرآن کے وقت یا اسکے پہلے زمین پر بسنے والے آدم زاد کی تاریخ کیا بیان کر رہے ہیں ؟۔ ہماری زمین آفتاب کا ایک ٹکڑا ہو یا مثلِ دیگر سیارگان کے علیحدہ وجود میں آئی ہو۔ اسکا تعلق تو سائنس کے مسلمات سے ہوگا۔ لیکن یہ بات تو قابلِ فہم ضرور ہے کہ کرۂ زمین پہلے گیاس کی تپش سے لاکھوں درجہ کی حرارت رکھتا تھا۔ جو رفتہ رفتہ لاکھوں برس میں اس قابل بنا کہ اس پہ نباتات اور حیوانات باحیات ۔ نمو پا سکیں ۔ پھر اسکے ہزاروں سال بعد آدم کے تحفظ کی صلاحیت اس میں پیدا ہوئی تو قدرت نے آدم کی تخلیق کی ۔ جس کے بعد آدم زاد کو بھی نہ معلوم کتنے ہزار سال لگے ہوں گے کہ وہ منازلِ ارتقائیہ و ماتحی طے کرتے ہوئے مقصدِ تخلیق ۔ یعنی شعورِ انسانیت کے زینہ پر قدم رکھا یعنی آسائشِ جنت سے دُنیاوی مسرت و شادمانی ۔ رنج و محن کے فطری جذبات و احساسات کو نمایاں کرنے کیلئے (یعنی ہبوط) کی منزل میں داخل ہوا۔ اُسی وقت اسکی قوتِ فکر کا بلوغ ہوا۔ اور اللہ کی روح کا ایک جزو اسمیں پھونک دیا گیا۔ یعنی عطا ہوا۔

اسطرح جب شعور اُس میں نمو پایا ہوگا تو اسکے ابتدائی قوتِ فکریہ نے آفتاب کو اس کرۂ زمین کی سب سے بڑی قوتِ ربوبیت سمجھ کر اسکے آگے سجدہ ریز ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ اسکے طلوع ہوتے ہی آدمی کے تمام دشمن (یعنی درندے ۔ اور سانپ بچھو ۔ زہریلے کیڑے وغیرہ) بھاگ جاتے تھے۔ گویا اسکی روشنی نہ صرف کرۂ زمین کو منور کر دیتی تھی بلکہ آدمی کو بھی ایک نئی زندگی بخشتی تھی ۔ وہ سب کچھ دیکھتا تھا اور روشنی میں عمل کیلئے قدم بھی آگے بڑھائے چل سکتا تھا۔
اسی لیئے اسکی آمد کے مسرت میں اسکا خیر مقدم سجدوں سے کیا جاتا ۔ اور غروب ہونیکے وقت سربسجود ہو کر منتیں بجا لاتے کر

پھر جلد اپنی روشنی سے ہماری مدد کی جائے ۔ تاکہ دشمنوں سے نجات حاصل ہو ۔

نہ معلوم انسان کو آگ جلانے کا طریقہ کب معلوم ہوا ۔ کہ اُس نے آگ کو فوراً سورج دیوتا کی بیٹی مان لیا ۔ کیونکہ اس سے بھی بڑی حد تک تاریکی دُور کرنے میں اسکو مدد مل رہی تھی اور اسکے دشمنوں کیلئے بھی آگ انکی دشمن ثابت ہو رہی تھی ۔

چنانچہ قدیم زمانہ کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر قوم اور مُلک میں آگ نہ صرف باعثِ خوف رہی بلکہ قابلِ احترام و تقدس بھی بنی رہی جسکی وجہ وہ قابلِ پرستش یعنی "معبود" بنالی گئی ۔ اہلِ ہنود کی قدیم پوجا "اگنی ہوترا" اور ایران کا معبود "آتشکدہ" ۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے قربانی کا وہ طریقہ جو بنی اسرائیل کو توراۃ میں بتلایا گیا تھا ۔ یہ سب کچھ آگ ہی کے تقدس کا ثبوت ہیں ۔ چنانچہ آج تک موسیٰ کی اُمت کی قربانی جو عین صلاۃ موسوی ہے ۔ ۔ ۔ اہلِ ہنود کی عبادت میں بھی ان کا عکس نظر آتا ہے ۔ ۔ ۔ اٹھارھویں صدی عیسوی تک بھی اس دیوی کی خوشنودی کیلئے ۔ یا ۔ اللہ کو اور اسکے فرشتوں کو قربانی کے جلنے کی بُو پسندیدہ سمجھکر زندہ انسان ۔ حیوان ۔ اور مختلف خوشبویات ۔ روغن وغیرہ آگ میں ڈالی جاتی تھیں : اور آج بھی تمام مذاہب میں بوقت عبادت خوشبویات جلانے کے طریقے موجود ہیں ۔

اسکے بعد پھر ۔ ۔ انسان ۔ ۔ ۔ پتھر کی سختی کو محسوس کر کے اسکے ہتھیار بنانے لگا ۔[1] اس طرح یہ دَور بھی ہزاروں سال اپنے منازلِ ارتقاء کو طے کرتا رہا ۔ اور پھر اس نے لوہے[2] کے استعمال کو (علمِ الٰہی کے اشارات سے) فکر و فہم میں لاکر ایک اونچے مقام پر اپنی ارتقائی منزل کو پالیا ۔ جسکی وجہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق میں فکرِ معیشت ہی کیلئے نہیں ۔ بلکہ شجر ۔ حجر ۔ حیوانات اور درندوں پر قابو پائے اُس کا استعمال شروع کر دیا ۔ جسکے ساتھ ہی اسکا مقامِ انسانیت اور مقصدِ تخلیق اُجاگر ہونے لگا ۔ پھر اس نے رفتہ رفتہ صحرا نوردی کو ترک کر کے ایک مقام پر سکونت کرنے کو ترجیح دی ۔ ۔ اس طرح اس نے کرۂ زمین کے مختلف چھوٹے بڑے حصوں میں اپنی سکونت اور معیشت کی ضرورتوں کو محصور کرنا شروع کیا ۔ اسکے ساتھ ہی قدرت نے (مقصدِ تخلیقِ انسانیت کیلئے شعور کو بیدار کر دینے کے بعد) انسان کو اپنی قوم کے صاحبِ فکر و غور ۔ عقل و خرد کو اپنا بزرگ بنا لینے کیلئے ہدایت نافذ کرنا شروع کر دی ۔ جو رفتہ رفتہ خاندان سے قبیلہ ۔ اور قبیلہ سے تمام قوم کیلئے ایک سردار بنا کر اسکے تابع ہو جانے کی فطرتِ انسانی ظہور پذیر ہونے لگی ۔ چونکہ قدرتِ الٰہی انسانیت کی تخلیق کے ساتھ ہی اسکی سنوار ۔ ہدایت ۔ اور تقدیر کی بھی ضامن ہے ۔ اسلئے ہر قوم میں مختلف مدارج کے مامور من اللہ پیدا ہونے لگے جنھوں نے دیوتاؤں اور شیطانوں ۔ اور بھوتوں کے ظنی و ذہنی تصورات کو اپنی خداداد وحیِ الٰہی کے ذریعہ عوام کے معیارِ عقل و فہم کے لحاظ سے ان کی اصلاح ۔ اور امن و سلامتی سے زندہ رہنے اور دوسروں کو زندہ رکھنے کیلئے چند قواعد و ضوابط بتا دیئے ۔ جو اِس زندگی اور مرنے کے بعد کے حالات میں انکے لئے باعثِ خوشخبری و ڈراوے ہو سکتے تھے ۔ ایسے مامور من اللہ ۔ باقی قوم کی جانب سے اوتار ۔ نبی ۔ رسول ۔ کا لقب حاصل کر لیتے تھے ۔ یا راجہ اور پرجا کے تقسیم کا باعث بن جاتے تھے ۔

ہر قوم اور ہر مُلک کے حالات کے لحاظ سے اُس وقت کے مامور من اللہ ۔ ۔ ۔ اپنی اپنی قوم میں ریت ۔ رواج ۔ عبادات ۔ معاملات ۔ سیاسیات ۔ اخلاقیات ۔ بہر حال تمدن و معاشرت کیلئے مختلف طور طریق بتلاتے رہے ۔

اس سلسلہ میں بعض سیاہ باطن انسانوں کو بھی قیادت کا موقع ملتا رہا ۔ جن کو اگر مامور من الشیطان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔

---

[1] قیاسی تاریخ بتلاتی ہے آج سے تیس یا چالیس ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے ۔ [2] دوسرا دَور دس پندرہ ہزار سال پہلے کا کہا جاتا ہے ۔

جس کی وجہ ہمیشہ اصلی حقیقت اور ہدایتِ الٰہی کی تعلیم پر شرو فساد کے سیاہ پردے پڑتے ہی رہے۔ جس میں زیادہ تر گندم نما جو فروش اپنے کو پروہت ۔ پنڈت ۔ احبار ۔ رہبان ۔ وغیرہ کے ناموں کے ساتھ موسوم کرکے خود کو عوام اور اللہ کے درمیان واسطہ ٹھیرا کر۔ سب سے پہلے فکرِ انسانی کی آزادی کو اپنی غلامی کے آہنی زنجیروں پر سونے کا ملمع کرکے جکڑ لیا۔ جس میں بڑے بڑے صاحبانِ اقتدار رہے۔ اور بادشاہ اور صاحبانِ فکر و فہم بھی فلسفۂ اجتماع کے تحت گرفتار ہو کر آزادیِ فکر کو کھو بیٹھے۔

چونکہ اس طبقہ نے اپنے فکر و فہم سے بعض سائینسی نظریات (شعوری یا غیر شعوری طور پر حاصل کرکے اُس کو رازِ سربستہ بنالیا تھا) سحر۔ جادو۔ قیافہ۔ حکمت۔ قوتِ ارادی۔ شعبدہ بازی۔ وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نہ صرف اپنی قوم کے عوام کو۔ بلکہ صاحبِ اقتدار ہستیوں کو بھی مرعوب و مسخر کرلیا۔ تو۔ ظاہر ہے کہ میدان انکے ہی ہاتھ میں تھا۔ پھر انھوں نے عوام اور خواص کو اس علم کے راز سے قطعاً محروم رکھنے کے تدابیر اختیار کئے۔ اور اپنی خاص اولاد کے سوائے اس میراث رازِ سربستہ کو کسی دوسرے تک پہونچنے بلکہ اسکی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس طرح کرۂ زمین کی انسانی آبادی کا ہر حصہ انسان کے ارتقائی ترقیوں کو آگے بڑھانے میں معذور و مجبور بنا ہوا۔ ان کی غلامی میں جکڑا رہ کر اپنی اصلی صلاحیتوں کے ساتھ زمین میں دفن ہوتا چلا گیا۔

اگر آپ تاریخ کے اوراق کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اس گندم نما جو فروش طبقہ نے۔ اللہ۔ خدا۔ پرماتما۔ یزدان ایشور کی خوشنودی کو بتلا بتلا کر جس قدر ظلم و ستم کئے اور اس زمین پر انسانی خونِ ناحق کے دریاؤں کو بہایا ہے اس کی مثال آپ کو کسی دوسری جماعت میں نظر نہیں آسکتی۔ اس جور و جفا ظلم و ستم کو آپ یہ نہ سمجھیں کہ نزولِ قرآنِ حکیم ہی کے وقت دنیا میں جاری و ساری تھا!۔ جی نہیں!۔ بلکہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے بعد بھی یورپ میں (آج دنیا کو جس زمین کی تہذیب و تمدن پر ناز ہے) جاری و ساری تھا۔ جسکے لئے ایک معمولی مثال کافی ہے کہ:۔ یورپ میں فرانس اور یونان کی عیسائی تو میں اُس شخص کو جو کسی مرض کا علاج کسی حکیم سے کرائے۔ جادوگر سمجھ کر نذرِ آتش کر دیا کرتے تھے گویا ہر مرض کا سبب بُری روح تھی۔ اور اس کا دفع کرنا چھو منتر۔ تعویذ۔ گنڈے ہی سے ہوا کرتا تھا۔ اگر کوئی مفکر آزادیِ فکر سے توراۃ۔ انجیل تو بڑی بات ہے کسی پادری کے فتوے پر کیوں؟ اور۔ کیسے؟۔ کا سوال کرتا تو اس کے لئے زہر کا پیالہ۔ یا زندہ درگور۔ یا چومنچا کر دیا جانا باعثِ خوشنودیِ خدا سمجھا جاتا تھا جسکے آگے اقتدارِ اعلیٰ یعنی بادشاہِ وقت بھی سرِ تسلیم خم کرکے فیصلہ صادر کر دیتا تھا۔

عرب کا ملک۔ بے آب و گیاہ ریگستان میں رہنے والی قوم سے آباد تھا۔ جو تمدن۔ معاشرت اور تہذیب سے نا آشنا تھی۔ جہلِ مرکب یعنی نخوت۔ غرور۔ اکھڑپن میں اپنی مثال آپ تھی۔ یہ قوم سامی النسل تھی۔ گو۔ جنوبی عرب میں بعض سلطنتیں تہذیب و تمدن کی علمبردار تھیں۔ جیسے عاد و ثمود۔ اور سبا وغیرہ۔ اور شمال و مشرق و مغرب بھی تہذیب کا گہوارہ تھے مگر۔ ریگستانِ عرب کا وہ حصہ جو مکہ کہلاتا ہے وہاں کے رہنے والے خانۂ کعبہ کے اطراف ہی جہل و نخوت کو لئے ہوئے گھوم رہے تھے۔
ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہاں ایک روشنی اچانک پیدا ہوئی۔ جس کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں ہوسکتا تھا وہ روشنی کیا تھی؟ وہ قرآن ازم! جس کو محمدؐ بن عبداللہ نے بہ حیثیت بنی اسمٰعیل کے اوّل و آخر نبیؐ و رسولؐ ... حکمِ وحیِ الٰہی کو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ:۔ (۱) خدا اپنے تمام بندوں کا بے غرض آقا و پالن ہار۔ رب۔ کریم ہے۔ جس کی مثال

دُنیا میں کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ اُس کو سب ہی بندے یکساں پیارے ہیں ۔ وہ "علق" (یعنی مادۂ محبت اور باہمی تعلق) کے ذریعہ انسان کو پیدا کر کے روزِ ازل ہی میں اسکو اُسکا مقصدِ تخلیق بتلا دیا کہ سب مِل کر ایک ہی تصور کے تحت اپنی زندگی کو پوری کریں کہ سچی انسانیت سے اچھی دُنیا پیدا ہو جائے۔

(۲) الف :۔ دوسرا اعلان یہ تھا کہ :۔ یاد رکھو! وہ سب کی بلا واسطہ سُنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے! وہ سب کا رزق اور ضروریات، زندگی پوری کرتا ہے! ایسی حالت میں ذہنی و ظنی غلامی کے طوق جو تمہارے پیشوایانِ مذہب نے تمہاری گردنوں میں ڈال رکھے ہیں۔ نکال کر آزادیٔ فکر کے میدان میں کود پڑو۔

دیوتاؤں ۔ اچھی بُری روحوں کے نفع و ضرر کے آبائی غلط تصورات و عقاید کو چھوڑ دو۔ عقل و خرد۔ اور آزادیٔ فکر سے کام لیکر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو سنوار لو۔

ب :۔ یہ غلط ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا اُٹھائے گا ۔ قانونِ مکافات ایسا نہیں ہے ہر فاعل کے فعل کے نتائج صرف اسی کیلئے ہوں گے۔ دوسرا کوئی اس کو اُٹھانے والا نہیں ہو سکتا۔ ایک کا بوجھ دوسرا اُٹھائے۔ یا کفارہ کی قسم کا تصور ایک حسین فریب ہے۔ دھوکہ ہے ۔ اور شیطانی کید ہے ۔ ظلم ہے۔ سُنت اللہ۔ یعنی قانونِ قدرت کا حقیقی انصاف تو یہی ہے جو جیسا کرے ویسا پائے ۔ اور موت کے بعد دوسری زندگی میں ہر فرد۔ اور قوم کی جواب دہی اپنے خالق کے اجلاسِ انصاف پر لازمی ہوگی۔ پس آزادیٔ فکر کی روشنی حاصل کر کے اندھی تقلید کی تاریکی سے باہر نکل آؤ!

یہ تھا اعلانِ حق جو محمد عربی صلعم نے قومِ عرب کے سامنے پیش کیا ۔ جسکی مخاطب کرۂ زمین کی ہر قوم تھی۔

موت کے بعد پھر زندہ ہونے کا تصور غالباً چار ہزار سال (ق م) نوحؑ کے زمانہ میں شعورِ انسانی میں پیدا ہوا ہوگا۔ کیونکہ ایسے چند قدیم اسکول تاریخ قدیم میں نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ۔ تصورِ تناسخ ـــــ کہ۔ انسان مرتے ہی اس کو روح اپنی زندگی کے اچھے۔ یا بُرے نتائج حاصل کرنے کیلئے دوسرا جسم اختیار کر لیتی ہے یہ مکتبِ خیال۔ مصر۔ ہند۔ یونان۔ ایران کا بہت قدیم تصور کہا جاتا ہے۔

دوسرا گوتم بدھ نے بار بار پیدا ہونے کو عذاب کہہ کر۔ ایک ذاتِ واحد میں فنا ہو جانا۔ پھر دوسرا جسم نہ لینا بتلایا۔

تیسرا مکتبِ خیال۔ مرنے کے بعد پھر کسی طرح بھی زندگی کی نفی کرتا ہے ۔ اور جواب دہی کا منکر ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں "قرآن اتم" نے ایک "نجھا ہوا مکتبِ خیال حشر و نشر کا اہلِ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور بتایا کہ ایک دن سب کو اپنے خالق کے سامنے حاضر ہو کر اپنی زندگی کے اعمال کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ چونکہ خالق نے انسانیت کے فرائض مقرر کر دیے ہیں۔ اور انسان کو اپنے اعمالِ نیک و بد کے ارادے اور عمل میں مختار کر دیا ہے۔ چونکہ کائناتِ عالم میں ایسا اختیار کسی مخلوق کو نہیں ملا اسلئے اس کو اپنے آقا کے سامنے جوابدہ ہونا لازمی ہے۔

پھر محمد عربی صلعم نے بزبانِ وحیٔ الٰہی اس بات کا اعلانِ عام کر دیا کہ :

"تاریخِ انسانیت سے ہر قوم میں اُس کی زبان جاننے والے سیکڑوں ہادی۔ نبی۔ رسول ـــ اور مصلحانِ قوم پیدا ہوتے رہے ہیں۔ میں کوئی نیا مدعیٔ نبوت تو ہوں نہیں۔ بنی اسحاق میں تو سیکڑوں نبی آچکے ہیں

جن کو تم مانتے بھی ہو۔ چونکہ بنی اسمٰعیل میں آج تک کوئی نبی یا رسول نہیں آیا اسلئے میں تمہاری اصلاح کے لئے مامور من اللہ ہوں۔ اور میری تعلیم تمہارے لئے مختص نہیں بلکہ وہ انسانیت نواز ہے۔

میں تمام اقوام عالم کو پیشوایانِ مذاہب کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے آیا ہوں۔ ہر قوم۔ اور ہر فرد کو انسانیت کے پیدائشی حقِ آزادی سے سرفراز کر کے ان پیشوایانِ مذہب کی غلامی کا جوا تمہاری گردنوں سے نکلوا دینے کا پیام لایا ہوں۔ کہ ہر شخص اپنے فکر و فہم عقل و خرد کی حد تک اپنے اعمال کا تنہا ذمہ دار ہے۔

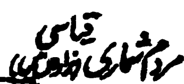
چونکہ ہر مامور من اللہ کو ان ذریاتِ شیطان نے جھٹلا کر نا حق قتل کرنا اپنا فرض سمجھا اور شفاعت و کفارہ کے حسین فریب کے جال میں انسانیت کو پھانس کر ظلم و استبداد کا طوفان برپا کر دیا۔ لہذا آج میرے پیام حق پر کان دھر کر آزادیٔ فکر حاصل کر لو۔ اور اندھے مقلدین کی طرح ظالم مت بنو۔

یاد رکھئے کہ گذشتہ تمام مذاہب نے کرۂ زمین کی تمام انسانیت کو شیطانی گورکھ دھندوں یعنی جوتش۔ احبار۔ رہبان۔ سرمایہ دار۔ آقا۔ ساحر۔ پروہت۔ وغیرہ کی غلامی سے آزادی حاصل کر لینے کی تعلیم اس طرح نہیں دی کہ وہ عام فہم ہو۔ اور ہر انسان کے عقل و خرد کو آسانی سے اپیل کرے جیسے کہ قرآن اعظم نے دی جس کی شہادت آپ کو آج بھی ہر مذہب کی مقدس کتاب دے گی۔ گو حاملینِ قرآن اعظم نے اصلی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ وہ بھی دنیا کے ساتھ ہو گئے اور پیشوایانِ مذہب کی غلامی کا ایک مذہب انھوں نے بھی اختیار کر لیا۔ جس کی وجہ آج نزولِ قرآن اعظم کی اصلی تعلیم کا کوئی مرکز کرۂ زمین پر نظر نہیں آ رہا ہے تو یہ ذمہ داری قرآن اعظم کی تعلیم پر عاید نہیں ہو سکتی۔ اور نہ معلم تعلیم قرآن اعظم صلعم پر۔

قبل اسکے کہ آپ قرآن اعظم میں فکر و فہم کا انصاب آغاز کریں۔ ساتویں صدی عیسوی کا نقشہ نصف کرۂ زمین کو ملاحظہ فرما کر اپنی یاد داشت میں اس کو جگہ دیجئے۔ اور اس بات کو پیش نظر رکھئے کہ نزولِ قرآن اعظم کے وقت دیگر ممالک کے اقوام کس کس مذہب کے پیرو تھے۔ اور عرب کے اطراف کون کون سے مذاہب موجود تھے۔ تا کہ تعلیم اسلام کی حقیقت آسانی سے آپ کے فکر و فہم میں جاگزیں ہو جائے۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۹۶ پر نقشہ محولہ صدر)

نقشہ ۱۹ مذاہب عالم نصف کرۂ زمین ساتویں صدی عیسوی



علامات

مقام بعثت انبیاء و مرسلین جنکی صراحت قرآن میں ہے

حدود مملکت

M. S.

0 100 200 300 400 600 800 MILLION MILES

نمبر	ملک کا نام	مردم شماری (لاکھوں میں) قیاسی
۱	افریقہ	۶۰۰
۲	مصر	۴۲۶
۳	عرب	۲۱۰
۴	عراق	۸۴
۵	روما	۳۰۰
۶	یورپ	؟
۷	فارس	۳۴۰
۸	افغانستان	۴۲۰
۹	بلوچستان	۱۶
۱۰	ہند	۱۰۵۰
۱۱	تبت	؟
۱۲	سائبیریا	۴۲۰۰
۱۳	منگولیا	؟
۱۴	منچوریا	؟
۱۵	جاپان	۲۱۰۰
۱۶	چین	۱۳۵۰۰
۱۷	برما	۴۴۰
۱۸	انام و سیام	۳۰۰
۱۹	ملایا	۵۱
۲۰	سماٹرا	
۲۱	بورنیو	؟
۲۲	نیو گنی	؟
۲۳	آسٹریلیا	۴۵۰
۲۴	سیلون	۱۵۹
۲۵	مڈغاسکر	۱۱۱

نوٹ - چونکہ سابقہ مردم شماری کا مواد نہیں ملسکتا۔ اسلئے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری سے ۹۷٪ کم کرکے ساتویں صدی عیسوی کی آبادی کا تخمینہ کیا گیا ہے -

تصریحات مذاہبِ اہلِ ملک متعلقہ نقشۂ عالم صفحہ (۹۶)

(سنہ ۶ء)

(۱) افریقہ۔ مشرق وجنوبی حصہ جس کو سلطنتِ اکسوم یا حبشہ کہتے تھے۔ عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ مغربی شمالی حصہ تقریباً غیر متمدن بُت پرست تھا۔ (۲) مصر۔ مصر کا اصلی مذہب تو اوسی رس ازم تھا۔ اور گائے کا تقدس۔ و۔ نیز فرعون کو خدا کا اوتار مانا جاتا تھا۔ سلطنتِ روما کے تسلط کی وجہ عیسائیت کا مذہب عام تھا جس مین مجوسیت بھی شامل تھی۔ (۳) عرب۔ حجاز کا اصلی مذہب ابراہیمی تھا۔ خانۂ کعبہ کو ہندو موگہ (یعنے نجات کا مقام) اور ایرانی مہ گہ (یعنے چاند کا مقام) کہتے تھے اور مقدس مانتے تھے۔ خطۂ عرب مین مختلف مذاہب کے پیرو تھے۔ یہودی۔ عیسائی۔ بُت پرست اور مجوسی۔ اس طرح تمام مذاہب کے پیرو بحیثیت مجموعی تھے۔ اہلِ مکہ کو اُمی کہا جاتا تھا۔ (۳۔۴) عراق۔ انی میزم تو قدیم مذہب تھا۔ اہلِ بابل آفتاب اور بُت کے پرستار تھے۔ مزدیسنایت کے پیرو بھی تھے۔ زرتشت بھی اسی سلسلہ کے تھے۔ مزدیسنائیت مین عبادت وغیرہ کے طور طریق مثل اسلام کے تھے۔ یہ میدیون کا مذہب تھا۔ (۲۔۴) شام و فلسطین۔ بنی اسرائیل کی سلطنت تباہ ہو چکی تھی۔ سلطنتِ روما کے تسلط کی وجہ مذہبِ عیسائیت کا غلبہ تھا۔ یہودی اپنا مذہب پوشیدہ رکھتے تھے۔ یا مختلف ممالک مین بٹے ہوئے تھے۔ (۵ و ۶) روما و یورپ۔ عیسائیت کا مذہب تھا جس مین تثلیث کا تصور تھا۔ اور تمام زیرِ تسلط ممالک بھی عیسائیت کے علمبردار تھے۔ (۷) ایران۔ زرتشت کا مذہب مختلف ادوار سے گزر رہا تھا۔ خیر کا خدا ۔۔۔ اور شر کا خدا۔ مرکزِ تصور تھا۔ آگ معبود تھی۔ بُدھ ازم۔ عیسائیت کے نظریات بھی جزوِ مذہب بنے ہوئے تھے ۔۔۔۔

(۱۰) ہندوستان۔ سناتن دھرم یعنے دینِ قدیم۔ آریون کا مذہب تھا۔ برہمن ازم جس مین دیوتا (یعنے فرشتون) اور سیارگان کو معبود بنا کر پرستش کی جاتی تھی۔ اوتار۔ یعنے خدا کے انسان مین حلول کا عقیدہ تھا جس کی وجہ اوتارون کی مورتی پوجا ہوا کرتی تھی۔ آگ کی پوجا اگنی ہوتر کے نام سے خاص عبادت تھی۔ بُدھ ازم بھی اشوک اعظم کی وجہ پھیلا ہوا تھا۔ خواص ویدانت یعنی تصوف کے مکتبِ خیال کے حامل تھے۔ مگر عوام کے لئے وحدت الوجود۔ یا۔ وحدت الشہود کا فلسفہ ناقابلِ فہم تھا اس لئے زیادہ تر بُت پرستی تھی۔ بُدھ مت مین مورتی پوجا کی سخت ممانعت تھی۔ مگر عوام نے گوتم کی مورتی پوجا کو داخلِ عبادت کر لیا تھا۔ بعض عرب مورخین ہندو قوم کو "صابی" تسلیم کرتے ہین۔ (۱۶) چین۔ کنفوشے۔ لاؤتزے۔ یہ ہر دو مصلحانِ قوم بُدھ ازم کے نظریات کے حامل تھے۔ اسلئے چین مین بُدھ مت تھا۔ (۲۴) سیلون۔ بُدھ مت کا پیرو تھا۔

مندرجہ ذیل ممالک مین کونسے مذاہب رائج تھے اس سے مین لاعلم ہون۔ غالباً یہ سب بُت پرستی کی طرف مایل تھے۔ (سنہ ۶ء مین)
(۸) افغانستان؟ (۹) بلوچستان؟ (۱۱) تبت؟ (۱۲) سائیبیریا؟ (۱۳) منگولیا (۱۴) منچوریا (۱۵) جاپان؟ (۱۷) برما؟ (۱۸) انام و سیام؟ (۱۹) ملایا؟ (۲۰) سوماترا؟ (۲۱) بورنیو؟ (۲۲) نیوگنی؟ (۲۳) آسٹریلیا؟ (۲۵) مدغاسکر؟

اساسِ خطابِ قرآنِ حکیم

ہر وہ شخص ۔ جو کچھ سوجھ بوجھ کی صلاحیت اپنے دماغ میں رکھتا ہو ۔ اگر قرآنِ حکیم کا فہم حاصل کرنا چاہے تو اس کو سب سے پہلے قرآن کے تقدس واحترام کی حقیقت ذہن نشین کرلینا ہوگا ۔ قرآنِ حکیم کا اعلیٰ احترام ۔ اور اس کا تقدس دراصل اس کے مضمون کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے میں ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ :۔

پڑھو! ۔ سمجھو! ۔ اور عمل کرو!

اس کو محض رٹ لینا ۔ اور چوم چاٹ کر ۔ چاندی سونے کے جزدانوں میں بند کرکے ۔ محراب و منبر پر رکھ دینا ۔ احترام نہیں ہے ۔ بلکہ ان طریقوں کو قرآن ظلمِ عظیم سے تعبیر کرتا ہے ۔

پھر اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ۔ قرآن کا نزول اپنے مخاطبین کے ظنی وذہنی تصورات ۔ عقاید و ایمانیات کے ماحول میں ۔ ان کو خوشخبریاں سُنا کر اچھے اعمال کیلئے ترغیب و تحریص دلاتا تھا ۔ اور بداعمالیوں کے نتایج سے ڈراتا ۔ اور دھمکاتا تھا ۔ اور ہے ۔ وہ کسی واقعۂ ماضی کا ذکر کرتا ہے تو اس واقعہ کا ریسرچ کر کے اصلی حقیقت کو ثابت نہیں کرتا ۔ بلکہ ان واقعات کو جو مخاطب قوم کے ذہن و فکر میں موجود تھے ۔ سلجھے ہوئے طریقہ پر سُنا کر عبرت دلاتا تھا ۔ یا جب وہ کسی اختلافی واقعہ کو بیان کرتا تھا تو صُلح کُن پالیسی کے تحت نزاعات کا سدِّ باب کردینا اسکا اصل مقصد ہوا کرتا تھا ۔ کیونکہ اگر وہ ایک مابہ النزاع مسئلہ کی حقیقت کو آشکارا کرکے حقیقتوں سے پردہ اُٹھا دیتا تو ایک تیسری پارٹی خود اسکی ہو جاتی ۔ اس طرح اسکا اہم مقصدِ اصلاح بحث و مباحث ۔ ثبوت و تردید کی جھنجھٹ میں نتایج کامیابی کو کھو دیتا ۔ چونکہ اُس کا ایک ہی اعلیٰ مقصد تھا کہ وہ انسان کو تقلیدِ جامد کی تاریکی ، اور باپ دادا کے ظنی و ذہنی مذہب پرستی کی غلامی سے نجات دلا کر آزادیِ فکر کا فطری حق دلوادے جسکے بعد انسانیت اپنے فکر و عقل سے سب حقیقتیں خود ہی معلوم کرتی چلی جائے ۔ چنانچہ آج بھی وہ اپنے عالمین ۔ اور کرۂ زمین کے تمام انسانوں کو اس مقصد و مدعا کی طرف دعوت دے رہا ہے ۔

قرآن کے تمام عبرت آمیز قصص ۔ اور جنت و دوزخ کی خوشخبریاں یا ڈراوے کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے آپ کسی کوردہ میں رہنے والے آدمی ۔ یا کسی بچے کی تربیت کیلئے اسکے فہم و ادراک ۔ اور اسکے محدود معلومات ہی کو اسکے سامنے پیش کرکے نصیحت کے ذریعہ مسرت یا خوف دلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر اس کو سمندر ۔ یا کسی ساگر کا نام لیکر کہیں کہ تو ایسا کرنے سے اُس میں ڈوب مرے گا تو اسکے سمجھنے کی کوئی بات نہ ہوگی ؛ برخلاف اسکے آپ کہیں کہ باؤلی میں ڈوب مرے گا تو آسانی سے سمجھ جائے گا ؛ اسی طرح اگر کسی تصادم سے ڈراتا ہو تو ۔ موٹر ۔ اور ٹینک کا نام لیتا تو وہ خاک بھی نہ ڈرے گا ؛ بلکہ بندری ۔ یا شیر کے نام سے وہ کانپ اُٹھے گا ۔ راحت و آرام کیلئے آپ اسکو سیب انار ۔ اور شربت ۔ سوٹ ، موٹر ۔ اور ایوانِ شاہی کی مثال دیں تو وہ کیا سمجھ سکتا ہے اسکو بہترین سیتا پھل ، بیر ، اور عمدہ مکان ، مثل سیندھی کے میٹھا پانی ۔ اور بہترین کھاچہ ۔ اچھے بیلوں کی مثال دیں تو یا سکے لئے ایک خاص ترغیب و تحریص کا باعث ہوں گے ۔ ایک بچے کو شاہی اقتدار کا تصور ۔ لڈو ۔ اور مزیدار مٹھائی ہی سے

لطف اندوز کرسکتا ہے۔ نہ کہ تاج و تخت کے ذریعہ اقتدارِ اعلیٰ کا۔ بس۔ قرآن حکیم نے ریگستانِ عرب کے بدوی و وحوش۔ خانہ بدوش اُمیون کو ان کے تصورات اور ماحول۔ ان کے تلقی و ذہنی عقاید کے ذریعہ (جو تاریخ پیدائش سے ان کی گھٹی مین پڑے تھے۔ اور ہزارون سال سے ان کی نسبی و نسلی میراث تھے) ڈراوے اور خوشخبریون کیلئے وحی مین الفاظ اور جملے استعمال کئے۔ جس کا مدعا و مقصد سوائے اسکے کچھ نہ تھا کہ ان مین آزادیٔ فکر کی صلاحیت اُجاگر کردی جائے۔ اور وہ خود بخود وہ اپنے فکر، فہم و خرد سے انسانیت کا اعلیٰ مقام حاصل کرلین۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک دوسری مثال پر بھی آپ فکر کیجیے کہ۔ آپ کسی گوردہ مین جہان پر مسلم آبادی موجود ہے لیکن وہ غیر مسلم ریت رواج مین رنگی ہوئی حضرت پیرانِ پیر کو پوجتی ہے۔ اسکی اصلاح کیلئے جاتے ہین۔ تو کیا آپ مخاطبین کو اِس طرح خطاب کرین گے کہ:۔ "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک انسان تھے مثل ہمارے۔ وہ خود نہین جانتے کہ خدا اُن کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے۔ اور نہ ہم ان کو مثل انبیاءؑ و مرسلینؑ۔ اور عشرۂ مبشرہ کے معصوم اور جنتی ہونیکا یقین کامل کرسکتے ہین۔ لہذا تم ان کو چھوڑو۔ اور محمد عربی صلعم جن پر خدا نے قرآن نازل کیا ہے۔ انکی پیروی کرو۔"
غور کیجئے کہ آپ کی تقریر کے آغاز ہی مین مجمع برخاست ہوجائے گا۔ اور مقصدِ اصلاح ختم ہوجائیگا۔ برخلاف اس کے آپ پیرانِ پیر کا نام لیکر، اور ان لوگون ہی کے باطل و مشرکانہ تصورات کو پیش کرتے ہوئے ان کو خوشخبری دینگے اور ڈرائینگے تو آپ کا مقصدِ اصلاح اس طرح پورا ہوسکتا ہے کہ ایک دو صاحبِ غور و فکر اس گاؤن مین آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوجائینگے۔
اور دھیرے دھیرے انکو دیکھکر چند سالون بعد دیگر چند نفوس پیدا ہوجائینگے اور اسطرح ایک جماعت سنور جائے گی۔

غور کیجیے کہ قرآن کی روشنی مین آنحضرت صلعم نے نہ صرف اس طریقہ کو تبلیغ و احکام امر و نہی مین ہمیشہ ملحوظ رکھا بلکہ ہمیشہ ارشاد فرماتے تھے کہ:۔ "مخاطبین سے انکے فکر و فہم، عقل و خرد کے مطابق کلام کیا کرو (تکلمون الناس علیٰ قدر عقولھم)"۔
دیکھا آپ نے نزولِ وحی قرآنی کے پند و نصائح کا وہ نصاب جو معلمِ قرآن صلعم نے (۲۳) سال مختلف ادوار، اور جماعتون کی تربیت کیلئے سنا کر انکو تہذیب و تمدن سے ایک آراستہ قوم بنادیا، کن بنیادی حقیقتون کا انکشاف کررہا ہے!۔

اب غور کیجئے کہ اس ابتدائی نصاب کو ہم دماغِ انسانی کے بلند و بالا ارتقاء کی کڑی پر لے جانا چاہتے ہین۔ اور کہتے ہین قرآن مین ہر قسم کے علم و فن کے نظریات موجود ہین۔ "عقل انگشت بدندان کہ اِسے کیا کہئے!" — کوئی اُردو کی پہلی کتاب کو لے کر اپنی نکتہ سنجیون کی داد حاصل کرنا چاہے جو اس مین بھی سب کچھ اس کو نظر آنے لگا۔ وہ کونسا فن۔ یا علم۔ یا سائنس کا نظریہ ہوگا۔ جو کسی نقطہ کو لے کر آپ علم کلام و فلسفہ و منطق کے دریا بہاتے ہوئے ثابت نہ کرینگے۔ پھر کیا مصنف نے پہلی کتاب بچون کو اسی قسم کے نظریات کے سمجھنے۔ یا سمجھانے کیلئے لکھی تھی ؟ — نہین! — اسکا مقصد تو صرف اس قدر تھا کہ بچون کو ان کی دلچسپیون کے لحاظ سے علمی استعداد کے پروان چڑھانے کا موقع ملے۔ چنانچہ وہ بچے آیندہ چل کر بڑی بڑی ڈگریون کے حامل ہوگئے۔

چونکہ ہم اللہ کو علیم و خبیر سمجھ کر قرآن حکیم اسکا کلام ہونیکی وجہ ہر چیز کو ہم اس مین تلاش کرتے ہین۔ اسلئے ہم کو صحیح راستہ نہین ملتا۔ ایک دنیوی مثالی علیم اور خبیر کی ایسی بھی تو ہے کہ ایک اعلیٰ ریاضی دان جب اپنے بچے کو گنتی سکھلاتا ہے تو اکائی دھائی ہی بتلاتا ہے۔ درآن حالیکہ اس کی ذاتی اکائی دھائی کی حقیقت بہت ہی بلند نظریات کی حامل ہوتی ہے۔
مگر نہ تو ابتدائی اعداد و شمار بچون کو بتلاتے وقت اس کے ذہن مین ریاضی کے اعلیٰ نظریات ہوتے ہین اور نہ وہ بچون کو ان نظریات سے آگاہ کرسکتا ہے۔ اسکا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ ایک دو کی ابتدائی تعلیم سے درجہ بدرجہ ترقی کرتے

بچے کا ذہن اور اس کا فکر و فہم بلند ہو جائے تو حساب کے اونچے درجون پر پہنچ جائیگا۔

لہذا۔ قرآنِ حکیم کو جو شخص بھی سمجھنا چاہتا ہے۔ اس کو سب سے پہلے ان بنیادی حقیقتون پر نظر رکھنی چاہیئے تاکہ ہر آیت اور ہر رکوع اور ہر سورۃ اسکے فکر کیلئے فہم مہیا کر سکے۔ اسی لئے قرآن نے ہر جگہ اپنے خطاب کے مفہوم کو آسان سے آسان تر ہونیکے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج۔ بقول اقبال؂

احکام ترے حق ہین۔ مگر اپنے مفسر ٭ تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی ہر آیت ایک پہیلی بنکر ہمارے سامنے بوجھنے کیلئے آرہی ہے۔

اکثر الفاظ قرآن حکیم کے ہمارے ظنی و ذہنی عقاید مین ایک خاص معنیٰ و مفہوم کے اطراف چکر لگاتے نظر آتے ہین۔ حالانکہ آپ کے مفہوم اور قرآن حکیم کے مفہوم بین زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسلئے مین نے ایسے الفاظ کا قرآنی مفہوم صاحبانِ فکر کیلئے مطالعہ کتاب سے پہلے واضح کر دینا ضروری سمجھا ہے۔ تاکہ آیندہ میرے فکر و فہمِ قرآنی کے نوٹس پڑھتے وقت ان الفاظ کا اصلی قرآنی مفہوم پیشِ نظر رہے۔ اور ہر صاحبِ فکر اپنے وسعت علم و معلومات کے مدِ نظر خود تفکر و تدبر سے اس روشنی مین قدم بڑھاتا چلا جائے۔

مین۔ نہایت احترام کے ساتھ طبقہ علماء و فضلاء کی خدمت گذارش کرتا ہون کہ میرا یہ فکر و فہم مقدس پیشوایانِ مذہب کیلئے نہین ہے۔ اس طبقہ کیلئے تو زبانِ عربی کا علمِ قرآن و تفسیر و حدیث کا ذریعہ ان کے زہد و تقوٰی فہم قرآن حکیم کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ پس۔ میرا مخاطب تو وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو آزادیٔ فکر و فہم کا متلاشی ہے بقول آپ کے وہ قرآن حکیم سے روز بہ روز دور ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لہذا۔ اس طبقہ کیلئے میرا یہ فکر و فہم قرآنِ حکیم ایک دعوتِ فکر ہے۔ تاکہ وہ قرآن حکیم مین فکر کرکے اس کے مفہوم کو معلوم کرلے۔ اور قرآن حکیم کی اصلی تعلیم کو قبول کر لینے کی صلاحیت اس مین پیدا ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب مین جو کچھ لکھا گیا ہے وہ میرا اپنا ذاتی فکر اور فہم ہے۔ جو میرے عقل و خرد کی حد تک محدود ہے۔ اگر کسی کو میرے فکر اور فہم کے متعلق اعتراض ہو تو وہ معترض ہی کیلئے ہو سکتا ہے۔ نکہ میرے لئے بھی۔ کیونکہ۔ قدرت نے ہر انسان کیلئے الگ الگ فکر و فہم کی تخلیق کی ہے۔ بدین وجہ میرے فکر و فہم کے متعلق کسی قسم کے بحث و مباحثہ کی ضرورت ہی باقی نہین۔ بقول اقبال؂

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن ٭ کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

قبل اسکے کہ وحیٔ قرآن حکیم پر میرے فکر کا آغاز ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنِ حکیم کے ان الفاظ کو جو اُمی مخاطبین عرب کے فکر و فہم مین آسانی سے سمو جاتے تھے جسکو آج بھی آسانی سے سمجھ لیا جا سکتا ہے بطور یادداشت متلاشیانِ فہم قرآنی کے ذہن نشین کرادیا جائے۔ تاکہ الفاظِ مروجہ اندھی تقلید کی تاریکی مین حصول فہم و تدبر سے محروم نہ کر دین۔ لہذا۔ فہم قرآنِ حکیم کیلئے مذہبِ اسلام کے عام محاورون کی یہ وضاحت ہر متفکر کے لئے حروف تہجی ثابت ہوگی۔ بقولِ جامی؂

یہ لوحِ اول الف۔ با۔ تا۔ نہ خوانی ٭ ز قرآں درسِ خواندن کے توانی!

اللہ بتلاؤں گا خدا کا پتہ کیا کسی کو میں ۔/ معلوم آج تک مجھے میرا پتہ نہیں (دقیق)

کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے جو "ذات" تھی ۔ جس کی قدرتِ کاملہ ہر چیز کی تخلیق کا باعث ہے جس کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ :-

"کائنات میں اس کی کوئی مثال نہیں"

اسی لئے وہ انسانی فکر ۔ فہم ۔ عقل ۔ تدبر ۔ گمان ۔ وہم ۔ کے کسی گوشہ میں آ ہی نہیں سکتی ۔ پھر اس ذاتِ بے ہمتا کے نام کے کوئی معنیٰ ہی نہیں ہو سکتے ۔ یوں تو الفاظ فی نفسہٖ مقصود بالذات ہوتے ہیں ۔ نہ کہ علم کا ذریعہ ۔ البتہ الفاظ کے سیاق وسباق سے معنیٰ و مفہوم میں تبدیلی پیدا کرلی جاتی ہے ۔ لیکن اُس ذاتِ واحد کا اسمِ ذات اس سے بھی مُبرّا و مُنزّہ ہے ۔ البتہ اسکے صفاتی نام شعورِ انسانی نے اپنی اپنی زبان میں سیکڑوں رکھ لئے ہیں ۔ جیسے بزبان عربی رب ۔ رحیم ۔ کریم وغیرہ ۔ اور سنسکرت میں پر ماتما ۔ ایشور ۔ رام وغیرہ[1] ۔ عیسائیوں میں رحمانان ۔ وایرانیوں میں خدا ۔ وپروردگار وغیرہ ۔ پس ۔ قرآنِ حکیم اپنے پیروؤں کو اس بات کی تاکیدِ اکید کرتا ہے کہ ۔ جس قوم کی زبان میں جو مقدس نام ذاتِ واحد کیلئے مختص ہوں اس کو اسماء الحسنیٰ سمجھ کر اس کا احترام کرو ۔ کیونکہ ایسے سب ہی نام ایک ذاتِ واحد کیلئے اسکے صفاتی یا ذاتی ہوتے ہیں ۔

قرآن حکیم میں اللہ کا لفظ مختلف مفہوم کا حامل ہے ۔ اگر ہم ربطِ عبارت سے مفہوم حاصل نہ کریں تو مطلب ہی بدل جاتا ہے ۔ مثلاً :- "اللہ کو قرض دو!" ظاہر ہے کہ قرض ۔ بحالتِ محتاجی ہی مانگا جاتا ہے ۔ تو اللہ بھی محتاج ہے؟ ۔ ایسا نہیں ۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ۔ مقصدِ تخلیقِ انسانیت کی تکمیل کیلئے انسانوں کی فلاح وبہبود کی غرض سے اپنا سرمایہ خرچ کرو! ۔ تاکہ مستقبل میں تمہارا خرچ کیا ہوا مال تم کو ۔ یا تمہاری نسل کو کئی چند اضافہ سے مل جائے! ۔ دیکھئے! حکومت قرض مانگتی ہے ۔ تو کیا اس رقم کی محتاجی اس کو ہوتی ہے! یا دراصل فلاح وبہبودِ رعایاء کیلئے وہ رعایا ہی سے طالبِ قرضہ ہوتی ہے ۔ بس ۔ یہی مثال "یقرض اللہ قرض حسنا" کی سمجھو!

یا ۔ پھر قرآن کہتا ہے کہ :- "اللہ کی مدد کرو!" ۔ تو اسکے معنیٰ اپنی مدد آپ کرنیکے ہوں گے ۔ یا اللہ سب کو رزق دیتا ہے ۔ سب کو مارتا ۔ اور جلاتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ تو اسکا مفہوم یہی ہے کہ اسکا قانونِ قدرت جو مقررہ ہے وہ ہر فعل کے نتائج کو ظاہر کرتا رہتا ہے ۔

مثلاً ۔ حکومت کا اعلان ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایاء کے جان ومال کی ذمہ دار ہے ۔ خورونوش کی ذمہ دار ہے ۔ تو ۔ کیا اسکے معنیٰ مرکزی حکومت فرداً فرداً رعایاء کے ساتھ لگی ہوئی ہے؟ ۔ نہیں ۔ بلکہ اجراءِ حکومت قانونِ مقررہ کے تحت

---

[1] اس موقع پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ ہندو رامچندر جی کا نام رام رام جپتے رہتے ہیں ۔ یہ اعتراض تو بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا وسعتِ قلب کو کام میں لایا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ رامچندر جی کا نام بھی تو رام ہی کے نام پر رکھا گیا تھا ۔ اگر کوئی قادر کا نام جپنے لگے تو کیا اسکے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ عبدالقادر کو خدا مانتا ہے؟ ۔ بلاشبہ ۔ بعض حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی پرستش کرتے ہیں ۔ لیکن جب وہ "قادر" کہیں گے تو ان کا تصور "اللہ" کے صفاتی نام ہی کا ہوگا ۔ پس ۔ اسی طرح لفظِ "رام" کو بھی سمجھا جا سکتا ہے ۔

اپنے فرایض ادائی کے ذمہ دار ہیں۔ جو افراد اور جماعتوں کے حقوق و فرایض کے لحاظ سے قانون مقررہ کے تحت انکے نگہبان ہیں۔ پس۔ اس خیال کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال کا فہم حاصل کیا جائے تو ہر بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

اب رہا علم کلام، فلسفہ، اور منطق کی نکتہ سنجیوں کیلئے تمام کرۂ زمین کا پانی سیاہی بن جائے اور تمام صحرا و کرۂ زمین کے درختوں کا کاغذ بنا کر اسکے صفات کا ذکر لکھنا چاہو تو بھی وہ پورا نہ ہوسکے گا۔ وتشنگی باقی رہے گی۔ اسلئے فہم قرآن حکیم کیلئے جو کھلا، اور آسان سے آسان تر راستہ مل سکتا ہے اس کو اختیار کرلینا بہتر ہے۔ تاکہ آسانی سے ہم قرآن حکیم کے آیات کا مفہوم حاصل کرلیں:۔ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"۔

نبی اور رسول

محاورۂ عرب میں غیب کی بات بتلانے والے کو "نبی" کہا کرتے تھے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دور عروج میں نبوت کی تعلیم کیلئے مدارس قایم تھے۔ گویا علم و فضل کمندوبہ توراۃ پر عبور حاصل کرلینے والے کو "نبی" کہا کرتے تھے۔ جیسے کہ ہم علامہ۔ مولوی۔ کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے پاس کسی مذہبی درسگاہ کے معمولی تعلیم یافتہ کو بھی ہم مولوی کہنے پر مجبور ہیں۔ لیکن جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل یا کسی یونیورسٹی کے عربی زبان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ کو اس لفظ سے مخاطب نہیں کیا جاسکتا۔ اور مولوی کی اس حدیث سے سند لی جاتی ہے کہ:۔ "میری امت کے علماء مثل انبیاء بنی اسرائیل کے ہونگے"۔ یہ تھا لفظ نبی کا مفہوم اہل کتاب اور امیوں کے پیش نظر۔

قرآن حکیم میں لفظ نبی کا مفہوم اس شخصیت سے وابستہ ہے جو اشارات وحی الٰہی کے ذریعہ قوم کو موجودہ طریقۂ عمل کے نتایج حال و مستقبل سے آگاہ کردے۔ لیکن توراۃ۔ انجیل وغیرہ مقدس کتابوں میں لفظ نبی آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ صحیفۂ نوحؑ اور صحیفۂ ابراہیمؑ کے وقت یہ لفظ مروج نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ بلکہ عیسیٰؑ تک بھی عبرانی و سریانی زبان میں نبی اور رسول کیلئے عربی کا یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ قرآن میں ہر قوم کے مامور من اللہ کیلئے ہادی۔ بشیر۔ نذیر۔ نبی۔ رسول کے الفاظ مذکور ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ نبوت کے بعد کا درجہ رسالت کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی ایسا مامور من اللہ جو کسی کتاب (قانون الٰہی) کو اپنی قوم میں پیش کرکے قوم کو اہل کتاب بنا دیا ہو۔ اور قوم کیلئے شرع و منہاج بھی منشاء وحی کے تحت مدون کئے ہوں۔ جس پر نہ صرف امت۔ بلکہ عام انسانیت۔ کے فلاح و بہبود، امن و سلامتی کا انحصار ہو اسکو رسول کہا جائے گا۔

اس لفظ رسول کا ترجمہ جب دوسری زبان میں کیا جائیگا تو لغت کا ترجمہ تو بزبان اردو پیغامبر ہوگا۔ لیکن ہر زبان کے محاورہ کے لحاظ سے وہ مختلف ہوگا۔ جیسے بدھ۔ اوتار۔ وغیرہ۔ جس کا مفہوم خاص اللہ کا پیغام پہنچانے والی ذات مقصود ہوگی۔

گو۔ قرآن حکیم نے نبی اور رسول میں کوئی امتیاز نہیں برتا ہے۔ کیونکہ وہ غیر صاحب کتاب کو بھی رسول اللہ سے موسوم کرتا ہے۔ اور صاحب کتاب کو بھی اس نے نبی سے موسوم کیا ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کہ نبوت کے جوہر۔ تاریخ قیام نطفہ ہی سے کارکنان قضاء و قدر۔ منشاء خالق کے تحت نبی اور رسول میں داخل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ پس یہ سعادت مکسوبہ یا میراثی نہیں ہے۔ بلکہ منجانب اللہ ودیعت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً:۔

(۱) ابتداء ہی سے بشر میں فہم و ادراک۔ غور و فکر کی صلاحیت نمایاں ہونے لگتی ہے۔

(۲) پھر اسکا طرز عمل اور طریقۂ زندگی اپنے ملنے جلنے والوں اور اپنی قوم کو پاکیزہ خیالات کا حامل بنانے لگتا ہے۔

(۳) پھر اس میں اخلاقی سنوار قوم کی صلاحیت کیلئے رونما ہونے لگتی ہے۔

(۴) پھر آدمی کو انسانیت سے سنوارنے کے بعد قوم کو خلیفۂ زمین بنانے کیلئے وہ معلمِ سیاست و مدن ہو جاتا ہے۔
(۵) اسکے بعد وہ اپنی قوتِ فکریہ یعنی روحانیت کو بلند و بالا کرکے "صاحب قدس" بن جاتا ہے۔
(٦) اب اسکا درجہ ہادی و مزکی کا ہو جاتا ہے یعنی لوگ اسکی صحبت سے ایک قسم کی روشنی اپنی قوتِ فکریہ میں حاصل کرنے لگ جاتے ہین۔
(۷) پھر تو وہ قوم بلکہ انسانیت کیلئے امام کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جسکے بعد قوم اسکے بتلائے ہوئے اصولون کو اپناکر اچھی دنیا یعنی انسانیت کو اپنانے کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔
(۸) اس نوبت پر قرآن اسکو منذر کہتا ہے کیونکہ وہ قوم کی بداعمالیون سے آنے والی مصیبتون یعنی عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔ اور قوم کو تقلید کی غلامی سے آزادیِ فکر کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے قانونِ مکافات کی توضیح و تشریح کرنے لگ جاتا ہے۔ گویا وہ غیب کی باتین قوم کو سناکر مستقبل کے نتائج سے اس کو آگاہ کردیتا ہے۔ پھر اس زندگی کے بعد موت۔ پھر موت کے بعد خالق کے آگے جوابدہی کا نقشہ بتلاکر قوم کو عملِ صالح کی راہ پر لگا دیتا ہے۔
(۹) جب وہ اسی مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو مقامِ نبوت پر سرفرازی کا پیام بارگاہِ رب العزت سبحانہ تعالیٰ سے بذریعہ وحیِ الٰہی سرفراز ہونے لگتا ہے۔

میرا فکر یہ ہے کہ مندرجہ بالا صفات باستثناء نمبر (۹) یعنی نبوت بعض انسانون مین کم و بیش بلحاظِ مدارج نظر آتے ہین۔ لیکن نوان درجہ۔ وہ مقام ہے کہ محمدِ عربی صلعم نبیِ اوّل و آخر بنی اسمٰعیل کے بعد سے پھر آج تک کرۂ زمین مین کسی کو نہین ملا۔ اور میرا یقین کامل ہے کہ آئندہ بھی قدرت کسی بشر کو اس نام سے موسوم ہونے نہین دے گی (مزید وضاحت کیلئے جلد اوّل و دوم مین نبوت کی تاریخی حقیقت اور میرے فکر و فہم کا مطالعہ کیا جائے)۔

وحی وحی کے معنی عربی مین اشارہ کے ہین یعنی مخفی اشارہ۔ قرآن کہتا ہے کہ "(اللّٰہ) اپنے فرشتہ کے ذریعہ قلبِ رسول[1] پر وحی کی"۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک ملکوتی قوت کے ذریعہ قلبِ رسول یا نبی پر کوئی اشارہ کیا جاتا ہے۔ یا اسکے فکر و فہم مین وحیِ الٰہی کے نقوش ظاہر ہوتے ہین جس کی بناء پر اسکی زبان سے وہ الفاظ دوسرون کی سماعت تک پہنچائے جاتے ہین۔ الہام اور وحی مین فرق ضرور ہے۔ الہام تو بالراست ہر ایک کیلئے عام ہے لیکن وحی چونکہ بالواسطہ ملکوتی قوت جبرئیلی کے تحت ہوتی ہے۔ وہ بیرونی آمیزش سے پاک ہوتی ہے۔ جس مین شک و شبہ یا کمی و زیادتی کا موقع نہین ہوتا۔ گویا وہ ایک آمد منجانب اللہ ہوا کرتی ہے۔ مثال کیلئے غور کیجئے دو شاعرون کو۔ ایک کے اشعار مین آمد ہے۔ اور دوسرے کے اشعار مین آورد۔ وہ شعر جو آورد کے ذریعہ بنا تو استاد کی اصلاح کا ضرور محتاج رہا۔ لیکن جو شعر آمد کی بناء پر کہا گیا۔ تو اس مین اصلاح کی گنجایش نہین۔ بلکہ استاد کی داد کے قابل ہوگیا۔ یہ تو ایک مثال بغرضِ تفہیم ہے۔ اس پر سے اندازہ لگائیے رسول کی وحی پر۔ اور عام الہام پر۔ آئندہ اوراق مین وحی کے متعلق مختلف نظریات کے ذریعہ میرا فکر آپ کو دعوتِ فہم دیگا جس سے آپ کا قلبِ سلیم بڑی حد تک مطمئن ہو جائیگا۔

قرآن قرآن کے مفہوم مین جو وحیان محمد عربی صلعم پر (۲۳) سال تک نازل ہوتی رہین۔ جنکے آیات یعنی جملون کی

---

[1] قلب کی حقیقت کیلئے وحی نمبر (۱۵) فکر نمبر (۱) وٹ) مین میرا نوٹ بطور خاص ملاحظہ طلب ہے۔

تعداد (۶۶۶۶) ہے۔ جس کو رسول اللہ صلعم نے قوم کو سُنایا اور اپنے اصحابؓ کو لکھوا بھی دیا تھا۔ اور آج تک بلا کسی زیر و زبر۔ یا نقطہ کی تبدیلی کے ہمارے ہاتھوں میں۔ ہماری نظروں کے سامنے کاغذ پر چھپ کر۔ یا لکھ کر ایک کتاب کی صورت میں ہے۔ اسکو عرفِ عام میں "قرآن" کہتے ہیں۔ یہ تمام قرآن رسولِ کریم صلعم نے وحی نازل ہونے کے بعد سب کو بطورِ خطاب (یعنی تقریر) کے ذریعہ سُنایا تھا۔ تکہ پڑھا۔ یا پڑھایا گیا تھا۔ قرآن کا لفظ سامی زبان کا ہے۔ جسکے معنی بولنا۔ چلّانا ہیں۔ قوم فونیقوں کے ذریعہ یہ لفظ انگریزی زبان میں آیا تو کرائی کا تلفظ بنا۔ جسکے معنیٰ بولتے اور پکار نیکے ہیں۔ سنسکرت میں تلفظ کیرتی کے معنی تشہیر کے ہیں۔ عربی زبان میں ابتدائً "اقراء" کا لفظ اعلان۔ بولنا۔ لوگوں کو کسی مصیبت سے دُور رہنے پکارنا کے معنیٰ میں لئے جاتے تھے۔ بعد میں اسکے معنیٰ پڑھنے کے بھی ہوگئے۔ لیکن۔ نزولِ قرآن کے وقت بولنے اور اعلان کرنے ہی کیلئے استعمال ہوتا تھا جیساکہ وحیِ اوّل میں میرے فکر کی روشنی میں معلوم ہوگا۔

لفظِ قرآن۔ اسی لفظ سے نکلا ہے۔ جو عبرانی لغت سے لیا گیا ہے جسکے معنیٰ اعلان کرنیکے ہیں۔ اور جو وحی گذشتہ انبیاء پر نازل ہوتی رہی ہیں۔ ان کو بھی وحیِ الٰہی نے زبانِ عربی قرآن ہی کہا ہے (یعنی۔ توراۃ۔ انجیل۔ زبور وغیرہ کو)۔ اور آنحضرت صلعم پر جو وحیاں نازل ہوتی رہی ہیں ان کو بھی قرآن ہی کہا گیا ہے۔

عام محاورۂ عرب میں ایک کتاب کو بار بار پڑھنے کو قرآن کہا جاتا ہے۔

اور نماز کو بھی قرآن کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی وحیِ الٰہی کو بار بار پڑھا جاتا ہے۔

قرآن نے ہر سورۃ۔ بلکہ ہر رکوع کو بھی قرآن کہا ہے۔

قرآن کی عظمت اور احترام محض اُس کے لیے معنیٰ پڑھنے میں نہیں ہے۔ بلکہ ہر مضمون۔ یا کلام کو پڑھ کر اس کا فہم حاصل کرنا۔ یعنی اسکی نصیحتوں کو سمجھنا۔ اس کا احترام ہے۔ لیکن یہ بھی اصلی عظمت و احترام نہیں۔ اصلی عظمت و احترام اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب کہ پڑھ کر سمجھیں۔ اور جب کوئی بات سمجھ میں آجاتی ہے تو اس پر عمل کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔ جب اس پر عمل کیا جاتا ہے تو اس بیان۔ تحریر۔ اور مضمون۔ یا کلام کی اصلی عظمت متصور ہو سکتی ہے۔ پس۔ قرآنِ حکیم کا اصلی مدعا یہ ہے کہ :۔

پڑھو ۔۔۔ سمجھو ۔۔۔ اور عمل کرو!

اگر اس میں کوئی ایک بات بھی چھوٹ جائے تو قرآن کی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ (خواہ وہ کسی مذہب کے پیرو ہوں) اپنی مقدس کتاب کو اِن معنوں میں نہیں سمجھتے۔ اور اسکے لکھے ہوئے الفاظ۔ حروف کو مقدس سمجھ کر اسکو سروں پر رکھتے ہیں۔ یا چوم چاٹ کر خیر و برکت کے لئے سونے چاندی کے صندوقوں میں رکھ کر اس کا احترام کرتے ہیں: تو اصل وہ ایک قسم کی صنم پرستی کرتے ہیں۔ کیونکہ اصنام کے خط و خال بھی تو کاغذ پر موئے قلم سے بنائے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں حقیقت سے دُور رہکر اسکا احترام اور عظمت کا تصور۔ ایک مشرکانہ طریقہ ہے۔ جس کے متعلق قرآنِ حکیم نے ہمارے فکر و عمل کو بار بار اس غلط راہ روی سے روکا ہے۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں ایسے لوگوں کیلئے اس نے گدھوں کی مثال دی ہے۔ جو بوجھ لادے پھرتے ہیں۔ درآن حالیکہ اس بوجھ کی حقیقت سے وہ قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔ ایسے حاملینِ کتاب کو قرآن "ظالم" کہتا ہے۔

توحید قرآن کی توحید یہ نہیں ہے کہ دیوتاؤں۔ اور بتوں کے آگے سجدہ نہ کرکے عبدالرحمٰن کے بیٹے

عبدالکریم ہونے کی وجہ موحد کہلائیں ۔ اور نہ صرف (۳۶۰) خانۂ کعبہ کے بُتوں کو توڑ پھوڑ دینے کا نام توحید ہے۔ اور نہ توک زبان سے لا الہ الا اللہ ادا کر دینے کا نام توحید ہے ۔ اور نہ پنج وقتہ بے روح نماز ادا کر کے سال بھر میں یک ماہ کے روزے رکھ لینا۔ اور گیارہ ماہ سے زیادہ ماہِ رمضان میں خورونوش کے لئے موازنہ کا متاثر کر لینا۔ عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کے فریضہ کو رسماً ادا کر دینا توحید ہے۔ بلکہ اصل توحید تو وہی ہے جس کو رسول اکرم صلعم نے اپنے اصحابؓ کو بتلایا تھا کہ سوائے ایک ذاتِ واحد کے کسی کی غلامی قبول نہ کی جائے ۔ اور شخصیت پرستی کے بتوں کو۔ جو ورانتاً سیکڑوں سال سے ایمان و یقین کے صنم کدے میں بیٹھے ہوئے ہیں ان سے بغاوت کی جائے۔ ان کا قطعی انکار کر دو۔ بلکہ تقلید جامد کا وہ بُت خانہ جس میں یہ حسین اصنام فروکش ہیں۔ اس کو منہدم کر کے آزادیٔ فکر کے ساتھ عملاً لا معبود الا اللہ ۔ و۔ لا مسجود الا اللہ کا ثبوت دو ۔ اور پھر کرۂ زمین کی انسانیت کو اُمتِ واحدہ بنانے کیلئے اپنے اعمال واقوال وکردار کا ایک ہی نمونہ پیش کرو۔ جب تمہارا خالق ایک ہے تو اس کی مخلوق میں بھی وحدت کا ہونا لازمی ہے ۔ پس اسی کیلئے سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے میں متحد ہو جاؤ۔

یہ تھی رسولِ اکرم صلعم کی بتلائی ہوئی توحید۔ تو کیا آج اُمتِ محمدی زاید از چارسو فرقوں میں بٹ جانے کے بعد بھی وہ اپنے کو موحد کہنے میں حق بجانب ہے ؟

رحمت اور درود

"رحمت" کے معنٰی تو محبت اور شفقت کے ہیں لیکن محبت اور شفقت کا مطلب ومفہوم دراصل مدد کرنا ہے۔ ہر قسم کی امداد ۔ دستگیری ۔ سنبھالا دینا۔ رحمت ہے ۔ اللہ کی رحمت کے معنٰی اللہ کی مدد۔ دستگیری۔ اور سنبھالا دینے کے ہیں۔ ماں کی محبت و شفقت بھی رحمت ہے کہ وہ بھی مدد ۔ دستگیری اور سنبھالے کیلئے ہی ہے ۔ ہم اپنے محاورے میں کہتے ہیں کہ ارے بھائی! اس پر رحم کرو! ۔ تو اسکے معنٰی ہیں ۔ ہر قسم کی مدد کے ۔ نہ کہ رحم کوئی ایسی مادی یا لطیف شئے ہے کہ اس کو کسی طبق یا ظرف میں بھر کر اس پر انڈیل دیا جائے ۔

اللہ ۔ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ۔ رسولؐ پر ۔ اور مومن بندوں پر ۔ اسکا صاف مفہوم ہے کہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ مومنوں کو حکم ہے کہ اپنے رسولؐ پر صلوٰۃ اور سلام بھیجو۔ تو اسکے معنٰی ہوئے کہ ان کی ممکنہ مدد کرو۔ جس سے ان کی عزت و احترام کی سلامتی ہو۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسولِ عربی صلعم پر صلوٰۃ یعنی رحمت کے معنٰی اگر مدد کے لئے جائیں تو آپ کی امداد کے کیا معنٰی ہوں گے؟ ۔ میرا فکر یہ ہے کہ آپؐ کی لائی ہوئی صحیح تعلیم میں جو معنوی تحریف ہو گئی ہے۔ اس کو دُور کر کے سچی تعلیم کو اُجاگر کرنا ہی دراصل آپؐ پر درود وسلام ہو گا۔ یہ عقیدہ کہ اُمت کے درود وسلام بے معنٰی کو ملکوتی توتین (یعنی فرشتگانِ درود) آنحضرت صلعم تک پہنچاتی ہیں میرے نزدیک ایک بے معنٰی عقیدہ ہے۔ اس قرآنی حکم صلوٰۃ و سلام کی حقیقت آپ کو سورۂ احزاب میں میرا فکر ملاحظہ کرنیکے بعد معلوم ہوگی۔ یا آپ خود اس آیت کے متعلقہ رکوع کو پڑھ کر غور کریں تو آپ کے آزاد فکر میں شاید صحیح مفہوم ظاہر ہو جائے۔

اُمت ۔ قوم اور فرقہ

ایک گروہ ۔ جماعت ۔ خواہ وہ بلحاظ قومیت کسی مُلک کی رہنے والی ہو۔ یا کسی شخصیت کی تعلیم کو ماننے والی ہو۔ بلکہ ہر شئے جو ہم جنس ہو ۔ قرآن نے پرندوں کے گروہ کو اُمت کہا اور چار پایوں کو بھی اُمت کہا ہے ۔ اولادِ آدمؑ کو اس نے اُمتِ واحدہ کہا ہے ۔ گویا اولادِ آدمؑ میں

دو فرقے ہونگے ایک وہ اولادِ آدم جو مقامِ انسانیت پر پہنچ گئی ہے۔ اور ایک وہ جو ابھی مقامِ انسانیت پر نہیں پہنچی۔ پھر ہر ملک کے رہنے والوں کو جو جغرافیائی حالات کے تحت علیحدہ علیحدہ ماحول رکھتے ہیں "قوم" کہا گیا۔ اور ہر زمانے کے چاہنے والوں کو جو مامور من اللہ سے اپنی نسبت کو قائم کرتے کو وہ مقصدِ دین کو نظر انداز کر کے شخصیت پرستی میں مذہب کو اپناتے ہوئے ہوں۔ ملت۔ یا۔ امت سے تعبیر کی گئی ہے۔

ایک ہی دین میں۔ مختلف مذاہب۔ جو غلط طریقے سے اصل دین کو نظر انداز کر کے مامور من اللہ کی امت سے وابستہ ہو کر۔ ایک دوسرے کے شرع و منہاج کی تکذیب کرتے ہوئے آپس میں تفرقہ پیدا کر لیں انھیں "فرقہ" کہا گیا۔ یا ایک ہی نبی۔ یا رسول کی اتباع کے ادعا کے بعد مختلف نظریات کے حامل ہو کر علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن گئیں۔ ان کو "فرقہ" کہا گیا ہے۔ "فرقہ بندی" کو قرآن انتہائی کراہیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بلکہ اس گٹھ جوڑ کو وہ "اللہ کا عذاب غلیظ" قرار دیتا ہے۔

کُفر ۔ یا ۔ کافر

غیر امت محمدی کیلئے امت محمدی اس لفظ کو ایک ہی سانس میں استعمال کرتی ہے جسکے استعمال میں عالم اور جاہل۔ دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ سیکڑوں مقام پر مختلف مفہوم کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے۔ لیکن تمام تراجم قرآنی میں وہ لغوی ترجمہ تحت اللفظی میں ک۔ ف۔ ر۔ ہی لکھا گیا ہے۔ چونکہ تاریکی سے ہی نور کی تمیز ہوتی ہے۔ اسلئے جب تک "کفر" کی وضاحت نہ ہو۔ اسلام۔ اور مسلم کا عنوان نمایاں نہیں ہو سکتا۔

"غریب القرآن" میں "کافر" کا مادہ "کفر" ہے۔ جس کے معنی :- ڈھکنا۔ چھپانا۔ انکار کرنا۔ ناشکری کرنا ہیں۔ "کافر" کے معنی ہوئے :- ڈھانکنے والا۔ چھپانے والا۔ احسان نہ ماننے والا۔ انکار کرنے والا۔ ناشکری کرنے والا۔

پس۔ قرآن حکیم نے اِن تمام معنی میں لفظ "کافر" کا استعمال کیا ہے۔ خصوصاً۔ انعامات الٰہی سے انکار کرنے والوں۔ اور ناشکری کرنے والوں۔ اور حق و سچائی کو۔ تقلید جامد کے اندھے پن کی وجہ جھٹلانے والوں کے لئے یہ لفظ بہت زیادہ آیا ہے۔ بت پرستوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے تو محض اسلئے کہ وہ "ذات واحد" کو "بلا شرکت غیرے" ماننے سے انکار کرتے تھے۔ جو لوگ سرے سے خدا کے منکر تھے۔ ان کیلئے تو یہ لفظ عام ہے۔ لیکن جو لوگ خدا کی ذات سے وابستہ ہو کر۔ پھر بھی تقلید جامد کی غلامی اور باپ دادا کے مذہبی طور طریق کی وجہ "حق" اور سچائی کا انکار کرتے تھے :- یا۔ اپنے مذہبی جذبات سے "صداقت ضمیر" کو چھپاتے تھے۔ ان کیلئے بھی اس لفظ کا استعمال بہت زیادہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔ عام انسانوں کی فطرت کے لحاظ سے "کفر" کا لفظ عام انسانوں کیلئے بھی استعمال کیا ہے۔ یہودیوں کو اصل تعلیم تورات سے برگشتہ ہونیکی وجہ سے بھی کافر کا لقب استعمال ہوا ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت (۹۴) میں تو ذات خداوندی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ :- "فلا کفران لسعیه"۔ یعنی۔ بروز حشر اعمال حسنہ کی جزا سے اللہ تعالٰی انکار نہیں کرے گا۔

بعض رسولوں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے والوں کیلئے بھی (کافرون حقا) کے الفاظ سورۂ نساء کی آیات (۱۵۰ و ۱۵۱) میں موجود ہیں۔ سورۂ حدید کی آیت (۲۰) میں کسان کو (الکفار نباته) کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ پھر نزول قرآن حکیم کے وقت معہد نبی یعنی۔ امت محمدی :- وغیرہ دیگر اہل کتاب کیلئے بھی اکثر مقامات پر

ا۔ دیکھیے سورۂ ابراہیم کی آیات (۳۲ تا ۳۴) "ان الانسان لظلوم کفار" بنی اسرائیل کی آیت (۶۷) "کان الانسان کفورا"۔

یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی "المعروف" کے عمل سے گریز کرے گا وہ کافر کی تعریف میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن یہ کیسی بدقسمتی حاملین قرآن حکیم کی ہے کہ وہ فہم قرآنی سے دور ہو کر۔ اپنے ظنی و ذہنی تصورات میں لفظ کفر کا عقیدہ۔ غیر امت محمدی کیلئے مختص کر کے خود "چہ غم" بنے ہوئے ہیں۔

وہ لا الہ الا اللہ "کا اقرار کرنے والے۔ وہ" ایاک نعبد و ایاک نستعین" پر ایمان کامل رکھنے والے۔ آج اپنے اسلاف قرن اولیٰ کے عہد و پیمان کی تکمیل سے کوسوں دور ہیں۔ بقول حالی ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر — کواکب میں مانیں کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

خلاصہ بیان یہ ہے کہ لفظ "کفر" کا مفہوم مطالعہ قرآن کے وقت بلحاظ ربط عبارت اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر آج لفظ کفر کا مفہوم نزول وحی کے وقت کے مخاطبین جن اصطلاحات میں سمجھتے تھے اسی مفہوم میں ہم بھی سمجھنے لگیں۔ اور اسی مفہوم میں پڑھیں کہیں۔ اور سنیں تو بڑی حد تک امت محمدی کے عقاید کی تاریکی دور ہو سکتی ہے جسکے بعد وہ دوسری امتوں کے مسلم۔ مومن۔ متقی افراد کو اپنی جماعت میں شریک کر کے "واعتصمو بحبل اللہ جمیعا کی حزب اللہ" کی پارٹی بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب میرا یہ کہنا بند آپ کے پیش نظر رہے کہ :۔ "تقلید جامد کی غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی فکر کے میدان میں آپ قدم رکھیں"۔

اسلام۔ یا۔ مسلم

ہماری اصطلاح میں :۔ ہر وہ فرد۔ جو مسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ امت محمدی میں "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کے الفاظ تو کہ زبان سے ادا کردے بس وہی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے ــــ گویا اسلام کے معنیٰ ہیں گروہ امت محمدی میں شریک ہونے کے۔ اور بس ــــ قرآن حکیم کی اصطلاح کو آپ کی اصطلاح سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ "غریب القرآن" میں اسلام کے معنیٰ حسب ذیل ہیں :۔

فرمان برداری۔ اطاعت گذار ہونا۔ اسلام کا مادہ "سلم" یا "سلام" ہے جس کے معنیٰ ہیں۔ امن۔ صلح۔ اطاعت۔ سکینہ (یعنی آرام۔ آسایش) "سلامۃ" اطاعت کیلئے گردن ڈال دینا۔ "سلیم" اطاعت کرنے والا۔ "سلام" صحیح و تندرست۔

قرآن حکیم نے رسول عربی صلعم کے ذریعہ دین اسلام۔ اس دین فطرت کو بتلایا ہے جو شعور انسانیت سے قیامت تک امن و سلامتی کا حامل بنا رہے گا۔ اور قرآن اس کو "دین قدیم" کہتا ہے۔ جس کا ترجمہ بالفاظ سنسکرت "سناتن دھرم" ہوتا ہے ــــ رسول عربی صلعم نے بزبان وحی بتلا دیا کہ :۔ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین۔ دین اسلام ہے۔ جس طرح اس دین کو کرۂ زمین کی ہر قوم میں اس قوم کے رسولوں نے پیش کیا میں بھی اسی طرح پیش کر رہا ہوں ــــ میں نہ تو کوئی انوکھا دین پیش کرتا ہوں۔ اور نہ ہی کوئی انوکھا رسول ہوں"۔ ــــ پس۔ ایک ہی ذات واحد کے اقتدار کے آگے

میں تسلیم خم کرکے۔ اسکی اطاعت و فرمان برداری میں منشاءِ تخلیقِ انسانیت کو پورا کرنے کی بھرپور سعی کا نام "اسلام" ہے۔ اور ایسے فرد کو مُسلم کہا جاتا ہے ۔ لیکن۔ اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کیلئے پہلی شرط وہ "میثاق" ہے جو زبان اور عمل سے یکسانیت کے ساتھ ظاہر ہوتا رہے۔ جس سے اللہ کی اطاعت و فرمان برداری بصورت منشاءِ تخلیقِ آدم کے بطور فرض امن و سلامتیِ عالم کیلئے ظہور پذیر ہو ۔ محض گروہ بندی کا داخلہ۔ یا۔ ماں باپ کی گھریلو پیدائش مُسلم نہیں بناسکتی۔ کیونکہ اسلام نسبی و نسلی نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ وہ تو ہر فرد یا جماعت کا مکسوبہ ہوا کرتا ہے۔ اور اسلام حاصل ہوتا ہے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد فکر و فہم کے غور و فکر سے۔ تخلیقِ انسانیت کی منزلِ مقصود کو طے کرنے کیلئے ایک صحیح راستہ کو اختیار کرنے سے ۔ جس میں سب سے پہلے انسان کو اپنے آبائی دین کے ظنّی و ذہنی طریقوں پر غور کرتے ہوئے عقل و تدبر سے کام لیکر۔ اور اپنے اپنے مقدس کتابوں کا گہرا مطالعہ کرنیکے بعد کسی ایک صحیح نتیجہ پر پہنچ کر اپنی منزلِ مقصود کو معین کرلینا چاہئے۔ جس میں امن و سلامتی کی راہیں کشادہ ہوں۔

پس۔ خدا کے پسندیدہ دین کا نام "اسلام" اسی لئے رکھا گیا ہے۔ نہ کہ کسی گروہ بندی سے منسلک ہو جانا۔ یا پیدائشی آبائی طریقہ۔ یا۔ پیدائشی اب ء جد کے فرقہ واری نام سے موسوم ہو جانا۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ مصدقین کے تمام نام ان کے زمانۂ جاہلیت ہی کے رکھے ہوئے تھے۔ وہ بدلے نہیں گئے۔ لیکن آج کوئی تو مُسلم بغیر نام بدلنے کے مُسلم نہیں کہلاسکتا۔ یہ فرق کیوں؟ ۔ اسلئے کہ اُس زمانہ میں مُسلم کو نام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف کام پیشِ نظر تھا ۔ اور آج کام سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ صرف نام کی ضرورت ہے۔ دیکھا آپنے اسلام کے ماضی اور حال میں کتنا بڑا فرق ہے!۔

ایمان اور مومن

قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں اجزاءِ ایمان یہ ہیں کہ:۔

ایک ذاتِ واحد ہی کو تمام کائنات کا خالق تسلیم کر اسی کو لائق فرمان برداری مانتے ہوئے اپنے، منشاءِ تخلیق کے فرائض کو امانت داری سے کما حقہٗ ادا کرنا۔ اور اس بات پر یقینِ کامل رکھنا کہ اعمال کا محاسبہ خالق تعالیٰ سچا ضرور لینے والا ہے۔ جسکے نتائج کا ظہور لازمی ہے۔

فرائضِ انسانیت کیا ہیں؟ ہر وہ عمل جو سب کیلئے فائدہ بخش ہو۔ اور ضمناً اس سے خود بھی مستفید ہوں۔ اگر اسکے خلاف ہو۔ یعنی توازن بگڑ جائے تو ایمان کی ضد کفر نمایاں ہو جائے گی۔

جو لوگ صرف زبانی اقرار کو "حق اللہ" سمجھتے ہیں۔ اور عمل سے دُور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم کی اساس تصوراتی نہیں ہے۔ بلکہ وہ مشاہدات کے ذریعہ آپ کو ہر عمل کے نتائج بتلا کر تربیت دیتا ہے ۔ چنانچہ وہ واضح الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ جو قوم بھی قانونِ الٰہی کی پابند اور سُنّت اللہ پر گامزن ہے وہی باعزت و ترقی پذیر ہو سکتی ہے ۔ پھر جب بھی وہ غفلت برتتی ہے تباہی کے راستہ پر ڈالدی جاتی ہے۔

پس۔ قرآن کی روشنی میں فرد یا جماعت کے صاحبِ ایمان و مومن ہونے کیلئے شرطِ اول عملِ صالح کا تواتر ہے ۔ محض گروہ بندی یا تصوراتی۔ اور زبانی۔ یا نسلی ایمان کا کوئی مقام ہی نہیں ۔

جو لوگ حق اللہ کا تصور۔ ایمان بالغیب۔ اور عبادات وغیرہ میں رکھتے ہیں۔ وہ تعلیمِ قرآنِ حکیم میں تلبیس کے مُجرم ہیں۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کے زاید از چھ ہزار آیات میں حق اللہ کے عقاید ظنّی و ذہنی کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔

ایک بات اور بھی تو غور طلب ہے کہ ذاتِ واحد حق سُبحانہٗ تعالیٰ بے نیاز ہے ۔ جب وہ بے نیاز ہے تو پھر اسکے حق کا تصور بے معنیٰ ہوگا۔ اگر وہ اپنا کوئی حق رکھے تو شانِ بے نیازی میں فرق آجائے گا۔ دراصل حقوق العباد کی تکمیل ہی

مقصد و منشاءِ تخلیقِ انسانیت ہے ۔ جس کو قرآن اللہ کا پسندیدہ دین کہتا ہے ۔ اس پر کماحقہٗ یقینِ کامل کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا نام "ایمانِ کامل" ہے ۔ اور اس کا علمبردار "مومن" ۔

تقویٰ اور متقی

منشاءِ قرآنِ حکیم میں "تقویٰ" کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ۔ ہر شعبۂ حیات میں ۔ قدم قدم پر اپنے فرائضِ تخلیق کو پیشِ نظر رکھ کر نتائجِ عدمِ تکمیلِ فرائضِ انسانیت سے ڈرتے ہوئے اپنے لمحاتِ زندگی کو طے کرتا چلا جائے ۔ چونکہ تصورِ معاد کے بغیر اس قسم کی احتیاط انسان کیلئے ناممکن تھی ۔ اسلئے اس کو قانونِ مکافات و قانونِ امہال کے مناؤں سے معاد کا تصور پیشِ نظر رکھنے کی تعلیم و تربیت قرآن ازم نے دی ۔ ایک عام مثل ہے کہ ۔ "جس کو نہ خدا کا خوف ہو ۔ اور نہ سماج کا لحاظ ۔ تو ایسے آدمی سے خدا ہی بچائے" ۔ قرآن نے تقویٰ کی ضد "فسق" کو قرار دیتے ہوئے ۔ صحت بخش ۔ عزت نواز طریقۂ زندگی پر چلنے کی بار بار تاکید کی ہے ۔ یعنی آج ہم اپنے محاورہ میں جس طریقہ کو "غنڈہ گردی" کہتے ہیں ۔ اسی طرزِ زندگی کے اجزاء فسق و فجور کو سمجھئے ۔

قرآنِ حکیم میں "متقی" کا محاورہ حسبِ ذیل جماعتوں میں استعمال کیا گیا ہے ۔

(۱) اہلِ کتاب میں بھی متقی ہوتے ہیں ۔ (دیکھو سورۂ آلِ عمران ۔ آیت ۱۱۲ و ۱۱۳) ۔
(۲) مشرکین میں بھی متقی ہوتے ہیں ــــ (" " توبہ " ۴) ۔
(۳) نامسلمانوں میں بھی متقی ہوتے ہیں (" " مائدہ " ۲) ۔
(۴) مومنوں میں بھی "غیر متقی" ہوتے ہیں (" " بقرہ (۲۰۸) آلِ عمران (۱۰۳) تحریم (۶) ۔

موجودہ حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے بقول میر ولایت علی صاحب ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ۔ "غنڈہ گردی کیلئے کسی خاص مذہب و ملت ۔ یا جماعت کی قید نہیں ۔ اور اسی طرح مسلم و مومن ۔ متقی کیلئے محض گروہ بندی ۔ یا نسل و نسب کا لزوم بے معنی ہے تو بے معنی بات نہ ہوگی" ۔

یاد رکھئے کہ تقویٰ و طہارت کا تعلق انسان کے باطن سے ہے ۔ نہ کہ ظاہری صورت شکل اور لباس سے ۔ البتہ ظاہری عمل باطن کے آئینہ دار ہوسکتے ہیں ۔ بشرطیکہ ریاکاری ۔ یعنی نمود و نمائش کی خاطر نہ ہوں ۔

ظُلمت و نُور ۔ تاریکی و روشنی

قرآن نے ظلمت کا محاورہ ہمیشہ اندھی تقلید ۔ اور نتائجِ اعمال سے بے خبر ہونے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے ۔ اور "نور" ۔ آزادیٔ فکر ۔ عقل و خرد ۔ قانونِ مکافات کو دیکھتے ہوئے جو راستے ۔ ون مشاہداتِ عینی میں آتے ہیں ۔ نتائجِ مستقبل سے آگاہ رہنے کو "نور ہدایت" کہا ۔ مثلاً ۔ ایک شخص گہرے پانی میں ایسی حالت میں کود پڑتا ہے جب کہ اس کو تیرنا نہیں آتا ۔ اور سمجھتا ہے کہ وہ ڈوبے گا نہیں ۔ یا چوری کرتا ہے ۔ اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسکو اس جُرم میں پکڑ کر سزا دینے والا نہیں ہے ــــ بس یہی تاریکی ہے ۔ اور فکر و فہم کا اندھاپن ــــ نتائجِ اعمال سے باخبر رہنا ۔ روشنی ۔ ہے ــــ کیونکہ آپ جب روشنی میں رہتے ہیں تو ہر قسم کی تکلیف دہ اشیاء سے جو راہ میں آپ کو نظر پڑیں بچتے چلتے ہیں ۔ اندھیرے میں آپکی نظر اُن تکلیف دہ اشیاء پر نہیں پڑتی ۔ بس ۔ تقلیدِ جامد کا بھی یہی حال ہے کہ ۔ انسان تاریکی ہی تاریکی میں مُبتلا رہتا ہے ــــ اور آزادیٔ فکر کی روشنی جب وہ حاصل کر لیتا ہے تو قانونِ مکافات اس کی رہبری کیلئے روشنی پیدا کر دیتا ہے ۔

ہر انسان ۔ بلا لحاظ مذہب و ملت ۔ ظلمت میں بھی مبتلا ہوتا ہے ۔ اور نور بھی حاصل کرسکتا ہے ۔ نور تو اسکا فطری حق ہے و

یعنی۔ آزادیٔ فکر ـ ظلمت فطرتِ انسانی کا ایک روگ ہے۔ جو بڑا سخت متعدی اور میراثی مرض ہے۔

ہدایت اور ضلالت ہدایت کے معنی ہیں ایسی رہنمائی کہ ہر شعبۂ حیات کے متجسس کو اسکے مقصد کی تکمیل کے لئے راستہ بتلا دیا جائے جس پر وہ گامزن ہو کر اپنے مقصد کو پالے۔

ایک ہدایت تو اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کی فطرت میں ودیعت کر دی ہے۔ جسکو "فطری ہدایت" کہنا چاہیئے۔ یہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں عام طور پر جاری و ساری ہے۔

دوسری وہ ہدایت۔ جو انسانوں میں اُن کی پیدائش ہی کے ساتھ رکھی گئی ہے کہ وہ اچھے اور بُرے میں تمیز کریں۔ جسکو میں اپنے الفاظ میں "قوتِ فکریہ" کہتا ہوں۔

تیسری ہدایت وہ ہے جن کی قوتِ فکریہ بڑی ہے۔ وہ اپنی قوم کی گمراہیوں سے بے چین ہو کر اسکی سنوار کیلئے تدبر سے کام لیکر اس کو بلند و بالا کر دیتی ہے۔

چوتھی ہدایت الٰہی۔ وہ عظیم المرتبت مقام ہے جسکو قرآن حکیم "وحیٔ الٰہی" کہتا ہے۔ جسکے ذریعہ عام انسانیت کی فلاح و بہبود کے مختلف راستوں کو صاف کر کے ہر ایک کو شاہراہِ عام بنا دینے کیلئے ہوتی ہے اسی شخصیت کو قرآن حکیم۔ نبی۔ رسول۔ ہادی۔ کہہ کر ان کو "مامور من اللہ" ٹھہراتا ہے۔

"ضلالت"۔ "ہدایت" کی ضد ہے جس میں انسان اپنے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر غلط راستہ پر پڑ جاتا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اسکی خواہشاتِ نفسانی۔ ذاتی خود غرضیاں۔ اسکو اسکی ذات۔ یا زیادہ سے زیادہ اپنے بال بچوں کی فلاح کیلئے خلافِ فطرتِ انسانی شر کے طریقوں پر چلنے مجبور کر دیتی ہے جس میں بڑا پارٹ تقلیدِ جامد کا نظریہ ادا کرتا ہے۔

غیب "غیب" کہتے ہیں اس بات کو جو نظروں سے اوجھل ہو۔ مادی۔ اور غیر مادی شئے۔ یا مرئی۔ یا غیر مرئی تو تمہیں جو بھی آپ کی نظروں سے غائب ہوں۔ وہی تو "غیب" ہے۔ ہر حال کا۔ ماضی اور مستقبل "غیب" ہے۔ اسلام نے غیب کو ایمانِ کامل کی شرط قرار دی ہے۔ اسلئے کہ اسلام کے نظریات کے تمام اقدار کے نتائج مستقبل میں ظہور پذیر ہونگی وجہ در قانونِ قدرت پر یقین کئے بغیر انسان کی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر۔ بغیر غیب پر ایمان یقین رکھنے کے انسان کیلئے کوئی چارہ نہیں۔ مثلاً۔ آپ صبح کو بیدار ہو کر۔ ناشتہ کریں گے۔ یا۔ ناشتہ کے بعد اپنے معیشت کے کاروبار میں لگ جائیں گے۔ آپ تعلیم پا کر ڈگری حاصل کریں گے۔ آپ بحیثیت ملازم ختمِ ماہ پر تنخواہ پائیں گے۔ آپ کی شادی ہوگی۔ اولاد ہوگی۔ یہاں تک کہ آپ اسکول۔ یا دفتر جائیں گے۔ یا اسکول اور دفتر سے گھر واپس ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ہی تو "غیب" ہے۔ جب کہ ایک ذاتِ واحد۔ جو۔ نظر۔ فکر و فہم۔ حواسِ خمسہ سے بھی غیب میں ہے۔ اور ہر نیک و بدعمل کی جزا و سزا کا وعدہ ہو رہا ہے۔ بہتر خلافتِ ارضی۔ اور جنتِ ارضی کی بشارتیں دی جا رہی ہیں۔ در آں حالیکہ قوم اُمی ہے۔ بتلایئے کہ بغیر یقین غیب کے کس طرح انسان اپنے فکر و ذہن میں انقلاب پیدا کر کے عمل کی طرف قدم بڑھا سکتا تھا۔ یا بڑھا سکتا ہے!۔ آج بیسویں صدی میں جو کچھ ترقیات آپ دیکھتے رہیں۔ یہ سب غیب پر ایمان کے نتائج ہی تو ہیں۔

دین "دین" کے قرآنی معنی:۔ حساب۔ انصاف۔ قانون۔ اور قدرت۔ کے ہیں۔ انصاف اور حساب۔ اور قانون ان تینوں کا مفہوم۔ ایسا تو ازن قائم کرتا ہے جو حدِ اعتدال سے آگے پیچھے نہ ہو سکے۔ چونکہ فطرت

تقاضا ہر چیز کی سنوار ۔ مقدار ۔ اور ایک مقررہ راہ پر ڈال دینے کا ہے ۔ اسی لئے خالق کائنات نے تمام آدم زاد کو ایک ہی دینِ فطرت عطا فرمایا ہے ۔ اور وہ فطرتِ انسانی فطرت اللہ" کی مماثلت رکھتی ہے ۔ اسی لئے ہر قوم کے افراد ۔ یا جماعت میں دین کے اقدار مشترکہ ہیں ۔ ذرا بھی ایک دوسرے میں فرق نہیں ۔ مثلاً ۔ ہر قوم میں اور ہر زمانہ میں سچائی ۔ عبادت ۔ انصاف ۔ ایفائے عہد ۔ خدمتِ خلق ۔ فرض شناسی ۔ وغیرہ وغیرہ کو اچھا سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے ۔ اور سمجھا جاتا رہے گا ۔ برخلاف اسکے ۔ جھوٹ ۔ ظلم ۔ چوری ۔ دھوکہ دہی ۔ وغیرہ کو برا سمجھا گیا ۔ اور سمجھا جاتا ہے ۔ اور سمجھا جاتا رہے گا ۔

گویا اچھی دنیا بنانے کے لئے سچی انسانیت کے جتنے اقدار ہیں ۔ وہ تمام دین سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور وہ کرۂ زمین کی ہر قوم کے افراد ۔ اور جماعت میں مشترک رہیں گے ۔ جن کو قرآن "المعروف" ۔ کہتا ہے ۔ یعنی اچھائی ۔ صالحیت ۔ نیکی ۔ یہ المعروف " ہے ۔ اور برائی ۔ غیر صالحیت ۔ "المنکر" ہے ۔

یاد رکھیئے کہ ہر وہ کام جس کو آپ علانیہ منظرِ عام پر کر کے اپنے ضمیر کی مسرت محسوس کریں ۔ وہ "المعروف" ہے ۔ اور جس کام کو آپ علانیہ نہ کر سکیں ۔ بلکہ پس پردہ بھی کیا جائے تو نہ صرف اس کا سننے والا ۔ بلکہ آپ کا ضمیر بھی آپ کو ملامت کرے وہی "المنکر" ہے ۔ پس یہ ہے دین کی حقیقت ۔ جس کو قرآن کہتا ہے کہ آدم سے تا این دم ایک ہی دین اللہ نے انسانیت کے سنوار کے لئے مقرر کر دیا ہے ۔

مذہب "مذہب" کے معنی ہیں ایک ایسی راہ پر چلنا جس سے اچھی دنیا ۔ اور سچی انسانیت بن جائے ۔ اس کیلئے کسی قانون کے بندھن میں باندھا جانا لازمی ہے ۔ خواہ وہ قانونِ الٰہی ہو ۔ یا قانونِ انسانی جسکے ذریعہ آدمی انسانیت کا مقام حاصل کر کے مہذب و متمدن کہلانے کا مستحق بن جائے ۔ اسکی ضد ہے ۔ غیر مہذب یعنی ۔ جاہل مطلق العنان ۔ غیر متمدن ۔ سنسکرت میں "دھرم" کے معنی ہیں ، سب کو سنبھالے رکھنا ۔ ملائے رکھنا ۔ لہذا جس کام سے سب لوگ ملے جلے رہیں وہی "سچا دھرم" ہے ۔ جس کام سے سب کا بھلا ہو ۔ وہی "سچا دھرم" ہے ۔ انگریزی میں "ریلیجن" کے معنی بھی "باندھے رکھنا" ہے ۔

قرآن نے "دین" کو تمام اقوام کیلئے ایک ہی قرار دیا ہے ۔ مذہب کو وہ شرع و منہاج قرار دیتا ہے ۔ اور بتلاتا ہے کہ :۔ "اللہ نے ہر ایک "امت" یعنی گروہ ۔ قوم کیلئے علیحدہ علیحدہ شرع و منہاج مقرر کر دیا ہے ۔ یعنی مذہبی زندگی کا طور طریق علیحدہ علیحدہ ہے ۔ اگر خدا چاہتا تو سب ہی کو ایک امت کر دیتا ۔ لیکن ۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تاریخ آفرینش سے ایسا نہیں ہوا ۔ بلکہ ہر قوم اور ملت کیلئے مذہب کے طور طریق علیحدہ علیحدہ ہی رہے ۔ اور رہیں گے ۔ یہ اسلیئے کہ اللہ تم کو آزمانا چاہتا ہے کہ کون نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے ۔ اور کون شرع و منہاج ۔ یعنی مذہب کے اختلافات میں پڑ کر اصل مقصد تخلیقِ انسانیت یعنی دین کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے" (ملاحظہ ہو سورۂ المائیدہ ۔ آیت (۵۳) رکوع (۷ و ۸) ۔

لیکن ہر قوم ۔ اور ہر حاملِ کتاب نے دین اور مذہب کو ایک ہی معنی میں لیکر "امتِ واحدہ" کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ۔ اور اصل کو جو "دین" تھا ۔ "فروع" قرار دیا ۔ اور فروع کو اصل ۔ مثلاً ۔ مسلمانوں نے اپنی شریعت کو اصل دین قرار دیا ۔ دین کو جو اصل تھا فروع ٹھرا لیا ۔ یعنی اخلاقیات کے اقدار ۔ جو عین فطرت اللہ ۔ اور فطرتِ انسانی ہیں وہ شرع و منہاج کے مقابل قابلِ اعتناء نہیں سمجھے جاتے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ اور ہو رہا ہے کہ مثل دیگر مذاہب کے مسلمانوں کا بھی ایک مذہب امتِ واحدہ علیحدہ ہو کر رہ گیا ۔ جو عین منشاءِ قرآن حکیم کے خلاف ہے ۔ اگر آج ہر مذہب اس حقیقت کو

فکرکے فہم حاصل کریں۔ اور دین کو مذہب سے علیحدہ کرلے تو پھر اُمّتِ واحدہ کی تعمیر میں ذرا بھی وقت باقی نہیں رہتی۔ میرا فکر کہتا ہے کہ وحی کے آخری ایڈیشن ۔ اور سلسلہ بنی اسمٰعیل ؑ کے اول آخیر رسول محمد صلعم نے دُنیا کے سامنے اسی نظریہ کو پیش کیا تھا۔ (اس خصوص میں میرا ایک مختصر مقالہ "قرآن اور عالمگیر کیوں ہے؟" اور "ایک کتاب" کا مطالعہ مزید وضاحت۔ تشریح و توضیح کا باعث ہوگا۔ یا۔ آیندہ مدنی قرآن کے سلسلۂ نزول۔ ۔ ۔ میں میرا فکر و فہم آپ کے دعوتِ فکر کے لئے ملے گا)۔

شرع و منہاج قرآن نے دین کو بنیاد قرار دیا ہے ۔ جو کرۂ زمین کے تمام انسانوں کیلئے ایک ہی ہے جیسا کہ دین کی حقیقت میں ذکر کیا گیا ہے۔

شرع و منہاج۔ ہر مُلک و قوم کی آب و ہوا ۔ طرزِ معاشرت و تمدن کے مدِ نظر جدید طور طریق، جس سے ایک اچھا معاشرہ پیدا ہو جائے۔ گویا۔ ہر دین کے فروعات ۔ یعنی ذیلی مدات ہیں ۔ اُردو میں ۔ ریت ۔ رواج ۔ شرع و منہاج کا مفہوم ہوگا ۔ انھیں ذیلی مدات میں ۔ عبادات ۔ معاملات آجاتے ہیں ۔ جن کو مامور من اللہ دستورِ الٰہی کی روشنی میں مرتب کرکے اپنی قوم کو دیتا ہے۔

مثالاً اس بات کو سمجھئے کہ کسی حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ تو ایک ہی ہوگا۔ اقتدارِ اعلیٰ کے منشا کے لحاظ سے ایک دستور ہوگا۔ اس دستور کی روشنی میں ہر شعبہ حکومت کا اپنا قانون بنائے گا۔ اور اس قانون پر عمل کرنے کا ایک ضابطہ ہوگا۔ پھر اس ضابطہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کیلئے گشتیات ہوں گے ۔ اسی طرح اقتدارِ اعلیٰ تو ذاتِ واحد ہے۔ جس نے ہر قوم کیلئے مامور من اللہ کے ذریعہ ایک دستورِ حیات دیا جس کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ایک ہی دینِ واحد۔ اب ہر اسٹیٹ نے اپنے اپنے لئے قوانین و ضوابط دستور ہی کی روشنی میں بنالئے ۔ جو ہر اسٹیٹ میں رہنے والوں کے لئے واجب العمل ہوں گے۔

قانونِ معاہدات ۔ قانونِ شہادت تو اصل قانون ہیں جو دستور کی روشنی میں مرتب ہوئے ہیں۔ لیکن وہ کس طرح استعمال کئے جائیں گے ہر اسٹیٹ کیلئے وہاں کے علیحدہ علیحدہ طریقے اسکے لئے معین ہوں گے۔ مثلاً: ۔ جیسے گواہ سے حلف لیا جانا ۔ اب غور کیجئے کہ ہر مُلک و قوم کے حلف کا طریقہ اور نوعیت جُداگانہ ہوگی ۔ کل مملکت کے حلف کے الفاظ ایک ہی قرار دئے جائیں تو صحیح معنیٰ میں حلف کا مقصد باقی نہ رہے گا ۔ اس مثال پر مزید غور کیجئے کہ: ۔ حلفِ وفاداریِ مملکت ۔ ایک نے خدا کا نام لیکر حلف لیا۔ اور دوسرے نے یزدانِ پاک کا تیسرے نے یسوع مسیح کا۔ چوتھے نے ایشور ۔ یا رام کا ۔ ایک شخص نے کہا کہ: ۔ "میں خدا ہی کو نہیں مانتا ۔ بتلاؤ کہ میں کس کا نام لیکر حلف لوں؟"۔ اس سے پوچھا گیا کہ: ۔ "پھر تم کس چیز کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اہم سمجھتے ہو؟" ۔ اس نے کہا کہ: "میرا ضمیر"۔ پس اس کو ضمیر کا نام لیکر حلف لینے کی اجازت دی گئی ۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ شخص کو "اللہ کی قسم" کے الفاظ میں حلف لینا ہوگا۔ تو۔ مقصدِ حلف بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا ۔ اس طرح ہر مُلک کے ریت رواج اور طور طریق کے لحاظ سے شرع و منہاج دین کا ضامن ہوگا ۔ جس کو قرآنِ حکیم نے آخری وحی سورہ مائدہ کے رکوع (۷) میں وضاحت سے بتلادیا کہ: ۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ شرع و منہاج اصل دین ہے۔ تو۔ اس غلطی کی وجہ وہ فہمِ قرآنِ حکیم کو حاصل نہیں کرسکتا ۔ بلکہ بھول بھلیوں میں وہ حیران و پریشان رہے گا۔

ثواب ۔ عذاب

"ثواب" کے معنیٰ :۔ بدلہ ۔ اجر ۔ معاوضہ ۔۔ قرآن نے ثواب کا لفظ ۔ نیک عملی کی جزا ۔۔ اور ہر عمل کی سزا ۔ دونوں کیلئے استعمال کیا ہے ۔ جیساکہ اُردو میں کہا جاتا ہے کہ :۔ "تم کو اس عمل کا بدلہ ملے گا" ۔ تو ظاہر ہے کہ ۔ اچھے اور بُرے دونوں قسم کے اعمال کیلئے لفظِ بدلہ استعمال کیا جائے گا ۔ درود صحیح ہوگا ۔ آپ غور کیجئے کہ ہر اُمتِ محمدی کی زبان پر یہ لفظ جاری ہے کہ :۔ "دیکھو ! اس کام میں ثواب ہے اور اس کام میں عذاب !" ۔ ثواب کیلئے اس کا تصور صرف اس قدر ہے کہ ۔ اس کام کے کرنیکا اچھا بدلہ اسکے لئے آخرت میں یقینی ہے ۔ یعنی اس کے ہر اچھے عمل کے ظاہر ہوتے ہی کوئی ایسی غیر مرئی چیز ہے جو اس کو اخذ کر لیتی ہے جس کی وجہ اس کی موت کے بعد وہ پیمانہ یا ظرف ۔ یا دفتر اس کو دے دیا جاتا ہے ۔ اس زندگی سے اس کا کوئی تعلق کسی کے فکر و ذہن میں آپ کو نظر ہی نہ آسکے گا ۔

دراں حالیکہ قرآنِ حکیم لفظِ ثواب کا استعمال کسی اچھے یا بُرے عمل کے نتائج کیلئے کرتا ہے ۔ جس کا ظاہر ہونا اس دُنیا میں لازمی ہے ۔ گو عمل کرنے والا زندہ نہ ہو لیکن اسکے عمل کا ثواب یعنی فایدے اور نتائج ظاہر ہوتے ہیں جس سے دوسروں کو فایدہ ملے ۔ اگر وہ اچھے عمل ہیں تو اچھے فایدے ملیں گے ۔ اور بُرے ہیں تو بُرے ۔ چونکہ قرآن نے دُنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کی کوئی علٰحدہ تقسیم نہیں کی ۔ بلکہ دونوں کو مشترک قرار دیا ہے ۔ جیسے روح اور مادہ ۔ اگر ایک نہیں تو دوسرا بے معنٰی ہے ۔ پس ۔ ثواب یعنی بدلہ ۔ ہر کام کا اس دُنیا میں نمایاں ہوتا ہے تو وہ ضرور آخرت میں بھی نمایاں ہو سکتا ہے ۔ جب وہ یہاں پر نمو نہیں پا سکتا تو آخرت میں کیسے وہ نمایاں ہوگا !۔

یہ کیسی بے معنی اور مہمل بات ہے کہ ۔ آپ روزمرہ ۔ بلکہ ہر آن و ہر لحظہ قانونِ قدرت میں ثواب کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ آپ تخم بوتے ہیں تو جس قسم کا تخم بوتے ہیں اسی کا درخت پیدا ہوتا ہے ۔ اور وہی تخم زاید مقدار میں آپ کے ہاتھ لگتا ہے ۔ آپ لکڑی کاٹتے ہیں ۔ تو ۔ لکڑی کا ایک عظیم الشان درخت آپ کیلئے ایک بہترین ٹاٹ تعمیرِ مکان کیلئے مہیا کرتا ہے ۔ لیکن ۔ آپ جس شاخ پر بیٹھے ہیں ۔ اسی کو کاٹ رہے ہیں ۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس لکڑی سے میں مکان کی تعمیر کروں گا ۔ تو یہ خیال آپ کا غلط ہوگا ۔ دراصل وہ لکڑی آپ کی قبر کے برگوں کا ثواب دے گی ۔ کیونکہ جب لکڑی کٹ جائے گی تو آپ گر پڑیں گے اور آپ کی موت واقع ہوگی ۔

بہرحال ۔ ان مثالوں کو سامنے رکھ کر آپ لفظِ ثواب کے مفہوم کو قرآن میں تلاش کیجئے تو آپ کیلئے سب کچھ حاصل ہوگا ۔ اگر آپ ثواب کے معنی تقلیدِ جامد کی اندھیری کوٹھری میں خود بھی آنکھ بند کرکے ٹٹول رہے ہیں تو شاید اسی کے بجائے سانپ آپ کے ہاتھ لگے اور وہ آپ کو ڈس لے ۔

پس ۔ اسی طرح ثواب کا تصور حاملینِ قرآن کو حقیقت سے نا آشنا رکھ کر تلاوتِ قرآن کا ثواب ۔ نماز کا ثواب ۔ روزہ کا ثواب ۔ اور ۔ اوراد و وظایف کا ثواب ۔ یہاں تک کہ اُمتِ محمدی کے فرقوں کو ۔ یا افراد کو کفر کا فتویٰ دینے کا ثواب ۔ غیر فرقہ کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے کا ثواب ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ تقریباً ایک ہزار سال سے ناگ سانپ بنا ہوا ڈستا چلا جا رہا ہے ۔ اور موت کے گڑھے ان کی لاشوں سے بھرتے جا رہے ہیں ۔

مختصر یہ کہ ہر شخص اپنا جائزہ خود لے کہ ۔ وہ دن بھر جو کچھ کیا تھا اس کے نتائج اسکے لئے کس قدر دیرپا ہیں ۔ اور پھر وہ اس کے لئے خوشگوار ہیں ۔ یا ۔ ناخوشگوار ۔ اگر خوشگوار ہیں تو سمجھے کہ اچھا ثواب ملا ۔ اور اگر ناخوشگوار ہیں تو سمجھ لے کہ بُرا ثواب ملا ۔۔ کیا اس کیلئے آپ کو کسی عالم ۔ یا مشایخ سے مراقبہ ۔ یا الہام کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی ؟ یا آپکا ضمیر اس حقیقت کا آئینہ دار ہوگا !۔

صَلاَ۔ سے صلوٰۃ

زرض۔ فرضِ منصبی۔ دین۔ ایمان۔ دُعا۔ رحمت۔ برکت۔ مسلمانون کا ایک جا جمع ہوکر خالق اللہ کی عبادت کرنا۔ اور اپنے کو بحیثیتِ مومن۔ ہر قسم کے عملِ صالح کیلئے تیار کرلینا یعنی "نماز"۔ یہودیون کی عبادت گاہ۔

صَلَّی :۔ فرضِ منصبی ادا کرنا۔ نماز ادا کرنا۔ دُعا کرنا۔ رحمت و برکت نازل کرنا۔
صَلٰی :۔ صَلِیَ۔ آگ مین بُھنا جانا۔
صَالِی :۔ جو لوگ آگ مین بُھنے۔
صَلِیّ :۔ آگ مین جلنے والے۔

اب غور کیجیئے کہ صلوٰۃ کے معنیٰ۔ اور ذراسی تبدیلی سے صَلّٰی کے معنیٰ کیا ہوتے ہین۔ اور پھر ذرا سے اعراب کے بدلنے سے کیا ہوگئے۔ جب اس لفظ کا ترجمہ کیا گیا تو۔ اُردو مین "نماز" لکھا گیا۔ جو فارسی لفظ ہے۔ نکہ عربی۔ اگر صلوٰۃ کا ہندی۔ یا سنسکرت مین ترجمہ کیا جائے تو۔ پوجا۔ اور۔ پرارتھنا ہوگا۔ انگریزی مین۔ پرایر۔

یہ تو ہوا لفظی ترجمہ۔ تو کیا۔ قرآنِ حکیم مین یہ لفظ جہان جہان آیا ہے ہر جگہ "نماز" ہی مقصود ہوسکتی ہے؟ یا صَلّٰی کے معنیٰ ہر جگہ رحمت و برکت ہی کے ہون گے؟۔ ہمارے محاورے مین تو۔ بس۔ جہان یہ لفظ آئے گا۔ وہان ایک ہی معنیٰ لئے جائین گے کہ مسلمانون کے پانچ وقتہ ادائی فرائض۔ یعنی۔ نماز۔

اور صَلّٰی کے معنیٰ رحمت و برکت کے سوائے کوئی فرضِ منصبی کے نہ لے گا۔ کبھی غیر مذہب کی عبادت کو ہم صلوٰۃ نہین کہین گے۔ اور نہ نماز۔ درآن حالیکہ قرآنِ حکیم نے ہر مذہب کے طریقۂ عبادت۔ اور ہر مذہب نہ بلکہ ہر فرد کے ادائی فرائض کو صلوٰۃ ہی کہا ہے۔ دیکھیئے :۔ "ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی" (اور اسکے ملائکہ اپنے نبی پر رحمت نازل کرتے ہین)۔
"یا ایھا الذین اٰمنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما" ۔۔۔ (اے ایمان والو! تم کو چاہیئے کہ تم اس پر رحمت اور سلام بھیجو)۔

اب غور کا مقام یہ ہے کہ۔ یہ رحمت اور برکت تو اللہ نازل کرتا ہے۔ پھر مومنون کیلئے جو حکم ہے اس کے کیا معنیٰ ہون گے۔ اگر یہان پر فرضِ منصبی معنیٰ لئے جائین تو مفہوم پورا ہوجائے گا۔ یعنی اللہ۔ اور ملکوتی قوتین اپنے نبی کی ہر قسم کی مدد کرتے ہین۔ "اے ایمان والو! تم بھی اپنے فرائضِ منصبی کو فرمانبرداری کے ساتھ پورا کرو!"۔ اس آیت کے متعلق میرا فکر آپ کو سورۂ احزاب کی جو سلسلہ مین تفصیل سے ملے گا۔ کہ۔ "درود" کے متعلق اُمتِ محمدی نے کس طرح منشاء وحی مین معنوی تحریف کردی ہے۔ اور اصلی منشاء وحی کو منقلب کرکے اسکی روح کو فنا کردیا ہے۔

انھین حروف مین ذراسی اعراب کی تبدیلی سے وہ لفظ آگ کے شعلے بن جاتا ہے۔ جیسے کہ اُردو مین "شِیر" کے معنیٰ تو دودھ کے ہوتے ہین۔ اور "شیر" کے معنیٰ ایک خونخوار درندے کے۔ بس۔ اسی پر سے اندازہ کیجیئے۔ اعراب کے بدلنے ہی تلفظ بدلا۔ اور معنیٰ کہان سے کہان ہوگئے۔ پھر محاورے کے لحاظ سے ایک ہی لفظ کے مفہوم بیسیون ہوگئے۔ اگر ہم ایک ہی معنیٰ و مفہوم مین صلوٰۃ کو لے بیٹھین تو پھر کس طرح قرآنِ حکیم کا صحیح مفہوم ہمارے ذہن نشین ہوسکتا ہے!۔ لہٰذا صلوٰۃ کے معنیٰ اگر "ادائی فرائضِ منصبی" کے لیئے جائین تو ہر قسم کی عبادت۔ اور۔ ہر قسم کے فرائض کا تصور نہ صرف اپنے لئے بلکہ ہر مذہب کیلئے قابلِ فہم ہوجائیگا۔ پھر ہم کو ہندوؤن کی پوجا۔ اور۔ دیگر مذاہب کی عبادت کیلئے "نماز" کا لفظ استعمال کرنے مین کوئی کراہیت نہوگی۔ پھر ہم آسانی سے اُن آیات کے مطالب بھی تو سمجھ سکین گے جن مین قرآن نے تمام مذاہب کیلئے صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ یا صلوٰۃ سے روکنے والون پر "ویل" بھیجتا ہے۔ یا۔ تارکینِ صلوٰۃ۔ عدم ادائی فرائض کی صورت مین وہ "کافر" اور مشرک۔ اور ظالم۔ فاسق کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ مگر ہمارا تصور تو یہی ہے کہ تاریخ آفرینشِ آدم سے لے کر تمام مذاہب کی "صلوٰۃ" اسی طرح تھی جیسی کہ

اُمتِ محمدی کی شرع میں ہے۔ اگر اسکے خلاف کوئی صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو وہ کافر ہے مشرک ہے۔ اور اسکو صلوٰۃ کہنے والا بھی کافر۔

زکوٰۃ ۔ زکاۃ

"زکوٰۃ" یہ لفظ شامی لغت کا ہے۔ جس کے معنیٰ :۔ عملِ صالح۔ ٹھیک کام۔ مناسب عمل کے ہیں۔ شرعِ محمدی میں ۔ خدا کے ایک مقررہ ٹیاکس ۔۔ قرار دیئے گئے ہیں۔ جو اپنی ذاتی کمائی سے ایک حصہ "بیت المال" یعنی "خزانۂ حکومتِ قرآنیہ" میں واصل کیا جائے۔

اِسی لفظ سے اور بھی لفظ نکلے ہیں:۔

زَکی :۔ بے عیب۔ تندرست۔ صحیح وسالم۔ صلاحیت رکھنے والا۔ بے قصور۔

اَزکیٰ :۔ بہت اچھا۔ نہایت اچھا۔

زکّی :۔ اصلاح کرنا۔ اچھا بنانا۔

تزکّی :۔ اچھے بننے کی کوشش کرنا۔

قرآن نے ہر مذہب میں صلوٰۃ۔ اور۔ زکاۃ کی فرضیت عاید کرنے کا ذکر کیا ہے ۔ تو۔ اسکے معنیٰ یہ تو نہیں کہ مثل اُمتِ محمدی کے ہر مذہب میں چالیسواں حصہ زکاۃ کا مقررہ تھا۔

اگر غور کیا جائے تو دُنیا بھر کے ٹیاکس آپ کو ہر مذہب اور حکومت میں نظر آئیں گے۔ وہ سب کن اغراض کیلئے وصول کئے جاتے رہیں؟ ۔ پھر قرآن حکیم نے زکاۃ کا جو حکم دیا تھا۔ اور بانیٔ سلطنت قرآن ازمؐ نے اس کو وصول کر کے کن اغراض میں لگایا تھا۔ اور اصحابِ رسول صلعم نے اس میں کیا کمی اور اضافے کئے۔ اور کن کن مصارف میں اس کو صرف کیا۔ پھر آج زکاۃ کا مفہوم تو بدل چکا ہے۔ وہ مثل صلوٰۃ کے ایک بے معنیٰ اور بے روح حقیقت ہے۔ کوئی مسند نشین خلافِ رسولؐ اس پر غور و فکر کرنے کیلئے تیار نہیں کہ زمانہ کے انقلاب کی روشنی میں حقیقتِ زکاۃ کا جائزہ لے کر مقصدِ زکاۃ کو مسلمانانِ عالم کے سامنے پیش کر دے۔

یہ موضوع بحث ایک تحقیقی مقالہ کا طالب ہے۔ یہاں پر صرف اس قدر بتلا دینا ہے کہ قرآن کا یہ بیان کہ "ہر مذہب و ملت میں اللہ نے صلوٰۃ کے ساتھ زکاۃ کو بھی فرض گردانا تھا"۔ اس کا ثبوت آج بھی آپ کو ہر مذہب میں نظر آئیگا یعنی وہ تمام مالی مدات جس کا مذہباً خرچ کرنا لازمی ہے اُس مذہب کی زکاۃ ہے۔ گویا زکاۃ ہر مذہب کی ایک مالی عبادت ہے۔ جس کیلئے ہر مذہب نے اپنے شرع و منہاج کی روشنی میں نصاب مقرر کئے ہیں۔ جیسے کہ اسلام میں اسکے مختلف نصاب بنے ۔ یعنی۔ آنحضرت صلعم کی حیات میں جو چیزیں نہ تھیں ۔ لیکن فتوحات کے دائرہ کی وسعت نے اصل زکاۃ کی حقیقت کو پیش نظر رکھکر اصحابِ رسولؐ اور آئمہ کو نئے نئے ذرائع مال پر نصاب کا تعین کرنے مجبور رکھا۔ یہ ہے۔ اس "دستورِ الہیٰ" کی لچک ۔

یہاں پر اس بات کو ذہن نشین رکھئے کہ۔ کوئی اسٹیٹ۔ یا۔ حکومت یا ادارہ یا تحریک بغیر مالیات کے سرسبز نہیں ہوسکتا۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت خلیفۂ اول نے منکرینِ زکاۃ سے قتال کیا۔ یعنی جنگ کی۔ جس کے معنیٰ یہ تھے کہ زکاۃ کی ادائی سے انکار گویا حکومتِ الہیہ سے کھُلی بغاوت تھی۔

آج اِس بیسویں صدی میں آپ مہذب ملک کے ٹیاکس کے اصول اور اس کے خرچ کو سامنے رکھ کر زکاۃ کے بیت المال میں جمع کرنے کا لزوم اور مداتِ خرچ پر فکر کریں تو زکاۃ کا مفہوم آسانی سے آپ کے ذہن میں آسکتا ہے۔

حشر ایک ایسا زمانہ۔ وقت۔ ساعت۔ یا۔ حالات۔ جو ماضی میں "قانونِ مکافات" یعنی گذشتہ زمانہ کے اعمال کے نتائج نیک و بد کو ظاہر کرنے والا ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم نے سورۂ حشر میں اس زندگی میں۔ یعنی۔ دُنیا ہی میں نتائج اعمال کے ظہور پذیر ہونے کو "حشرِ اول" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پس۔ اسی طرح۔ وعدہ کا دن: یوم القیامت۔ کی دو تقسیم کر لیجئے: ایک تو اسی دُنیا میں نتائج اعمال کا ظہور ہوتا ہے: خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ اور دوسرے مرنے کے بعد جس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں پر کس نوعیت اور کس طریقہ پر قانونِ مکافات اپنا عمل کرے گا: اس خصوص میں صرف اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ

"کان را کہ خبر شد۔ خبرش باز نہ آمد"

شعورِ انسانیت سے آج تک یہ حقیقت راز ہی میں رہی: اور نہ معلوم کب تک رہے گی: جو کچھ اور جیسا کچھ کہا جاتا ہے: وہ سب داخلِ احساس و فکرِ انسانی ظنیات ہیں: اس کے آگے کچھ نہیں۔ لیکن اپنی زندگی ہی میں قانونِ مکافات پر نظر کر کے انسان کو اپنے اختیاراتِ عمل کو کام میں لانا ضروری ہے۔ کیونکہ "دُنیا مزرعۃ الآخرۃ" ہے۔ پس دوسری زندگی میں اس زندگی کے نتائج کا عکس ضرور نمایاں ہو گا۔

دوزخ۔ یا۔ جہنم یہ ایک محاورہ اور استعارہ ہے۔ جو روزمرہ زبانِ اُردو استعمال ہوتا ہے کہ جب کوئی اپنے ہاتھوں کسی غلط راہ روی پر پڑ کر تباہی کی طرف چل پڑتا ہے تو شدید تکالیف کے مدِ نظر کہا جاتا ہے کہ: "خود اپنے ہاتھوں جہنم میں گر رہا ہے"۔ زبانِ عربی میں "جہنم" ایک محاورہ تھا جسکو قرآن حکیم نے مخاطبین کی ذہنیت کے لحاظ سے خوف دلانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ چونکہ جسمِ انسانی کے لئے سب سے زیادہ باعثِ تکلیف آگ کی تپش ہوا کرتی ہے۔ اس لئے "نارِ جہنم" یعنی دوزخ کی آگ کے عذاب سے ڈرا دیے ہیں۔

عرش و کرسی "اقتدارِ اعلیٰ" کے مفہوم میں اس کو سمجھنا ہوگا: جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ: "فلاں مُلک میں آج کل فلاں بادشاہ کی تخت نشینی ہوئی" یعنی سریر آرائے سلطنت ہے: جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ: اس کو اپنے ملک میں سیاہ و سفید کے اختیاراتِ کاملہ حاصل ہیں: کوئی اس کے اقتدارِ اعلیٰ میں مداخلت یا دست اندازی نہیں کر سکتا۔

انصاف ایسا کام جس میں اعتدال ملحوظ ہو۔ یعنی ایک ترازو کا صحیح تول: جس کا کانٹا توازن کو برقرار رکھے۔ انسان کی تخلیق کا منشار قدرت اسی کی سنوار۔ اور مقدار میں مضمر ہے: جس کے بعد ہی فرائضِ تخلیق کما حقہٗ پورے ہو سکتے ہیں: اگر توازن اچھائیوں کی طرف زیادہ سے زیادہ ہو جائے بھی تو مقصدِ تخلیق پورا نہیں ہو سکتا۔ اور بُرائیوں کی طرف بھی زیادہ ہو جائے تو بھی بُرا ہے۔ مثلاً: مقصدِ حیاتِ انسانی کو ترک کر کے ایک شخص۔ یا جماعت سنیاس۔ یا۔ رہبانیت اختیار کرے تو انصاف باقی نہ رہے گا۔ اور اسی طرح بُرائیوں کی طرف مایل ہو جائے تو خرابیِ سماج کا باعث ہو گا۔

چونکہ قدرت ہر چیز کو اچھی ہی بناتی ہے کیونکہ خالق "احسن تقویم" ہے۔ لہٰذا کوئی چیز باعثِ شر نہیں۔ لیکن توازن کی خرابی یعنی انصاف سے ہٹ کر وہ "شر" ہو جاتی ہے۔ مثلاً: سنکھیا۔ زہر ہلاہل ہے۔ مگر ایک حکیم کا توازن سے

س کا استعمال ایک قریب المرگ کو زندگی عطا کرتا ہے۔ اور شیر مادر جیسی حیات بخش چیز اعتدال کی خرابی کی وجہ زہر بن جاتی ہے۔ س مثال کو سامنے رکھ کر خیر اور شر کو سمجھنا ہوگا کہ ہر عمل میں خیر ہے۔ لیکن حدود مقررہ کے توازن کے تحت۔ ورنہ وہ "شر" ہو جائے گا۔

ظلم انصاف کی ضد ہے۔ ہر بات۔ اور عمل۔ جو اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ اور جو ذاتی منفعت یا خود غرضی کے تحت ظہور پذیر ہو۔ اس کو "ظلم" کہا جائے گا۔ مثلاً: کسی کا قتل ظلم ہے۔ لیکن وہی بصورت قصاص انصاف ہو جاتا! کسی کے مکسوبہ مال کا حصہ جبراً لے لینا تو ناجائز ہے لیکن مفادِ عامہ کی خاطر حاصل کرنا: جس کو آپ مالِ غنیمت۔ یا۔ ٹیاکس۔ یا جزیہ۔ یا زکاۃ کہتے ہیں۔ عین تقاضاء انصاف ہے۔

سب سے بڑا ظلم اپنے نفس کا ہے۔ جس سے سماج کے اخلاق و کردار میں خرابی پیدا ہو جائے۔ اور خودداری و خوداعتمادی فنا ہونے لگے۔ مثلاً:۔ خودکشی: جو ہر مذہب اور ہر متمدن قوم کے قوانین میں ظلم قرار دی گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سے بڑھ کر ظلم کی حقیقت۔ تو وہ ہے: جو انسان کی فطرت کو منقلب کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ یعنی انسان آزادئ فکر کا حامل پیدا کیا جاتا ہے: اور اس کو تقلیدِ جامد اپنی غلامی کے قید و بند میں جکڑ لیتی ہے۔ اسی لئے قرآن نے ایسے ظالموں کے متعلق واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ:۔ "اللہ کبھی ظالموں کو ہدایت ہی نہیں دیتا: ظالموں یعنی ان کو آزادئ فکر نصیب ہی نہیں ہوتی۔

فرشتے۔ شیطان اور جن یہ ایک انسان کی ظنی و ذہنی غیر مرئی مخلوق ہے: جو داخلی احساس تو سب کچھ ہے اور ضرور ہے۔ اور خارج از احساس کچھ نہیں۔

چونکہ انسان خوف کو تاریخ شعورِ انسانیت سے اپنے ورثہ میں پایا ہے: اس لئے اس نے بعض غیر مرئی قوتوں کے نام منتخب کر کے ان کے اثرات کو مانا۔ اور اس پر یقین کامل لے آیا۔ در آن حالیکہ وہ تمام قوتیں ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ جیسے: ہوا۔ آپ غور کیجئے۔ ہوا۔ تو لطیف ہے۔ آپ کو بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتی: لیکن اس میں جب کثافتیں مل جاتی ہیں تو بعض صورت میں نظر آتی ہے۔ جیسے دھواں۔ گرد و غبار۔ لیکن بعض لطیف اشیاء جب اس میں ملجاتی ہیں تو وہ نظر نہیں آتی۔ دونوں بھی لطافت کی وجہ غیر مرئی کیفیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اثرات ضرور مترتب ہوتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ہوا سے بھی لطیف برقی لہریں ہیں: اور اس سے زیادہ لطیف ایتھر ہے: اور اس سے زیادہ لطیف اور قوی انیرجی کی قوت ہے: ان سب کی قوتیں اور اثرات بھی تو مختلف ہیں۔ ایک سائینٹسٹ تو یہ جانتا ہے کہ انیرجی ایک قوت ہے۔ لیکن آپ کو بتلا نہیں سکتا: البتہ اس کے اثرات جو کچھ مترتب ہوتے ہیں اس کو وہ ظاہر کر دے گا۔ لیکن مادی صورت میں تو وہ آکسیجن۔ ہائیڈروجن کو بھی آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا: اگر پیش کرے گا تو مادی صورت میں ایک دوسرے تام کے ساتھ۔ یعنی پانی کی صورت میں۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ آکسیجن خدا کی مخلوق نہیں تو پھر وہ بتلائیے کہ "اس کا خالق کون ہے؟"۔ اسی طرح اگر کوئی نائیٹروجن کے مضر اثرات کا نام "شیطان" رکھ لے اور آکسیجن کا نام فرشتہ رکھے تو رکھ سکتا ہے: اسلئے کہ اول الذکر سے اس کو تکلیف۔ یا۔ شر پہنچتا ہے۔ اور ثانی الذکر اس کیلئے راحت و زندگی کا باعث ہے۔ چونکہ مخاطبین وحئ الٰہی غیر مرئی قوتوں کے متعلق کوئی سائینسی علم نہیں رکھتے تھے: اس لئے انھوں نے اچھے اور بُرے نام رکھ لئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انھوں نے نہیں رکھے۔ مامور من اللہ نے وحئ الٰہی کے تحت

انکے ڈراوے اور ~~تعویذ~~ تعبیرون کیلئے ہر قوم مین ایسی غیر مرئی قوتون کے نام بتلا کر بشارت اور نذارت کے نسخے تجویز کئے جس سے انسانیت کے امراضِ مہلک کو صحت حاصل ہو ۔ اور یہ قوتین بصورتِ مقویات اسکی صحت و تندرستی کا باعث بن جائے۔

میرا فہم و فکرِ قرآنی اِس خصوص مین بوضاحت تمام آیندہ اوراق مین آپ کے مطالعہ مین آنے کے بعد شاید آپ کے فکر و فہم کی رہنمائی کا باعث ہو سکے ۔ اسلیئے یہان پر مختصراً اشارات کر دیے گئے ہین تا کہ مطالعہ قرآن کے وقت آپ کا فکر اس پر غور کرتا جائے۔

جبر و قدر

یہ دو لفظ تو ہمارے لئے عجیب ناقابلِ فہم معمہ بنے ہوئے ہین ۔ ہر شخص یوچھ یوچھکر ڈین کر اس مسئلہ پر گفتگو کرتا ہے ۔ میرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ۔ اسلام مین سب سے پہلے اِن دو الفاظ کا شوشہ شیطان نے لگا دیا ۔ دوسری تیسری صدی ہجری سے مسلمان علماء کی دو پارٹیان تھین ۔ اور ہر پارٹی نے اپنے اپنے علمِ کلام فلسفہ و منطق کے زور پر اپنا اپنا فرقہ الگ بنالیا۔ جو برابر آج بارہ سو سال سے اسکے زہریلے جراثیم جسم اُمتِ محمدی مین دق کے جراثیم کی طرح داخل ہو کر اسکو مردہ بنا رہے ہین ۔ میرا فکر تو یہ ہے کہ جب مسلمانونکے قوتِ عمل پر فالج کا حملہ شروع ہوا تو انھون نے سب سے پہلے تقدیرِ معلق و تقدیرِ مبرم کی اصطلاح رایج کی! اور یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے مقسوم مین قسامِ ازل نے لکھ دیا ہے پس وہ ہو کر رہیگا میرا یہ خیال ہے کہ قرآن کے اِس ارشاد نے کہ "ان اللہ علی کل شیئ قدیر" پہلے کے مسلمانون کو معراجِ ترقی عطا کی تھی! ور اسی آیت نے بعد کے مسلمانون کو اسفل السافلین مین پہنچا دیا ۔ قرنِ اول نے اس آیت کا منشا یہ لیا کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو ہم اللہ کے خالقین بنکر سرگرمِ عمل ہو جائین تو ہر چیز پر ہمکو قدرت حاصل ہو جائیگی ۔ اسطرح ہم اپنی تقدیر آپ بنالین گے ۔ بقولِ اقبال :۔ "عبث ہے شکوہ تقدیرِ یزدان ۔ تو خود تقدیرِ یزداں" کیون نہین ہے؟ لیکن جب اس آیت کا منشا فالج کے حملہ کیوجہ یہ سمجھ لیا گیا کہ "ہم کیا کر سکتے ہین جبکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے! ۔ وہی سب کچھ کر لیگا!" نتیجہ یہ ہوا کہ اس غلط فہم کیوجہ سے تدریجاً حاملینِ قرآن کو مومن کے مقام سے دھکا دیکر نکالدیا ۔ یہ دوسرون پر اپنی مرضی جو چلایا کرتے تھے اب دوسرونکی مرضی کے تابع ہو گئے ۔ اقبال کہتے ہین :۔ "مومن نہین جو صاحبِ لولاک نہین ہے" ۔ غور کیجئے کہ تقدیرِ الٰہی تو ایک قانونِ قدرت ہے جو تخلیقِ کائنات کے موقع پر ہی ہر شئے کیلئے مقدر کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً :۔ آگ جلائیگی ۔ اور آفتاب کے طلوع ہونے سے تاریکی غائب ہو جائیگی ۔ ہر چھوٹا بڑا ۔ برا ۔ یا ۔ اچھا عمل کائنات کی ہر شئے کا ایک نتیجہ پیدا کریگا ۔ ور کائنات کے ذرہ ذرہ کو تقدیرِ الٰہی نے جبریہ پابند کر دیا ہے ۔ صرف ایک انسان کو تدبیر کا حق عطا فرما کر اسکو اسکے عمل مین آزاد و خود مختار بنا دیا ۔ اسکو قدرت دی کہ جسطرح چاہے وہ اپنے فکر و فہم عقل و خرد ۔ تدبیر کے ذریعہ اپنے افعال کا ارتکاب کرے ۔ یعنی جیسا بھی عمل کریگا قانونِ مکافات کے ذریعہ اسکو اسکا بدلہ ملے گا ۔ اسطرح آپ تقدیرِ الٰہی اور تدبیرِ عملِ انسانی کو علحدہ علحدہ کر دیجئے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے ۔ کوئی پیچیدگی باقی نہین رہ سکتی ۔ دیکھئے! آپ کی تقدیرِ الٰہی یہ ہے کہ آپ آنکھون سے دیکھ سکتے ہین ۔ اور کانون سے سُن سکتے ہین ۔ آپکے لئے یہ قانونِ الٰہی "جبریہ" ہے ۔ آپ ہرگز کان بند کرکے آنکھونکے ذریعہ سماعت حاصل نہین کر سکتے ۔ اور نہ کانونکے ذریعہ قوتِ بصارت ۔ لیکن جب آنکھون کی یا سماعت کی عوارضات کیوجہ کمزوری پیدا کرلی ہو تو پھر آپکی تدبیر مختلف ذرایع قدرت سے استفادہ حاصل کرکے بڑی حد تک اس کمزوری کو دُور کر لے سکتی ہے ۔ مثلاً ۔ عینک ۔ خُردبین و دُوربین ۔ آلہ کبر الصوت ۔ یا علاج معالجہ سے بصارت و سماعت کی کمزوری کو رفع کر لینے مین آپ مختارِ کل ہین ۔

قرآنِ حکیم نے تقدیرِ الٰہی کا ذکر کائنات کی عظیم الشان نشانیون مین کیا ہے مثلاً ۔ سورج ۔ چاند ۔ زمین ۔ بارش وغیرہ وغیرہ چونکہ انسان بھی تخلیقِ کائنات سے خالقِ تعالیٰ سبحانہٗ کی ایک عظیم المرتبت نشانی ہے جسکو خلافتِ زمین کا حقدار بنایا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اسکے لئے بھی لفظِ تقدیر قرآنِ حکیم نے استعمال کیا ۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ :۔ "لیس للانسان الا ما سعیٰ" (انسان جیسا عمل کریگا اسکا بدل بھی ویسا ہی پائے گا) یعنی اسکے سعی و عمل کے لحاظ ہی سے اچھے بُرے نتائج مرتب ہونگے ۔ کیونکہ وہ عمل مین "مختارِ کل" پیدا کیا گیا ہے ۔ تو انسان اپنی تقدیر آپ ہی بنا سکتا ہے ۔

آغازِ وحی

دورِ اوّل

سنہ ۶۱۰ء سنہ بعثت تا سنہ ۳ بعثت سنہ ۶۱۳ء

وحی نمبر (۱) تا (۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں میں نام سے اللہ کے جو بڑا رحمان اور رحیم ہے

اے میرے رب سبحانہ تعالیٰ! تو ہی اس آغاز کو انجام خیر تک پہنچانے کے اسباب پر قادر ہے۔

پہلی وحی سورہ علق

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۞ اِقۡرَاۡ
وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۞ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ۞

نام سورہ:۔ **العلق** تعداد آیات (١٩) تعداد رکوع (١) شمارہ ترتیب موجودہ (٩٦) پارہ (٣٠) شمار ترتیب نزول و بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (١) زمانۂ نزول آغاز دور اول سے آغاز بعثت سنہ ٦١٠ عیسوی [illegible] سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق بعض محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اس کی صراحت معلوم ہوگی:۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزول	١	١	١	١	١٩	١	١	١١	١و١١	١	١

توضیحات

آیات کا شمار	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
١ تا ١٩	١۔ محمد بن عبداللہ یعنی محمد عربی صلعم ٢۔ عام انسانیت ٣۔ [illegible] اور اللہ سے متعلقہ	ہر مذہب کی عبادات کے احترام کا حکم	مفہوم [illegible] [illegible] ..... تذکرہ کا مفہوم ..... علم کہانت لکھنے [illegible] [illegible] عنوان عمری محمد عربی صلعم پہلی وحیوں کی قاطعیت رسول اللہ سے	١، ٢، ٣، ٤، ٥، ٥	کل وحیوں کی تاریخ کیوں نہیں مل سکتی [illegible] انسانی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شفقیت	

آغاز نام سے اس ذات بے ہمتا کے جس نے انسان کو قوت فکریہ عطا کی

اے محمد! اس آقا (یعنی رب) کا نام لے کر اعلان تبلیغ کا آغاز کر جا

ف۔ میرا فکر:۔ لفظ اقرا کی حقیقت؟ یہ لفظ سامی ہے جسکے معنی آواز بلند پکارنا تھے [illegible] (باقی بر صفحہ ١٣٢)

انسان اس بات سے قطعاً بے خبر رہتا ہے کہ اس کو علم کہاں سے مل رہا ہے ۔ ۵ ۔ ف ۴ ۔

(بقیہ میرا فکر صفحہ ۱۲۳) وہ دراصل "قوتِ فکریہ" ہے ۔ اگر آپ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی ۔ اور بڑی سے بڑی مخلوق کی تخلیق میں غور کریں تو تمام قوتیں آپ کو کمی اور زیادتی کے ساتھ سب ہی میں نظر آئیں گی ۔ اگر نفی ہو گی تو "قوتِ فکریہ" کی ۔ جو سوائے آدم زاد کے کسی اور مخلوق میں اس کا وجود اس سائنسی دنیا میں بھی نہیں مل سکتا ۔ پس یہاں پر قلم کے متعلق اس بیسویں صدی کا فکریہ ہوگا کہ "علم" کا ذریعہ تو بلاشبہ "قلم" ہی ہے ۔ لیکن ۔ قلم کی ایجاد کا ذریعہ تو خالق سبحانہٗ کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو انسان کو عطا ہوئی ہے ۔ جس کے ذریعہ اس نے قلم کو ایجاد کر کے اسکو تعلیم کا ذریعہ بنا لیا یعنی قوتِ فکریہ۔ far fetched

---

ف ۴ ۔ علم الانسان ما لم یعلم ۔ اس پانچ لفظی جملہ پر غور کیجئے ۔ جو پہلی وحی کا یہ آخری جملہ ہے ۔

حصولِ علم کے ذریعہ سے بے خبری

نزولِ وحی کے وقت تو محمد عربی صلعم کی تسلی و تشفی کے لئے یہ جملہ اس طرح قابلِ فہم ہو سکتا ہے کہ انسان تاریخِ شعورِ انسانیت سے جو کچھ معلومات حاصل کرتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں :- ایک تو معلوماتِ ذاتی ۔ جو اسکے ماحول اور اسکے حواسِ خمسہ کے ذریعہ اسکے خزانۂ دماغ میں جمع ہوتے رہتے ہیں ۔ جو قوتِ سماعت ۔ بصارت ۔ شامہ ۔ ذائقہ ۔ اور احساس کے ذریعہ حاصل ہو جاتے ہیں ۔ لیکن دوسری قسم علم کی وہ ہے جو انسان کو اس کے قوتِ فکریہ ۔ یعنی دماغ (قلب) میں ایک اشارہ کے منعکس ہوتے ہی وہ اسکی صورت گری شروع کر دیتا ہے ۔ پس اس اشارہ کے ساتھ ہی وہ اپنے عقل و تدبر کے ذریعہ ایسی ایسی باتیں معلوم کر لیتا ہے جس کا وہم و گمان بھی کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں ہوتا ۔ اور ایسی ایسی ایجادیں کرتا ہے کہ کائنات کی قوتِ ملکوتی بھی حیران و ششدر رہ جاتی ہے ۔ پھر خود انسان کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ کس طرح اسکے فکر اور ذہن ۔ عقل ۔ فہم و ادراک میں اچانک ایسی بات ۔ اور ایسا علم آیا ۔ اور کہاں سے آیا ۔ کیسے آیا ۔ لہٰذا اشارہ ہو رہا ہے کہ وہ ۔ اے محمد ! تم پر اس وقت جو وحی نازل کی جا رہی ہے ۔ وہ بھی ایسی ہی ہے ۔ اور تم بہت جلد معلوم کر لوگے کہ آیندہ جس قدر پیاماتِ الٰہی تم کو ملیں گے ۔ وہ سب تمہارے رب ہی کی طرف سے تم کو ملیں گے ۔ اور تمہارا رب تم کو علم و حکمت کا معلمِ دنیائے انسانیت کے لئے بنا دے گا ۔ یاد رکھیئے کہ حقیقی علم جسکو "وجدانی علم" کہا جاتا ہے جس کی صورت "آمد" کی ہوتی ہے ۔ وہ عمامۂ فضیلت ۔ یا یونیورسٹیوں کی ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوتا ۔ یہ علم تو "آورد" ہی "آورد" ہوتا ہے ۔ وہ "علمِ حقیقی" جو "آمد" کی صورت میں قلبِ سلیم پر منعکس ہونے کے بعد آلۂ فکرِ انسانی اسکو ڈیویلپ کر کے اس کی صورت نمائی کرتا ہے ۔ وہ "علم خداداد" اور سعادتِ خالق تعالیٰ سبحانہٗ ہے ۔

فوٹو گرافی کی ایک مثال

اسکی ایک مثال فوٹوگرافی کے کیمرہ او نیگیٹو (NEGATIVE) کے اس آئینہ کی سمجھئے جس پر عکس منعکس تو ہو جاتا ہے مگر نمایاں اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کو خاص سلوشن (SOLUTION) میں دھویا جائے ۔ پس ۔ اسی طرح قلبِ انسانی (یعنی دماغ کا وہ حصہ جس کا مقام "عرشِ اعلیٰ" ہے نکہ یہ بائیں بازو سینہ میں جو گوشت کا لوتھڑا ہے جس کو عرفِ عام میں "دل" کہا جاتا ہے) پر جب کوئی اشارہ منعکس ہوتا ہے تو ۔ فکرِ انسانی اس کو عقل و تدبر اور معلومات کے "ماحول" اور "حواسِ خمسہ" کے مخلوط سلوشن میں دھو کر اس عکس کو نمایاں کر دیتا ہے ۔ پھر اسکو "عمل" کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ (جیسے کہ نگیٹو (NEGATIVE) کے بعد کاغذ پر تصویر چھاپی جاتی ہے ۔ جب تک وہ کاغذ پر نمایاں نہ ہو ۔ اسکے خد و خال ظاہر نہیں ہو سکتے) اگر اجزائے سلوشن میں کسی ایک جز کی کمی یا زیادتی (باقی بر صفحہ ۱۲۵)

(بقیہ ف ۴ ۔ میرا فکر صفحہ ۱۲۴) ہو جائے تو اصلی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ۔

اِس وحیِ الٰہی کو نازل ہوئے چودہ سو سال کا زمانہ گذر چکا ہے ۔ اور آج انسان کا فکر و فہم عقل ۔ سائینس کے نظریات میں نظامِ شمسی کو تابو میں لانے آسمان کی بلندیاں طے کر رہا ہے ۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے ۔ لیکن آج بھی انسان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں کہ :۔ " وہ نہیں جانتا کہ اس کو علم کہاں سے مل رہا ہے "۔ اس کی حقیقی تفسیر تو کسی اعلیٰ سائینٹسٹ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے جو اس وقت چاند کی تحقیقات میں لگا ہوا سب کچھ کر رہا ہے ۔ اگر آپ اس سے سوال کریں کہ :۔ " آپ نے یہ سائینسی نظریہ جو آج تک دُنیا کے کسی فردِ بشر کو معلوم نہ تھا کہاں سے حاصل کیا ؟ "۔ تو وہ بے اختیار بول اُٹھے گا :۔ " علم الانسان ما لم یعلم "۔

تاریخِ بعثت ۱۷ر رمضان ۔ سال چالیس عام الفیل مطابق دسمبر ۶۱۰ء شب قدر میں اس پہلی وحی الٰہی کے پانچ فقرات قلب محمد بن عبد اللہ صلعم پر قوتِ ملکوتی جبریل کے ذریعہ شہر مکہ میں متصل یعنی نازل ہوئے ۔ جب کہ محمد عربی صلعم غارِ حرا میں معتکف تھے ۔ اِن غیر متوقع کیفیات کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لائے ۔ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ سے اپنی وجدانی کیفیت بیان فرمائی ۔ پھر ورقہ بن نوفل کے گوش گذار اس کیفیتِ قلبی کا ذکر کیا گیا تو ۔ ورقہ نے بتلایا کہ غالباً یہ وہی سب سے بڑی قوتِ ملکوتی ہے جو ہر نبی ، اور رسول پر وحیِ الٰہی کو پہنچانے کا فریضہ ادا کرتی ہے ! ۔ یہ تو نبوت کی ابجد ہے ، کاش میں محمد عربی کے مقامِ رسالت پر پہنچ جانے تک زندہ رہا تو ضرور اِس رسولؐ بنی اسمٰعیل کے مصدقین میں داخل ہونگا ! ۔

سوانح حیات محمدِ عربی صلعم قبل اِسکے کہ ہم آیندہ سلسلۂ نزولِ وحیِ الٰہی پر فکر و غور کریں ۔ محمد بن عبد اللہ صلعم کی مختصر سی سوانحِ زندگی نزولِ وحی (یعنی قبلِ بعثت) کے پہلے کی ہمارے پیشِ نظر رہے تو فہمِ قرآنی کے حاصل کر لینے میں ممد و معاون ثابت ہوگی ۔

آپ نے ریگستانِ عرب کا نقشہ دیکھ لیا ہے ۔ سرزمینِ عرب میں خطۂ حجاز کا وہ حصہ جانب مغرب بھی آپکے پیشِ نظر ہوگا جہاں پر شہر مکہ واقع ہے ۔ اِس شہر کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ دونوں باپ بیٹوں نے ایک عبادت گاہ " کعبہ " کو تعمیر کر کے سنہ ۱۹۰۰ قبلِ مسیح رکھی تھی ۔ اور اِس ریگستان میں رہنے والوں کیلئے رزق عطا فرمانے اللہ سے دُعا کی تھی ۔ کیونکہ یہ وہ مقام تھا جہاں میلوں پانی ۔ یا سبزہ کا وجود ہی نہ تھا ۔ کہ تمام حصہ ریگستانی اور نا قابلِ کاشت تھا ۔ اِس شہر میں رہنے والی قوم کو اپنے جدِ اعلیٰ کے تعمیر کردہ معابد پر فخر تھا ۔ اور وہ اپنی معیشت کو سنبھالنے تجارتی سرگرمیوں میں منہمک رہتی ۔ اور رہا پنے کعبہ کے اطراف گھوم گھوم کر عبادت کرتی ۔ اور دوسروں سے کراتی ۔ سال میں دو مرتبہ یہاں یاترا (یعنی حج) ہوا کرتی ۔ جس کو عرب حجِ اصغر " و " حجِ اکبر " سے موسوم کرتے ۔ جس میں تجارتی میلے لگتے ۔ اور خوب ہما ہمی ہوتی ۔ چونکہ تمام ممالک کے تاجروں کے قافلوں کی رہگزر کا مرکز مکہ تھا ۔ اسلئے اسکو خشکی کا بندرگاہ سمجھا جاتا تھا ۔ آپ جانتے ہیں کہ بندرگاہ میں ہر قوم اور ملک و مذہب کے افراد کا گذر ہوا کرتا ہے ۔ ایسی حالت میں یہ " بین الملل معابد " یعنی خانۂ کعبہ سب مذاہب کو اپنانے اور ہر قوم اور ملک کے مذاہب کو زندہ رکھنے کا ایک بہترین آزاد مقام تھا ۔ پھر خوش قسمتی سے وہ تاریخ آبادی سے کبھی کسی سلطنت کا مفتوح ہو کر غلام یا باجگذار نہ بنا تھا ۔ اِسی لئے ہر مذہب یہاں پر آزاد تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کرۂ زمین کے تمام مذاہب کے مکتبِ خیال کا کوئی نہ کوئی فرد یہاں نظر آتا تھا ۔ اس طرح دینِ حق ۔ الحاد ۔ کفر ۔ بے دینی ۔ شرک ۔ بُت پرستی ۔ آتش پرستی ۔ کواکب پرستی ۔ غیر مرئی طاقتوں کی پرستش ۔ جیسے جن ۔ فرشتہ وغیرہ ۔ بہر حال (باقی بر صفحہ ۱۲۶) ۔

(بقیہ میرا فکر۔ ف ۴ صفحہ ۱۲۵) کوئی شعبۂ مذہب ایسا نہ تھا جسکا وجود یہاں نہ ہو۔ یا کم از کم اس سے شہر مکہ کا رہنے والا کوئی نہ کوئی واقف نہ ہو۔ اس شہر میں معابدِ کعبہ کے پرو معتبوں یعنی خدمت گذاروں میں عبدالمطلب بن ہاشم نسلِ اسمٰعیلی اپنے فرائض ادا کرتے تھے جن کے دس لڑکے اور کئی لڑکیاں تھیں۔ ۔ ۔ ان کا سب سے چھوٹا لڑکا عبداللہ تھا جو قربان گاہِ مکہ میں ذبح ہونے سے ایک عرافۂ یثرب کی وجہ جاں بخشی حاصل کرچکا تھا۔۔۔ عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وھب سے ۵۶۹ء میں ہوئی، جب آمنہ حاملہ ہوئیں تو عبداللہ نے سفرِ تجارت میں بمقام یثرب کسی مرضِ متعدی میں مبتلا ہوکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا جسکی اطلاع آمنہ کو واپسیٔ قافلہ پر مکہ میں ملی۔۔۔ اس طرح نئی نویلی دلہن آمنہ دو ماہ میں بحالتِ حمل بیوگی کے مقام پر کارکنانِ قضاء و قدر کی مہربانی سے لا کھڑی کردی گئی۔ اور جنین بھی قبلِ پیدائش ہی یتیمی کا حامل ہوگیا۔۔۔

یہ وہی زمانہ تھا جب کہ گورنر یمن یعنی ابرھا نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر معابدِ کعبہ کو ڈھانے اور حجرِ اسود کو یمن کے معبد میں نصب کرنے کے ارادے سے فوج کشی کی تھی۔ اور مکہ کا محاصرہ کرلیا تھا۔ لیکن لشکرِ ابرھا میں اچانک مرضِ چیچک پھوٹ پڑا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں سپاہی لقمۂ اجل بن گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابرھا کو اپنا محاصرہ اٹھاکر واپس ہونا پڑا۔۔۔ اس واقعہ سے عرب جاہلیہ نے "عام الفیل" یعنی ہاتھیوں کے سال کے نام سے اپنی نئی تاریخ کا آغاز کرلیا تھا۔۔۔ اسی عام الفیل کے ڈھائی ماہ بعد ربیع الاول کی کسی تاریخ عروج ماہ میں بطنِ آمنہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب عبدالمطلب کو اس کی اطلاع ملی کہ عبداللہ کا لڑکا بطنِ مادر سے پشتِ زمین پر آیا ہے تو وہ فوراً آمنہ کی قیام گاہ پر آئے۔ اور اپنے نوزائیدہ پوترے کو خوشی خوشی گود میں لے کر معابدِ کعبہ پہنچے۔ اپنے طریقے پر اسکی آیندہ زندگی کیلئے نیک تمناؤں کو ربِ کعبہ سے مانگا۔۔۔ جب یہ خبر عبدالعزیٰ یعنی ابولہب کو ملی تو اس نے اپنے یتیم بھتیجہ کی پیدائش کی مسرت میں ایک باندی ثویبہ کو فوراً آزاد کردیا۔ ساتویں دن اس نومولود کا عقیقہ کرکے دادا نے اس کا نام محمد رکھا۔۔۔

دستورِ عرب کے لحاظ سے محمدؐ۔ دایہ حلیمہ سعدیہ کے حوالہ کردیے گئے۔ جو قبیلہ طایف کے قریب چراگاہوں میں اپنی گذر بسر کرنے والے ایک چھوٹے سے قبیلہ کی خاتون تھیں۔۔۔ اس نومولود کو کارکنانِ قضاء و قدر نے عرب کے سب سے فصیح و بلیغ زبان جاننے والوں کے زیرِ پرورش رکھ کر مدتِ رضاعت کو ختم کروایا۔ اور پھر بازارِ عکاظ کے عظیم الشان تجارتی میلوں سے جہاں مختلف ممالک کے تاجر آیا کرتے تھے۔ بچپن ہی میں ہم کنار کرا دیا۔ اس طرح پانچ سال کی عمر طایف کی چراگاہوں اور تجارتی رنگا رنگی میں کھیلتے کودتے محمدؐ بن عبداللہ نے بسر کی۔۔۔ اور چھٹے سال آمنہ کا لعل آمنہ کی آغوشِ محبت میں آگیا۔ لیکن حلیمہ سعدیہ نے اس بچہ کی وجہ سے اپنے گھر میں جو برکتیں نازل ہوئیں۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے بادلِ ناخواستہ ہی محمدؐ کو آمنہ کے حوالہ کیا۔

آمنہ نے چھٹے سال اپنے آنکھوں کے تارے اور دل کے سرور یعنی محمدؐ کو لے کر یثرب اپنے میکہ میں جانے رختِ سفر باندھا۔ لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ یہ سفر آمنہ کا ماں اور بیٹے کی دائمی جدائی کا ثابت ہوا۔ کہ عین واپسیٔ سفر میں آمنہ بھی اپنے لعل کو تنِ تنہا چھوڑ کر ملک الموت کے کمند میں جا گریں۔۔۔ لیجئے۔ اب تو محمدؐ نے جس کی عمر کا ساتواں سال آغاز تھا، ماں کے سایہ کو بھی کھو دیا۔۔۔ غور کیجئے کہ اس کم سنی میں کس طرح قدرت نے دنیا کے نشیب و فراز کی گھاٹیوں سے محمدؐ بن عبداللہ کو گذارنا شروع کیا۔۔۔ جب محمدؐ مکہ پہنچے تو دادا نے اپنے پوترے کو آنسو بھری آنکھوں سے اپنے آغوشِ محبت میں لے لیا۔ مگر چند ہی دن نہ گزرے تھے کہ دادا جان بھی آغوشِ موت میں جا پہنچے۔ لیکن انھوں نے کم سن محمدؐ کو اپنے فرزند ابوطالب کے حوالہ کردیا۔ جنھوں نے اپنے یتیم و لسیر بھتیجے کو اپنی اولاد کی طرح آغوشِ محبت و شفقت میں جگہ دی۔۔۔ دیکھا آپ نے قدرت کی کرشمہ سازیاں! اور مامور من اللہ کی بظاہر بے سر و سامانی۔ اور دیکھنے والوں کی طعنہ زنی کہ (باقی صفحہ ۱۲۷ پر)

(بقیہ میرا فکر ص۴ صفحہ ۱۲۶) کیسا منحوس بچہ ہے کہ ہر طرف سے اس کو سہارا دینے والے موت کا شکار ہو رہے ہیں ــــ لیکن قدرت کو ان ظاہر بینیوں کی کیا پرواہ ہوسکتی تھی ۔ وہ تو چمنِ عرب میں ایک دیدہ ور کو پیدا کرکے اس کو کرۂ زمین پر انسانیت کا معلم بنانے۔ اور اس کے رنگ و بو میں دائمی پائیداری پیدا کرنے منشاءِ خالق کی تکمیل میں مصروف تھی ــــ بھلا۔ ان غیب کی باتوں کا جاننے والا دنیا میں کون بشر ہوسکتا تھا ــــ

مختصر یہ کہ ــــ ابو طالب کے زیر پرورش محمدؐ کی کم سنی کے ادوار اس طرح گذر رہے تھے کہ وہ بکریوں کے چرواہے بھی تھے اور اپنے چچا کے لاڈلے پیارے بھتیجے بھی ــــ گویا۔ محمدؐ نے اپنی صغیر سنی میں بھی کسبِ معاش کے وظیفہ کو نہیں چھوڑا ــــ جس کی وجہ ان کی پرورش کا مالی بار ان کے چچا پر ہلکے سے ہلکا ہی رہا ہوگا ــــ پھر بارہ [12] سال کی عمر ہی سے اپنے چچا کے تجارتی سفر میں ساتھی بنے رہے جس کی وجہ مختلف اقوامِ عالم ۔ اور مذاہبِ عالم کے پیروؤں سے میل جول ۔ ان کے تمدن اور معاشرت۔ شرع و منہاج ۔ عبادت کے طور طریق سے واقفیت کا موقع ملتا رہا ۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اپنی عمر کے ۲۵ ویں سال گرہ میں قدم رکھا ــــ لیکن آپ کو یہ بات ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ "ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات" کے بمصداق ہونے والے نبیؐ کے عجیب و غریب انداز تھے۔ اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ اس دس پندرہ سالہ زندگی میں محمدِ عربی صلعم نے اپنی قومِ عرب میں ۔ فکر و فہم ۔ عقل و تدبر کی وجہ ایک ایسا بلند مقام حاصل کرلیا۔ جو۔ ان کے اجداد کو بھی نہ ملا تھا ــــ یہ مقام ۔ دولت ۔ ثروت ۔ علم و فضل ۔ شعر شاعری ۔ مذہب کی پیشوائی ۔ اور رہبانیت میں سے کسی بات کا نہ تھا ــــ بلکہ اُن کے اخلاقِ حسنہ ۔ اور صفاتِ صالح کی زندگی نے آپؐ کے بلند و بالا کردار کی وجہ اہلِ عرب کے شیوخ اور پیرو معیت اور عوام کو مجبور کردیا کہ وہ محمدؐ کو "الامین" کا خطاب دیں ــــ چنانچہ اس اعلیٰ کرداری کی شہرت نے ایک سرمایہ دار بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کی حصہ داری کے ساتھ تجارتی کار و بار آپؐ کے حوالہ کردینے پر مائل کیا۔ اور پہلے ہی سفرِ تجارت کے نتیجہ نے خدیجہؓ کو مجبور کیا کہ وہ آپؐ کو نکاح کا پیام بھیج دے ــــ

محمدؐ بن عبداللہ "الامین" کی عمر ۲۵ سالہ تھی ۔ اور خدیجہؓ کی عمر (۴۰) سالہ ۔ لیکن "الامین" نے اپنے چچا ابو طالب کی رضامندی کے بعد اس پیام کو قبول کرلیا۔ اور دونوں کی زندگی عقدِ نکاح میں منسلک ہوگئی ــــ اس طرح ۵۹۵ء عیسوی یا۔ عام الفیل ۲۶ میں آپؐ کی ازدواجی زندگی کا دَور آغاز ہوگیا ــــ جس کے بعد تقریباً تیرہ چودہ سال آپؐ ــــ کار و بارِ تجارت میں آزادانہ منہمک رہے ــــ

جب آپؐ کی عمر کی گرہ چالیسویں لگی تو آپؐ میں تلاشِ حق کا تصور کارکنانِ قضا و قدر نے پیدا کرادیا ــــ اس نوبت پر آپؐ مکہ کے قریب و جوار کی ایک پہاڑی کے غار میں اکثر معتکف ہوکر پرسکون ماحول میں غور و فکر کیا کرتے اور کرۂ زمین کے رہنے والے اُنس و محبت کے مادہ سے تخلیق پائی ہوئی مخلوق کو ایک دوسرے کی خونریزی اور خونخواری ۔ فکری اور جسمانی غلامی کے قید و بند کی بندشوں کا تصور ۔ اور اس سے نجات دلانے کی صورتوں پر فکر و غور فرماتے ــــ کہ ــــ کس طرح ایک ایسا گم تام انسان جس کے قلب میں کرۂ زمین کی انسانیت کو نجات دلانے کے لئے بے چینی ہو ۔ اس کام کا علمبردار بن سکتا ہے ؟ ــــ بس ۔ اسی سوجھ بوجھ سے اس معتکف کے کندھے جھک رہے تھے ــــ اور وہ لمحے ۔ گھنٹے ۔ دن ۔ اور مہینے اسی میدانِ فکر میں طے کرتا چلا جا رہا تھا ــــ کہ ــــ اچانک ۷ ار رمضان ۴۱ عام الفیل یا دسمبر ۶۱۰ء کی شبِ قدر میں متذکرۂ صدر پانچ جملوں کا پیام "رب اکرم" کے دربار سے بذریعۂ قوتِ جبریلی آپؐ کے قلب پر منعکس ہوا ــــ اس بات کو بھی ذہن میں جگہ دیجیئے کہ قدرت نے محمدِ عربی صلعم کو (باقی صفحہ ۱۲۸ پر)

(بقیہ پیراگراف صفحہ ۱۲۷) اکمل النسابت کے چار درجے تو (۴۰) سال کی عمر تک طے کروا دیئے تھے (یعنے:- (۱) مُفہم (۲) کامل (۳) حکیم (۴) طلیفہ) اب پانچواں درجہ آپؐ کو صاحب قدس کا عطا ہو رہا تھا (یعنے طائے اعلیٰ تک رسائی کی قوت والا) جس کے بعد :- ہادی و مزکی۔ اور امام و منذر۔ اور پیغمبر نبی۔ اور رسول کے مقامات پر آپؐ کو ترقیاں ملنے والی تعین)۔

مخاطبتِ وحی

یہاں پر اس بات کو یادداشت میں جگہ دیجئے کہ۔ قرآن حکیم کی بعض سورتیں اور آیات کا روئے سخن اپنے رسولؐ کی تعلیم اور تربیت کے لئے بصورتِ ہدایات ہوا ہے۔ جیسے کہ۔ ایک شفیق استاد اپنے شاگرد کو ابتداءً بعض ہدایات۔ اور نصائح کے ذریعہ آگاہ کر دیتا ہے۔ غالباً وحی اتاے تک مخاطبت ذات رسالت ہی سے ہے۔ لیکن آج ہر انسان کے لئے بھی وہی مخاطبت وحیِ الہٰی کی ہے۔ کیونکہ زمانہ سُنت اللہ کے تابع ہے نکہ اس کا ناسخ۔

مکی نزولِ وحی کا زمانہ

اس پہلی وحی کے متعلق تمام مفسرین و محدثین۔ اور مورخین تفصیلی واقعات کے بتلانے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ بلکہ تمام مکی زمانہ کے نزولِ وحی کا یہی حال ہے۔ درآں حالیکہ یہ ابتدائی وحی۔ اور نزولِ وحی کی پہلی سورۃ بہت کچھ توضیحات۔ و تشریحات تاریخ تفسیر کا مرکز ہو سکتی تھی۔ لیکن حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ مورخین و محدثین اس معاملہ میں مجبور و معذور تھے۔ کیونکہ کسی تحریک کا ابتدائی دَور کبھی بھی درخورِ التفات نہیں رہتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ مخالفتوں کی وجہ نفرت و حقارت کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ البتہ جب نتایج کامیابی ظاہر ہونے لگتے ہیں تو۔ تحریک کی ہر ادا جاذبِ توجہ بننے لگتی ہے۔ اس اصول کے تحت محمدِ عربی صلعم کا ابتدائی دَور مکی صحیح تاریخ سے مُعرا نظر آتا ہے۔ گو۔ بے سندی روایات۔ اور ظنی و ذہنی معتقدات کی باتوں سے وہ بھرا ہوا ہے۔ جو کسی طرح بھی صحیح تاریخی واقعات بصورتِ حدیث مورخ کیلئے قابلِ قبول نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ اس خصوص میں امام احمد بن حنبلؒ اس دَور کے تمام احادیث کو بہ یک قلم رد کر دیتا کہا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں ایک مفکرِ قرآن کے لئے سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں کہ وہ مکی دَور کے نزولِ وحیِ الہٰی کو قرآن ہی میں غور و فکر کرتے ہوئے جستہ جستہ قیاسات سے کام لیکر ریسرچ کرتا چلا جائے جیسا کہ فی زمانہ علامہ اجمل خان نے اپنے (سہ سالہ) مکاتار کوششوں کا ثمر پیش کر دیا ہے۔

مکی زمانے کے بعد جب تحریک قرآن ازم کا دوسرا دَور ہجرت مدینہ میں شروع ہوا تو وہ ابتدا ہی سے محمدِ عربی صلعم کے امیرِ مدینہ ہو جانے کی وجہ کامیابی کے نتایج کا مورخ بنتا چلا گیا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اس دَور کے مد و جزر۔ اور اس کے خد و خال ہر مفکر کو نمایاں نظر آئیں گے۔ پھر ذرا تاریخی مطالعہ بھی پیش نظر ہو تو تمام واقعات آسانی سے فہم میں آجاتے ہیں۔ ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ سلسلۂ نزولِ وحی مکی کو جب کہ وہ ابتدائی ادوار میں قابلِ التفات نہ تھے۔ بلکہ کشمکش زیست و حیات۔ یعنی کامیابی و ناکامی میں بطور عطاب سُنائے جا رہے تھے۔ پھر شہر مکہ کی کل آبادی میں صرف (۲۰۰) آدمی معمولی نوشت و خواند سے واقفیت تھے۔ جن میں صرف دو چار مصدقین سے تھے۔ اور باقی وحیِ الہٰی کے خطاب کا استہزا کر رہے تھے۔ یا تکذیب۔ اور محمدِ عربی صلعم کو آسیب زدہ۔ یا مجنون اور پاگل کہہ رہے تھے۔ یا پھر ان کو اساطیر الاولین یعنی قدیم زمانہ کا قصص کو سمجھتے تھے۔ ان حالات میں کس طرح مکی دَور کی صحیح تاریخ کی (باقی صفحہ ۱۲۹ پر)

(بقیہ - میرا فکر - ف ۲ صفحہ ۱۲۸) تدوین ہو سکتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اصحابِ رسولؐ نے جمع القرآن کو ناممکن بتلایا ۔ اور بعض نے سلسلۂ نزولِ وحی کو صحیح طور پر جمع کرنا کرۂ زمین کے انس وجن سے بھی ناممکن کہہ دیا ۔ جیسے زیدؓ اور جابرؓ وغیرہ نے ۔ میرا فکر تو یہ ہے کہ خود محمدِ عربی صلعم بھی بغیر قوتِ جبریلی کے اس سلسلۂ نزولِ وحی کو نہیں لکھوا سکتے تھے ۔ اصحابِ رسولؐ کا تو ذکر ہی کیا ہے ۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ ۔ اگر سلسلۂ نزولِ وحی میں محققین کا باہمی فکری اختلاف نہ ہوگا تو کیا ہوگا! لہٰذا ہم یہ قطعی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قیامت تک کسی طرح مکی دَور کے وحیوں کی صحیح تاریخ نہیں لکھی جا سکتی ۔ چودہ سو سال سے جو کچھ تاریخ بصورتِ روایات چلی آرہی ہے وہ محض خوش عقیدت راویانِ معتبر کے دفتر ہیں ۔ اسکے سوائے کچھ نہیں ۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "قرآن ازم" کی تحریک جب فتح و نصرت کے منازل طے کرنے لگی تو گذشتہ تاریخ کی تدوین کیوں عمل میں نہیں آئی؟ ۔ ایسا سوال تو کوئی صاحبِ فکر و نظر کر ہی نہیں سکتا ۔ کہ کسی تحریک کا جو مقصدِ عظیم ہوا کرتا ہے اس کو چھوڑ کر فروعات میں بانیٔ تحریک یا علمبردارانِ تحریک منہمک ہو جائیں ۔ ان کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی ۔ بقول اقبالؒ ۔ "میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو ؛ نہیں ہے بندۂ حُر کے لئے جہاں میں فراغ" ۔ کہ وہ ماضی کے خس و خاشاک سے جواہر ریزے چنتے بیٹھیں ۔ ان کی زبان پر تو یہ ہوتا ہے کہ ۔ "بجلی ہوں ۔ نظر کوہ و بیابان پہ ہے میری ؛ میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے" ۔ البتہ یہ کام تو شمشیر اور سنان کا دَور ختم ہو جانے کے بعد جب "طاؤس و رباب" کا دَور آغاز ہوتا ہے ۔ اور فاتح قوم کے لئے زوال کے زمانے کی تخم ریزی شروع ہو جاتی ہے تو پھر پیشوائیٔ ملت کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں ۔ تحریک کی حقیقتیں اُن کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہیں ۔ وہ قوم و ملت میں تفوق پیدا کرنے اور اپنا تعلق بانیٔ تحریک یا علمبردارانِ تحریک سے وابستہ بتلانے دیگر مذاہب کے قصوں کو لیکر اپنے مذہب کی افضلیت اور عظمت کو بلند سے بلند کر کے خود اونچا مقام حاصل کر لیتے ہیں ۔ بلکہ قوم کو بھی ظنی و وہمی عقاید کے نشہ میں مست و مدہوش بنا کر آزادیٔ فکر و عمل کا اثاثہ لوٹ لیتے ہیں ۔ اور پھر شخصیت پرستی کا آغاز ہو جاتا ہے ۔ یہ تو انسان کی ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو ۔ ہر زمانے میں آپ کے نظروں کے سامنے موجود ہے ۔ مثلاً ۔ کسی بڑے لیڈر کے مرجانے کے بعد بعض اونچے طبقہ کے افراد اس سے ملنے جلنے اور راز و نیاز کی گفتگو کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں ۔ بلکہ اسکو ضبطِ تحریر میں بھی لا لیا جاتا ہے ۔ اور لیڈر کی شخصیت کو بلند کرنے عجیب و غریب حیرت انگیز واقعاتِ طفلی و جوانی کو بیان کیا جاتا ہے ۔ اور اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ گویا وہ چشم دیدہ واقعات ہیں ۔ دیکھئے ۔ اقبالؒ گاندھی جناح کے سوانح حیات ۔ جس کو سطحی نظر رکھنے والوں نے لکھا ہے ۔ یا ۔ وہ اپنی تقریروں میں بیان کرتے رہتے ہیں ۔

جب یہ فکر و نظر معمولی انسانوں سے متعلق ہے تو غور کیجئے کہ کسی اوتار ۔ یا ۔ نبی یا رسول کی بزرگی و برتری کو ثابت کرتے ہوئے اس کے متبعین و مصدقین کا کیا حال ہوگا! ۔ اب ہر زمانے میں جو کوئی اپنے فکر سے اُن حقیقتوں پر غور کریگا تو قیاسات ہی کا زینہ اس کے لئے منزلِ مقصود ہوگا ۔ حقیقتِ صحیحہ تو پردۂ غیب میں پنہاں ہوگی ۔ جس کی حسب ذیل صورتیں ہوں گی :۔

ایک تو عقیدت مندی ہوگی ۔ اور دوسری تقلیدِ جامد کے پردوں کو ہٹا کر اصلی روشنی کی تلاش ۔ تیسری تعصب اور مخالفت سے باطل کو حق پر غالب کرنے کی کوشش ۔

تاریخ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وحیِ اول کے بعد کامل تین سال پھر کوئی وحی محمدِ عربی صلعم پر نازل نہیں ہوئی جسکو محاورۂ حدیث میں "فترۃ الوحی" کا زمانہ کہا جاتا ہے ۔ پھر جب دوسری وحی نازل ہوئی تو (باقی صفحہ ۱۳۰ پر)

انسان سرکش ہو جاتا ہے جب کہ وہ دولت مند ہو جاتا ہے ۶و۷ لیکن کیا اُس کو اس بات کا خیال نہیں آتا کہ ایک دن اس کو اپنے محاسبہ اور جواب دہی کے لئے اپنے خالق کے سامنے حاضر ہونا لازمی ہے — درآن حالیکہ اس کا ضمیر اس کو ہر وقت اس بات کا اشارہ کرتا رہتا ہے۔ مگر۔ پھر بھی وہ لاپروا ہو جاتا ہے ۸۔ اور اپنے مال دولت۔ عزّت کے گھمنڈ میں تقلیدِ جامد کا اندھا بنا ہوا لوگوں کو رب العالمین کی عبادت سے منع کرتا ہے ۹و۱۰! کیا اُس کو اتنا بھی شعور نہیں کہ وہ غور کرے — عبادت گذار بندہ صحیح معنےٰ میں رب العالمین کے آگے صلوٰۃ یعنے دُعا کے لئے ملتجی ہے تو کس طرح اس کو منع کیا جائے — پھر جب کہ وہ عبادت گذار کی زندگی اور اس کے اعمال اور نیک نصیحتوں کو دیکھتا اور سُنتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی نافرمانیوں کے نتائج سے خود ڈرتا ہے اور دوسروں کو ڈراتا ہے ۱۱و۱۲ کیا اندھے معترض کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ عبادت گذار جو (یعنے صلوٰۃ ادا کرنے والا۔) سچے دین پر ہے۔ اگر معترض کی وجہ وہ

(بقیہ ہیرا فکرت صفحہ ۱۲۹) نزولِ وحی کا سلسلہ دس سال تک۔ مکی زندگی میں برابر جاری رہا۔ اس طرح (۳۶۵۰) دن میں (۹۰) سورتوں کا نزول ہوا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ چالیس دن میں ایک سورۃ اوسطاً نازل ہوئی۔ اگر مدنی وحیوں کو بھی شمار کیا جائے تو (۷۳۰۱) دن میں جملہ (۶۶۶۶) کل قرآن کی آیتیں اوسطاً (۲۶) گھنٹوں میں ایک آیت کا نزول قرار پاتا ہے۔

کیا آپ اعلانِ اوّل انقلاب پر غور کریں گے؟

اساس وحیِ اوّل

دیکھیئے! — اس وحیِ اول میں بتلایا جا رہا ہے کہ: — انسان۔ اپنے قوتِ فکریہ میں آزاد ہے: اس لئے اس کو چاہیئے کہ باپ دادا کے ظنّی و ذہنی عقاید و ایمانیات پر اندھا بن کر نہ گرے۔ اور اسی کو راہِ مستقیم نہ سمجھے۔ شخصیت پرستی سے دُور رہے — اللہ نے جب ایک باریک کیڑے سے انسان کو پیدا کیا پھر اسکو صاحبِ شعور بنا دیا۔ پھر اسکی قوتِ فکریہ نے حصولِ علم کا ذریعہ "قلم" بنا لیا۔ تو پھر تم کو تمہارے قوتِ فکریہ کے لحاظ سے علم بھی وہی عطار کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اپنے جیسے انسانوں کی غلامی اور ان کو معبود بنا لینے کا کوئی محل نہیں۔ لہذا لکیر کے فقیر بننے سے انکار کر دو تمہارا رب صرف ایک۔ ذاتہٖ واحد ہے: اسکے سوائے کوئی لائقِ عبادت نہیں: پس اسی کی فرمانبرداری کو اپنا مقصدِ حیات قرار دو: تاکہ تمہاری سچی انسانیت اچھی دنیا بن جائے — ہر انسان تعلیم کیلئے اپنے رب کا محتاج ہے: کوئی نہیں جانتا کہ اسکو اسکے قوتِ فکریہ میں علم کہاں سے کیسے آتا ہے: اور کب آتا ہے: بس تعلیم آزادیِ فکر کے ذریعہ تمہارا رب فہم۔ تدبر۔ عقل و فراست سب کچھ۔ دینے والا ہے: پھر کیوں تقلیدِ جامد میں انسان گرفتار ہو کر اپنی آزادیِ فکر کو قربان کرے: ذرا سوجھ بوجھ سے کام لو —

خلاصہ یہ کہ: — تعلیم کی ترغیب تحریر اور فکر و فہم۔ تدبر۔ تعقل کی دعوت۔ اس وحیِ اوّل یعنے انقلاب کی بنیاد ہے —

دینِ حق سے پھر جائے تو کیا روکنے والا گنہگار نہ ہوگا؟ — اور کیا اُس معترض کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ اللہ تو سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے کہ کون راہِ حق پر چل رہا ہے اور کون گمراہی میں مُبتلا ہے ع۱۳ و ۱۴۔ ف ۵۔

ف ۵ ۔میرا فکر:—

انسان کی سرکشی کا سبب انسان ۔ دولت کے نشہ میں جس طرح خواہشاتِ نفسانی کا بندہ بن جاتا ہے ۔ اور اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے ۔ اُس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک مفلوک الحال عابد و زاہد جب مال و دولت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ مفلوک الحال قرابت دارانِ قریب کن مالی مشکلات میں مبتلا ہیں ۔ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ خرچ بھی کرتا ہے تو اپنے نام و نمود کے لئے — پھر اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی اندھی تقلیدِ اب وجد میں گرفتار ہو کر اپنے آبائی دین کے نام پر کوئی عبادت گاہ تعمیر کرواتا ہے ۔ لیکن اس عبادت گاہ میں دوسرے مذہب ۔ بلکہ خود اپنے مذہب کے دوسرے فرقہ کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا ۔ خواہ عبادت گذار کے اعمالِ حسنہ بظاہر اس کے دینِ حق پر قایم رہنے کا عمل اور کیسا ہی مشاہداتی ثبوت اس کے سامنے کیوں نہ ہو — وہ تو اپنے مال ۔ عزت و احترام ۔ علم و فضل کے گھمنڈ میں یہ سمجھتا ہے کہ سوائے میرے فرقے کے کوئی دوسرا فرقہ ۔ اور میرے گروہ (یعنے اُمت) کے دوسرا کوئی گروہ رب العالمین کی بارگاہ میں پسندیدہ نہیں ہوسکتا ۔ گویا وہ اپنے آبائی مذہب کے ہر طور طریق کو خُدا ۔ اور ۔ خُدا کے رسول کا پسندیدہ جان کر اس پر ایمانِ کامل رکھتا ہے ۔ اور اپنے فرقے کے طور طریق ۔ یعنے شرع و منہاج کے خلاف جو بھی صداقتیں ہوں ۔ ان سب کو وہ جھٹلانا اور اس سے روکنا ۔ میں خوشنودیٔ خُدا ۔ اور رسول سمجھتا ہے — اس تقلیدِ جامد کے گھمنڈ میں وہ بھول جاتا ہے کہ اسکو اپنا محاسبہ دینے اور جواب دہی کے لئے اپنے خالق کے سامنے حاضر ہونا لابدی ہے ۔ اور اس کا خالق ایسا علیم و خبیر ہے کہ وہ ہر سچے عبادت گذار ۔ اور ۔ بے روح عبادت گذار گمراہ — کو دیکھتا اور جانتا ہے —

پھر اس کا "ضمیر" بھی تو اس کو اکثر ٹوک دیتا ہے کہ :- تیرا یہ عمل حق نہیں ! — مگر ۔ وہ اپنی اندھی تقلید میں "باطل" کو "حق" سمجھتا ہے —

الحاقی آیات وحیٔ اول کی پانچ آیتوں کے بعد یہ (۶ تا ۱۹) آیتیں کب نازل ہوئیں ۔ اس کا کوئی واضح صحیح طور پر تاریخ حدیث میں نہیں ہے ۔ لیکن یہ آیتیں جب نازل ہوئیں تو رسولِ عربی صلعم کے ارشاد کے موجب وحیٔ اول کی سورۃ کا جزو قرار دی گئیں ۔ جو ایک تاریخی حقیقت ہے —

قیاس غالب یہ ہے کہ اس وحی کے نزول کا زمانہ "دعوتِ جہری" کا ہوگا ۔ کیونکہ آیات کا مفہوم واضح طور پر اس بات کا شاہد ہے کہ سنہ بعثت میں رسالت مآب صلعم نے جب اعلانِ حق شروع کر دیا ہوگا تو آپؐ خود ۔ اور آپؐ کے متبعین خانۂ کعبہ کے سامنے قدیم طریقۂ عبادت سے ہٹ کر دُعا ۔ صلوٰۃ ۔ عبادت کرتے ہوں گے ۔ جب پیشوایانِ مذہب اور پروہیتِ کعبہ نے اپنے قدیم طریقۂ عبادت کے خلاف ان لوگوں کا عمل دیکھا تو وہ لازماً معترض ہوئے ہوں گے ۔ جس کی بناء پر یہ وحی نازل ہوئی — جس میں معترضین کو فہمایش کی جا رہی ہے کہ وہ دولت اور (باقی صفحہ ۱۳۲ پر)

Every new idea begins as a heresy and ends as a superstition

(بقیہ میرا فکر۔ ف ۵ صفحۂ ۱۳۱) تقلیدِ جامد۔ باپ دادا کے دین کے گھمنڈ مین حق کے علمبرداروں کو عبادت۔ دعا۔ صلوٰۃ سے نہ روکین ۔ بلکہ وہ دیکھین کہ عبادت گذار کا عمل صالح ہے یا غیر صالح (غالباً ۱۲ سنہ نبوی یا ۱۳ سنہ عام الفیل کو حج اصغر کے اوایل یا درمیان یا آخر کی یہ وحی معلوم ہوتی ہے)۔

مامور من اللہ کے متعلق تصورِ الحاد اس حقیقت کو ذہن مین جگہ دیجیئے کہ ۔ ہر نبی۔ رسول ۔ مامور من اللہ۔ مصلح قوم اپنی قوم اور ملت کے نظرون مین ملحد ۔ بے دین ۔ کافر سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ باپ دادا۔ اور پیشوایانِ مذہب کے بے روح عقاید و ایمانیات سے یکسر منحرف ہوکر دینِ حق کی اصلی روح کو بذریعۂ وحی الٰہی معلوم کرنے کے بعد راہِ مستقیم پر چل پڑتا ہے ۔ اور اسی وحیِ الٰہی کی روشنی مین اپنی قوم کو تقلیدِ جامد کی تاریکی اور باپ دادا کے سو طریق کی غلامی سے نکل کر۔ آزادیِ فکر حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جس پر قوم کے معدودے چند صاحبانِ فکر آزادی تو لبیک کہتے ہین ۔ لیکن اجارہ دارانِ تقدس ۔ اور مدعیانِ قربِ الٰہی ۔ سرمایہ دارانِ قوم جو ہزارون سال سے اپنے آبائی دین کے طور طریق کو دینِ حق۔ اور اللہ کا پسندیدہ مذہب سمجھے ہوئے میراثِ ابد جدپر ظنی و ذہنی ۔ ایمان و یقین کامل رکھتے ہین ۔ اس کے خلاف کوئی عمل نہ صرف اپنے لئے بلکہ کسی فرد قوم یا ملت کیلئے بھی برداشت نہین کرسکتے۔

بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نبی اور رسول ۔ یا۔ بانیِ مذہب کی اُس تعلیم کو حق سمجھتے ہین جو ان کے باپ داداؤن ۔ اور پیشوایانِ مذہب نے قولاً ۔ فعلاً ان کو میراث مین دی ہے ۔ درآن حالیکہ سچی تعلیم تو ہر کتاب ہوتی ہے اور سچے معلم اور شاگرد در گور ۔ امتدادِ زمانہ ۔ اور پیشوایانِ مذہب کی خود غرضیان یا کم فہم سطحی نظر رکھنے والون کی غلط فہمیاں اصلی ۔ روح کو فنا کرتی رہتی ہین ۔ جس کے لئے شخصیت پرستی ۔ ظنی و ذہنی روایات اور عجیب و غریب حکایات کے دریاؤن مین وہ غوطے کھاتے رہتے ہین ۔ ایسی حالت مین ان کے فکر و عقل کو کیسے ہی ناقابلِ تردید۔ اور آسان و عام فہم مثالون سے دعوتِ سوجھ بوجھ دی جائے تو ان کی بصیرت اندھی اور بہری ہونے کی وجہ حقیقت کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے ۔

انسان کی فطری تقلید پسندی اس حقیقت سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا کہ فطرتِ انسانی مین تقلید کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان اپنے آبائی مذہب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ۔ جس کے مقابل اس کا فکر و فہم ۔ عقل و خرد ۔ سب کچھ مفلوج رہتے ہین ۔ پس ۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا ماحول ۔ یعنی اس کے بزرگ خاندان ۔ اور پیشوایانِ دین و مذہب ۔ بلکہ پوری قوم ایک قدیم طریقہ پر چل رہی ہے اور اسی طور طریق پر دُنیا ۔ اور آخرت کی نجات کے وعدے بچپن ہی سے اُس کی سماعت اور بصارت مین جاگزین ہوچکے ہین تو اس کے خلاف کسی نئے طور طریقہ کو ماننے وہ تیار نہین ہوتا ۔ بلکہ جب اُس قدیم طور طریق کے خلاف وہ کسی مذہبی یا دینی طور طریق کی تبلیغ ۔ یا عمل کو دیکھتا ۔ یا سنتا ہے تو اس کے جذباتِ مذہبی مین ایک ہیجان سا پیدا ہوجاتا ہے ۔ ایسی حالت مین اس کا فکر و فہم ۔ عقل و خرد ۔ اُنس و محبت کے تعلقات سب ہی بے حس ہوجاتے ہین ۔ جس کے بعد وہ اپنی اندھی تقلید مین حق کو باطل سمجھ کر اصلی دین کو الحاد و کفر سے دیتی قرار دے کر اس کو روکنا ۔ بلکہ اس کو ملیامیٹ کردینا ایک دینی فرض سمجھ کر اپنے ظنی و ذہنی عقاید مین اپنے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے ۔ ہر قسم کا جبر (باقی صفحۂ ۱۳۳ پر)

(بقیہ میراثِ فکر۔ ف صفحہ ۱۳۲) استبداد۔ ظلم وستم۔ خونریزی کو اپنے باپ۔ بلکہ اپنی اولاد کے مقابل بھی جائز قرار دیتا ہے۔ پھر فرعون کا تو ذکر ہی کیا۔ اِس زمرہ میں آپ سب سے پیش پیش علماء و فضلاء اور پیشوایانِ مذہب ہی کو دیکھیں گے جو عوام کے جذبات کو اپنے ہاتھوں میں لیکر کھیلا کرتے ہیں۔ اور ان کو آخرت کے دائمی آرام و آسایش جنت کے حور و غلمان کی راحتوں کے ملنے کی ترغیب و تحریص دے کر مذہب کا فدائی بنا لیتے ہیں۔

قدامت پسندی کا نظریہ

ایک سوال اور بھی قابلِ توجہ ہے کہ قدامت پسندی کیوں انسان کو مرغوب و محبوب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فطرتاً انسان ہر نئی چیز کو قبول کرنے میں پس و پیش کرتا ہے۔ بلکہ وہ ڈرتا ہے کہ نہ معلوم اِس نئی بات کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ وہ اپنے باپ دادا کے طور طریق پر ہی چلنا پسند کرتا ہے کہ وہ ان کے آزمودہ ہونے کا اس کو یقین کامل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر جدید بات عمل فعل۔ بلکہ ادنیٰ سی حرکت کے نتائج مستقبل میں پردۂ غیب کے اندر رہتے ہیں۔ اور اس کے ظاہر ہونے کا ایک وقت معین ہوا کرتا ہے۔ اس لئے انسان بطورِ خاص مذہب کے معاملہ میں اپنے آب وجد کے طور طریق پر ایمانِ کامل رکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ آخرت کی فلاح اسی میں ہے۔ اس لئے وہ ہر نئے مذہب کو قبول کرنے سے انکار کرنے پر فطرتاً مجبور ہے۔

یہ تو مذہب کے بعد از مرگ فلاح یا ضرر کے ظنی تصورات ہوئے۔ ذرا تمدن اور معاشرت ہی میں آپ غور کر لیجیے تو معلوم ہوگا کہ نئے لباس۔ نئی تحریک معاشرتی۔ تمدنی۔ نئی زبان کی تبدیلیوں میں قوموں کو کس طرح بھنور سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور تجدد سے ان کو مانوس ہونے کتنی مدت درکار ہوتی ہے۔ اگر ہم روزمرہ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم گذشتہ کی ہر بات ان کے لئے آسان سے آسان تر فہم پیدا کر سکتی ہے۔ پس۔ قرآنِ حکیم نوحؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کی تکذیب کا موضوع ایک ہی کہلاتا ہے۔ یعنی "قدامت پسندی"۔ تقلیدِ جامد کی غلامی۔ آزادیٔ فکر سے انکار۔

پھر انسان تو کچھ مُردہ پرست بھی واقع ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ ماضی ہی کا پرستار رہا۔ حال۔ اسکے لئے ہمیشہ درخورِ التفات نہیں بن سکا۔ لیکن جو انسان فکر و تدبر کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ماضی کی تاریخ سبق آموز ہوا کرتی ہے۔ اور وہ حال کی ٹھوکروں اور خاردار بیابان کے کانٹوں سے اپنے پیروں کو بچاتے ہوئے مستقبل۔ یعنے منزلِ مقصود کی طرف برابر قدم بڑھائے چلا جاتا ہے۔ دُنیا اس کو دیوانہ اور مجنون سمجھتی ہے۔ اور وہ دُنیا کو اندھا بہرہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر ایسا ملہم انسان چمنِ قوم میں بڑی مشکل سے صدیوں میں کبھی پیدا ہوا کرتا ہے۔

صلوٰۃ کی حقیقت

دیکھیئے! اِس وحی میں لفظِ "صلوٰۃ" آیا ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ "صلوٰۃ سے روکنے والے قابلِ ملامت ہیں"۔ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ نماز کی فرضیت معراج کے واقعہ کے بعد اُمتِ محمدی پر عاید ہوئی۔ اور واقعۂ معراج بعثت کے سات سال۔ یا دس سال بعد کا بیان کیا جاتا ہے۔ زمانۂ معراج کے متعلق مختلف روایات اور احادیث ہم کو ملتے ہیں۔ بہرحال اس وحیِ اول میں صلوٰۃ کا مفہوم کسی طرح بھی موجودہ طریقۂ نماز اُمتِ محمدی کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نزولِ وحی کے وقت جو لوگ منکرین تھے۔ وہ کعبہ کے سامنے ہی صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔ یعنی عبادت یا دُعا اپنے اپنے مذہب کے طور طریق پر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مصدقین بھی صلوٰۃ ادا کرتے ہوں گے۔ چنانچہ جو لوگ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے وہ بھی تو نصاریٰ کی عبادت یعنی (باقی صفحہ ۱۳۴ پر)

(بقیہ میرا فکر۔ ف۵ صفحہ ۱۳۳) صلوٰۃ میں شریک ہو کر صلوٰۃ ادا کرتے ہوں گے کیونکہ حبشہ کے عیسائیوں کا موحد ہونا یعنی تو اریخ سے ثابت ہےعہ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ابھی تو تحویل قبلہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ بلکہ بیت المقدس یعنے اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ ہی کا قبلہ آنحضرت صلعم اور مصدقین کا قبلہ تھا جب کہ وہ مکہ سے دُور رہتے۔

رہائی شعب ابی طالب کے بعد تو حسب معاہدہ خانۂ کعبہ کے حدود میں قرآن کے بلند آواز سے پڑھنے کا امتناع عاید تھا۔ اسلئے نماز کا منظرِ عام پر ادا کرنا بھی ممنوع تھا۔ البتہ رہائی شعب ابی طالب کے بعد یعنی ۱۱یا ۱۲ سنہ بعثتِ محمدی میں مصعب بن عمیر کو یثرب کے مصدقین کی درخواست پر صلوٰۃ کی تعلیم دینے آنحضرت صلعم نے روانہ کیا تھا۔

قرآن حکیم نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر دیگر امم کے قرائیض میں بھی بتلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو امت محمدی کا طریقۂ نماز یہودیوں میں تھا۔ اور نہ نصاریٰ میں۔ اور نہ ہی مجوس اور صابی یا بُدھی اس طریقہ پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اور نہ مثل شرع محمدی کے ان کا نصاب زکاۃ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے لفظ صلوٰۃ کا مفہوم مختص طریقۂ عبادت امت محمدی جس کو بزبانِ اُردو نماز کہا جاتا ہے۔ نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کی خالص عبادت جو ذاتِ واحد کیلئے مختص ہو۔ اسکو قرآن نے صلوٰۃ کہا ہے۔ یا ادائی فرائیضِ منصبی۔ صلوٰۃ کے اصطلاحی معنے اور لغوی معنے تو آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھ لیے ہونگے۔ لہذا صلوٰۃ بہ معنی نماز کا ترجمہ ہر زبان میں علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ ہندی میں پرارتھنا۔ تو۔ انگریزی میں پرایہ۔ تلنگی میں پوجا۔ تو فارسی میں پرستش۔ وغیرہ۔ لفظِ نماز عربی نہیں ہے۔ قرآن میں آپ کو کسی وحی میں لفظِ نماز نظر نہ آئے گا۔ بلکہ صلوٰۃ کا ترجمہ بزبانِ اُردو نماز کیا گیا ہے۔

طریقۂ نماز اُمتِ محمدی کی تاریخ

مجھ کو صحیح تاریخ حدیث سے اس بات کا پتہ نہیں ملا کہ موجودہ طریقۂ نماز رسالت پناہی صلعم نے کب سے اختیار فرمایا تھا۔ اور کب سے آپؐ کے مصدقین نے موجودہ نماز کے طریقہ پر عمل شروع کیا۔ اگر اہلِ مکہ کے کسی فرقہ یا جماعت یا فرد کا بھی یہ طریقہ ہوتا تو کفارِ عرب مصدقین کے صلوٰۃ پر معترض نہ ہوتے۔ میں نے جب کبھی اس خصوص میں غور و فکر کیا تو میرے سمجھ میں یہ بات آئی کہ آنحضرت صلعم نے تمام مذاہب کے طریقۂ عبادت کا خلاصہ اپنے لئے معین فرمالیا ہوگا۔ یا پھر سورۂ فاتحہ کی ابتدائی چار آیتوں کے نزول کے وقت (خواہ قبل بعثت ایک وجدانی کیفیت میں آپؐ کو نماز کے طور طریق بتلا دیے گئے ہوں۔ یا بعد بعثت ذریعۂ وحی) آپؐ کو اس طرح نماز کا علم عطا کیا گیا۔ میرا آزاد فکر تو یہی ہے کہ تمام مذاہبِ عالم کی عبادتوں کا خلاصہ لفظی اور عملی امتِ محمدی کی نماز ہےعہ

عہ۔ "یونی ٹرین" کا ایک فرقہ اسکاٹ لینڈ میں آج بھی موحد ہونا کہا جاتا ہے۔

عہ۔ دریائے دجلہ کے کنارے میدی قوم نے ۶۱۲ سنہ ق م مذہب "مُغ و لیسنائی" کی بنیاد ڈالی تھی پیشوایانِ مذہب کو "مُغ" اور "مگوش" (جس کے معنے عقلمند۔ دانشور) کہا کرتے تھے۔ اس مذہب کے تمام احکام شرع و منہاج۔ عقاید و ایمانیات بالکل مذہب اسلام کے مماثل تھے۔ یعنے عبادت پنجگانہ۔ بعث بعد الموت۔ فرشتہ۔ جنت۔ دوزخ۔ صدقات وغیرہ اور عمل صالح کی تعلیم تھی۔ ایران کی مجوسیت اسی کی شاخ بن گئی۔ زردشت کا جدی مذہب یہی تھا۔ پھر وہ بگڑتے بگڑتے آتش پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا (سیرۃ قرآنیہ صفحہ ۴۲ و ۴۳)۔

اگر کوئی راہِ حق پر چلنے والے کو روکنے سے باز نہ آئے گا تو وہ یقیناً سرِ بازار رُسوا ہو گا (یعنے اللہ اس کو سر کے بال سامنے سے پکڑ کر گھسیٹے گا ع۱۵)۔

کون رُسوا ہو گا؟ جھوٹا مدعیِ مذہب۔ تقلیدِ جامد کا پرستار۔ گنہگار۔ خطا کار۔ ع۱۶۔

اس کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ قدرت کے مقابل کس طرح اپنے یاران و مددگارانِ باطل سے کام لے کر حق کی مخالفت مین کامیاب ہو گا۔ یاد رکھو کہ جب حق کے مقابل اس کا باطل مٹنے لگے گا تو وہ اپنی ذلت و خواری کی آگ جہنم مین جلنے لگے گا۔ ع۱۷ او ۱۸۔ ف۶۔

اے آزادیِ فکر حاصل کرنے والو! اور حق کو ماننے والو!! خبردار۔ ایسے اعتراض کرنے والون کی پروانہ کرنا۔ بلکہ اپنے اپنے فکر و عقلِ خداداد سے اپنے رب کی قربت حاصل کرنے اس کے احکام کی فرمان برداری اور اطاعت مین لگے رہنا اور فرائضِ تخلیقِ انسانیت کی تکمیل مین سر جھکائے ہوئے ہمیشہ رہا کرو۔ ع۱۹۔ ف۷۔

ف۶۔ میرا فکر:۔ آیت پندرہ تا اٹھارہ مین ایک عام محاورہ استعمال ہوا ہے کہ حق کی مخالفت کرنیوالے کو سرِ بازار رُسوا کیا جائیگا۔ چنانچہ ہر زبان مین ذلیل و خوار کرنے یا ہونیکے لئے ایک محاورہ ہے۔ اسی طرح عرب مین بھی یہ محاورہ تھا۔ جیسے کہ اردو مین کہا جاتا ہے کہ "اس کی داڑھی پکڑ کر گھسیٹو۔ چوٹی پکڑ کر نکال دو۔ چٹیا کے بال کاٹ ڈالو"۔ اہلِ عرب کے مرد سر مین بال رکھا کرتے تھے بلکہ وہ مثلِ ہند۔ اور چین کے چوٹیان بھی رکھا کرتے تھے۔ پھر کسی پر پیچھے سے حملہ کرنا تو کوئی بہادری نہین۔ سامنے سے حملہ کرنا ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ پس۔ اس وحی مین ایک محاورہ آیا۔ تو مفسرین نے مختلف خیالات ظاہر کئے۔ جو زیادہ تر عامیانہ روایات سے اخذ ہین۔ قرآنِ حکیم کا تمام خطاب اہلِ عرب کے روزمرہ محاورون مین ہوا ہے۔ اگر کوئی بال کی کھال نکالتے ہوئے علمِ کلام کے زور پر تنکے کو پہاڑ بنا دے تو یہ اسکی نکتہ رسیان ہون گی نہ کہ منشاء و مفہوم قرآنِ حکیم۔ بہرحال اس وحی مین مکذبین کو انتباہ دیا جا رہا ہے کہ:۔ تم جن کو مٹانیکی کوشش مین یقینی ناکام رہو گے۔ تمہارے یار و مددگار کارکنانِ قضا و قدر کا مقابلہ کسی طرح نہین کر سکتے۔ تم تو باطل کی طرف چلے جا رہے ہین۔ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل باطل مٹ کر ہی رہے گا۔ جب یہ صورت ظاہر ہو گی تو باطل پرستون کیلئے ذلت و خواری کے جہنم کے سوائے اور کیا ملیگا۔ وہ اپنی گذشتہ خوشحالی اور قوم کی سرداری کے بعد جب حق کے مقابل مغلوب ہو کر ذلیل و خوار ہو نگے تو ان کو رنج و غم کی آگ جھلسا دینے والی ہو گی۔ یہ تو اس زندگی ہی مین قانونِ مکافات انکو یہ سزا دیگا۔ اور آخرت مین جو سزا ملے گی اسکا علم تو سوائے خدا کے کسی کو نہین ہو سکتا۔

قرآنِ حکیم کے محاورے

ف۷۔ میرا فکر:۔ ایک طرف تو معترض عبادت کو ڈرا دے دے کر ڈانٹا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف آزادیِ فکر کے علمبردارون کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ:۔ ان اندھے مقلدون کی باتون مین آن کر اپنے آزادیِ فکر کی نعمت کو برباد نہ کر دینا۔ بلکہ اپنے رب کی اطاعت و فرمان برداری مین سر جھکائے ہوئے لگے رہو۔ تاکہ رب تعالیٰ کا قرب تم کو (باقی صفحہ ۱۰۶ پر)

(بقیہ میر افکر - ف - صفحۂ ۱۳۵) حاصل ہو جائے۔ پس یہی اصلی صلوٰۃ ہے جس کی روح تمہارے عمل سے ظاہر ہوگی۔ یعنے جبکہ تمہارے جوارح عملِ صالح کیلئے متحرک ہو جاتے ہین تو دُنیا کو اسکا ثبوت ملتا ہے۔

حقیقتِ سجدہ

عربی زبان مین سجدہ کا مفہوم ہے۔ اطاعت و فرمان برداری کیلئے جھکنا۔ فرمان بردار ہو جانا۔ اطاعت قبول کرنا۔ سجدۂ عبادت۔ یعنے پاؤن کی اُنگلیان۔ گھٹنے۔ ہاتھ۔ ناک اور پیشانی زمین پر ٹیکدینا۔ قرآن حکیم نے جہان پر جھاڑ، پہاڑ، سورج، چاند وغیرہ کو اللہ کے سامنے سجدہ گذار بتلایا ہے۔ تو اسکا مفہوم اطاعت و فرمان برداری مین اپنے فرائض کما حقہٗ بروقت پورے کرتے رہنے کے ہین۔ ملائکہ نے آدمؑ کو سجدہ کیا تو اسکے معنے صاف ظاہر ہین کہ تمام ملکوتی قوتین اللہ کے حکم سے انسان کیلئے مسخر ہو گئے۔ اسی طرح فرعون اور نمرود یا دشاہون کے آگے انسانون کے سجدہ گذار ہونیکا مطلب سوائے فرمان برداری کے کچھ نہین۔ اور ان کو رب سمجھنے کا مقصد انکو قبول کرانکی ربوبیت کا تصور ہے۔ نکہ مثل اُمتِ محمدی کے نمازی سجدہ کے سجدہ۔

بعض مذاہب اور قومون مین صرف گھٹنے زمین پر ٹیک کر سر کو جھکا لینا۔ اور دونون ہاتھ جوڑ لینا سجدۂ عبادت۔ اور اطاعت و فرمان برداری قبول کر لینے کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے بھی "وار کعو مع الراکعین" (جھک جاؤ جھکنے والون کے ساتھ) حکم دیا ہے۔ یہ یہود۔ اور نصاریٰ کا سجدہ ہے۔

ہندوؤن مین اوندھے لیٹ کر دونون ہاتھ سر کی طرف لمبے کر کے جوڑ لین تو یہ ایک بلند درجہ کا سجدۂ عبادت۔ یا علامتِ اطاعت و فرمان برداری ہے۔ جس کو "ساشٹانگ نمسکار" کہتے ہین۔ صرف ہاتھون کو جوڑ لینا بھی ڈنڈوت۔ یعنے سجدہ کے مماثل ہے۔ "گھٹنون کے بل دوزخ مین گنہگارون کو داخل ہونا پڑے گا" قرآن کا ایک محاورہ انتہائی ذلت و خواری کی سزا کا ہے۔ نہ معلوم انسان کی فطرت نے ماتھا ٹیک کر عجز و انکساری کا طریقہ کب سے اپنی وجدانی کیفیت کے ذریعہ معلوم کر لیا۔ یا گھٹنے ٹیک کر۔ ہاتھ جوڑ کر۔ یا ہاتھ باندھ کر۔ کہ ہر مذہب و قوم مین عبادتی اور غیر عبادتی دونون حیثیت سے آج تک جاری ہے۔ حجری زمانے کے نقوش سورج کے سامنے ان دونون طریقون کی پوجا کا ثبوت دیتے ہین۔ میرے خیال مین محض عملی سجدہ کی کوئی اہمیت نہین۔ نہ تو وہ شرک باللہ ہے اور نہ عبادت باللہ۔ اصلی شرک تو غیر اللہ کے روحانی اقتدار اور تصرفاتِ ربوبیت کا تصور رکھنا چاہیے وہ نبی اور رسول ہی کیون نہو۔ اسکی استمداد و اعانت کے طالب ہونا۔ اپنے اغراض جسمانی۔ مالی۔ روحانی وغیرہ کیلئے اسکا احترام اور عظمت دراصل شرک ہے۔ اور خدا کی عبادت کا حقیقی سجدہ اسکے احکام کی فرمانبرداری کما حقہٗ کرنا ہے خواہ کسی قسم کا عملی سجدہ ہو کیونکہ قرآن حکیم بار بار کائنات کے ذرہ ذرہ کو اللہ کے آگے سجدہ گذار بتلا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری ہی کا مفہوم ہے۔ چنانچہ اقبال نے کہا "ہے وہی سجدہ لائقِ اہتمام ؛ کہ ہو ہر سجدہ تجھ پر حرام" اہل مکہ مثل اہل ہنود کے اپنے خود ساختہ معبودون کے علاوہ اللہ کو بھی سجدہ کرتے تھے جب محمد عربی صلعم نے رحمٰن کو سجدہ کرنے کہا تو وہ بگڑ گئے "ہم تو اللہ کو سجدہ کرتے ہین۔ مگر رحمٰن کو ہرگز ہرگز سجدہ نہ کرینگے"۔ اسلئے مکی آیات ہی مین سجدہ کی آیتین نازل ہوئی ہین۔ مدنی تنزولِ وحی مین آیاتِ سجدہ نہین نازل ہوئین۔ اگر آپ اس حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہین تو فی زمانہ وہی حقیقت آپکے علم مشاہدہ مین آسکتی ہے۔ یعنے کبھی کوئی ہندو۔ یا عیسائی۔ یا بدھی اللہ کا نام زبان سے ادا کر کے سجدہ کرنا گوارا نہین کریگا۔ اور اسی طرح کوئی مسلمان یزدان۔ پرماتما۔ گاڈ۔ الوہیا۔ وغیرہ کا نام لیکر سجدہ ریز نہین ہوگا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ نصاریٰ حبش اللہ کو رحمان کہتے تھے۔ اور رحمان کا لفظ عربی نہ تھا۔ پھر اہلِ عرب اہل حبش سے کدورت بھی رکھتے تھے۔ تو کس طرح حبش کے خدا کو وہ سجدہ کرنا گوارا کر لیتے۔ (مزید وضاحت سورۂ رحمٰن کے ذکر مین ملاحظہ ہو)۔ بہرحال لفظِ سجدہ کے مختلف مفہوم قرآنی کو ذہن مین رکھا جائے تو ذہنی وظنی تصورات کی پیچیدگیان آسانی سے دور ہو جاتی ہین۔

الضحیٰ

نام سورہ الضحیٰ ۔ تعداد آیات (۱۱) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۹۳) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲) زمانہ نزول دور اول سنہ ۱ بعثت ۶۱۱ عیسوی۔
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محقق	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ نزول وحی	۱۰	۱۰	۱۱	۱۱	۱۶	۱۳	۳	۱۴	۱۶	۱۱	۱۱

توضیحات

حروف تہجی میں شمارہ	کون مخاطب ہے۔ کس سے سوال ہے۔	احکام	میرے فکر و نظر کے موضوعات					
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
X	محمد صلعم	۱۔ بے سہارا کی امداد ۲۔ سوال کو رد نہ کیا جائے ۳۔ انعامات الٰہی کو ظاہر کیا جائے۔ پوشیدہ نہ رکھا جائے۔	۱۔ قرآنی قسموں کی حقیقت۔ ۲۔ فترۃ الوحی کا زمانہ۔	ص ۱۳۷ ص ۱۳۸	۳۔ اسلامی تعلیم قرآن ازم	ص ۱۳۹	۴۔ محمد عربی صلعم کی بسم اللہ۔	ص ۱۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغاز نام سے رحمان و رحیم تعالیٰ سبحانہٗ کے

قسم ہے روشنیٔ آفتاب کی (یعنے دن کی) ۱ اور رات کے اندھیرے کی ۲ تمہارے رب نے تم کو
نظر انداز نہین کیا ۳ کیا تم غور نہین کرتے کہ تمہارا مستقبل تمہارے ماضی سے ہمیشہ بلند و بالا ہی ہوتا
چلا جا رہا ہے ۴ اے محمد! تمہارا رب تو تم کو بہت جلد اپنی خاص نعمت عظمیٰ سے سرفرازی بخشنے والا ہے۔
جس کی وجہ سے تم اپنے رب کی رضامندی محسوس کرنے لگو گے ۵ کیا تم غور نہین کرتے کہ تمہارے رب ہی نے تو
تم کو بحالت پسماندگی سہارا دیا ۶ اور تم کو تلاش حق مین بحالت تشتت و پیچ پایا تو راہ ہدی پر ڈال دیا

ف ۱ میرا فکر۔ قرآن حکیم کی بعض سورتوں میں "واؤ" قسمیہ آیا ہے مترجمین نے اسکا ترجمہ قسم ہی کیا ہے۔ مدنی سورتوں مین واؤ قسمیہ کہین نہین ہے۔ قسم کا مقصد تو گواہی اور سچی بات کی شہادت ہے اور قسم عموماً اپنے سے بزرگ یا اقتدار ہستی کی یا محبوب و مرغوب چیز کی کھائی جاتی ہے۔ چونکہ خدائے بزرگ و برتر کے لئے نہ تو کوئی ہستی با عظمت ہے اور نہ کوئی مخلوق اسکے لئے محبوب و مرغوب ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی ذات بے نیاز ہے۔

(حاشیہ: قرآن مین قسموں کی حقیقت)

معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ کے طرز کلام کے مدنظر وحی کا طرز مخاطبت ہے کیونکہ اہل مکہ اپنی صداقت بیانی کے (باقی صفحہ ۱۳۸ پر)

پھر تنگ دستی سے فارغ البالی بھی تم کو عطا کی ہے ف۲ پس اس بات کا خیال رکھو کہ جب کبھی تم

(بقیہ میرا فکر ف صفحہ ۱۳۷) ثبوت میں کائنات کی کسی نہ کسی عظیم الشان شئے کی قسم کھایا کرتے تھے پس وحیِ الٰہی نے بھی اسی طریقۂ خطابت کو مناسب جانا۔ اور ان تمام مخلوقات کو جسکو عرب باعزت و احترام سمجھتے تھے بطورِ شہادت مخاطبین عرب کے سامنے پیش کرتے ہوئے اپنے ذکر (نصیحت) کو واضح کیا۔

دیکھئے اس طرزِ خطاب میں ایک راز بھی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ نہ صرف اہلِ عرب بلکہ تمام انسان عقیدتاً جس چیز کی قسم کھا کر اپنی سچائی کو ثابت کرنے کے عادی تھے اور آج بھی ہیں۔ اُن کا یقینِ کامل یہ ہوتا ہے کہ وہ باعزت اور بااختیار شئے ہماری غلط بیانی پر ہم کو نقصان پہنچائیگی۔ یا ہماری محبوب چیز جس کی قسم ہم لے رہے ہیں۔ تباہ و برباد ہو جائیگی۔ پس۔ مخاطبین کے ان عقاید ہی کو باقی رکھتے ہوئے ان کے عقاید و تصوراتِ باطلہ کی روشنی میں ان کے باعظمت الٰہوں یعنے آیات اللہ۔ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ دن۔ رات۔ زمین۔ آسمان۔ مقدس شہر اور پہاڑ وغیرہ کی گواہی میں واوِ قسمیہ کے ساتھ وحیِ الٰہی اعلانِ حق بصورتِ نصیحت۔ ہدایت کر رہی ہے جس کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ:۔

"اے مخاطبینِ وحی!۔ دیکھو! محمدِ عربی، جو وحیِ الٰہی تم کو سنا رہے ہیں۔ اگر وہ جھوٹ ہوگی تو یہ تمہارے معبودانِ باطل ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ کیونکہ تمہارے عقیدہ ہی کے لحاظ سے تو وہ ان کی قسم کھا کر تم کو نصیحت کر رہے ہیں۔ پھر کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان باعظمت قسموں کے بعد بھی تمہارے یہ باعظمت معبود ساکت و صامت ہیں۔ تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ جو کچھ تم سے محمدِ عربی کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے"۔

اس بات کو ذہن میں جگہ دیجئے کہ۔ قرآنِ حکیم کا اندازِ ذکر (نصیحت و ہدایت) مخاطب قوم کے خواص و عوام کی ذہنیت کا علمبردار ہے۔ نہ کہ خارج از تصورِ مخاطبین وہ ان کو نصیحت کرتا ہے۔ چونکہ وحیِ الٰہی تالیفِ قلوب کے ذریعہ دعوتِ حق کا اعلان کرتی ہے۔ نہ کہ جبر و اکراہ کے ذریعہ وہ اپنی نصیحت و ہدایت کو منوانا چاہتی ہے۔ کیونکہ قدرت کا منشاء انسان کے "اختیاراتِ ارادی" کی آزمایش ہے۔ ۔۔۔ چونکہ اہلِ مکہ کا عقیدہ قسموں کا تھا۔ یا وہ عادتاً اپنے خطاب میں واوِ قسمیہ استعمال کیا کرتے تھے۔ اسلئے مکی وحیوں میں واوِ قسمیہ آپ کو نظر آ رہا ہے۔ مدنی وحیوں میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ مدینہ میں مخاطبین قسم کھانے کے عادی نہیں تھے۔۔۔ میرے اس فکر کی تائید وحیِ مکی نمبر (۳۸) کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ:۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ یعنے "اے محمد! مت کہا مان کسی قسمیں کھانے والے کا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت اہلِ مکہ قسم کھانے کے عادی تھے۔ اور آج بھی آپ کو اہلِ مکہ عرب بات بات پر "واللہ" کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور وہ عموماً جھوٹی قسم کھانیکے عادی ہوتے ہیں یا پھر وہ ان کا تکیۂ کلام ہوتا ہے۔

ف۲۔ میرا فکر:۔ بعثت کیلئے پہلی وحی کی سرفرازی کے بعد ایک لمبا سکوت پیدا ہو گیا۔ اور دوسری وحی تین سالہ سکوت کے بعد نازل ہوئی۔ اس درمیانی وقفہ کو "فترۃ الوحی" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقفہ دراز میں آپؐ کی بعثت کا چرچا ہو چکا ہوگا۔ اپنے پرائے بطورِ ہمدردی۔ یا بطورِ طنز چہ میگوئیاں کر رہے ہوں گے۔ پھر بلحاظ تقاضاء بشریت خود آنحضرت صلعم کو بھی یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ "کہیں میرے رب نے مجھ کو نظر انداز تو نہیں کر دیا"۔ پس اس دوسری وحی میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے اس طرح سمجھایا جا رہا ہے کہ:۔ "قدرت نے تمہارے ہر زمانۂ ماضی سے مستقبل کو درخشاں کیا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جس راہِ حق کی تم کو

فترۃ الوحی

(باقی صفحہ ۱۳۹ پر)

کسی بے سہارا (یعنے یتیم) کو دیکھو تو اس پر رحم کرنا ع۹ اور جب کوئی سائل (خواہ وہ مالی سوال ہو یا معاش کا۔ یا معلومات کا۔ یا علم وغیرہ کا) تمہارے پاس آکر سوال کرے تو اس کے سوال کو رد نکرنا ع۱۰ وت اور ہمیشہ اپنے رب کی اُن نعمتوں کو (جو تم کو عطا ہوئی ہیں) دوسروں پر ظاہر کرتے رہو۔ ع۱۱ ث ۔

(بقیہ میرا فکر صفحہ ۱۳۸) عرصہ سے تلاش و جستجو تھی۔ اس کی رہنمائی تم کو برابر کی جارہی ہے۔ اور تم بے سہارا تھے تو قدرت نے تم کو سنبھالا دیا۔ اور تنگ دستی سے فارغ البالی بھی عطا کی گئی۔ پھر سب سے بڑی نعمت یہ کہ تم کو راہ ہدایت پر ڈالدیا گیا۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں سے کس طرح مایوس و ناامید ہو رہے ہو۔ بلکہ تم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ تمہارا مستقبل نہایت درخشاں ہوکر رہے گا۔ ق جَدَ ہ کے معنے ہیں پانا۔ محسوس کرنا۔ اور استطاعت۔

سوال کو رد کرنیکی ممانعت

وت۔ میرا فکر:۔ پھر ارشاد ہو رہا ہے کہ:۔ "اے محمد! یاد رکھو کہ تم جن ادوار سے گذرے ہو اس کو کبھی بھول نہ جانا۔ اور ہمیشہ بے سہارا مخلوقِ خدا کی اور یتیم مسکین۔ محتاج السائلوں کی مدد کرتے رہنا۔ جب کوئی سائل تمہارے سامنے آئے تو اس کی ضرورت حتی الوسع پوری کردینا۔ خبردار اس کو حقارت۔ نفرت یا غصہ سے نہ جھڑکنا۔"

دیکھا آپ نے! اسلام کے بنیادی اصول اس دوسری وحی میں کیا بتلائے جارہے ہیں؟

اساسِ تعلیم قرآن ازم

(۱) یتیم۔ یعنے بے سہارا کو سہارا دینا (۲) جاہل کو علم کی روشنی بتلانا۔ یعنے تقلید جامد کے اندھیرے سے اس کو آزادیٔ فکر کی روشنی میں لانے کی کوشش کرنا (۳) متلاشیٔ حق کو راہِ ہدایت کی رہنمائی کرنا۔

اس وحیٔ الٰہی کے بنیادی اصول تعلیم اسلام کی تعمیل میں آنحضرت صلعم نے کامل (۱۳) سال مکی زندگی میں اپنی قوم کو آزادیٔ فکر دلانے کی جدوجہد یعنے جہاد میں گذارے۔ اور یہ تیرہ سالہ عدم تشدد۔ یعنے اہنسا کی جنگ میں اپنے چند مصدقین کے ساتھ اس طرح مصروف پیکار رہے کہ نہ صرف خود بلکہ مصدقین بھی سخت سے سخت مظالم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنے وطنِ عزیز سے ہجرت کرنی پڑی۔ جب کہ آپؐ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ یاد رکھئے کہ محمد عربی صلعم نے اپنی جان بچانے کے لئے ہجرت نہیں کی۔ بلکہ اُس پیامِ حق کی حفاظت کے لئے اور نیز اس کو دُنیا کی انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بحیثیت ایک امین کے آپؐ کو اپنی جان بچاکر ہجرت کرنا پڑا۔ آیندہ اوراق میں آپ کو اس طرح جان بچاکر ہجرت کرنے کی حقیقت معلوم ہوگی۔ جس کی مثالیں اس بیسویں صدی میں نہ صرف قابلِ عظمت و احترام سمجھی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کی تقلید عین مقصدِ انسانیت ہے۔

اظہارِ انعاماتِ الٰہی

ث۔ میرا فکر:۔ اس وحی میں حکم دیا جارہا ہے کہ:۔ "تمہارے رب کی طرف سے تم کو جو کچھ۔ مادی یا روحانی انعامات حاصل ہوں ان کو علانیہ بیان کیا کرو۔ ان کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کسی بات کا پوشیدہ رکھنا شانِ رسالت کے خلاف ہے۔"

اس بات کو ذہن میں جگہ دیجیئے کہ فکر و فہم خداداد کے انعاماتِ عظمیٰ کو دوسروں کی ترغیب و تحریص کیلئے (باقی صفحہ ۱۴۰ پر)

(بقیہ میرا فکر۔ ف۲ صفحہ ۱۳۹) علانیہ بیان کرتا اس لئے ضروری ہے کہ انسانیت انعاماتِ الٰہی کے حاصل کرنے میں سعیِ پیہم کرنے لگ جائے ۔ و نیز جو علم پوشیدہ رازمیں رکھا جاتا ہے وہ دراصل شیطانی علم ہوا کرتا ہے۔ جو ساحروں اور شعبدہ بازوں وغیرہ کا علم ہے۔ علمِ الٰہی آشکارا ۔ اور فہمِ انسانی میں آسانی سے سمو جانے والا ہوا کرتا ہے ۔ لہٰذا میرا فکر یہ ہے کہ فہمِ قرآنی دراصل انعاماتِ الٰہی سے ایک عظیم الشان انعام ہے ۔ خواہ ایک آیت ہی کے متعلق کیوں نہ ہو ۔ بشرطیکہ اس کا مقصد "انا خیرٌ منہٗ" نہ ہو ۔ اس علم کی تعمیل گویا مقصدِ تخلیق انسانیت ہے ۔

محمدِ عربی صلعم کی بسم اللہ

آپ نے غور کیا کہ پہلی وحی کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد تین سال تک سکوت اور اُس کے بعد آغازِ وحی الٰہی کا کیا مطلب ہے؟ ۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ پہلی وحی کے غور و فکر کے لئے مامور من اللہ کو سہ سالہ مدت دی گئی ۔ کہ وہ اپنے فکر و فہم خداداد کے ذریعہ تبلیغ کے خاکے بنالیں ۔ جب آنحضرت صلعم نے اس سہ سالہ مدت میں ادائیِ فرائضِ رسالت کا نقشہ بنالیا تو پھر روح القدسؑ سے آپؐ ہم کنار ہونے لگے ۔ پھر آپؐ کو الہادی ۔ المزکی اور الامام ۔ النبی ۔ الرسول کے مدارج طے کرانے وحیِ الٰہی کا نزول شروع ہوا ۔ جو بیس۲ سال تک جاری رہا ۔

دیکھا آپ نے محمدِ عربی صلعم کی بسم اللہ کس قدر عظیم المرتبت نتایج کی حامل تھی ۔ اور بسم اللہ کے بعد کے مدارج کس قدر کٹھن فولاد کے چنے تھے

نام سورۃ **الانشراح** ۔ تعداد آیات (۴) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۹۴) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۳) زمانۂ نزول۔ دور اول سنہ بعثت ۶۱۲ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ ترتیب نزول	۱۱	۱۲	۸	۱۲	۱۷	۱۲	۱۵	۱۳	۱۰	۱۲	۱۲

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے۔	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	محمد عربی صلعم	۱۔ رسول کو اللہ کی حمایت ۲۔ بعد ادائے فرائض تبلیغ خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہیئے	شرح صدر؟ تبلیغ کی دشوار یاں؟ قوم کی مخالفت۔ بت شکنی کی اصلیت؟ رب کی طرف راغب ہونے کی حقیقت۔	ف۱ ف۲ ف۳		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع نام سے شارحِ صدر تعالیٰ سبحانہٗ کے

37

اے محمد! کیا اللہ نے تیرے فکر و فہم کو وسعت نہیں عطا کی؟ ۱ اور کیا تیرے رب نے تیرے اصلاحِ قوم کے بوجھ کو تجھ سے ہلکا نہیں کر دیا؟ ۲ درآن حالیکہ تو ان تفکرات کے بوجھ سے جھکا جا رہا تھا ۳ پھر ذرا تو غور کر کہ قدرت نے کسطرح تیری قوم میں تیری امانت۔ اور صداقت کو نمایاں کر کے اس سے تیرے کو امین کا خطاب دلوایا۔ اور کس طرح تیرے وقار کو بلند و بالا کر دیا ۴ ف۱ اب جبکہ تمکو عہدۂ رسالت سے سرفراز کیا جا رہا ہے تو اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ ہر مشکل کے بعد آسانی لازمی ہے ۵ بلاشبہ ہر کام کی ابتدا میں مشکلات ہی کا سامنا ہوگا۔ اس کو صبر و استقلال سے سرانجام پہنچانے کے بعد ہی

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ اس تیسری وحی کا پہلا جملہ رب العزت تعالیٰ سبحانہٗ کی اس نعمتِ عظمیٰ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو قدرتِ الٰہی نے بصورتِ وسعتِ قلب محمد عربی صلعم کو عطا کی ہے۔ یہ وسعتِ قلب مادی۔ اور روحانی دونوں قسم کی ہے۔ یعنے سب سے پہلے آپؐ کے سنِ شعور سے آپؐ کے غور و فکر نے آپؐ کو اپنے آب و جد۔ اور قوم کی تقلیدِ جامد سے بے نیاز بنا دیا۔ کیونکہ قلبِ مومن میں اللہ تعالیٰ کی روح کا جزو ودیعت ہوتا ہے۔ یعنے "نفخت فیہ من روحی" تو (باقی صفحہ ۱۴۲ پر)

نتیجۃً اطمینان و سکون حاصل ہو سکتا ہے ؎۶ اور جب تجھ سے تفکرات کو دور کر دیا جا کر رسالت سے

(بقیہ میرا فکر ؎ صفحہ ۱۴۱) ظاہر ہے کہ اسکی وسعت کا کیا ٹھکانا کہ اللہ کی ذات "محیطِ کُل" ہے۔ اور وہ رب العالمین۔ یعنے تمام مخلوقات اور تمام قوموں کا پروردگار۔ اور آقائے بے نیاز ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اسکے رسول کی وسعتِ قلب بھی بلند و بالا ہونی چاہیئے۔ جس کی وجہ وہ "رحمۃ اللعالمین" بن سکے۔ پس۔ رسالت مآب صلعم کو اسی وسعتِ قلب کے عطیہ نعمت کو جتلا کر کہا جا رہا ہے کہ:۔ "ہماری قدرت نے تم کو وہ نعمت عطا کی ہے۔ جو موسیٰؑ کی طلب کے بعد بھی ان کو نہ مل سکی"۔ چنانچہ اسی شرح صدر یعنے وسعتِ قلب کا نتیجہ یہ تھا کہ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر میں۔ رات دن تم دیے جا رہے تھے۔ اب اسکو تمہاری رسالت اور وحیٔ الٰہی کے ذریعہ ہلکا کر دیا جائے گا۔ یعنے اب وحیٔ الٰہی کا نزول اصلاحِ قوم اور ان کی رہبری کیلئے تمہارے مدد و معاون ہو جائیگا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ قبل سرفرازی عہدۂ رسالت منشاء خداوندی کے تحت کس طرح کارکنانِ قضا و قدر نے تمہاری قوم میں تمہارے وقار کو بلند و بالا کر کے تم کو "امین" کا خطاب دلوا دیا۔ اور کس طرح تم کو قوتِ فکریہ کے بلند و بالا زینہ پر پہنچا کر تمہارے اعلیٰ کردار۔ عقل و خرد کی بلندی سے تم کو دنیاوی اور دینی فیصلوں کی صلاحیت عطا کی۔ جس سے تمہاری قوم میں تمہارا نام بلند ہوتا چلا گیا۔ پس یقین رکھو کہ مستقبل میں بھی تمہارا ذکر یعنے تمہارا نام اور تمہارا احترام۔ بلند و بالا شہرت کے حامل ہوں گے"۔

؎ میرا فکر:۔ رسالت پناہی کے ذہن نشین یہ بات کرائی جا رہی ہے کہ:۔ "تبلیغ حق خصوصاً رسالت کے فرائض کی انجام دہی آسان نہیں۔ اسکے لئے سخت سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آبائی طور طریق۔ رسم و رواج۔ اور عقاید ظنی و وہمی اب و جد کو توڑنا آسان کام نہیں"۔ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر مذہب کے فرائض کی خلاف ورزیاں رات دن ہوتی رہتی ہیں کوئی انگشت نمائی نہیں ہوتی۔ اسی طرح حکومت کے قانون کی خلاف ورزیاں رات دن ہوتی رہتی ہیں جس کا نتیجہ جیل خانوں کی آبادی ہے۔ اخلاقی جرایم بر سر بازار سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن سماج کا طور طریق چاہے وہ کتنا ہی بے معنٰی اور سہل تکلیف دہ ہو اس کے خلاف ورزی کی جراءت کسی فرد میں نہیں نظر آتی۔ آخر یہ کیوں؟۔ اسلئے کہ ہر کس و ناکس۔ اپنا اور پرایا انگشت نمائی کے لئے تیار رہتا ہے۔ جس کو عرفِ عام میں "ناک کٹ جانا" کہا جاتا ہے۔ اس خوف سے ہر انسان سماج کی ریت و رواج کی خلاف ورزی کرنیکی جراءت نہیں کر سکتا۔ پس۔ جب کوئی مصلح قوم منجانب اللہ مامور ہوتا ہے۔ یا مبعوث یا رسالت کے مقام پر سرفراز کیا جاتا ہے تو اس کیلئے سب سے پہلا کام باپ دادا کے عقاید باطلہ اور بے روح طور طریق عبادات کی نفی کرنا ہوتا ہے۔ جب وہ سماج کو حق بات بتلاتا ہے تو اس کی قوم خصوصاً اسکے گھر والے۔ عزیز و اقارب سب ہی اسکو "ملحد" یعنے آبائی دین سے پھرا ہوا کہنے لگتے ہیں۔ اور اس پر لعن و ملامت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب اس کا بلند کردار۔ اعلیٰ ایمان۔ سب دشمنی کی پروا کئے بغیر اعلانِ حق کو جاری رکھتا ہے۔ تو پھر اسکو پاگل۔ دیوانہ مجنون۔ ساحر۔ شاعر وغیرہ کا خطاب دیا جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے اس کا اعلانِ حق بلند ہوتا جاتا ہے۔ اور اعلانِ حق کو لبیک کہنے والے اسکے ساتھ ہونے لگتے ہیں۔ تو قوم اسکی اور اسکا ساتھ دینے والوں کی جانی دشمن ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کے بعد ہر قسم کی ایذا رسانی۔ ظلم و ستم اس پر۔ اسکی پارٹی پر قوم اپنا فرضِ مذہبی اور خوشنودیٔ خدا سمجھ کر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جب ان تمام مصائب۔ اور اس پُر خطر میدان سے وہ گزر کر استقلال و صبر سے فولادی جنون کو چباتے ہوئے اپنا فرض ادا کرتا چلا جاتا ہے تو اسکے بعد کہیں فتح و نصرت منجانب اللہ تعالیٰ ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر تو ساری قوم اسکے بتلائے ہوئے جدید اصولوں پر چلنے کے لئے تیار ہو کر۔ اپنے باپ دادا۔ اور اپنے بزرگان مذہب کے ظنی و ذہنی شخصیت پرستیونکے بُت توڑ پھوڑ کر راہِ مستقیم پر چل پڑتی ہے ؎ وہ بُت۔ صنم خانۂ قلب۔ ذہن اور (باقی بر صفحہ ۱۴۳)

؎ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا (یعنے اب تو بکثرت لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین کو قبول کرنے لگ گئے ہیں)۔

سرفرازی بخشی جا رہی ہے تو جو فرائضِ رسالت تمہارے ذمّہ عاید ہونیوالے ہیں اسکے لئے تم ہمہ تن تیار ہو جاؤ ف۳
اور ہمیشہ اپنے آقائے بے نیاز کے فضل و کرم کے بھروسہ کامیابی و کامرانی کی اُمید یقینی رکھو ع۸۔

(بقیہ میرا فکر ف۱ صفحہ ۱۴۲) ظلمات میں متمکن رہتے ہیں۔ تکہ چوتےاور پتھر کی عمارتوں ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت تیرہ سالہ مکی زندگی اور آٹھ سالہ مدنی زندگی یعنے فتح مکہ تک کی تاریخ آپ کے نظروں کے سامنے ہے۔ اور نیز دُنیا کی ہر قوم کی آزادی کے تاریخی ادوار۔ ابتدائی اور انتہائی آپ کے غور و فکر کے لئے ہر زمانہ میں موجود ہیں۔

ف۳۔ میرا فکر:- پھر آگاہ کیا جا رہا ہے کہ "اے محمد! اس سُنت اللہ کے تحت تجھ کو فرائض رسالت کی ادائی میں ہمہ تن مصروف ہونا پڑے گا۔ اب تیرے لئے غارِ حرا کا اعتکاف موزوں نہیں۔ اب تجھ کو میدانِ عمل میں ادائی فرائض کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہیئے۔ ہاں جب تبلیغ کے جانگسل فرائض سے فارغ ہو جائے اور اس وقت جب کہ تجھ کو تمام آسانی حاصل ہو جائے تو سکونِ قلب کے ساتھ اپنے رب کی شکر گذاری کی طرف راغب ہو جاتا ہوگا۔ بحالتِ موجودہ ادائی فرائض کے سلسلہ میں اپنے رب کے فضل و کرم کے بھروسہ یقینِ کامل کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو۔ اس وقت تمہاری رغبت کا ثبوت اپنے رب کی طرف فرائضِ رسالت کی ادائی میں مضمر ہے تو دُنیا کے ہر اچھے کام کو جو انسانیت کے فلاح و بہبود کے خاطر ہو۔ اپنے فرضِ رسالت سے تصور میں کرتے چلے چلو۔"

دیکھا آپ نے۔ کہ قرآنِ حکیم کس طرح رہبانیت کی چلہ کشیوں اور سنیاسی گوشہ نشینیوں۔ اور سجادہ و دلق کے شایانِ شان رسالت کی نفی کر رہا ہے۔ پس۔ اِس تیسری نزولِ وحی کے وقت کرۂ زمین پر خوشنودیٔ خُدا کے لئے سنیاس اور گوشہ نشینی و اوراد و وظایف وغیرہ کو ہر مذہب۔ لازمی سمجھ رہا تھا۔ اس کی نفی کی جا رہی ہے۔ اور دُنیا کو "مزرعۃ الآخرہ" بتلایا جا رہا ہے۔ اور حق کی تبلیغ کو عباداتِ رسمی سے افضل ٹھہرایا گیا ہے۔ یعنے خُدا کی طرف راغب ہونے کا وقت ادائی فرضِ انسانیت (جو عین مقصدِ تخلیقِ انسانیت ہے) کے بعد قرار دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس وحی کے بعد تا اید از چھ ہزار آیات اسی بنیادی اصول کے اطراف گھومتے ہوئے آپ کو دعوتِ غور و فکر دیتی گئے۔ یہ ایک حقیقتِ نفس الامری ہے کہ زمانۂ غلامی۔ افلاس۔ ذلت و مسکنت میں رسمی عباداتِ انفرادی و اجتماعی تو ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن وہ بے روح۔ البتہ جب قوم کو انفرادی و اجتماعی آزادی کے ساتھ خلافتِ زمین کا اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کی انسانیت اُجاگر ہونے لگتی ہے۔ لیکن مقامِ انسانیت کی ابتدائی جد وجہد جس میں اس کے جذبات کی رغبت خُداوندِ قدوس کی طرف ایک خاص تکیفِ ایمان کے تحت نتیجتاً حاصل ہوتی ہے۔ جس میں اس کا عملِ پیہم اس کو رسمی عبادات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جب اس کشمکشِ حیات میں اس کو مالی جسمانی اور روحانی سخت سے سخت صدمات پہنچتے ہیں تو اس کی رغبت۔ یعنے توجہ اپنے رب کے ساتھ اور بڑھتی جاتی ہے۔ اس کیفیت پر کارکنانِ قضاء و قدر اِس کی امداد میں تیزی پیدا کرنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فتح و نصرت اس کے قدم بوس ہونے لگتے ہیں۔ اور انعاماتِ الٰہی کے خزانے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ اس نوبت پر حزب اللہ میں ایک سکونِ و مسرت کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ جس کے بعد وہ راحت و آرام۔ عیش و عشرت کی طرف راغب ہونے لگتی ہے۔ آلاتِ حرب و ضرب۔ اور عملِ پیہم میں انحطاط کا آغاز ہو جاتا ہے۔ چنگ و رباب کی طرف اس کی دلچسپیاں شروع ہو جاتی ہیں اب اس کی رغبتِ رب۔ اور عبادات میں جذباتِ حقیقی کم ہونے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ (باقی بر صفحہ ۱۴۴)۔

(بقیہ میرا فکر. ف. صفحہ ۱۴۳) بے روح رکوع اور سجود اس کی رسمی عبادت قرار پاتے ہین۔ یہان تک کہ سرداران قوم اقتدار کے نشہ مین مست و مدہوش ہو جاتے ہین۔ تو تنزل کا پہلا زینہ قوم کے تنزل کا ظاہر ہونے لگتا ہے جسکے بعد وہ قوم قانون امہال کے تحت زوال پذیر مقام پر پہنچ جاتی ہے۔

انبیاء و مرسلین۔ اور مامورمن اللہ مصدقین کی حالت ایسی نہین ہوتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ خدا کی طرف راغب ہوتے چلے جاتے ہین۔ اس کے یہ معنے نہین کہ وہ رات دن تسبیح و سجادہ و دلق مین منہمک ہو جاتے ہین۔ نہین! بلکہ اپنی قوم کو بلند سے بلند تر کرنے کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت انسانیت کے محتاجون مسکینون۔ بے سہارا انسانون کی حاجت روائی اور ان کے لئے اسباب ربوبیت کی فراہمی حکومت الٰہیہ کے عطیہ انعامات سے کرتے ہین اپنی بندون کو تیر باد کہتے جاتے ہین۔ اور رات دن اسی فکر مین مستغرق رہتے ہین۔ ان کا عیش و آرام۔ راحت و مسرت۔ بس اسی مین ہے کہ وہ خلق اللہ مین انتظام ربوبیت کو کما حقہٗ پورا کرکے کسی انسان کو بھوکا۔ ننگا۔ بے گھر۔ محتاج مسکین۔ درد و کرب مین مبتلا نہ رہنے دین۔ یہ سب کچھ دراصل ہے۔ "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝" کا مفہوم ہے۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست ۔ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

سورۂ **الفلق** تعداد آیات (۵) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۱۱۳) پارہ (۳۰) ۔
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۴) زمانۂ نزول۔ دور اول سنہ بعثت ۴ سنہ ۶۱۴ عیسوی
اس سورہ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	حضرت ابن عباس عکرمہ	[illegible]	جابر بن زید	ولیم میور ۱۳۲۳ ۱۸۶۷ء	[illegible] ۱۳۲۳ ۱۸۵۹ء	راڈویل ۱۳۰۳ ۱۸۶۷ء	ایچ گرم	ہرشفیلڈ ۱۳۲۰ ۱۹۱۰ء	[illegible] ۱۳۳۰ ۱۹۱۳ء	تحقیق مصنف ۱۹۸۸ء
شمارہ ترتیب نزول	۱۴	۱۹	۲۰	۲۰	؟	۴۶	۶	۳۹	۸۴	۱۷	۲۰

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	محمد عربی صلعم اور تمام انسان		آقا یعنی رب کے پناہ کی ضرورت ہمارے عمل و عملیات کی اجازت	ف۱ ف۱		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع نام سے رحمٰن رحیم کے

اے مخاطب! تو کہہ میں رب الفلق (یعنے صبح کی روشنی پیدا کرنے والے آقا) کی پناہ چاہتا ہوں ۱۔ ہر اس چیز کے نقصانات سے جس کو میرے آقا نے پیدا کیا ہے ۲۔ اور رات کی تاریکی کے ضرر سے جب اندھیرا چھا جائے ۳۔ اور گرہوں میں پھونک مارنے والوں کے شر سے ۴۔ اور حسد کرنے والوں کی شرارتوں سے جب کہ وہ حاسدانہ میری خرابی کے درپے ہو جائیں ۵ ع ف۱

آقا کی پناہ میں آنیکی ضرورت

ف۱۔ میرا فکر:۔ اس چوتھی وحی الٰہی میں رسالت مآب صلعم کو اور نیز تمام انسانوں کو اپنی حفاظت کیلئے پناہ حاصل کرنے کا ذریعہ بتلایا جا رہا ہے۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ کس قدر جامع الفاظ میں صرف ایک آقا کی پناہ میں آنے۔ پناہ مانگنے کی تعلیم دیجا رہی ہے اور تمام معذور و مجبور۔ اور بے اختیار معبودان باطل اور آقاؤں سے طلب امداد کے تصورات کو مٹایا جا رہا ہے۔
"فلق" کہتے ہیں صبح صادق کو۔ اللہ تعالیٰ ہی تو صبح اور شام کا خالق ہے جب صبح نمودار ہوتی ہے تو ہر چیز اپنی آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے۔ انسان اور ہر جاندار مخلوق کیلئے یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ ہر تاریکی یعنے اندھیری رات کے بعد کرۂ زمین آفتاب کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے اور ہم ہر شئے کی حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور (باقی بر صفحہ ۱۴۶)

(دیکھیے میرا فکر صفحہ ۱۴۵) اس نے اپنے کو احسن الخالقین بتلایا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر چیز اچھی، خیر اور بہتر ہی ہے لیکن جب اس کا استعمال صحیح طریقہ پر نہ کیا جائے۔ بلا فکر و غور، بے عقلی سے کیا جائے تو وہ باعث شر یعنی نقصان رسان بن جاتی ہے۔ دیکھو دودھ اور شہد جیسی چیزیں بھی جب غلط طریقہ سے استعمال کیجاتی ہیں تو موت کا باعث ہو جاتی ہیں! اور سنکھیا جیسا زہر اگر صحیح طور پر حکیم دے تو مرنے والا بھی اٹھتا ہے۔ لہٰذا انسان چونکہ خطا و نسیان اور عجلت پسندی کی فطرت پر پیدا ہوا ہے اسلئے وہ دنیا کی تکلیفوں سے دور رہنے کیلئے مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے اور اپنے ظنی و ذہنی تصورات اور عقاید میں معبودانِ باطل کی پناہ بھی چاہتا ہے۔ درآں حالیکہ رات کی اندھیاری میں وہ مضرت پہنچانے والی چیزوں سے بچ نہیں سکتا اور نہ اسکی بصارت سے غائب چیزوں سے وہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ سوائے اسکے رب تعالیٰ کی قدرت کے اسکو کوئی بچا نہیں سکتا۔ پس وہ ایک محیط کل قوت والے آقا سے چاہتا ہے کہ وہ اسکو اپنی پناہ میں لے لے۔۔۔ اگر ہم جہالت اور تقلید جامد کی تاریکی کے تقاضات سے فکر و عقل کی روشنی کی آرزو بھی اس وحی میں سمجھ لیں تو نامناسب نہ ہوگا۔ گرہوں میں پھونک مارنے والے طبقہ سے بھی محفوظ رہنے کی تمنا سکھلائی جا رہی ہے لیکہ زمانہ تو جادو، ٹونا، جھوٹ منتر کے مضر اثرات سے دور رہنے کا تصور تھا جو نہ صرف غیر مہذب اقوام میں بلکہ مہذب متمدن اقوام میں آج تک موجود ہے اس ظنی و ذہنی عقیدہ کو باقی رکھکر طالب پناہ کو طریقہ پناہ گیری بتلایا جا رہا ہے۔ وہ ترقی زمانہ پروپگنڈوں کے پھونکوں کا وہ شر و فساد جو ریڈیو۔ لاوڈ اسپیکر اور اخبارات کی جلی سرخیوں اور رائج تحریرات سے پھیلاتی ہیں۔۔۔ ملکوں اور قوموں کے اجتماعی اور انفرادی نقصان کا باعث ہوتا ہے جس کا ثبوت اس بیسویں صدی میں کرۂ زمین کے ہر حصہ پر نمایاں ہے! ان سے بھی پناہ گیری حاصل کرنیکا ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اپنے رب ہی کی پناہ کے طالب ہو جائیں۔

ان مراحل کے بعد حاسدوں کے حسد کی خرابیوں سے بھی طالب پناہ ہونیکی تعلیم دیجا رہی ہے جو ہر ترقی یافتہ انسان کیلئے شر کا باعث ہوتے ہیں۔ حاسدوں کے حسد کے شر کے اثرات انفرادی تو کجا جماعتوں اور بڑی بڑی سلطنتوں کی بربادی اور تباہی کے تاریخی واقعات دل کو کپکپا دینے والے ہر صاحب فکر کے سامنے موجود ہیں۔ لہٰذا راہ مستقیم پر چلنے کے بعد انعامات الٰہی کی سرفرازیوں کو دیکھکر حاسدین نقصان رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں اس سے بھی رب العزت سے امان طلب کرنا سکھلایا جا رہا ہے۔

میرا فکر یہ ہے کہ یہ چوتھی وحی رسالت پناہی کے عہد مکے لئے ایک "ہادی گارڈ" کا تصور بتلا رہی ہے۔ ایک بات قابل غور ہے کہ جو عاملین قرآن رسالت کا محافظ وسنہ اور اور عاملین آیات قرآنی جھوٹ منتر کیلئے دوسروں سے حاصل کرتے ہیں! اور اس عمل کے الفاظ کو پڑھنے کی ہمارے عمل عملیات اجازت بھی لیتے ہیں جس کے اثرات کو آج سب ہی مانتے اور ایمان کامل کے ساتھ مانتے ہیں لیکن خالق کائنات جس عمل کی اجازت اپنے رسول کو دی! اور رسول نے اپنی امت، بلکہ تمام انسانوں کو عطا فرمائی، اس سے ہم استفادہ نہیں کرتے۔ یہ کیوں! اس لیئے کہ ہم کو کلام الٰہی اور اپنے رسول صلعم پر اس قدر کامل یقین نہیں ہے جس قدر کہ ہمارے پیروں، مرشدوں اور اولیاء اللہ الفاظ، اور اقوال، اور اجازت پر ایمان کامل ہے۔

میں نے جب کبھی اس وحی کے الفاظ کو اپنی قوتِ ارادی سے کام میں لایا تو مجھ کو کبھی ناکامی نہیں ہوئی۔ میرے اس بیان کو ہر شخص خود آزما سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا عقیدہ اللہ اور اللہ کے رسول اور کلام الٰہی پر بمقابل اولیاء اللہ اور پیر و مرشد کے یقینِ کامل اور سچے ایمان کے ساتھ رہے۔ کبھی وہ ناکامی کی صورت نہ دیکھے گا۔

۱۰۵

نام سورہ **الفیل** تعداد آیات (۵) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۵) پارہ (۳۰)

شمارہ ترتیب نزول وحی ملحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۵) زمانہ نزول ۔ دور اول ۔ سنہ بعثت ۔ سنہ ۶۱۴ عیسوی۔
اس سورۃ کے سلسلہ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۱۸	۱۸	۱۸	۱۹	۱۳	۹	۱۹	۴	۳۹	۱۶	۱۹

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	محمد عربی صلعم اور اہل مکہ	×	واقعہ لشکر اصحاب فیل طیراً ابابیل اور حجارۃ کی حقیقت اور محاورے	ف۱		

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتداء نام سے اللہ کے

اے مخاطب! کیا تو نے سنا نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی کے لشکر والوں کیساتھ کیا کیا؟ ۱ کیا اسکے ارادے کو (خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کا) ناکام ثابت نہیں کر دیا ۲ تم سن چکے ہو کہ انکی تباہی کیلئے ابابیل کے جھنڈ کے جھنڈ مقرر تھے ۳ جو حجارۃ کے ذریعہ لشکر کو ایسا تباہ کر دیا کہ جیسے کھایا ہوا بھوسہ ۴ ع ف۱

ف۱ ۔ میرا فکر:۔ سنہ ۵۷۰ یا ۵۶۹ میں گورنر حبشہ ابرہہ نے خانہ کعبہ پر اس ارادے سے حملہ کی تیاری کی کہ معبد کعبہ کو ڈھا کر حجر اسود کو اپنے شہر کے معبد میں لے جائے۔ اس لشکر میں ایک گرانڈیل ہاتھی بھی تھا جو موسوم تھا نام محمود سے جسکے معنے زبان حبش میں گرانڈیل ہاتھی کے ہیں۔ اس لشکر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ قدرت نے اچانک مرض چیچک فوج میں پیدا کر دی۔ ظاہر ہے کہ چیچک کا مرض گرم ممالک میں کسقدر شدت کیساتھ ہوا کرتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی حجاج بغیر ٹیکہ چیچک کے حدود عرب میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس مرض کے پیدا ہونے سے لشکر میں کثرت سے اموات واقع ہوگئے۔ اور ابرہا کو اپنے لشکر کا محاصرہ اٹھا کر ناکام واپس ہونا پڑا۔ یہ واقعہ تاریخی آنحضرت صلعم کے زمانہ پیدائش سے (۵۵) دن قبل کا ہے۔ اہل عرب نے اپنی یادداشت کیلئے اس تاریخی واقعہ کو "عام الفیل" یعنے ہاتھی کا سال ٹھہرالیا۔ اس وحی کے متعلق مفسرین نے مختلف روایات کا انبار لگا دیا ہے۔ لغت کے لحاظ سے "ابابیل" کے معنے جھنڈ کے جھنڈ۔ پے در پے مسلسل کے ہیں اور "طیر" کے معنے پرند۔ تباہی۔ بدشگونی اور مصیبت کے بھی ہیں۔ "حجارۃ" "کنکریاں" چیچک کے دانوں کو بھی کہتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں تپ کہنہ کی پھنسیوں کو "موتی جھرہ" اور چیچک کی پھنسیوں کو "چیچک کے دانے" کہتے ہیں۔ اہل ہنود چیچک کو ماتا دیوی کہتے ہیں۔ ہند میں اکثر یہ توہم ہے کہ جس گھر میں ابابیل بس جائیں وہ تباہی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ یہ پرند ہمیشہ ویران مقام میں (باقی برصفحہ ۱۴۸)

طیراً ابابیل اور حجارۃ کی حقیقت ۔

(بقیہ میرا فکر صفحہ ۱۴۷) سے لے لیا ہے۔ بہرحال مین نے جب اس وحی کے مفہوم پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ :- لشکر مین مرضِ چیچک پھوٹ پڑنے سے تمام سپاہیوں کے جسموں مین چیچک کے دانے پیدا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سپاہی مر گئے جن کو مردہ چھوڑ کر لشکر نے اپنا کیمپ برخاست کر دیا۔ چونکہ زمانۂ محاصرہ دشمن مین کوئی شہری باہر نہین نکل سکتا تھا۔ انکو خبر نہ تھی کہ فوج مین مرضِ چیچک پھوٹ پڑا ہے جسکی وجہ محاصرہ اُٹھا کر فوج کوچ کر گئی لیکن عام طور پر اہلِ مکہ نے دیکھا ہو گا کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ منڈلا رہے ہین۔ کچھ دنوں کے بعد جب محاصرہ کے ختم ہونیکی اطلاع ملی تو اہلِ مکہ باہر نکلے۔ اور دیکھا ہو گا کہ مُردوں کے جسم مین سوراخ پیدا ہو گئے ہین اہلِ بر سے کم سمجھ عقیدہ رکھنے والوں نے کہہ دیا کہ پرندوں نے اپنی چونچوں سے کنکریاں پھینک کر فوج کو تباہ کر دیا۔ اس طرح خانۂ کعبہ کی حفاظت ربِّ کعبہ نے خود کر لی۔ اور بعض سمجھدار صاحبِ فہم حضرات نے چیچک کے مرض سے تباہی اور ربِّ کعبہ کے حکم سے یہ مصیبت لشکر اصحابِ فیل پر آنا سمجھا۔ ہرحال اس زبان زدِ خاص و عام واقعہ کو جو مکہ والوں کیلئے ایک تاریخی واقعہ تھا۔ بزبانِ وحی دُھرایا جا رہا ہے۔ اور مخاطبِ وحی کو تسلّی دیجا رہی ہے کہ :- "دیکھو! قدرت جب کسی صالح مظلوم اقلیت کو بچانا چاہتی ہے تو اکثریت جسکا مقصد ظلم اور خود غرضی ہوتا ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر اپنے ربّ کے حکم سے اسکی تباہی کے اسباب اچانک پیدا کر دیتے ہین۔ اور پتہ بھی نہین چلتا کہ یہ مصیبت اور تباہی پے در پے کہاں سے اور کیسے! اور کیونکر پیدا ہو گئی تھیں۔ آنحضرت صلعم کو اس وحی کے ذریعہ اس واقعہ کو یاد دلا کر ڈھارس دلانا مقصود ہے کہ :- "تم جس مشن پر مامور کیئے گئے ہو اسکی مخالفتِ عامہ سے پریشان ہونیکی ضرورت نہین۔ ہم اپنی قدرت کے کارکنوں کے ذریعہ اسکی کامیابی کے اسباب مُہیا کر دینگے۔ اور تم اس وحی کے ذریعہ اہلِ مکہ کو بھی آگاہ کر دو کہ جسطرح ربِّ کعبہ اصحابِ فیل کی تباہی کا سامان مُہیا کر دیا تھا جو تمہارے آنکھوں دیکھی بات ہے اسی طرح محمدِ عربی کی تعلیمِ حق و صداقت کو ربِّ کعبہ مامون و کامیاب بنائیگا۔ اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی"۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کا ثبوت شہرِ مکہ مین محمدِ عربی صلعم کا پُرامن فاتحانہ داخلہ تھا۔ اب یہان پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصحابِ فیل کی ناکامی اور محمدِ عربی صلعم کی کامیابی معبدِ کعبہ کے متعلق دو متضاد کیفیات کیوں؟ عقیدت سے دُور عقل و فکر و فہم کا جواب یہ ہے کہ اصحابِ فیل کے مقابل اہلِ مکہ مظلوم تھے اور ابرہا ایک ظالمانہ ارادہ رکھتا تھا کہ انکی آزادی کو ختم کر کے غلامی کی زنجیروں مین جکڑ لے اس کا یہ ارادہ باطل تھا۔ محمدِ عربی صلعم اور مہاجرینؓ و انصارؓ حق و صداقت کے علمبردار تھے۔ وہ اہلِ عرب مکہ کو نہ تو غلام بنانا چاہتے تھے اور نہ کعبہ کو مسمار کرنا۔ بلکہ وہ تو اہلِ مکہ کو ذہنی و ذہنی عقایدِ باطلہ کی غلامی سے آزادی دلا کر حق و صداقت کا علمبردار اور خلافتِ زمین کا حقدار بنانے کیلئے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ اسی لئے اس مرتبہ اقلیت کو کامیابی ہوئی۔ بس! اسی قدر واقعہ اس وحی کے نزول کا ہے جس کو راویانِ معتبر کی سند نے عوام اور پست ذہنیت عوام کیلئے نمک مرچ لگا کر سیکڑوں صفحات کی تفسیر کرتے ہوئے دادِ سخن حاصل کرنیکا موقع فراہم کر لیا۔

* طیر کے معنے اور حجارۃ کا محاورہ — نزولِ وحی کیوقت خواص اہلِ مکہ کے ذہن مین "طیر" کے معنے "تباہی و مصیبت" اور "ابابیل" کے معنے "پے در پے" اور "حجارۃ" کے معنے "چیچک کے دانے" ہی بلحاظِ محاورہ ہونگے۔ اور یقینی ہونگے لیکن جب فنِ لغت منظرِ عام پر آیا تو لغوی معنے لئے گئے۔ ظاہر ہے کہ اسکو ثابت کرنے کیلئے کس قدر تاویلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ادنٰی مثال ذہن نشین کر لیجئے۔ حضرت علیؓ کو "اسد اللہ" کہا جاتا تھا جسکا مطلب "اللہ کا ایک بہادر بندہ" تھا لیکن عوام خواب مین حضرت علیؓ کا تصور شیر کی تصویر ہی مین دیکھتے ہین۔ یہ ہین لغوی معنوں کے نتائج۔ پھر اس قسم کے محاورے قرآنِ حکیم اپنے مخاطبین کے فہم سمجھ بوجھ کے لحاظ سے زبانِ وحی مین استعمال کیا تھا۔ لیکن محاوروں کو جب لغت کے ترجمے کے تحت لکھا گیا تو مفہوم ناقابلِ فہم ہو گیا۔ اسکے بعد اسکو تقدسِ بیان۔ کلامِ بتحریر کے ذریعہ بنا دینے اور روایات کی سند لیجانی پڑی اور پھر روایت کو ناقابلِ انکار بنانیکے لئے شخصیت پرستی کا صنم تراشا گیا۔ اسطرح راوی کا معتبر و مقام عقل و خرد فہم و فکر سے بلند و بالا ہو گیا۔ اسی اصول پر آپ متقدمین و متاخرین اور زمانۂ حال کے ہر مذہب کے معتقدات کو جانچ سکتے ہین۔

سورہ **القدر** تعداد آیات (۵) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۹۷) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خاں (۶) زمانہ نزول دور اول سنہ بعثت سنہ ۱۲ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے کی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۲۴	۲۴	۲۴	۲۵	۲۴	۱۴	۲۱	۵۵	۴۱	۲۲	۳۵

توضیحات

شمار الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	محمد عربی صلعم اور اہل مکہ و اہل کتاب	×	شب قدر! نزول قرآن شب قدر میں۔ اہل کتاب ہونیکی تمنا بنی اسمٰعیل پر وحی کی حقیقت نزول قرآن شب قدر کا مفہوم۔	د ل	رسول عربی صلعم نے ہمیشہ روزے اور دسمبر کی ۲۵ میں رکھے اور بنی کی حقیقت نصاریٰ کے روزوں کا زمانہ	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغاز از اسم قدیر تعالیٰ سبحانہ

ہم نے وحی قرآنی کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے ۱ تم کو معلوم نہیں کہ شبِ قدر کی عظمت کیا ہے؟ ۲ وہ قدر و عظمت کی رات تو ہزار مہینوں کی راتوں سے زیادہ متبرک ہے۔ ۳ کیونکہ اس رات میں روح (یعنی فرشتۂ وحی) دوسرے ملائک کیساتھ کائناتِ ارضی کے انتظام کیلئے اپنے رب کے حکم سے زمین پر نزول کرتے ہیں ۴ بلاشبہ یہ رات صبح ہونے تک امن اور سلامتی سے بھرپور رہتی ہے ۵ ف۱ (ع ۱)۔

ف۱ میرا فکر:۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ اہلِ مکہ سال میں ایک رات کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہونگے! اور یہ مقدس رات یقیناً ماہِ رمضان ہی میں آتی ہوگی | شبِ قدر | جسمیں خیر و برکت کا نزول و مقدراتِ سالِ آئندہ رب العالمین کیجانب سے حکماً ملائکہ کا نزول مانتے ہونگے خواہ وہ سنتِ ابراہیمی کے تحت ہو یا اہلِ کتاب کے تصورات کے تحت۔ بہرحال اہلِ مکہ لیلۃ القدر کی عظمت کے ضرور قائل تھے۔ لہذا ذریعۂ وحی اعلان کیا جارہا ہے کہ "دیکھو! نزولِ قرآن قلبِ محمد پر اسی مبارک رات میں ہوا ہے پس جب تم کو اس رات پر ایمان اور یقینِ کامل ہے کہ اس رات میں انعامات و برکاتِ الٰہی کی تقسیم ہوتی ہے اور روح کا نزول ہوتا ہے تو تمہارے رب نے اسی رات میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ بنی اسمٰعیل سے ایک نبی اور رسول کو صاحبِ کتاب بنایا جائے جنانچہ محمد کو اس مقصد کیلئے فضلِ الٰہی نے منتخب کرلیا ہے۔ یہ تو تمہاری دلی تمنا میں تھی کہ بنی اسحاق میں تو بہت نبی و رسول | نزولِ قرآن شب قدر میں | معبوث ہوئے لیکن بنی اسمٰعیل اس اعزازِ الٰہی سے ہزارہا سال سے محروم ہے | تمنا بنی اسمٰعیل اہلِ کتاب ہونیکی۔ | (باقی صفحہ ۵۰۱ پر)

۳ روح یعنی قرآنی وحی۔ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ دیکھو نزول وحی الٰہی اور ملائکہ کا ذکر پہلی مرتبہ آرہا ہے جیکے نزول کا خصائص یہ تھی کہ شر و فساد۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۹) کیا یقیناً تمہارا پشت ہا پشت کا نہیں ہے؟ لو اب تمکو اس نعمت عظمیٰ سے سرفرازی بخشی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ لیلۃ القدر ہی میں مقدر ہو رہا ہے۔ پس تم اس جلیل القدر انعام سے خوش ہو جاؤ اور اسکو حاصل کرنے میں سبقت کرو۔ خبردار اس نعمت عظمیٰ سے کفر (انکار) کرکے فیضان الٰہی سے محروم نہ رہنا۔ دیکھو تمہاری ایک ہی تمنا یہ بھی تو تھی کہ "کاش ہم اہل کتاب ہوتے تو بنی اسحاق سے بہتر اپنی کتاب پر عمل کرتے" لو اب اپنے دعوے کو ثابت کرو۔ خبردار تم اپنے نبی اور کتاب کی تکذیب کرنا جیسے کہ اہم بنی یعقوب کا وطیرہ رہا ہے۔

شب قدر میں نزول قرآن اس وحی کا اساس ہے۔ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اہل مکہ اور اہل کتاب کے عقائد کے لحاظ سے محمدؐ پر یہ وحی الٰہی ہے نہ کہ القائے شیطانی۔ کیونکہ اس رات میں ان ہی کے عقائد کے لحاظ سے شیاطین مقید کردیے جاتے ہیں۔ اسلئے قرآن میں شیطان کا کوئی دخل ہی نہیں ہو سکتا۔

روح کی حقیقت روح ربّ سبحانہ تعالیٰ کی وہ اکمل صفت ہے جس سے انسان کو نوازا گیا ہے۔ اس صفت الٰہی کو قرآن حکیم نے وحی اور روح ارشاد فرمایا ہے۔ اس قوت الٰہی اور قدرت رب کو عرف عام میں اہل کتاب جبریل کہا کرتے تھے جسکو اہل عرب بھی مانتے تھے۔ بس میں روح، جبریل، ملائکہ و فرشتے ان سب ناموں کو اپنے رب سبحانہ تعالیٰ کی مخلوق اور انکے صفات سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور ان سب میں روح کو عظیم تر صفت اور قدرت الٰہی مانتا ہوں۔ پھر اگر ان غیر مرئی قوتوں کے متعلق جب کسی مثال کو تلاش کرتا ہے تو میرے سامنے قوت برق، قوت ایتھر دائرے میں آجاتے ہیں جن سے دنیا آج استفادہ کر رہی ہے۔ پس اسی طرح کشف، الہام وغیرہ میں اور ان سب میں اعلیٰ مقام وحی کا ہے جو نبی اور رسول کیلئے مخصوص ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جسطرح ایتھر کو سمجھنا ایک غیر سائنسدان کیلئے ناممکن ہے۔ اسیطرح روح اور نبی کی حقیقت کو سمجھنا غیر نبی اور غیر رسول کیلئے ناممکن ہے عــہ

نزول قرآن حکیم شب قدر میں قرآن حکیم کا نزول شب قدر میں اس وحی کے لحاظ سے نص قرآنی ہے۔ گو وہ مسلسل ۲۳ سال تک دھیرے دھیرے محمد عربی صلعم پر نازل ہوتا رہا۔ اس لئے کہ ہر قانون کے نفاذ کی وہی تاریخ ہوتی ہے جبکہ اسکا اعلان کردیا جائے خواہ اسکے شائع ہونے میں کتنی ہی مدت کیوں نہ لگے۔ چنانچہ سورہ دخان کی ابتدائی آیتوں میں اگر فکر کیجائے تو معلوم ہوگا کہ "امر ربّ" کا اشارہ کیا ہے۔ یعنی امر ربّ کن کے ساتھ ہی کارکنان قضا و قدر تکمیل حکم میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ اسکے وقت کا شمار ہمارے ایک سال کا نہیں بلکہ ہمارے ایک ہزار یا دس ہزار سال کا وہ ایک دن شمار ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک بات قابل غور و فکر ہے کہ بلحاظ روایات و تفاسیر اگر شب قدر میں قرآن حکیم لوح محفوظ پر نازل ہو چکا تھا تو آیا وہ نزول وحی کے سلسلہ سے تھا یا موجودہ ترتیب کے لحاظ سے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ترتیب موجودہ کے لحاظ سے تھا تو اسکے معنے یہ ہوگئے کہ جبریل نے خلاف سلسلہ نزول لوح محفوظ اسکو مقدم و موخر کردیا۔ ایسا تو جبریل نہیں کرسکتے تھے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ لوح محفوظ پر قرآن کی ترتیب سلسلہ نزول وحی کے لحاظ ہی سے تھی۔ نہ کہ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے۔

نسی کی حقیقت اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ ۱۰ھ ہجری یعنی حجۃ الوداع تک ملک عرب میں نسی کا طریقہ رائج تھا یعنی شمسی سال ہی میں تمام ہلالی مہینے آتے تھے جس طرح ہندوستان کی جنتری آج تک رائج ہے۔ یعنی ہر تین سال میں تیسرا سال بجائے بارہ ماہ کے تیرہ ماہ کا ہو جاتا۔ اس کو لون کا مہینہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اندھرا میں ابتک بھی اسی طرح کا عمل ہے (دوسرے ہندی جنتریوں میں ایک ہی تاریخ میں دو تاریخ جمع کرکے سال کے دس دن کو بڑھا لیا جاتا ہے۔ اس طرح عمل کرنے سے لون کا مہینہ تیسرے سال نہیں پڑھتا۔ اور ہلالی سال و فصلی سال میں مطابقت رہتی ہے) اہل عرب بھی اسی طرح کرتے کہ ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھا دیتے۔ اسی کو نسی کہا جاتا تھا۔ چونکہ عرب میں بعض مہینے حرمت کے ہوتے تھے جس میں لوٹ اور قتل کی سخت ممانعت تھی۔ اور حج اکبر اور حج اصغر کے لئے لوگ سفر کرتے تھے۔ اس لئے اہل عرب نے نسی کا مہینہ ان حرمت کے مہینوں میں ہی قرار دیا تھا۔ یعنی کبھی دو رجب اور

عــہ میرا فکر وحی کے متعلق سلسلہ نزول وحی نمبر ۱۳۱ پر بھی ملاحظہ ہو۔

(بقیہ صفحۂ ۱۵۰) کبھی دو صفر۔ یہ ان کی فاسد نیت کا سبب تھا۔ کیونکہ وہ ایک زاید ماہ کو حلال کر دیتے اور دوسرے کو حرام۔ اس طرح حجاج و مسافرین حرمت والے مہینہ سے بے خبر رہتے۔ اور اس بے خبری کا نتیجہ لوٹ و غارت گری میں اہل عرب کو آمادہ کر جاتی۔

پس۔ وحیِ اول میں نزولِ وحی کی تاریخ ۱۷ رمضان مطابق ۵ دسمبر ۶۱۰ء لکھی گئی ہے۔ گویا رمضان کا مہینہ ہر سال ماہِ دسمبر ہی میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مثل اہلِ کتاب کے اہلِ عرب بھی روزے رکھا کرتے تھے اور وہ ماہ رمضان ہی میں رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ اور ورقہ بن نوفل کا روزہ رکھنا بھی ثابت ہے۔ اور خود آنحضرت صلعم کا اس ماہ میں روزہ رکھنا۔ اور غارِ حرا میں معتکف ہونا متواتر روایات سے مسلمہ ہے۔

نسی کا طریقہ نزولِ قرآن کے بعد بھی (۲۳) سال تک برابر جاری رہا۔ اور فرضیتِ روزہ ماہِ رمضان کے وقت بھی جاری تھا۔ اور فرضیتِ ماہِ صیام ۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس حکم کے بعد مسلسل (۸) سال رمضان بلحاظ طریقۂ نسی ماہِ دسمبر ہی میں آتا رہا۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں وحیِ الٰہی نے نسی کو اس طرح منسوخ فرمایا کہ سال کے بارہ ماہ ہی ہوتا چاہئے نہ کہ تیرہ ماہ۔ اس حکمِ امتناعی کے بعد آنحضرت صلعم صرف (۹۰) یوم بقیدِ حیات رہے۔ اور وہ بھی بعض اہم امور میں مصروف بسلسلۂ علالت میں مبتلا۔ اس دنیا سے آپؐ انتقال فرمانے کے بعد اسلام نے حسبِ سابق قمری مہینوں ہی سے سالِ ہجری کے شمار کو باقی رکھا لیکن قدرت کے گردشِ موسم اور تمام کرۂ زمین کے متمدن اقوام کے طریقۂ حساب پر نظر نہیں ڈالی۔ اس طرح اسلامی سال ایک علیحدہ سال بن گیا۔

قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کو مزید عرصہ اس دنیا میں رہنا ہوتا تو آپؐ ہلالی سال کو فصلی سال میں شاید مثل ایران اور ہندوستان اور یونان کے مقرر فرما دیتے۔

اس خصوص میں میرا میر علی صاحب نے جو مقالہ لکھا ہے جس کو "غریب القرآن" مرتبۂ علامہ ابو الفضل مرحوم میں جگہ دی گئی ہے۔ و نیز محمد اجمل خان مصنف سیرۃ القرآنیہ رسول عربی صلعم کی تحقیق ملاحظہ طلب ہے۔

مختصر یہ کہ آنحضرت صلعم اپنی حیات تک رمضان کے روزے ماہِ دسمبر ہی میں رکھا کرتے تھے۔ اور رمضان ماہ دسمبر ہی میں آتا تھا۔ آپ کے بعد رمضان کا مہینہ ہر موسم میں گردش کرنے لگا۔

نصاریٰ کے روزے

مخفی مباد کہ نصاریٰ ۱۵ ر نومبر سے ۲۵ ر دسمبر تک چالیس دن کے روزے اس زمانہ میں رکھتے تھے اور آج بھی عیسائیوں کے پاس ان ایام ہی میں روزے رکھے جاتے ہیں۔

سرسری تقویم بطور یادداشت (اقتباس از سیرتِ قرآنیہ)

تاریخ تولد محمدی:۔ ربیع الاول۔ آغاز سنہ محمدی م جون ۵۶۹ء۔ تاریخ بعثت:۔ رمضان سنہ ۴۱ محمدی م، ا رمضان م دسمبر سنہ ۶۱۰ء (سنہ آغاز بعثت)

دورِ اول۔ دعوتِ سرّی:۔ ذیحجہ سنہ ۳ بعثت م فروری سنہ ۶۱۲ء۔ دورِ دوم۔ دعوتِ جہری:۔ محرم سنہ ۴ بعثت تا رجب سنہ ۵ بعثت م مارچ ۶۱۲ء تا اکتوبر سنہ ۶۱۴ء۔ دورِ سوم دعوتِ جہری:۔ شعبان سنہ ۵ بعثت تا محرم سنہ ۷ بعثت م نومبر سنہ ۶۱۴ء تا مارچ سنہ ۶۱۶ء۔ دورِ چہارم:۔ مقاطعہ محرم سنہ ۷ بعثت تا ذیحجہ سنہ ۹ بعثت۔ مارچ سنہ ۶۱۶ء تا مارچ سنہ ۶۱۹ء۔ دورِ پنجم:۔ ختم مقاطعہ و دعوت حوالی مکہ تا ہجرت محرم سنہ ۱۰ بعثت آخر صفر سنہ ۱۳ بعثت۔ مارچ سنہ ۶۱۹ء تا ۱۷؍ جون سنہ ۶۲۲ء

تقویم ہجرت از یکم ربیع اول م ۱۷؍ جون سنہ ۶۲۲ء بجانب مدینہ۔ تا وفات نبوی صلعم مطابقت سنہ ہجری و سنہ عیسوی

نام سالہائے	یکم محرم	یکم صفر اول نسئی	یکم صفر دوم	یکم ربیع اول	یکم ربیع دوم	یکم جمادی اول	یکم جمادی دوم	یکم رجب	یکم شعبان	یکم رمضان	یکم شوال	یکم ذیقعدہ	یکم ذی الحجہ	1st Moharram without Intercalation
سنہ ۱ ہجری	۱۹؍ اپریل سنہ ۶۲۲ء ؟	×	۱۸؍ مئی سنہ ۶۲۲ء ؟	۱۷؍ جون سنہ ۶۲۲ء پنجشنبہ	۱۶؍ جولائی سنہ ۶۲۲ء جمعہ	۱۵؍ اگست سنہ ۶۲۲ء یکشنبہ	۱۳؍ ستمبر سنہ ۶۲۲ء دوشنبہ	۱۳؍ اکتوبر سنہ ۶۲۲ء سہ شنبہ	۱۱؍ نومبر سنہ ۶۲۲ء پنجشنبہ	۱۱؍ دسمبر سنہ ۶۲۲ء شنبہ	۹؍ جنوری سنہ ۶۲۳ء یکشنبہ	۸؍ فروری سنہ ۶۲۳ء سہ شنبہ	۹؍ مارچ سنہ ۶۲۳ء چہارشنبہ	F. 16.7.622
سنہ ۲ ہجری	۸؍ اپریل سنہ ۶۲۳ء جمعہ	۷؍ مئی سنہ ۶۲۳ء شنبہ	۶؍ جون سنہ ۶۲۳ء دوشنبہ	۵؍ جولائی سنہ ۶۲۳ء سہ شنبہ	۴؍ اگست سنہ ۶۲۳ء پنجشنبہ	۲؍ ستمبر سنہ ۶۲۳ء جمعہ	۲؍ اکتوبر سنہ ۶۲۳ء یکشنبہ	۳۱؍ اکتوبر سنہ ۶۲۳ء دوشنبہ	۳۰؍ نومبر سنہ ۶۲۳ء چہارشنبہ	۲۹؍ دسمبر سنہ ۶۲۳ء پنجشنبہ	۲۸؍ جنوری سنہ ۶۲۴ء شنبہ	۲۶؍ فروری سنہ ۶۲۴ء یکشنبہ	۲۷؍ مارچ سنہ ۶۲۴ء سہ شنبہ	T. 5.7.623
سنہ ۳ ہجری	۲۵؍ اپریل سنہ ۶۲۴ء چہارشنبہ	×	۲۵؍ مئی سنہ ۶۲۴ء جمعہ	۲۴؍ جون سنہ ۶۲۴ء یکشنبہ	۲۳؍ جولائی سنہ ۶۲۴ء سہ شنبہ	۲۲؍ اگست سنہ ۶۲۴ء پنجشنبہ	۲۱؍ ستمبر سنہ ۶۲۴ء جمعہ	۲۰؍ اکتوبر سنہ ۶۲۴ء شنبہ	۱۹؍ نومبر سنہ ۶۲۴ء دوشنبہ	۱۸؍ دسمبر سنہ ۶۲۴ء سہ شنبہ	۱۷؍ جنوری سنہ ۶۲۵ء پنجشنبہ	۱۵؍ فروری سنہ ۶۲۵ء جمعہ	۱۷؍ مارچ سنہ ۶۲۵ء یکشنبہ	S. 24.6.624
سنہ ۴ ہجری	۱۵؍ اپریل سنہ ۶۲۵ء دوشنبہ	×	۱۵؍ مئی سنہ ۶۲۵ء چہارشنبہ	۱۲؍ جون سنہ ۶۲۵ء پنجشنبہ	۱۳؍ جولائی سنہ ۶۲۵ء شنبہ	۱۱؍ اگست سنہ ۶۲۵ء یکشنبہ	۱۰؍ ستمبر سنہ ۶۲۵ء سہ شنبہ	۹؍ اکتوبر سنہ ۶۲۵ء چہارشنبہ	۸؍ نومبر سنہ ۶۲۵ء جمعہ	۷؍ دسمبر سنہ ۶۲۵ء شنبہ	۶؍ جنوری سنہ ۶۲۶ء دوشنبہ	۴؍ فروری سنہ ۶۲۶ء سہ شنبہ	۶؍ مارچ سنہ ۶۲۶ء پنجشنبہ	Th. 13.6.625
سنہ ۵ ہجری	۴؍ اپریل سنہ ۶۲۶ء جمعہ	۴؍ مئی سنہ ۶۲۶ء یکشنبہ	۲؍ جون سنہ ۶۲۶ء دوشنبہ	۲؍ جولائی سنہ ۶۲۶ء چہارشنبہ	۳۱؍ جولائی سنہ ۶۲۶ء پنجشنبہ	۳۰؍ اگست سنہ ۶۲۶ء شنبہ	۲۸؍ ستمبر سنہ ۶۲۶ء یکشنبہ	۲۸؍ اکتوبر سنہ ۶۲۶ء سہ شنبہ	۲۶؍ نومبر سنہ ۶۲۶ء چہارشنبہ	۲۶؍ دسمبر سنہ ۶۲۶ء جمعہ	۲۴؍ جنوری سنہ ۶۲۷ء شنبہ	۲۳؍ فروری سنہ ۶۲۷ء دوشنبہ	۲۴؍ مارچ سنہ ۶۲۷ء سہ شنبہ	T. 2.6.626
سنہ ۶ ہجری	۲۳؍ اپریل سنہ ۶۲۷ء پنجشنبہ	×	۲۳؍ مئی سنہ ۶۲۷ء شنبہ	۲۲؍ جون سنہ ۶۲۷ء دوشنبہ	۲۱؍ جولائی سنہ ۶۲۷ء چہارشنبہ	۲۰؍ اگست سنہ ۶۲۷ء پنجشنبہ	۱۸؍ ستمبر سنہ ۶۲۷ء جمعہ	۱۸؍ اکتوبر سنہ ۶۲۷ء یکشنبہ	۱۶؍ نومبر سنہ ۶۲۷ء دوشنبہ	۱۶؍ دسمبر سنہ ۶۲۷ء چہارشنبہ	۱۴؍ جنوری سنہ ۶۲۸ء پنجشنبہ	۱۳؍ فروری سنہ ۶۲۸ء شنبہ	۱۳؍ مارچ سنہ ۶۲۸ء یکشنبہ	S. 23.5.627
سنہ ۷ ہجری	۱۲؍ اپریل سنہ ۶۲۸ء	×	۱۱؍ مئی سنہ ۶۲۸ء چہارشنبہ	۱۰؍ جون سنہ ۶۲۸ء جمعہ	۹؍ جولائی سنہ ۶۲۸ء شنبہ	۸؍ اگست سنہ ۶۲۸ء دوشنبہ	۶؍ ستمبر سنہ ۶۲۸ء سہ شنبہ	۶؍ اکتوبر سنہ ۶۲۸ء پنجشنبہ	۴؍ نومبر سنہ ۶۲۸ء جمعہ	۴؍ دسمبر سنہ ۶۲۸ء یکشنبہ	۲؍ جنوری سنہ ۶۲۹ء دوشنبہ	۱؍ فروری سنہ ۶۲۹ء چہارشنبہ	۲؍ مارچ سنہ ۶۲۹ء پنجشنبہ	W. 11.5.628
سنہ ۸ ہجری	یکم اپریل سنہ ۶۲۹ء	یکم مئی سنہ ۶۲۹ء دوشنبہ	۳۱؍ مئی سنہ ۶۲۹ء چہارشنبہ	۲۹؍ جون سنہ ۶۲۹ء پنجشنبہ	۲۹؍ جولائی سنہ ۶۲۹ء شنبہ	۲۷؍ اگست سنہ ۶۲۹ء دوشنبہ	۲۶؍ ستمبر سنہ ۶۲۹ء سہ شنبہ	۲۵؍ اکتوبر سنہ ۶۲۹ء چہارشنبہ	۲۴؍ نومبر سنہ ۶۲۹ء جمعہ	۲۳؍ دسمبر سنہ ۶۲۹ء شنبہ	۲۲؍ جنوری سنہ ۶۳۰ء دوشنبہ	۲۰؍ فروری سنہ ۶۳۰ء سہ شنبہ	۲۲؍ مارچ سنہ ۶۳۰ء پنجشنبہ	M. 1.5.629
سنہ ۹ ہجری	۲۰؍ اپریل سنہ ۶۳۰ء جمعہ	×	۲۰؍ مئی سنہ ۶۳۰ء یکشنبہ	۱۸؍ جون سنہ ۶۳۰ء دوشنبہ	۱۸؍ جولائی سنہ ۶۳۰ء چہارشنبہ	۱۶؍ اگست سنہ ۶۳۰ء پنجشنبہ	۱۵؍ ستمبر سنہ ۶۳۰ء شنبہ	۱۴؍ اکتوبر سنہ ۶۳۰ء یکشنبہ	۱۳؍ نومبر سنہ ۶۳۰ء سہ شنبہ	۱۲؍ دسمبر سنہ ۶۳۰ء چہارشنبہ	۱۱؍ جنوری سنہ ۶۳۱ء جمعہ	۹؍ فروری سنہ ۶۳۱ء شنبہ	۱۱؍ مارچ سنہ ۶۳۱ء دوشنبہ	F. 20.4.630
سنہ ۱۰ ہجری	۹؍ اپریل سنہ ۶۳۱ء چہارشنبہ	×	۹؍ مئی سنہ ۶۳۱ء پنجشنبہ	۷؍ جون سنہ ۶۳۱ء جمعہ	۷؍ جولائی سنہ ۶۳۱ء یکشنبہ	۵؍ اگست سنہ ۶۳۱ء دوشنبہ	۴؍ ستمبر سنہ ۶۳۱ء چہارشنبہ	۳؍ اکتوبر سنہ ۶۳۱ء پنجشنبہ	۲؍ نومبر سنہ ۶۳۱ء شنبہ	یکم دسمبر سنہ ۶۳۱ء یکشنبہ	۳۱؍ دسمبر سنہ ۶۳۱ء سہ شنبہ	۲۹؍ جنوری سنہ ۶۳۲ء چہارشنبہ	۲۸؍ فروری سنہ ۶۳۲ء جمعہ	T. 9.4.631
سنہ ۱۱ ہجری	۲۹؍ مارچ سنہ ۶۳۲ء یکشنبہ	×	۲۸؍ اپریل سنہ ۶۳۲ء سہ شنبہ	۲۷؍ مئی سنہ ۶۳۲ء چہارشنبہ	وفات محمد رسول اللہ صلعم ۱۲؍ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق یکشنبہ ۸؍ جون سنہ ۶۳۲ء									S. 29.3.632

سنہ حجۃ الوداع میں نسی کے طریقہ کو (لوندکے مہینہ کی وجہ سے ہر تین ۳ سال میں (۱۳) مہینہ کا سال ہوا کرتا تھا) حرام قرار دیا گیا۔ جس کے بعد نسی کا طریقہ عرب اسلام میں ختم ہوگیا۔ ہلالی سال بارہ ۱۲ ماہ کا ہمیشہ کے لئے قرار پایا۔

آغاز دعوت جہری

یعنی

تبلیغ علانیہ

بحیثیت منذر و مزکی

دورِ دوم

محرم سنہ ۴ بعثت تا رجب سنہ ۵ بعثت مطابق مارچ سنہ ۶۱۲ء تا اکتوبر سنہ ۶۱۴ء

نام سورۃ **القریش** تعداد آیات (۴) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۶) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۷) زمانہ نزول دور دوم ۵ بعثت ۶۱۵ عیسوی
اس سورۃ کے نزول سے متعلق بعض محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نمبر مصنف
۲۹	۲۶	۴۳	۳	۲۰	۲	۱	۲۹	۲۸	۲۸	۲۸	[illegible]

توضیحات

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	احکام و شریعت و منہاج	کون مخاطب ہے یا کس قسم مثال ہے	شمارہ الحاقی آیات
		میرے فکر و نظر کے موضوعات				
		ف۱	قریش کا تجارتی سفر۔ حج کا زمانہ۔ قریش کے باہمی اتحاد کے فوائد۔ نقشہ رحلت الشتاء والصیف۔ یعنی قریش کے سفر تجارت کے راستے جو موسم گرما اور سرما میں استعمال کئے جاتے تھے۔	×	اہلِ قریش	۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اہلِ قریش! کیا تم کو اتحاد و اتفاقِ باہمی کے خیر و برکات کے نتایج یاد نہیں؟ ع۱ جسکا نتیجہ تمہارے تجارتی قافلوں کا سردی اور گرمی میں امن اور سلامتی کیساتھ گذرتے رہنا ہے ع۲ پس اس دوستی میں تم کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ اسی طرح متحد ہو کر خانۂ کعبہ کے مالک یعنی اللہ۔ ربِّ کعبہ کے احکام کی فرمانبرداری کیلئے کمربستہ ہو جاؤ ع۳ تم جانتے ہو کہ اسی اتحاد کا نتیجہ تو تمہارے سامنے ہے کہ تجارتی راستے کھل جانیکی وجہ تم کو فاقہ کشی سے نجات ملی اور ربِّ کعبہ نے اپنی رحمت اور برکت امن اور سلامتی سے نوازا ع۴ ف۱

ف۱۔ میرا فکر۔ گذشتہ وحی میں بنی اسمٰعیل یعنے اہلِ قریش پر انعام الٰہی کے آغاز کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنے اہلِ کتاب بنا دینے کا۔ اس وحی میں اہلِ قریش کو ہاشم عبد مناف کا وہ معاہدہ یاد دلایا جا رہا ہے جو اس نے اہلِ قریش کے تجارتی قافلوں کے امن و امان کی ضمانت کیلئے اطرافِ عرب کی خود مختار سلطنتوں سے حاصل کیا تھا جسکے بعد قافلوں کو اپنی حفاظت میں شام اور مصر اور روم، عراق و فلسطین وغیرہ شمال جنوب۔ اور مشرق و مغرب بلا کھٹکے لے جانے اور امن و سلامتی کے ساتھ (باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

قریش کا تجارتی سفر۔ حج کا ہمیشہ ماہ مارچ میں ہوتا

ع۱ اس وحی سے ثابت ہوتا ہے کہ حج اکبر ماہ مارچ میں اور حج اصغر ماہ ستمبر یہ زمانۂ اعتدالِ شمسی ہوا کرتا تھا۔
(ذی الحجہ ماہ مارچ میں) (صفر ماہ ستمبر میں)

(بقیہ میرافکر صفحہ ۱۵۵) واپس ہوتے چونکہ باہم متحد ہوکر تمام اہلِ مکہ نے یہ معاہدہ کیا تھا۔ اور یہ باہمی اتحاد ہی کے ساتھ انکے قافلے تجارتی موسم گرما یعنے بعد رجب مارچ اپریل میں مُلکِ شام کی طرف سفر کرتے۔ جہاں وہ شدتِ گرمی سے بھی محفوظ رہتے کیونکہ یہ حصہ سرد مُلک کا تھا۔ جیسے کشمیر اور موسم سرما میں یمن وغیرہ کی طرف جاتے جو معتدل گرم رہتا۔ اس طرح نہ صرف تجارت کے کاروبار منفعت بخش تھے بلکہ اہلِ قریش کا ہر مقام پر عزت و احترام بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ دیگر ممالک کے قافلوں کی حفاظت بھی اہلِ قریش کے ذمہ تھی کہ وہ لوٹ اور غارت گری سے محفوظ رہتے تھے دیکھئے نقشہ رحلۃ الشتاء والصیف پہلی صدی عیسوی کا جس سے معلوم ہوگا کہ شہر مکہ تجارتی نقطۂ نظر سے کس طرح خشکی کا بندرگاہ تھا۔ جہاں سے چین، ہند۔ ایران کے قافلے مغرب میں تجارت کے لئے لازماً گذرا کرتے تھے۔ اور اسی طرح مغرب اور شمال کے تجارتی قافلوں کا حال تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ عرب کشتی رانی میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے اسلئے دریائی سفر بھی انکی امداد کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ اس طرح بحرہ عرب، خلیج عمان و فارس اور بحر قلزم کے سفر میں انکی محتاجی تھی اسلئے نہ صرف مکہ خشکی کا بندرگاہ تھا بلکہ سمندری سفر میں بھی عرب کی بندرگاہیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ خانۂ کعبہ تمام مذاہبِ عالم کے الہوں سے معمور تھا۔ کرۂ زمین پر ایسا مرکزی معابد اور کوئی نہ تھا جس کی شہادت آپ کو نقشۂ جغرافیہ سے مل سکتی ہے۔

ہاشم عبدِ مناف کے معاہدہ کے بعد کی مسافت کے جو راستے قریش نے قایم کرلئے تھے وہ بھی اس نقشہ سے ظاہر ہوسکتے ہیں۔ غور کیجئے کہ محمد عربی صلعم نے اپنے سنِ شعور سے چالیس سال کی عمر تک بحیثیت ایک متلاشیٔ راہِ ہدیٰ اور ایک مفکرِ معظم ہر ملک کے مسافروں سے میل جول پیدا کرکے دیگر ممالک کے مذاہب۔ تمدن اور معاشرت۔ اور انسانی زندگی کے ہر شعبۂ حیات سے متعلق کس قدر معلومات اپنے ذہنِ مبارک میں محفوظ فرمایا ہوگا۔

اتحاد کا ابتدائی سبق قریش کے باہمی اتحاد کی مثال

نزولِ وحی کا زمانہ قریش کیلئے انتہائی پریشان کن تھا کیونکہ روم۔ ایران وغیرہ کی جنگوں کی وجہ مکہ کی تجارتی اور معاشی حالت پر اثر پڑا تھا۔ حجاج کی آمد و رفت اور تجارتی کاروبار میں کمی ہو رہی تھی جسکی وجہ سراسیمگی بڑھ رہی تھی اس موقع پر وحی الٰہی جہری یعنے اعلانِ عام کے ذریعہ قریش کو اتحاد کے نتایج یاد دلاکر متنبہ کررہی ہے کہ "تم کو ربّ کعبہ پر تو ایمانِ کامل ہے نا؟ اور اپنے جدِ امجد ابراہیم کی دعاؤں پر بھی۔ تو ابراہیم نے اللہ واحد ہی کی پرستش اور عبادت کیلئے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ پس یہ وحی الٰہی بھی تو ربّ کعبہ ہی کی طرف سے نازل ہو رہی ہے! اور تم کو بتلایا جارہا ہے کہ اگر تم متفق و متحد ہوکر محمد بن عبداللہ کو ربّ کعبہ کا رسول مان لو۔ اور وحیٔ ربّ کعبہ کے بتلائے جانے والے طور طریق پر چلنے کمربستہ ہو جاؤ تو پھر انعاماتِ ربّ کعبہ تم کو بیحد و بے حساب ملیں گے۔ اس کیلئے تم کو چاہئے کہ انانیت سے دور رہ کر اپنے باپ دادا کے غلط تصورات کو چھوڑ کر ظلم کے بجائے رحم۔ حجاج کو ستانے کے بجائے تلطف و مہمان نوازی قتل و غارتگری کے بجائے امن و سلامتی۔ غلاموں کو تکلیف دینے کے بجائے شفقت۔ بے سہارا کو سہارا۔ اور بھوکوں کو کھانا دینے کیطرف ہمارے رسول کی رہنمائی میں اسکے مددگار ہو جاؤ۔ اس طرح ربّ کعبہ کی صحیح طریقے پر عبادت یعنے فرمان برداری پہلے سے زیادہ تم کو بھوک و خوف سے امن و امان دے گی"۔

نقشہ مشرق وسطیٰ پہلی صدی عیسوی تجارتی راستے خشکی و تری

اہل عرب اور اہل قریش کے جدید راستے و نیز قریش کا رحلت الشتاء (یعنی موسم گرما کا شمالی سفر) اور رحلت الصیف (یعنی موسم سرما کا جنوبی و مشرقی سفر)

علامات

شمالی سفر مکہ سے رحلت الشتاء	————	اہل قریش و عرب کے جدید راستے چھٹی صدی عیسوی کے	- - - - - - -
جنوبی و شمالی سفر مکہ سے رحلت الصیف	× × × × ×		
سمندری راستہ	ں ں ں ں ں ں	پہاڑ	~~~~
شہر و بندرگاہ	○ □	دریا	~~~

نام سورہ **اللیل** تعداد آیات (۲۱) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۹۲) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۸) زمانۂ نزول۔ دَورِ دوم۔ سنہ بعثت ۱ھ ۶۱۱ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق مختلف محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نام محققین
۹	۹	۳۷	۱۵	۱۶	۱۰	۱۱	۹	۲	۸	۸	شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی۔

توضیحات

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	احکام و شریعت و منہاج	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	شمارہ الحاقی آیات
میرے فکر و نظر کے موضوعات						
	قرآن کی تعلیم کا اساسی تعلیم قومیت ہے۔	۱۵۹ تا ۶۰	ہر انسان کیلئے کسب معاش کا ذریعہ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتا ہے۔ مصیبت کے بعد ہی آرام ملا کرتا ہے منکرین حق و انصاف کی تباہ حالی۔ قانون صرف مجرم کو سزا دیتا ہے۔ سزا پانے والا ہی جہنم کا مستحق ہے یہی اسکی بدبختی ہے۔ دین کی نیکی کیا ہے؟		اہل قریش اور عام انسان بھی	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ رات کی تاریکی جو دن کی روشنی پر چھا جائے ۱ـ اور وہ دن کی روشنی جب تاریکی کو مٹا دے ۲ـ
اور وہ ربّ خالق جس نے نر اور مادہ سے تخلیقِ انسانی و حیوانی کا قانون بنا دیا ہے۔ کیا یہ
سب کچھ کھلے طور پر تمہارے مشاہدہ کیلئے کافی نہیں؟ ۳ـ پس اسی طرح تم لوگوں کی کوششیں بھی
مختلف طور طریق پر ہیں ۴ـ لہذا جس نے خوشنودیٔ خدا کیلئے ایثار اور قربانی کی اور تقویٰ کیا (یعنے
رب کے احکام کے نافرمانیوں کے نتائج سے ڈرا) ۵ـ اور حق بات پر غور و فکر کیا ۶ـ بے شک
اس کے مستقبل کو آسانیوں کا حامل اللہ کر دے گا ۷ـ ف۱ برخلاف ایثار و قربانی کے جس نے

ف۱۔ میرا فکر:۔ وحی (۰) کے بعد اس وحی کے سلسلہ پر غور کیجئے۔ خصوصاً میرے فکر وحی (۷) پر معلوم ہوگا کہ کسبِ معاش ہر انسان کا الگ الگ | اہلِ قریش اور تمام مخاطبین وحی کو رات اور دن کی تمثال (باقی صفحہ ۱۵۹ پر)

بخل کیا۔ اور مفادِ قوم سے بے پرواہ ہو کر ذاتی مفاد کو ترجیح دی ۸۔ اور نیک و حق نصیحت کو جھٹلایا اور اس پر عمل کرنے سے انکار کیا ۹۔ یاد رکھو کہ اس کا نتیجہ یقینی یہ ہے کہ اسکا مستقبل تاریک کردیا جائے ۱۰ ف۲۔ کیا انسان اتنی سی بات پر بھی غور و فکر نہیں کرتا کہ جب وہ اپنے جرم کی سزا میں گرفتار ہوگا تو اسکا مال اس وقت اسکے کچھ بھی کام نہ آئے گا ۱۱۔ یاد رکھو کہ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔ ہمارا رسول تو اس وحی کے ذریعہ راہِ ہدایت بتلا رہا ہے ۱۲ (ماضی اور حال اور مستقبل) دنیا اور آخرت تو ہماری ہی بنائی ہوئی ہے ۱۳ ف۳۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ عذاب کی بھڑکتی ہوئی آگ سے تم کو آگاہ کیا جا رہا ہے ۱۴ اور تم تو اس بات سے اچھی طرح واقف ہی ہو کہ جو کوئی عذاب میں داخل ہوگا وہ بڑا ہی بدبخت ہوگا ۱۵۔ ظاہر ہے کہ وہ بدبخت تو اسی لئے بن جاتا ہے کہ وہ حق بات کو جھٹلاتا ہے۔ اس سے انکار کرتا ہے۔ اور دعوتِ غور و فکر سے

(بقیہ میرا فکر صفحہ ۱۵۸) حق و باطل کیلئے دیکر سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح قانونِ قدرت نر و مادہ یعنے مثبت و منفی کے ذریعہ ارتقاءِ زندگی کے مد و جزر کی شہادت دی جا رہی ہے اسی طرح یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ انسان فرداً فرداً شعبۂ حیات میں مختلف عمل۔ خیال و تصور کا حامل ہوتا ہے وہ ہرگز نسل جانور کے ایک ہی فطرت نہیں رکھتا کیونکہ اسکو قوتِ فکریہ دیکر کرۂ زمین کے ہر ذی حیات سے ممتاز گردانا گیا ہے۔ لہٰذا جو قوم عملِ پیہم اور اتحادِ عمل و تصور و خیال میں متحد و متفق ہوکر ایثار و قربانی۔ جانی و مالی کرتی ہے۔ اور خدا کے بتلائے ہوئے اعلائے حق کے

ابتدائی سبب حصولِ آزادی اور بعد میں آرام

علاوہ کرنے سے اسکے نتائجِ بد سے خائف ہوکر حق اور صداقت کے بتلائے ہوئے طور طریق پر ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے۔ تو اسکے نتائج مستقبل میں درخشاں ہوتے ہیں۔ اور دشواریاں دور کر کے اسکے لئے قدرت آسانیاں مہیا کر دیتی ہے۔ یاد کرو تمہارے زمانہ ماضی سفر کر ماد مرا کہ معمولی کامیابی کے نتائج بائبل سے پڑھ کر تم کو اہلِ کتاب بنا کر کامیابی دلاتا قدرت چاہتی ہے۔

ف۲۔ میرا فکر:۔ ان تین آیتوں میں مفادِ قوم سے لاپروائی کرنے والوں اور ذاتی منفعت کے خود غرضوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ جب تم حق بات سے انکار کرتے ہو۔ اور ظلم و ستم سے باز نہیں آتے۔ تباہ حال قوم کے افراد کی تم کو کوئی پرواہ نہیں۔ غلاموں کے ساتھ تمہارا ظالمانہ برتاؤ کم نہیں ہوتا مسافرین اور حاجتمندوں کو

حق و انصاف کے منکرین کی تباہی

لوٹ کھسوٹ سے تم کو بچنا منظور نہیں ہے تو اس کا نتیجہ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ تمہارا مستقبل تاریک سے تاریک ہو کر رہیگا کیونکہ یہ ایک ہماری مقررہ سنت یعنے بنایا ہوا قانون ہے کہ جو قومیں حق و انصاف کی پرواہ نہیں کرتیں تو انکو تباہ کر دیا جاتا ہے۔

ف۳۔ میرا فکر:۔ پھر وحیِ الٰہی انسان کو دعوتِ فکر و غور دے رہی ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ اسی دنیا میں مجرم کو جب عدالت سزا دیتی ہے تو اس وقت اس کا مال اس کی دولت کچھ بھی کام نہیں آتی اور نہ کوئی دوسرا شخص چاہے وہ باپ ہو۔ یا بیٹا۔ ماں ہو یا شوہر۔ چاہے وہ بادشاہ کا

قانون مجرم ہی کو سزا دیتا ہے

بیٹا ہو۔ یا ایک غریب۔ مرتکبِ جرم ہی کو سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ کوئی دوسرا اسکی سزا کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا (باقی بر صفحہ ۱۶۰)

مُنہ پھیر لیتا ہے ۱۶ ف۴ برخلاف اِسکے جو متقی ہوگا اس کو آگ سے بچالیا جائیگا ۱۷ کیونکہ اس نے
اللہ کی دعوتِ حق پر غور و فکر کر کے ایثار و قربانی سے اپنی اور اپنی قوم کی حفاظت کرلی تھی ۱۸ پھر
وہ اپنے عمل کا دوسرون پر احسان بھی نہین جتلا رہا تھا ۱۹ بلکہ جو کچھ کرتا تھا اپنے قرض کو فرض جانکر
اپنے رب کی مرضی کے تحت کرتا تھا ۲۰ پس وہ یقینی مستقبل مین مسرور ہوگا ۲۱ ف۵

(بقیہ صفحہ ۱۵۹) اور نہ اسکا مال سزائے جرم کے بدلے مین قابل قبول ہو سکتا ہے۔ پس ہمارا رسول تم کو تمہارے عقل و فہم کے لحاظ ہی سے دعوتِ فکر دے رہا ہے اور آیندہ بھی دیتا رہیگا کیونکہ ماضی، حال اور مستقبل کا قانون تو ہم ہی نے بنا دیا ہے! اسکے خلاف کچھ نہین ہو سکتا۔ جس کا ثبوت جب تم دنیا مین دیکھ رہے ہو کہ ہر شخص اپنی کمائی اور گنوائی۔ فایدہ اور نقصان۔ اچھائی اور برائی کا ذمہ دار ہے تو پھر کیون آخرت کے معاملہ پر غور نہین کرتے۔

ف۴ میرا فکر:- ظاہر ہے جیل خانہ مین کوئی خوش نصیب تو داخل نہین ہو سکتا جو کوئی بھی سزا بھگتا ہے اسکو دنیا بدبخت ہی کہتی ہے اور یہ بھی **جہنم مین بد بخت** ظاہر ہے کہ جو کوئی سزا پاتا ہے وہ اپنی بدکرداری ہی کی وجہ سے پاتا ہے اسکے بزرگ والدین، سرپرست اور مصلح تو اسکو برائیون کے کرنے سے ہمیشہ روکا ہی کرتے تھے لیکن اُسنے سچائی۔ حق و نصیحت پر غور نہین کیا۔ محض ذاتی غرض و منفعت کیلئے اُسنے جرم کیا تو اسی کا خمیازہ اُسی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ صورت تو تم روزمرہ اپنی زندگی مین مشاہدہ کرتے ہی رہتے ہو۔ پھر احکامِ خدا کی نافرمانیون کے نتایج تو ظاہر ہین کہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے بھی زیادہ عذاب کا مستحق بنا دیتے ہین۔ غور کرلو! ورا اچھی طرح غور کرلو کہ تمہاری خود غرضیان تم کو دنیا و آخرت مین تباہ کر دین گی! اور اس تباہی کے گڑھے مین گرنے والا سوائے بدبخت کے اور کون ہو سکتا ہے۔

ف۵ میرا فکر:- اور پھر تم خود غور کرلو کہ جو عذاب دنیا و آخرت سے بچالیا گیا وہ کس قدر خوش قسمت ہوگا۔ کیون بچالیا جاتا ہے؟ **نیکی مین کیا ہے؟** اسی لئے نا کہ خدا کے قانونِ مقررہ کی خلاف ورزی کے نتایج سے ڈرا اور اپنی قوم کیلئے ایثار و قربانی کی۔ یعنے بے سہارا لوگون کو سہارا دیا بھوکون کو کھانا کھلایا قوم مین زندگی پیدا کرا دینے کیلئے دامے۔ درمے۔ قدمے سخنے۔ قلمے ہر قسم کی سعی و کوشش کی پھر اپنے اس عمل سے دوسرون پر احسان بھی نہ جتلایا۔ بلکہ جو کچھ کیا اسکو اپنے رب کی مرضی اور حکم سمجھکر کیا! اور اپنے فرض کو فرض جانکر پورا کیا! اور یہ سمجھکر کیا کہ میری تخلیق مین میرے رب کی یہی مرضی ہے کہ آدمی انسانیت کے درجہ مین داخل ہو جائے اور ہر فرد و جماعت کا فرض یہ ہے کہ وہ خدمتِ خلق اللہ مین سعی پیہم کرے۔ چونکہ میری پیدائش مین میرے خالق کی مرضی اسی طرح مضمر ہے۔ پس مجھ کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اس سے آگے کچھ نہین۔ اس طرح عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف اس فرد کو مستقبل مین انعاماتِ الٰہی سے سرفرازی ہوتی ہے بلکہ اُس کی قوم بھی کامیاب و کامران ہو جاتی ہے۔

قرآن کی تعلیم کا اساس تنظیم قومیت ہے ایک بات ذہن مین رکھنے کی ہے کہ قرآن حکیم ایک فرد کو حکم دیتا ہے کہ وہ افراد کی بھلائی کرے۔ کیونکہ انعاماتِ الٰہی کیلئے قرآن جماعت کو پیش کرتا ہے نہ کہ فرد کو۔ تمام قرآن کا مطالعہ کرو تو کہین بھی انفرادیت سے خطاب نہین ہے بلکہ اجتماعیت ہی کو وہ مخاطب کرتا ہے ظاہر ہے کہ فرد کی عزت عظمت خوشحالی مسرت اسکی قوم اور جماعت سے وابستہ ہے اور اسی طرح اسکی قدر ہے پس قرآن کی مخاطب جماعت ہے نہ کہ انفرادیت۔ اسی لئے اس وحی مین (بلکہ تمام قرآن مین) یہی بتلایا جارہا ہے کہ سرمایہ دار اپنی دولت کو ضرورت مندون محتاجون اور بھوکون ننگون کیلئے خرچ کرین اور غیر سرمایہ دار اپنے کردار اور عمل پیہم سے دوسرون کی خدمت کرین۔ تاکہ قوم سربلند ہو جائے اسلام کا اساس میرے فکر مین بس یہی آتا ہے کہ ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کرلو اور نیک کردار بنکر عملِ صالح مین رات دن لگ جاؤ تاکہ تم جہالت کی تاریکی سے نکل کر آزادی کی روشنی مین آجاؤ۔

نام سورہ **العادیات** تعدادِ آیات (۱۱) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۱۰۰) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۹) زمانۂ نزول . دورِ دوم ۔ سنہ بعثت ۵ سنہ ۶۱۵ عیسوی۔
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ ترتیب نزولِ وحی	۱۴	۱۳	۱۳	۱۳	۱۴	۲	۳۰	۳۴	۸	۳۱	۹۷	۱۴

توضیحات

شمار الحاق آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	اہلِ عرب		عربی گھوڑون کی قسم کا مقصد۔ سرمایہ داری کی مذمت۔	ف۱ ف۲		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اہلِ عرب!! کیا تم کو سرپٹ دوڑتے والے گھوڑون کی شہادت کافی نہین جو انتہائی دوڑ مین ہانپ جاتے ہین ؎۱ اور جن کی تیز دوڑ اُن کے ٹاپون سے انگارکی چنگاریان پیدا کرتی ہے ؎۲ انہی پر سوار ہو کر تو تم اچانک صُبح ہوتے ہوتے اپنے دشمن کو جا لیتے ہو ؎۳ گھوڑون کی دوڑ سے جو گرد و غبار پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ تم اپنے دشمن کی نظرون سے اوجھل رہتے ہو ؎۴ اور اس طرح تم ان پر حملہ آور ہو جاتے ہو ؎۵ انسان تو اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گذار ہے ؎۶ کہ وہ ان نعمتون سے استفادہ کے بعد بھی شکر گذاری نہین کرتا ؎۷ ف۲ بلکہ وہ تو مال کی محبت مین مگن رہتا ہے ؎۸

ف۱۔ میرا فکر: سا اہلِ عرب کی بہادری اور سورمائی مین عربی النسل گھوڑون کو بڑا دخل تھا چنانچہ تاریخ بتلا رہی ہے کہ

عرب کے گھوڑونکی قسم کا مطلب

عرب اپنے گھوڑون کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اہلِ عرب کی شاعری۔ ان کی بہادری اور سورمائی کی تعریف گھوڑون کو شامل کئے بغیر مکمل نہین ہوتی تھی۔ پس اِس وحی کے ذریعہ ان کو بتلایا جا رہا ہے کہ جس مخلوق کو۔ یعنی گھوڑون کو تم عزیز رکھتے ہو اور ان کی عظمت کرتے ہو۔ وہ بھی تو تمہارے رب ہی کی مخلوق ہے۔؟ دیکھو تم تو ان گھوڑون کی وجہ اچانک اپنے دشمن پر حملہ کر دیتے ہو۔ اور ان کو خبر بھی نہین ہوتی۔ گھوڑون کی تیز رفتاری پر تم کو ناز ہوتا ہے۔ اور پھر ان کی وفاداری پر تم کو کامل بھروسہ بھی ہے۔ چونکہ ان سے تمہارے بہت سے فوائد وابستہ ہین۔ اسلئے تم (باقی بر صفحہ ۶۲)

کیا انسان کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ جو کچھ وہ زمین میں مال و دولت دفن کرکے رکھتا ہے وہ تو ہمیشہ کیلئے محفوظ نہیں رہ سکتا بلکہ وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہی ہو کر رہے گا ۹ اور اسی طرح دلوں کے فاسد تصورات بھی ظاہر ہو کر رہیں گے ۱۰ یاد رکھو کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں ان کا رب تمام باتوں سے باخبر ہے ۱۱ ع ـ ف ۲

(بقیہ صفحہ ۱۶۱) ان کو عزیز رکھتے ہو۔ اور محبت کرتے ہو۔ پس اللہ کی مخلوق کی شہادت تمہارے لئے کیا کافی نہیں؟ ـ سو غور کرو کہ جس اللہ کی مخلوق سے تم کو اس قدر منفعت حاصل ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے والی ذات رب کعبہ خالق کائنات کا تم ذرا بھی تو شکر ادا نہیں کرتے۔

ف ۲ ۔ میرا فکر :۔ دیکھو ہماری اس مخلوق ۔ یعنی گھوڑوں ہی کی معاونت سے جو کچھ دولت تم حاصل کرتے ہو! اس مال سے تم دوسرے حاجت مندوں ۔ بے سہارا (یتیم) کی کچھ مدد نہیں کرتے۔ اور نہ مفاد قوم و ملت کے لئے کچھ خرچ کرتے ہو ۔ بلکہ روپے کی محبت میں مگن اس کو دفنا کر رکھنا تم کو محبوب و مرغوب ہے۔ اگر تم ہماری دی ہوئی دولت کو خرچ بھی کرتے ہو تو محض اپنے نام و نمود ۔ شہرت و عزت کی خاطر غیر مستحقین پر ۔ جو نہ قوم کے لئے اور نہ ملت کے افراد اور ضرورت مندوں کے لئے کوئی کار آمد ہوتا ہے ۔ یاد رکھو! اور اچھی طرح سمجھ لو کہ جب وقت موعود (یعنی بُرائی کا وقت) آئے گا تو تم دیکھ لوگے کہ زمین تمہارے دفینے دشمنوں کے آگے اُگل دے گی۔ اور تم چیخ اٹھو گے کہ ہائے آج ہماری دولت ہمارے لئے مصیبت بن گئی ۔ بلکہ وبالِ جان ہو رہی ہے ۔ کاش ہم اس کو مفادِ قوم و ملت اور حاجت مندوں پر خرچ کئے ہوتے تو آج یہ در بدر ہم کو نصیب نہ ہوتا۔ ان تمہارے تصورات کو تم خود چیخ چیخ کر واویلا مچاؤ گے ۔ بلاشبہ مستقبل کو تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے ۔ تمہارا رب تو ماضی ۔ حال ۔ مستقبل کی تمام باتوں کو جو تمہارے دل میں ہیں جانتا ہی ہے۔

سرمایہ داری کی مذمت

ان آیات کی تفسیر میں نے پولیس ایکشن حیدر آباد کے وقت اپنے کانوں سنی اور آنکھوں دیکھی ہے ۔ "ذالك الكتاب لا ريب فيه"۔

دیکھو وحی (۷) منفعتِ تجارت کو بتلا رہی ہے۔ اور آٹھویں وحی انسان کے مختلف کسبِ معاش کے طریقوں کو ظاہر کر چکی ہے۔ اب یہ توین وحی سرمایہ داروں کو بلا مصرف کے مال و زر تجوریوں میں بند رکھنے کے مضرات کو بتلا رہی ہے۔

سورۂ **الزلزال** تعداد آیات (۸) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۹۹) پارہ (۳۰)۔
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۰) زمانۂ نزول۔ دور دوم۔ ۵ بعثت ۶۱۵ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ ترتیب نزول وحی	۹۲	۹۱	۹۲	۹	۳	۲۵	۳۰	۹	۲۱	۹۵	۹۳

توضیحات

شمارۂ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
۲	قریش، اہل عرب نیز تمام انسانیت		سرمایہ داری کا زلزلہ؟ قدرتی زلزلہ۔	ف ۱ ف ۲		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غور کرو کہ۔ جب زمین میں زلزلہ ہوتا ہے تو وہ لرزنے لگ جاتی ہے۔ ہلنے لگتی ہے۔ پھٹ جاتی ہے جس کو تم دیکھتے اور سنتے ہی ہو ؏ ۱۔ پھر یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ زلزلہ کی وجہ وہ اپنے اندر کے مدفون خزانوں کو اگل دیتی ہے۔ یعنے باہر نکال ڈالتی ہے ؏ ۲۔ اس کیفیت کو دیکھکر انسان بے اختیار چیخ اٹھتا ہے کہ آج اس زمین کو کیا ہو گیا ؏ ۳۔ یاد رکھو کہ اُس دن تو زمین وہ سب کچھ ظاہر کر دے گی جس کو تم نے اس میں پوشیدہ رکھا تھا ؏ ۴۔ تم جانتے ہی ہو کہ یہ سب کچھ اسی لئے ہوگا کہ ربِ زمین یعنے اللہ اس کو اس طرح کرنے کا حکم دے گا ؏ ۵۔ ف ۱ پھر تو اس دن لوگ گروہ در گروہ ہو کر اپنے رب کے حضور میں حاضر ہونگے۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمالِ گذشتہ سے باخبر کیا جائے ؏ ۶۔ یاد رکھو کہ ہر شخص اُس دن اپنی زندگی کی ذرہ برابر

ف ۱۔ میرا فکر:۔ اس وحی میں بتلایا جا رہا ہے کہ زلزلۂ زمین کی وجہ تمہارے مدفون خزانے باہر نکل پڑیں گے۔ جو تم گھروں میں زمین کھود کھود کر اپنے دفینوں کو پوشیدہ رکھا کرتے ہو۔ وہ زمین اُگل دے گی۔ تم تو اکثر دیکھتے اور سنتے ہو کہ زلزلہ کی وجہ زمین لرزنے لگتی ہے۔ اندر کے مدفون خزانے اوپر آجاتے ہیں۔ غار پڑ جاتے ہیں۔ اس حالت سراسیمگی کو دیکھ کر انسان بے اختیار زبان سے کہہ اٹھتا ہے کہ آج اس زمین کو کیا ہو گیا؟ تم تو جانتے ہی ہو زمین اور آسمان کا رب وہی ربِ کعبہ ہے جو تمام قوموں کا رب ہے۔ پس اس کے حکم کی تعمیل میں زمین زلزلہ کو (باقی بر صفحہ ۱۶۴)

سرمایہ داری کا زلزلہ

نیکی کو بھی وہاں دیکھ لے گا ۔ اور اسی طرح ذرہ برابر برائی کو بھی اپنے سامنے موجود پائے گا ۸ ۔ ع ۔ ف ۲

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) پیدا کر لیتی ہے ۔ یہ تو نزول وحی کے وقت کا مفہوم ہو سکتا ہے ۔ لیکن فی زمانہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسان جو سرمایہ داری کا شیدا ہے ۔ اپنی دولت کو تجوریوں میں محفوظ کرتا جاتا ہے جب کسی قوم کی مغلوبیت کا زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ تو فاتح تجوریاں اور زمین کے مدفون خزانے توڑ پھوڑ اور کھود کھاد کر نکال لیتے ہیں ۔ پھر ان کو مزید نشان دہی کیلئے فاتح قوم سخت تکالیف دیتی ہے ۔ و تیز زلزلہ کی وجہ زمین اپنی گہرائی کے مدفون معدنیات کو بھی اوپر لے آتی ہے ۔

قدرتی زلزلہ

اگر ایسا نہ ہو تو گہرائی کی وجہ انسانی دست رس سے وہ دور رہتے ہیں ۔ یہ تو اس سائنسی زمانہ کی بات ہے ۔ نزول وحی کے وقت مخاطبین کو اس سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا ۔

ف ۲ ۔ میرا فکر :۔ اس وحی میں مخاطبین کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ دیکھو کہ زمین کا زلزلہ تمہارے سامنے قیامت کے زلزلہ کی ایک مثال ہے جس طرح زلزلہ کی حالت میں لوگ گھروں سے باہر نکل پڑتے ہیں اور گروہ کے گروہ بحالت پریشانی و سراسیمگی واویلا مچاتے پھرتے ہیں اسی طرح جب کسی قوم کے عدم اتحاد ۔ اختلاف اور ظلم و زیادتی کی وجہ دوسری صالح قوم کو خداوند تعالیٰ مسلط کر دیتا ہے اس وقت بھی تمہاری کیا حالت ہوتی ہے ! اس کا اندازہ کر لو ! اس وقت کف افسوس ملنے سے کیا حاصل ۔ یہ تو دنیا کی زندگی کا حشر ہے ۔ غور کرو کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں تمہاری زندگی کے ذرہ ذرہ عمل نیک و بد کا حساب ہوگا ۔ اور نتائج اعمال تمہارے سامنے ہی ہوں گے ۔ نیکی اور برائی کو تم اپنے آنکھوں دیکھو گے تو غور کر لو کہ عذاب آخرت میں مبتلا ہونے والا فرد یا قوم کیسے بدبخت ہوں گے ۔ اور کس طرح گنہگار گروہ در گروہ اپنے رب کے حضور میں حاضر کیئے جائیں گے ۔ دیکھو کیا یہ سب باتیں تم اپنے ہوش سنبھالے جب ہی سے دنیا میں دیکھتے اور سنتے نہیں چلے آ رہے ہو ۔؟ پھر تم کو کیا ہوا کہ تم نتائج اعمال پر غور و فکر نہیں کرتے ۔ اور مال کی محبت میں اندھے بنے ہوئے ہو ؟

نام سورہ **العصر** تعداد آیات (۳۰) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۳) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۱) زمانہ نزول ۔ دور دوم ۵ بعثت ۶۱۵ء
اس سورہ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اس کی صراحت معلوم ہوگی ۔

نام محققین	[illegible] ۱۹۴۳ء	[illegible]	[illegible]	جابر بن زید تابعی	میور ۱۸۶۵ء	نولڈکی ۱۸۵۹ء	راڈویل ۱۸۶۱ء	[illegible]	[illegible] ۱۹۱۸ء	[illegible] ۱۹۶۲ء	[illegible]
شمارہ ترتیب بلحاظ نزولِ وحی	۱۲	۱۲	۹	۱۳	۱	۲۱	۲۷	٦	۳٦	۱۳	۱۳

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و تربیت منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	اہلِ عرب و نیز دنیائے انسانیت		عصر یعنے زمانہ کا مد و جزر ہند کی تحریکِ آزادی ۔ حیدر آباد کی تحریکِ آزادی ۔	ف ۱ ص ۱۹۸ ص ۱۹۸		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیکھو! زمانہ اس بات پر شاہد ہے ۱؎ کہ انسان عام طور پر اپنی غلط راہ روی کی وجہ نقصان (مالی ۔ جانی ۔ عزت ۔ اقتدار ۔ روحانی جسمانی) میں مبتلا ہو جاتا ہے ۲؎ سوائے اُن لوگوں کے جو امن و سلامتی کے علمبردار اور عملِ صالح کی پیروی کرنے والے حق و صداقت کا اعلان کرتے ہوئے باطل پرستوں کی طرف سے ان پر جو شدائد ظلم و ستم ہوتے ہیں ۔ اُس کو صبر و استقلال سے برداشت کر لیتے ہیں ۳؎ ع ف ۱

۱؎ میرا فکر :— اس گیارھویں وحی کے مخاطب بھی محمدؐ عربی صلعم ہی معلوم ہوتے ہیں ۔ و نیز آپؐ کے متبعین بلکہ تمام انسانیت ۔

عصر یعنے زمانہ کا مد و جزر — کیونکہ مخاطبت تو خاص ہے اور ہدایات بھی مخصوص ۔ لیکن ہمت و استقلال کو برقرار رکھ کر قدم بڑھانے ہی کے لئے ہر زمانہ کی انسانیت کو ایک سبق عام طور پر دیا جا رہا ہے ۔

اس وحی کے متعلق میرا فکر نزولِ وحی کے زمانے پر قیاس کرنے کے بجائے اپنے ہی زمانے کے مشاہداتِ عینی کے اطراف گھوم رہا ہے ۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر جامع طریقہ پر عام فہم الفاظ میں (باقی بر صفحہ ۱۹٦)

(بقیہ صفحہ ۱۶۵) جس کے صرف تین مختصر سے جملے ہیں۔ نتائج کائنات کی تاریخ کا نظریہ بتلایا جا رہا ہے جس کو ہر دور زمانہ میں ایک بدوی یا جنگلی سے لے کر ایک شہری عالم و جاہل بھی آسانی سے ذرا سا فکر کر کے یکساں نتایج اخذ کر سکتا ہے کیونکہ ہر صاحب فکر انسان انقلاب زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور پھر ہر زمانہ میں ہر متنفس صاحب شعور انسانی زبان پر ایک جملہ اپنی اپنی زبان میں یہ ہوتا ہے کہ "کیا زمانہ ہے" "کیسا عجیب زمانہ ہے" "زمانہ کا کیا رنگ ہے"۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ ہر اچھی یا بری تحریک۔ اور اچھے یا برے اعمال ہر زمانہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور افراد ہی کے ہاتھوں اس کے نتایج ظاہر ہوتے ہیں۔

حق۔ سچائی اور نیکی اور اس کے ضد باطل۔ بدی و ظلم ــــ یہ دونوں زمانہ ہی کی پیداوار ہیں لیکن اول الذکر اچھی اور دیرپا فصل ہے۔ اور ثانی الذکر خراب اور جلد تباہ و فنا ہونے والی فصل ہے۔ بلاشبہ باطل یعنی ظلم و ستم۔ استبداد اور شر۔ حق اور سچائی۔ نیکی اور انصاف کو مٹانے کے درپے ہوتے ہیں۔ چونکہ شر کے حاملین کی کثرت ہوتی ہے اس لئے حق کی فصل ابتدا میں تو کمزور ہو جاتی ہے لیکن اس کی قوت نمو اس کو مٹنے نہیں دیتی۔ بلکہ دھیرے دھیرے وہ زمانہ میں پھلنے پھولنے لگ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے شیریں اور خوش ذائقہ ثمرات سے موافق اور مخالف لطف اندوز ہو کر اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

اس وحی میں امن و سلامتی کے علمبرداروں یعنی مومن کو خسران یعنی تباہی و بربادی سے مستثنیٰ کیا جا رہا ہے۔ بشرطیکہ وہ صبر اور استقلال سے اس پُر خطر وادی کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جائیں۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ جب کوئی حق و صداقت کے ذریعہ سچی تبلیغ شروع کرتا ہے تو اس کے خلاف نہ صرف پرائے بلکہ اپنے بھی اس کی مخالفت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ خواہ وہ صداقت۔ مفاد ملت یا افراد یا قوم کے لئے کیسی ہی فلاح و بہبود دنیا اور دین۔ حال اور مستقبل کے لئے منفعت بخش کیوں نہ ہو۔ اور جس قدر زیادہ صداقت۔ سچائی اور نیکی کی بات ہوگی اسی قدر زیادہ مخالفت بھی ہوتی رہے گی۔ پس اس وحی میں حق کے ساتھ ہی صبر کی تلقین۔ ہمت و استقلال کو برقرار رکھنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ نزول وحی کے زمانہ رسالتمآب صلعم پر نظر ڈال کر غور کرو تو مصائب کے شدائد اور پھر صبر استقلال کا اندازہ ہوگا۔ اس کا اندازہ تو مجھ کو زمانہ حاضرہ کے پچاس سالہ دور میں۔ اقوام روس۔ ترکی۔ ہند۔ مصر۔ عرب وغیرہ کی تحریک آزادی کے علمبرداروں کے مصائب و تکالیف اور کش مکش حیات اور پھر ان کے صبر و تحمل اور استقلال کے بعد کامیابی و کامرانی پر غور و فکر کرنے سے ہو رہا ہے۔ اور زمانہ کی شہادت آشکارا ہو رہی ہے اور معلوم ہو رہا ہے کہ نزول وحی کے ماضی بعید میں جو شہادت زمانے کی دی رہی ہے وہی آج بھی مشاہدہ میں ہے۔

یہ شہادت زمانہ میرے علم الیقین اور عین الیقین دونوں کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ اور یہ بات کھلے طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ وہ کسی خاص گروہ۔ یا ملت۔ یا مذہب۔ یا قوم۔ یا فرقہ کے لئے مختص نہیں ہے چنانچہ اس وحی میں وہ کرۂ زمین کے تمام انسانوں کو عام طور پر مخاطب کر رہا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنت اللہ یعنی قانون الٰہی ہر انسان کے لئے ہے۔ جیسے کہ اس کی نعمتیں سورج۔ بارش۔ ہوا۔ ترقی عقل۔ فکر و دانش وغیرہ وغیرہ تمام انسانوں کے لئے ان کے حسب حیثیت اور معیار اور ضرورت کے لحاظ سے فیض پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح اس قانون پر عمل کرنے والوں کو بھی نہ صرف اسی دنیا۔ یا موجودہ زندگی میں جزا اور سزا ملتی ہے بلکہ آخرت یاد (باقی بر صفحہ ۱۶۷)

(بقیہ صفحہ ۱۶۶) دوسری زندگی۔ یا مستقبل میں بھی ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔

ہند کی تحریکِ آزادی

دیکھیئے ہند کی تحریکِ آزادی کے لئے مہاتما گاندھی جی نے اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والے کس طرح صبر و استقلال کے ساتھ حق پر جمے رہے، اور کیسے کیسے جانی۔ مالی اور جسمانی تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ اور نتیجہ آج دُنیا کے سامنے آزادیٔ ہند کا موجود ہے۔

حیدر آباد کی تحریکِ آزادی کی ناکامی

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیدر آباد نے بھی اپنی آزادی کے لئے قدم اُٹھایا تھا۔ وہ کیوں تباہ ہو گیا؟۔ بلا شبہ حیدر آباد کی تحریک نہ صرف ناکام ہوئی بلکہ مسلمانانِ حیدر آباد خسران میں مبتلا ہو گئے۔ اور میری نظروں نے تو حشرِ اول کو اپنی آنکھوں دیکھا (سورۂ حشر میں یہود کی جلاوطنی و تباہی کو قرآنِ حکیم نے اول حشر کہا ہے۔ اسی کی طرف میرا یہ اشارہ ہے۔ دیکھو میرا فکر سورۂ حشر میں) حیدر آباد کی ناکامی کا مجھ کو ابتداءِ تحریک اتحاد المسلمین ہی سے یقین تھا چنانچہ میرا ایک خط نواب بہادر یار جنگ مرحوم بانیٔ تحریک کے نام اس خصوص میں ممکن ہے کہ اُن کے دفتر میں موجود ہو۔ اور اس کا جواب جو نواب صاحب نے مجھ کو دیا تھا وہ آج تک میرے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹو بھی تاریخ آزادی ہند کے لئے مجھ سے لیا گیا ہے ۔۔۔ حاصلِ بیان یہ کہ وحی نمبر (۸) سے نمبر (۱۱) تک جن خرابیوں کو قرآنِ حکیم نے بتلایا ہے، وہ من و عن ہم حیدر آبادیوں میں موجود تھیں۔ یعنے سچائی کا فقدان۔ باہمی اتحاد و یک جہتی کی نفی۔ صبر و استقلال ندارد۔ نہ تو خود اعتمادی تھی اور نہ صداقت سعی و عمل کا وجود۔ بلکہ اللہ کی نصرت پر بھی تو یقینِ کامل نہ تھا۔ محض پاکستان کے بھروسہ ہمارا لیڈر تھا۔ اور وہم تھے جس کا نتیجہ وہی ظاہر ہوا جو آپ کو وحی نمبر (۱۳) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر پھر انیوا دبالوں اور مہیب بم کی آوازوں نے ہماری دو سو سالہ برائے نام اسلامی سلطنت کے شیرازے کو ذرات کی طرح بکھیر دیا۔ یہ بات نہ صرف حیدر آباد کے لئے مختص ہے عــہ۔ بلکہ تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے زمانہ کی شہادت میں لاکھوں صفحات ایسے واقعات سے سیاہ نظر آئیں گے۔ جو باعثِ خسران بنی نوعِ انسان ہیں ۔۔۔ بشرطیکہ تقلیدِ جامد اور روایاتِ معتبر کے ظنی عقاید کی تاریک عینکوں کو چشمِ بصیرت سے ہٹا کر اصلی رنگ کو دیکھا جائے تو حقیقت آشکارا ہو کر رہے گی۔

"والعصر ۔ إن الانسان لفی خسر ۔ الا الذین امنو و عملو الصلحت و تواصو بالحق و تواصو بالصبر ۔"

صدق اللہ و رسولہ ۔

ذالک الکتاب لا ریب فیہ ۔۔۔ (بلا شبہ اس قانون میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں)۔

عــہ۔ مسلمانانِ حیدر آباد نے بقول ابو الکلام آزاد کے "وہ رویہ اختیار کیا جو صفحۂ ہستی سے محو ہو جانے والی اقوام کا ہوا کرتا ہے (تقریر بتدبرانہ دورۂ حیدر آباد بعد پولیس ایکشن)۔

نام سورہ **التکاثر** - تعداد آیات (۸) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۲) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۲) زمانۂ نزول - دور دوم سنہ ۵ بعثت ۶۱۵ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ غالباً سنہ ۶ھ ۶۸۳ء	حسن بن ابی الحسن و عکرمہ غالباً سنہ ۶۰ھ ۶۸۰ء	محمد بن نعمان بن بشیر	جابر بن زید تابعی	ولیم میور سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء	نولڈیکے سنہ ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل سنہ ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء	ایچ گرایم	ہرشفیلڈ سنہ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء	سید یعقوب حسین سنہ ۱۹۲۳ء	تحقیق مصر سنہ ۱۸۸۸ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزول وحی	۱۵	۱۵	۱۵	۱۶	۹	۸	۱۵	۷	۴۰	۹۸	۱۶

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون تخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شرعیہ متہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	سرمایہ داروں کے حرص مال کی مثال		سرمایہ داری میں حرص مال کی مثال - حشر اول میں حیدرآباد کے مسلم سرمایہ داروں پر عذاب الٰہی -	ف ۱ / ۱۶۹		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لوگو! تم کو مال اور اولاد کی طلب کثیر یعنی زیادتی نے مستقبل سے غافل بنا رکھا ہے ۱ یہاں تک کہ تم قبروں میں جانے کے قریب ہو گئے ہو ۲ ۔ اچھا تو تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا ۳ اور بہت ہی جلد تم اس خواہش مال و جاہ کی حرص کے نتایج معلوم کر لو گے ۴ تم تو اپنے مشاہدات عینی سے بھی اس بات کا یقین ہی رکھتے ہو ۵ کہ بدی کا بدلہ بُرا ہی ہوا کرتا ہے ۶ پھر تم خود اپنے لئے بھی اس کو یقین کے ساتھ دیکھ لو گے ۷ ہاں اس وقت تم سے ہمارے عطیات و انعامات کے متعلق سوال ہوگا۔ اور ضرور ہوگا ۸ ع ف ۱

ف ۱ میرا فکر:- ہر قوم میں حرص دنیا کے نتایج کو مرتے وقت مبتلاء عذاب ہونا کہا جاتا ہے! وہ حرص مال و متاع کیلئے ایک مثل مشہور ہے کہ "قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ مگر حرص دنیا نہیں جاتی"۔ اہل عرب کے پاس بھی یہ محاورہ ہوگا۔ قرآن حکیم اہل عرب کے اسی محاورہ کو بزبان وحی استعمال کر رہا ہے کہ تمہاری قوم سے بعض عمر رسیدہ ہو چکے ہیں۔ بعض قبروں میں جانے کے قریب ہو گئے ہیں لیکن سرمایہ جمع کرنے کی حرص اور زیادتی اولاد کی (باقی برصفحہ ۱۶۹)

سرمایہ داروں کی حرص مال و دنیا

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) طلب ان کے دلوں مین نہ صرف باقی ہے بلکہ دن بہ دن اس مین اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور تمنا یہ ہے کہ سب کچھ ان کو مل جائے اور انکے برابر کوئی اور نہ ہو۔ تاکہ وہ سب سے بڑے سرمایہ دار۔ اور سب سے زیادہ اولاد کے جیتنے والے اور صاحب اقتدار دنیا مین مان لئے جائین۔ حالانکہ تم کو تو معلوم ہی ہے کہ کثرتِ سرمایہ اور اس کے حرص کے نتایج کیا ہوتے ہین۔ تم تو روزمرہ اپنی آنکھون سے ایسے لوگون کی موت کے وقت دیکھتے ہی رہتے ہو کہ مرتے وقت صاحب سرمایہ کس عذاب مین مُبتلا ہو جاتا ہے۔ نہ تو اس کی دولت اسکے کام آتی ہے اور نہ اولاد۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر اور سب کو ترستی ہوئی نظرون سے دیکھتا ہوا مر جاتا ہے اور تم کہتے ہو کہ "افسوس مرنے والے کی دولت اور اس کا گھمنڈ اُس کے کچھ بھی تو کام نہ آیا۔" تو پھر تم خود کیون اپنے مستقبل سے بے فکر ہو کر ایسی باتون کی حرص مین مبتلا ہو۔ ذرا تو غور کرو کہ اگر تم مفادِ قوم و ملت کے لئے اپنی جمع شدہ دولت کو خرچ کرنے لگو تو کس طرح تمہاری دولت نہ صرف تمہارے بلکہ تمہاری اولاد اور تمہاری قوم کیلئے بھی تو کارآمد ثابت ہوگی۔ اس طرح اللہ کی مخلوق پر تمہارا روپیہ جو صرف ہوگا۔ یعنی حق کی جد و جہد کیلئے مجاہدین کی مدد کرو گے قوم کے غریبون۔ محتاجون کو خوشحال بنا دو گے۔ بھوکون کو کھلا کر۔ ننگون کو پہنا کر۔ مظلومون کو ظالمون کے پنجے سے چھوڑا کر۔ دفاع کیلئے سامانِ حرب اور فوج کو مضبوط کرنے کے لئے جو کچھ تم خرچ کرو گے یقیناً وہ ایک قرض کی صورت ہوگی جس کا معاوضہ تم کو قدرت ہزارون گونہ مستقبل قریب مین دیدے گی۔ اگر مستقبل قریب مین تم کو نہ بھی ملے تو مستقبلِ بعید مین تمہاری اولاد اور تمہاری قوم اس سے استفادہ کرے گی اور آخرت مین تم کو جو کچھ ملے گا اس کا تو شمار و قطار ہی نہین ہو سکتا —— اگر اس کے خلاف تم کرو گے تو اس کا نتیجہ صرف تمہارا ذاتی نفع۔ عیش و عشرت تک محدود رہے گا۔ لیکن جب تمہاری قوم کی بدحالی و کمزوری کی وجہ دوسری قوم تمہاری قوم اور ملک پر غالب آجائے گی تو پھر نہ تو یہ دولت اور نہ یہ اولاد۔ اور نہ یہ سب کچھ عزت۔ اقتدار باقی رہے گا۔ تم کو اپنے آنکھون اسی دنیا مین ذلت اور رسوائی دیکھنا پڑے گی۔ پھر مرنے کے بعد تو تم سے سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو بے حساب انعامات سے سرفراز کیا تھا تو تم نے اس کے بندون اپنے بھائیون کے حقوق کو کیون نہین ادا کیا۔ اور کیون اس مین بخل کیا۔ لو آج اس عدم ادائی قرض کا مزا چکھو۔

دنیا میرے عقاید کے متعلق جو چاہے کہہ لے۔ مین نے تو پولیس ایکشن سے پہلے مسلم سرمایہ دارون۔ اُمرا حیدرآباد کو بہادر یار جنگؒ کی اپیل کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور پولیس ایکشن کے بعد ان کے عذاب کو بھی نہ صرف مین۔ بلکہ دنیا نے دیکھا۔ اور ان کو بھی کفِ افسوس ملتے دیکھا۔ برخلاف اس کے ہندو بھائیون کو کانگریس کی مدد مین تجوریون کو کھولتے دیکھا۔ اور ہندو قوم کو حیدرآباد کا مسلم اقتدار منتقل ہوتے دیکھا۔ اور دنیا دیکھ رہی ہے لیکن افسوس کہ ہم فہم قرآن سے بے خبر ہین۔

نام سورۃ **القارعۃ** تعداد آیات (۹) تعدادِ رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۱) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۳) زمانہ نزول ۔ دورِ دوم ۵ شہ بعثت ۶۱۵ئ
اس سورۃ کے سلسلہ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق مین قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۲۹	۲۹	۲۹	۳۰	۷	۲۴	۲۹	۹	۳۳	۲۷	۳۰

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون محاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہلِ عرب اور دیگر نیز انسانیتِ عالم		قارعہ ؟ ۔ حیدر آباد مین قارعہ ۔ معاویہ کا مفہوم ۔	۱۷۰ ۱۷۱		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لوگو! تم کو کھڑکھڑا دینے والی مصیبت کی کچھ خبر بھی ہے؟ ع۱ تم جانتے ہو کہ وہ کھڑکھڑاہٹ کیا بات ہے؟ ع۲ بھلا تم کچھ سمجھے بھی کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی مصیبت کے آثار کیا ہین؟ ع۳ دیکھو! جس دن یہ مصیبت کسی قوم پر نازل ہوتی ہے تو (یا بروزِ قیامت) لوگون کی پریشانی اور سراسیمگی مثل بکھرے ہوئے پتنگون کے ہوجاتی ہے ع۴ اور پہاڑون کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اون کے دُھنکے ہوئے ذرات جو ہوا مین منتشر ہو جاتے ہین ع۵ ہان اس دن صاحبِ خیر تو امن مین رہ سکتا ہے ع۶ اور جس کی نیکیان بمقابلہ شر کے ہلکی ہون وہ تو گڑھے مین جا گرا ع۷ کچھ معلوم ہے کہ وہ گڑھا کیا ہے؟ ع۸ وہ تو ایک دہکتی ہوئی عذاب کی آگ ہے ع۹ ع ف۱

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ "قارعہ" کے معنے ہین مصیبت ۔ آفت جو مسلسل پے در پے نازل ہو ۔ اور ایک معنے ہین کھڑکھڑاہٹ ۔
قارعہ یعنے کھڑکھڑا دینے والی ساعت کیا ہے؟ | تمام مترجمون نے اسی معنے کو یوم حشر کے روایات ہی مین بتلایا ہے
میرا موجودہ زمانہ کا فہم اس وحی کے متعلق یہ ہے کہ ابتدائی وحیون مین
سرمایہ داری اور حق و صداقت سے انکار کے جو نتایج قوم کی تباہی کے بتلائے گئے ہین اسی سلسلہ مین بتلایا جا رہا ہے کہ :۔
"تم قارعہ" کو یوم حشر سمجھو یا اس دُنیا مین حشرِ اول کی مصیبت لیکن وہ برتا عاقبت اندیش
حیدر آباد مین قارعہ | قوم پر نازل ضرور ہوتی ہے ۔ اور جب وہ نازل ہو جاتی ہے تو قوم گے (

باقی بر صفحہ ۱۷۱) ۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۰) افراد مثل پتنگون کے منتشر ہو جاتے ہین۔ عوام تو عوام بلکہ خواص بھی جن کو سرمایہ داری، عزت، اقتدار کی وجہ قوم و ملک کا پہاڑ کہا جاتا ہے۔ وہ بھی تو اون کے ذرّون کی طرح منتشر ہو جاتے ہین۔ یعنے ان کا کوئی وزن سرمایہ داری اور اقتدار باقی نہین رہتا۔ اس طرح ناعاقبت اندیش قوم کی تباہی آتی ہے۔ البتہ عاقبت اندیش افراد جن کی نیکیان اور عمل خیر قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وزن دار رہے ہون وہ اچھی حالت مین رہتے ہین۔ اور بداندیش قوم کا ٹھکانہ "ھاویہ" ہوتا ہے۔

ھاویہ کی حقیقت

"ھاویہ" کے معنے ہین ایسا گہرا گڑھا جس کی تہہ کا بھی پتہ نہ ہو۔ یہ محاورہ انتہائی ذلت اور خواری کے موقع پر بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے اردو کا محاورہ کہ "یہ کم بخت تو اپنے ہاتھون غلط راہ روی سے اندھا بن کر گڑھے مین گر رہا ہے"۔ ایک دوسرا محاورہ عرب کا "ھاویہ" اُس مصیبت کی تکلیف دہ زندگی کو کہا جاتا ہے۔ جس مین انسانی دل و دماغ دونون معطل ہو جاتے ہین۔ یعنے ابتلاء مصیبت کی دل و دماغ کو جلا کر خاک کر دینے والی آگ۔ بلاشبہ سب سے بڑا عذاب وہ آگ ہے جو نظر تو نہین آتی لیکن دل کو اندر ہی اندر جلا کر خاک بنا دیتی ہے۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جب کبھی ایک آزاد اور خوددار قوم دوسری قوم کی غلامی اور ماتحتی مین داخل ہو جاتی ہے تو اُس قوم کے افراد کے دل و دماغ کا کیا حال ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح ان کی جسمانی اور روحانی حالت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ وہ آزاد عرب مکے کے جن کی خودداری اور عصبیت کی مثال کرۂ زمین پر اس وقت شاید ہی مل سکتی تھی۔ جب اپنے دشمنانِ دین یعنے محمدِ عربی صلعم اور مہاجرینؓ و انصارؓ کے آگے مغلوب ہو کر کھڑے ہو گئے تو کیا وہ "ھاویہ" مین نہ تھے؟! ذرا قریب زمانہ آزاد جرمن۔ جاپان قوم کی مغلوبیت کا بھی اندازہ لگائیے۔ یہ تو ہمارے سے دُور کی باتین ہین۔ خود حیدرآباد کا حکومتِ ہند کے ہاتھون مغلوب ہونا دیکھ لیجیے اور اپنا جائزہ آپ ہی لے کر "قارعہ اور ھاویہ" دونون کی تفسیر سمجھ لیجیے۔ دیکھیے جب دبابہ کی مہیب کھڑکھڑاہٹ اور بم کی کانون کو پھاڑ دینے والی آوازین ہمارے کانون مین آئین تو کس طرح حیدرآباد کے اضلاع کے لوگ پتنگون کی طرح منتشر ہو گئے اور پھر کس طرح سرمایہ داری اور دولت اور اقتدار رکھنے والی ہستیان۔ یعنے میر عثمان علی خان شاہِ دکن اور امرائے پائیگاہ اور جاگیرداران مثل دھنکی ہوئی اون کے حیدرآباد کی سرزمین پر اُڑنے لگے۔ یہ تفسیر تو اس زندگی اور دُنیا کی ہے۔ حشر اخیر کا تصور تو انسان سے ناممکن ہے۔

نام سورۃ **النّاس** تعداد آیات (۶) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۱۴) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۴) زمانۂ نزول ۔ دورِ دوم بشمہ بعثت ۶۱۵ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے تختۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی ۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ [illegible]	حسن ابن ابی الحسن و عکرمہ	محمد نعمان ابن بشیر	جابر بن زید	[illegible] ۱۸۵۸ء	[illegible] ۱۸۹۹ء	[illegible] ۱۸۶۱ء	[illegible]	[illegible] ۱۹۱۰ء	[illegible] ۱۹۴۸ء	[illegible] ۱۸۸۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۲۰	۲۰	۲۱	۲۱	؟	۴۷	۷	۳۸	۸۴	۱۸	۲۱

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی تمثال ہے	احکام و شریعت منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	محمد عربی صلعم اور عام انسانیت		۱۔ وسوسہ کی خرابی ۲۔ خناس ۔ ۳۔ جن ۔ ۴۔ آسیب کے متعلق میرا ریسرچ ۔ ۵۔ کیا روح پابندِ زبان ہوتی ہے ؟ ۶۔ جن سے میرا مقابلہ ۔ ۷۔ مکی قرآنِ حکیم میں جن کا ذکر ۔	۱۷۰ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵	۱۔ جن کا لفظ مدنی وحی میں کیوں نہیں آیا ؟ ۔ ۲۔ رسول صلعم پر جادو کا اثر ہونا ایک غلط روایت ہے ۔ ۳۔ جن کی حقیقت یعنے وہ کیسی مخلوق ہے ۔ ۴۔ اللہ کا تصور ۔ ۵۔ ہر مذہب کی مقدس کتاب کو اس مذہب کا اللہ یعنے صنم بنا لیا گیا ہے ۶۔ جن کے لغوی معنے بلحاظ محاورہ عرب و قرآن حکیم ۔	۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے مخاطب! تو کہہ کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ کا طالب ہوں ۱ وہ رب جو تمام بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے ۲ اور تمام انسانوں کا معبودِ حقیقی بھی وہی ہے ۳ اے میرے رب مجھ کو خناس کے وسوسوں سے جو نظروں سے اوجھل ہے اپنی پناہ میں لے لے ۴ یعنے وہ خناس جو انسانوں کے قوتِ فکریہ میں وسوسہ انداز ہوتا ہے ۵ میرے آقا رب! تو ہی جانتا ہے کہ یہ خناس کون ہے ۔ خواہ وہ جن سے ہو ۔ یا انسان سے کسی گروہ سے کیوں نہ ہو ۔ مجھ کو اس کے وسوسوں سے دور رکھکر اپنی پناہ میں لے لے ۶ ع ف۱

ف۱ ۔ میرا فکر :- اس وحی کو وحی نمبر (۴۳) ہی کے سلسلہ کی سمجھنا چاہیئے ۔ کہ امان طلبی کا ایک اور طریقہ بھی بتلایا جا رہا ہے ۔ | وسوسہ کی خرابی | اب تک (۱۴۳) وحیاں نازل ہوچکی ہیں ۔ دور دوسری تو گذر چکا ۔ اب دورِ علانیہ تبلیغ کا ہے (باقی صفحہ ۱۷۳)

(بقیہ صفحہ ۱۷۲) جس مین قوم سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ ہر ایک کو کہنے سُننے کا حق جو علانیہ پیدا ہو گیا اس زمانہ مین مختلف افراد کے خیالات نے وسوسہ اندازی شروع کر دی ہوگی۔ اور کیا عجب کہ بلحاظِ بشریت مختلف چہ میگوئیون کی وجہ آپ کے ذہنی تصورات مین مد و جزر پیدا ہو رہا ہو۔ اور ان وسوسون سے پریشانی طبع ہو رہی ہو۔ پس اس وحی کے ذریعہ ایک ایسی قوت جو ظاہری اقتدار اعلیٰ یعنے بادشاہون سے بڑھکر ہے۔ اُس کی پناہ مین آنے کی تمنا بتلائی جا رہی ہے کیونکہ نزولِ وحی کے وقت کرۂ زمین پر انسانی تصور مین بادشاہ کا مقام عام انسانون سے بلند و بالا سمجھا جاتا تھا۔ اسکو خدا کا نمایندہ مانا جاتا تھا۔ اُس کا اقتدار اعلیٰ عام انسانون کے لئے باعث ربوبیت تھا۔ وہ سب کا پروردگار سمجھا جاتا تھا۔ وہ پالن ہار۔ آقا۔ مربی سب کچھ تھا۔ یہان تک کہ موت اور حیات کا بھی وہ مالک تھا کہ جس کو چاہا قتل کر دیا۔ اور جس کو چاہا جان بخش دی۔ یعنے معاف کر دیا۔ پس اسی تصورِ انسانی کو لئے ہوئے بادشاہون کے رب کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ایک قوت جو دُنیا کے بادشاہون سے بڑھ کر بھی قوت رکھتی ہے وہ ربِّ کعبہ ہے اُسکی پناہ گیری کی تمنا کرو۔

تیسری آیت مین تمام انسانون کے إلٰہ یعنے معبود کا نام لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ کرۂ زمین پر بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر قوت یعنے خدا کے ضرور قائل تھے۔ گو وہ ذیلی الٰہون کو خود مختار سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے تو اُس ایک برتر اِلٰہ کی پناہ مین پہنچنے کی استدعا سکھلائی جا رہی ہے۔

یہ سب امان طلبی صرف ایک ہی تمنا کے لئے مقصود ہے۔ یعنے وسوسہ اندازی سے نجات مل جائے ——

وسوسہ اندازی کا باعث کون ہے؟ وہ خناس ہے۔

خناس کیا ہے! اہلِ عرب خیالاتِ فاسدہ۔ یعنے خراب تصورات پیدا کرنے والے کو "خناس" کہا کرتے تھے۔ چاہے وہ انسان کی چہ میگوئیون سے ہو۔ یا ذہنِ انسانی مین خود بخود ظاہر ہوتے ہون۔ جب خیالاتِ فاسد ذہن و فکرِ انسانی مین خود بخود پیدا ہوتے تو اس کو انسان کسی غیر مرئی قوت کی پیداوار سمجھتا ہے۔ آج بھی تو ہم اس بات کا اندازہ نہین لگا سکتے کہ ذہن و فکرِ انسانی مین ایسے خیالات کے پیدا ہونے کا باعث کیا ہے؟ (اس خصوص مین دیکھو میرا فکرِ وحیٔ اول کا فٹ نوٹ) علامۃ الناس کا تو ذکر ہی کیا۔ آج دُنیا کے بڑے بڑے سائینس دان اور علم الابدان کے ماہر ابھی تک کسی خاص نتیجہ پر نہین پہنچ سکے کہ جو بات، وہم و گمان مین بھی نہ ہو اچانک کہان سے دماغ مین آجاتی ہے۔ چاہے وہ بات اچھی ہو یا بُری۔ یعنے خیر ہو یا شر۔

میرے ایک عزیز صاحبِ فکر و غور ڈاکٹر ابوطاہر عبدالقادر سیول سرجن نے ایک مرتبہ بدوران گفتگو موضوعِ زیرِ بحث پر میری تائید مین ایک ڈاکٹری کتاب اپنی المباری سے نکال کر مجھ کو انسانی دماغ کا فوٹو بتلایا تھا۔ اور مجھ کو سمجھایا تھا کہ انسانی دماغ کے ۳/۴ حصہ کی حد تک ابھی تحقیقات باقی ہے۔ اس سہ ربع حصہ کے کون اجزاء کس مقصد و مدعا کے لئے ہین اب تک تحقیق نہ ہو سکی۔ گویا ابھی تک وہ محتاجِ تحقیق ہے۔ بہرحال وحیٔ اول مین "علم الانسان مالم یعلم" کے متعلق جو فکر میرا ہے۔ وحیِ الٰہی کے متعلق۔ یہان پر الفاظِ شیطانی "وسواس الخناس" کیلئے بھی اُسی روشنی مین فکر کرنا ہوگا۔

ایک ظنی و ذہنی عقیدہ نزولِ وحی کے وقت یہ بھی تھا۔ اور اس سے ہزارون سال پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور آج بھی فی لاکھ (۹۹۹۹۹) مین موجود ہے۔ یعنے انسان نیک خیالات کے متعلق خدا اور فرشتون یا نیک ارواح کا تصور باندھتا ہے اور بُری باتون کے لئے شیطان۔ جن اور بد ارواح کا خیال کرتا ہے۔ پس اہلِ عرب (باقی بر صفحہ ۱۷۴)

(بقیہ صفحہ ۱۷۳) بلا کسی واسطۂ ظاہری کے کوئی بُرا وسوسہ فکرِ انسانی میں آتا تو اس کو ایک غیر مرئی قوت کی جانب سے سمجھتے جس کو وہ "خناس" کہتے۔ جیسا کہ آج کل بھی بُرے خیالات شیطان کی طرف سے آنے کا تصور ہر مذہب و ملت کے انسانوں میں موجود ہے۔ بہر حال استقلالِ کامل اور یقینِ حق کے ساتھ راہِ ہدایت پر گامزن ہونے کی تعلیم دی جا رہی ہے اور وسوسوں سے محفوظ و مامون رہنے کے لئے ایک دعا بتلائی جا رہی ہے تاکہ یکسوئی قلب کا باعث ہو۔

جن کی حقیقت

اِس سورۃ میں پہلی مرتبہ "جن" کا لفظ آیا ہے۔ "جن" کیا ہے۔ چونکہ وسوسہ اندازی کے سلسلہ میں اس مخلوق کا ذکر آرہا ہے۔ لہذا ابتدا ہی میں لفظِ جن کے متعلق مجھ کو اپنا دیرینہ فکر صاحبانِ غور و فکر کے دعوتِ فکر کے لئے پیش کرنا لازمی ہے۔ پس یہاں پر اس کو واضح بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آیندہ وحیوں میں لفظِ جن پر غور و فکر میں آسانی ہو۔ مخاطبین کی ذہنیت کے متعلق میں نے گذشتہ افکار میں فہم قرآنی کے سلسلہ میں صراحت کردی ہے لیکن ہر وقت اس بات کو ذہن نشین رکھنا فکرِ قرآنی کے لئے ضروری ہے اس لئے بار بار اس کا اعادہ کرنا پڑتا ہے کہ وحیِ الٰہی کا منشا ہمیشہ اُمم کی اصلاح کے لئے ذریعۂ رسالت تھی۔ ملکی۔ آبائی تصوراتِ ذہنی کو باقی رکھ کر اسی ماحول میں انسان کے تصوراتِ ظنی و ذہنی کو بتدریج بدل کر اصلاح کرتا ہے۔ وہ ایک سخت ہزاروں پُشت کے تصورات کو توڑ پھوڑ کر اصلاح کرنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ سُنت اللہ اور قدرت کا قانون انسان کے لئے بلکہ ہر ذی حیات کیلئے یہ ہے کہ داخلِ تصور سب کچھ اور خارج از تصور کچھ نہیں۔ اِسی لئے ہر رسول کی وحی اس کی قوم کے تصورات کی حامل ہوتی ہے۔ تاکہ مُردہ قوم کی اصلاح کرکے اس کے ذہنی۔ ظنی تصورات میں علم کی روشنی سے روحِ عمل پیدا کردی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو فطرتِ انسانی خارج از تصورات بات کو قبول کرنا تو درکنار سُننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے جو بات انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو کس طرح اس پر غور و فکر۔ یا ادنیٰ سی توجہ بھی مرکوز کی جاسکتی ہے۔ دیکھو جسمانی امراض کے لئے ایک حاذق حکیم مریض کی طبیعت و رجحان ہی کے مدِنظر مرض کو آسانی سے دُور کرسکتا ہے۔ اگر اس کے خلاف کرے تو نہ مرض دُور ہوسکتا ہے اور نہ اس کو کوئی حکیم حاذق کہہ سکتا ہے۔ پس اسی طرح روحانی حکماء یعنے انبیاءؑ و مرسلینؑ وحیِ الٰہی کے نسخوں کا استعمال مریض قوموں کو کراکے اُن کی روحانی کمزوریوں کو دُور کرتے ہیں۔

میرا ریسرچ

میں نے برسوں "جن" اور "شیاطین" کی حقیقت پر غور و فکر کیا ہے۔ میرے لئے دو مشکلات تھے۔ ایک طرف تو مجھ کو اجنہ اور شیطان کے تجسم سے انکار تھا۔ اور دوسری طرف قرآنِ حکیم پر میرا ایمان و یقین کامل۔ دو ضدیں کس طرح ایک جا جمع ہوسکتے تھے۔ اجنہ کے انکار سے اس لئے رجوع نہیں کرسکتا تھا کہ سلسلۂ آسیب اور سایہ وغیرہ کامل دو سال میں نے اپنی قوتِ ارادی سے بلا کسی اسمی عمل کے تحقیق کرلی تھی کہ یہ سب کچھ ظنیات کے اثرات ہیں۔ تصورات کی دُنیا ہے۔ چنانچہ میں نے چند ایسے آسیب زدہ عورتوں اور مَردوں پر اپنے نمایشی عمل کو آزمایا جو عاملین اور اطبا کے پاس رجوع ہوکر بھی صحت یاب نہ ہوئے تھے۔ اور یہ تھوڑے بہت تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن گھرانا اور ماحول اعلیٰ تعلیم کا تھا۔ میں اپنے دوست ڈاکٹروں کو بھی اپنے عمل کا مشاہدہ کرانے ساتھ رکھتا۔ بوقتِ عمل میرا موکل مجھ سے باتیں کرتا جس کی آواز صرف میں سُنتا۔ دوسرے نہیں سُنتے۔ میری آواز دوسرے سُنتے۔ شاہِ جن سے میں خط و کتابت کرتا میرا خط نمایاں رہتا۔ لوگ دیکھتے شاہِ جن کا جواب سادہ کاغذ پر مجھ کو ملتا۔ سب لوگ دیکھتے کہ کاغذ سادہ ہے۔ میرا موکل مجھ سے کہتا کہ کاغذ پر فلاں اسم پڑھ کر عود و صندل کا دھواں دو۔ میں ویسا ہی کرتا سب مشاہدہ کرتے کہ کاغذ سادہ تھا اور اس عمل سے اس پر حروف نمایاں ہوگئے۔ مریض بھی دیکھتا اور کانپ جاتا (باقی بر صفحہ ۱۷۵)

(بقیہ صفحہ ۱۷۴) میرے حکم سے مجسم سانپ نمایاں ہوتے اور ایک دوسرے کو اپنے منہ سے پکڑ کر لاتا میں ان کے سر پر تعویذ کا غذ کا رکھتا اور وہ شعلہ بن کر ان کو جلا دیتا۔ میرے حکم سے زمین شق ہوتی اور اس میں سے میرا موکل چاندی کا تعویذ مجھ کو دیتا۔ میرے عمل سے آسیب شیشے میں دھواں بن کر اتر جاتا اور شیشہ وزن دار بن جاتا اس طرح مختلف عملیات میں نے دو سال کامل کئے۔ درآں حالیکہ کوئی اسم اعظم میں نہیں پڑھتا تھا۔ صرف زبان اور لبوں کو حرکت دیتا تھا۔ جو کچھ کرتا تھا جس کا مشاہدہ کیا جاتا اور کرایا جاتا وہ چند شعبدوں کے طریقے تھے۔ مثلاً کاغذ پر پیاز کے عرق سے تحریر کردی جاتی۔ بظاہر وہ نمایاں نہ ہوتی۔ عود کے دھویں اور آگ کی گرمی اس کو نمایاں کر دیتی۔ یعنے حروف میں رنگ آ جاتا۔ ربر کے سانپ لے کر ان کو شعبدہ بازی کے طریقے سے سامنے لاتا۔ دو البنڈ ملانے سے آگ پیدا ہو جاتی۔ دو البنڈ ملانے سے دھواں نمایاں ہوتا۔ زمین میں چنے بھگو کر اس پر تعویذ رکھ دینے سے وقت مقررہ پر زمین شق ہوتی اور چنوں کے پھولنے سے ان کی قوت اس کو باہر نکالتی۔ چونکہ شعبدہ بازی میں نے بچپن میں قاضی فضل الدین مرحوم اورنگ آبادی سے جو میرے ڈرائنگ ماسٹر تھے سیکھی تھی۔ انھیں سے مسمیریزم بھی سیکھا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ جادو سحر اور نظر بندی کے کیا راز ہیں۔ دست غیب کس کو کہتے ہیں۔ بڑے بڑے عقلاء۔ سائنس دان حیران ہو جاتے ہیں۔ ان کو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی غیر مرئی قوت اس جادوگر کے تابع ہے۔ درآں حالیکہ سائنس دان ان تمام مفرد تیزاب کے ترکیب کے اثرات و ماہیت سے واقف ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کا دماغ شعبدہ باز کی قوت ارادی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو فلسفۂ اجتماع کام کرتا ہے اور دوسری طرف شعبدہ گر کے ہاتھ کی صفائی اس کے عقل و فکر کو مسخر کر دیتی ہے۔ کیا ہے شعبدہ بازی کا راز؟ ہاتھ کی صفائی۔ یعنے کسی چیز کو ہاتھ میں اس طرح پکڑنا کہ دوسروں کی نظر اس پر نہ پڑسکے۔ اور کسی چیز کو اس طرح سے دوسری جگہ منتقل کر دینا کہ دوسرا اس کو محسوس نہ کر سکے۔ یا پھر چند سائنس کے چٹکلے۔ لیکن ان سب پر شعبدہ باز کی لفاظی محیط ہوتی ہے کہ وہ ناظرین کی توجہ اپنی طرف کرلے۔ پھر ان پر اپنے فن کی عظمت اور رعب قائم کرا دے۔ نیت اچھی ہے تو وہ شعبدہ باز ہے اگر نیت فاسد ہے تو وہ پاکٹ ملیر یعنے جیب کترا ہے۔ اگر مذہبی رنگ میں ہے تو غیر شعوری طور پر عامل ہے اس کی کرامت اور عمل کا چرچا ہے۔ مختصر یہ کہ جب میری شہرت عمل عملیات کی ہونے لگی تو سلطان پورہ کے ایک بہت بڑے عامل صاحب دلو میاں صاحب قابل سے میری مخلصانہ ملاقات ہوئی۔ ان کو میرے عامل ہونے کا علم ہو چکا تھا میں نے

روح کیا پابندِ زبان ہوتی ہے؟

ان سے سوال کیا کہ "کیا روح پابند زبان ہے؟" انھوں نے نفی کی۔ پھر میں نے اجنہ کے متعلق یہی سوال کیا جس کا جواب بھی نفی میں ملا۔ میں نے عرض کیا کہ "پھر کیا وجہ ہے کہ جب ہم کسی آسیب زدہ پر اس کے جن یا روح بد یا شیطان کو حاضری کا حکم دیتے ہیں اور وہ حاضر ہو جاتا ہے تو ہمارے سوالات کا جواب وہ ہماری زبان میں ادا نہیں کرتا۔ بلکہ آسیب زدہ ہی کی زبان مادری میں جواب دیتا ہے۔ اور ہمارا موکل بھی ہماری مادری زبان ہی بولتا ہے؟" اس کا جواب ان سے بن نہ پڑا۔ پھر میں نے ان سے استدعا کی کہ وہ کسی حقیقی آسیب زدہ یا بھانامتی کے مریض کے علاج کے وقت مجھ کو یاد کرلیں تاکہ میں ایسے متاثرہ فرد کو دیکھوں۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ انتقال کر گئے۔ اور میری تشنگی دور نہ ہو سکی۔

میرا مقابلہ جن سے

ایک اور واقعہ بھی اسی سلسلہ میں باعث غور و فکر ہے۔ میری عمر جب (۲۵) سال کی تھی میں اپنے ایک شفیق استاد مرزا ساجد بیگ صاحب مرحوم ناظم عدالت پربھنی کے پاس (باقی برصفحہ ۱۷۶)

(بقیہ صفحہ ۱۷۵) مقیم تھا۔ اور ان کے زیرِ تعلیم امیدوار ملازمت جس بنگلہ میں وہ رہتے تھے وہاں پر جن کا مسکن مشہور تھا۔ ایک رات تقریباً ایک دو بجے انھوں نے مجھ کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو صحن میں کیا نظر آرہا ہے۔ میں نے لحاف منہ سے نکال کر دیکھا تو ایک لاش کفن پہنے زمین سے آسمان تک لٹک رہی ہے اور ہاتھ پیر ہلا رہی ہے میں نے لحاف میں منہ چھپا لیا اور خوف سے مجھ کو پسینہ آنے لگا ۔ ناظم صاحب مرحوم کی بھی وہی کیفیت ہوئی میں لحاف سے جھانکتا تو سامنے ایڑیاں اور پیچھے پنجے نظر آتے۔ ہاتھ کی انگلیاں بڑی لمبی لمبی۔ تو یہ کھلی۔ میں پھر منہ ڈھانک لیتا اسی طرح صبح ہوگئی۔ اور صبح سے اس کا چرچا ناظم صاحب نے اپنے ملنے والوں سے شروع کیا اور شہادت میں میں تھا۔ ہم دونوں سخت متاثر تھے۔ ناظم صاحب اپنے زنانہ کو اس گھر میں بلوانے غور کر رہے تھے۔ چند روز ایسے ہی گذرے۔ اتفاقاً دس بجے رات کو پھر میرے سامنے وہی صورت آگئی۔ چونکہ بستر پر لیٹنے کے بعد مسلسل اسی طرف نظر رہتی تھی۔ مگر لوگ چل پھر رہے تھے۔ اس لئے ہمت بڑھی تو میں نے پلنگ سے نیچے سر جھکا کر یہ دیکھنا چاہا کہ وہ لاش کا چہرہ بھی نظر تو آئے۔ پس میرا سر نیچے جاتا تھا کہ میں ہنس پڑا۔ رات کو دو بجے میں نے ناظم صاحب کو آواز دی اور کہا کہ دیکھئے آج بھی جن نمودار ہے۔ ناظم صاحب نے دعائیں شروع کردیں اور حصار باندھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر ان کو آواز دی اور کہا کہ میں اس جن سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اس پر انھوں نے مجھ کو ڈانٹا کہ خبردار ایسا نہ کرنا میں ایک دم پلنگ سے چھلانگ کر اس مقام پر پہنچا اور وہ خفا ہی ہوتے رہے کہ میں نے اس چادر کو جو فرش پر بچھانے کی تھی املی کے درخت سے کھینچ لی۔ اس پر ناظم صاحب پلنگ سے دوڑ کر میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے کہا کہ دراصل یہ چادر کی حرکت جو ہوا سے ہو رہی تھی ہم کو نیند کے آنکھوں میں ایک تصوراتی جن کو پیش کر دیا تھا۔ اس پر وہ میری جراءت اور تحقیق پر شاباشی دی۔

دوسرا واقعہ جب کہ میں چالیس سال کی عمر سے متجاوز ہو چکا تھا۔ تفریح کا عادی تھا اور ہوں۔ بہت سویرے گھر سے نکل جاتا جنگل میں صبح کی نماز ادا کرتا۔ ایک مرتبہ تالاب کے کٹے سے گذر رہا ہوں۔ تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر طوم کے سامنے میں نے دیکھا کہ کوئی عورت کھڑی سر کے بال جھٹک رہی ہے۔ یعنے پانی نہا کر اور بال زمین تک لٹک رہے ہیں۔ میں برابر قدم بڑھاتے چلا جا رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ اتنی رات میں کون عورت اتنے بڑے بال والی نہا کر نکلی ہے۔ صبح کی سفیدی بڑھ رہی ہے اور میری نظر اسی پر جمی ہوئی ہے۔ اس کی ساڑی بھی مجھ کو نظر آرہی ہے اور اس کا قد و قامت بھی۔ یہاں تک کہ میں اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک گدھا کھڑا دُم ہلا رہا ہے۔ میں اپنے تصورات ذہنی پر ہنس پڑا۔ اور بے اختیار بہ آوازِ بلند اپنے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔ "لیجئے یہ آپ کی حسینہ ہے"

بات کیا ہے؟ صرف یہی کہ ہمارے تخیلات ہی صورت گری کرتے ہیں۔ اگر ہمت کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہو تو حقیقت منکشف ہو جاتی ہے ۔ پس اسی طرح راویانِ معتبر کے مشاہدات ہوتے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں کہتے۔ اُن کے تصورات جو کچھ ان کے سامنے بہ طور مشاہدہ پیش کرتے ہیں وہ اُس کو بیان کرتے ہیں۔ چونکہ مخاطبین کے سامنے وہ شئے نہیں ہوتی اور بیان کرنے والے کی صداقت ناقابلِ انکار ہوتی ہے اس لئے ایک کی زبان سے دوسرے کی زبان پر واقعہ مستند ہوتا چلا جاتا ہے۔

بہرحال اس دور سے میری تحقیقِ مشاہداتی کا سلسلہ گذر چکا ہے۔ ایسی حالت میں میں جن اور شیطان کے تجسم کا منکر بنا رہا۔ اب دوسری دشواری قرآنِ حکیم میں جن کا لفظ اور سورۂ جن کا (باقی برصفحہ ۱۷۷)

(بقیہ صفحہ ۱۷۶) نفس کلام ہونا۔ درآن حالیکہ میں قرآن پر کامل یقین و ایمان رکھتا ہوں۔ برسوں اس فکر میں رہا۔ غور کرنے سے فکرِ قرآنی نے مجھ کو بتلایا کہ لفظِ جن صرف مکی آیات میں ہے۔ مدنی کسی آیت میں لفظِ جن نہیں آیا۔

قرآنی جن

اس بات کے یقین ہو جانے پر میرے لئے ایک دوسرا مسئلہ بھی حل طلب نکل آیا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ وحیِ الٰہی مکی میں تو جن کا ذکر آرہا ہے اور مدنی آیات جن کے نام سے ساکت ہیں؟

مختلف مکاتبِ خیال کے افکار کو دیکھا۔ کسی نے لغت کی بناء پر کہا کہ "جن" نظر نہ آنے والی مخلوق کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو انسان رسول اللہ صلعم کی نظروں سے اوجھل تھے ان کی طرف اشارہ ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ لفظِ جن اہلِ عرب غیر عرب اقوام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جیسے کہ وہ دوسروں کی زبان اور دوسروں کو عجم "یعنی گونگا" کہتے تھے۔ لہٰذا جن غیر عرب کے لئے مکی آیات میں آیا ہے۔ اور مثال بھی کہ انگریز اپنے کو گورا کہتے اور غیر یورپ یعنی مشرقیوں کو کالا "نیٹیو"۔ درآن حالیکہ کشمیری اور پنجابی بہت سُرخ و سفید ہوتے ہیں۔ مگر ان کو بھی وہ کالا ہی کہتے۔ مگر پھر بھی میرا فکر مزید جستجو فہمِ قرآنی میں مصروف رہا۔ اچانک یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ۔ چونکہ عرب (بلکہ تمام کرۂ زمین کے انسان) جن۔ شیطان۔ بدروح وغیرہ کے میراثی تصور میں پشت با پشت سے چلے آرہے ہیں۔ اور ان قوتوں کو وہ غیر مرئی اور انسان کو ان کے مقابلہ سے مجبور جانتے ہیں خصوصاً اہلِ مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور ان کی نسل سے اجنہ کو مانتے تھے۔ پھر ان کے تصرفات کے وہ قائل تھے۔ ان کے خاندان اور جتھے اور ان کی قومی بادشاہت۔ سب ہی کے غیر مرئی ہونے کا ایمانِ کامل رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں وحیِ الٰہی نے ان کے تصورات ہی کے تحت اجنہ کا ذکر کیا جسکے متعلق میرا فکر و فہم یہ ہے کہ۔ دیکھو اے اہلِ مکہ تم جن غیر مرئی قوتوں کو انسان سے بہتر سمجھتے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا ایمان و یقینِ کامل ہے کہ ان کے خلاف کوئی انسان جھوٹ یا بہتان۔ یا ان کے خلافِ مرضی کوئی بات بھی کہے تو وہ قوتیں اس انسان کا گلا دبوچ دیتی ہیں۔ یہی ہے نا تمہارا تصور اجنہ کے متعلق؟ تو دیکھو قرآنِ حکیم بزبان محمدؐ عربی تم کو بتلا رہا ہے کہ۔ اجنہ بھی قرآن کو دلچسپی سے سنتے ہیں۔ اور اس کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اور اپنی قوم میں جاکر قرآن کا پرچار کرتے ہیں۔ اور محمد کی رسالت اور توحیدِ الٰہی کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ جب اتنی بڑی قوتیں اللہ کے کلام پر ایمان لاتے ہیں تو تم کو کیا ہوا کہ تم اس کو غلط سمجھ کر اس سے انکار کرو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اجنہ ایمان نہیں لاتے اور محمد کا زبانی پر وحیِ الٰہی کا دعویٰ غلط ہے تو پھر کیوں وہ محمدؐ کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ذرا تم ہی غور کرلو کہ بات کیا ہے۔ یا تو تمہارے تصورات اجنہ کے متعلق مہمل اور لغو ہیں۔ یا پھر وہ صحیح ہیں تو قرآن اور محمدؐ کی صداقت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔" پس اس طرح اہلِ مکہ کے تصورات ہی سے ان کو لاجواب کرتے یا قائل کرنے وحیِ الٰہی نے "جن" کا لفظ مکی وحیوں میں استعمال کیا ہے۔

جب میرا فکر اس نتیجہ پر پہنچا تو میں بارگاہِ رب العزت میں سربسجود ہوگیا کہ مجھ کو قرآن کے "جن" سے انکار کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

مدنی وحی میں جن کا لفظ کیوں نہیں آیا

اب یہ بات صاف ہوگئی کہ جب ہجرت کے بعد متبعینِ قرآن مدینہ چلے گئے تو جن کی حقیقت سے یہ مشن بخوبی واقف تھا۔ وہ سب ہی جانتے تھے کہ سوائے ذاتِ اللہ کے کسی میں کوئی قوت و طاقت نہیں۔ "لا حول و لا قوۃ الا باللہ" اور "لا الٰہ الا اللہ" پر ایمانِ کامل تھا۔ اور پھر اہلِ مدینہ بھی تو اہلِ مکہ کی طرح فرشتوں اور اجنہ کے متعلق ایسے خیالات نہیں رکھتے تھے کیونکہ مدینہ میں یہودی اہلِ کتاب تھے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں [illegible] اولاد نہیں مانتے تھے۔ ایسی حالت میں (باقی بر صفحہ ۱۷۸)

(بقیہ صفحہ ۱۷۷) لفظِ جن وحیِ الٰہی کے لئے غیر ضروری تھا۔ اگر دیگر محققین کی تحقیق کو بھی مان لیا جائے کہ "لفظِ جن وحیِ الٰہی کے لئے غیر ضروری تھا۔ اور اس تحقیق کو بھی مان لیا جائے کہ "غیر قریش و غیر عرب اہلِ مکہ کو محاورہ میں جن کہا جاتا تھا۔ تو" ایسی حالت میں بھی ہجرت کے بعد وہ محاورہ باقی نہیں رہا اس لئے "جن" کا لفظ وحی میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔

اب یہاں پر ایک اور بات بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بعض مفسرین نے سورۂ ناس کو مدنی نزول قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر فی الحقیقت یہ سورہ مدنی ہے تو پھر میری تمام بحث ہی بے معنے ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سورہ کے متعلق میری تحقیق کو بھی یہاں پر واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تشنگی باقی نہ رہے۔ دیکھئے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ جزوِ قرآنِ حکیم ہے یا نہیں بعض اصحابِ رسولؐ اسکو قرآن کی وحی نہیں مانتے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہؓ ابن عباسؓ اور عبد اللہؓ ابن مسعود کے قرآن میں سورۂ فاتحہ، سورۂ فلق اور سورۂ ناس نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین اس کو جزوِ قرآن قرار دیتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ پر کسی ساحرہ نے جادو کر دیا تھا تو اس کے اثر کو زائل کرنے جبریلؑ نے یہ دو دعائیں آپؐ کو بتلا دیں جس کے ورد سے اثرِ سحر دور ہو گیا۔

رسولؐ پر جادو کا اثر غلط ہے

بعض روایات میں اس واقعہ کو مکی زندگی کا بیان کیا جاتا ہے۔ اگر اس روایت کو مان لیا جائے تو پھر ان سورتوں کے مکی ہونے میں شک وشبہ باقی نہیں رہتا بعض روایت میں سحر بعد زمانۂ ہجرت کے کہا جاتا ہے۔ اس کا کوئی داخلہ مستند تاریخ سے نہیں ملتا۔ درآں حالیکہ ہجرت کے بعد کی تاریخ بڑی حد تک محفوظ ہے (اگر سحر کا اثر رسولؐ پر مان لیا جائے تو پھر وحیِ الٰہی میں شک وشبہ کی گنجایش پیدا ہو جائے گی[عہ])۔ بہر حال ایک خاص واقعہ کے تحت جبریلؑ نے آپؐ کو یہ دونوں دعائیں بتلا دی تھیں اس لئے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے انکے جزوِ قرآن ہونے سے انکار کیا۔ اور عبد اللہ ابن مسعودؓ صحابیِ رسولؐ قرآنِ حکیم پر کامل عبور رکھنے کے ثبوت میں رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے بارہا مصدق ہو چکے ہیں جس کا ثبوت احادیث میں مل سکتا ہے۔ پس اس روشنی میں تمام قرآنی وحیاں جس میں لفظِ جن آیا ہے وہ سب مکی ہونا مسلم الثبوت ہیں اور میرا یہ بیان کہ مدنی قرآن میں لفظِ جن نہیں ہے۔ قابلِ تسلیم ہو جاتا ہے۔ پھر ایک اور بات کی تشنگی باقی رہتی ہے کہ "سورۂ جن" کیا ہے؟۔ و نیز رسول اللہ صلعم نے اجنہ سے گفتگو فرمائی اور بہت سے اولیاء اللہ کے متعلق روایات ہیں کہ اُن کے درس میں جن آیا کرتے تھے تو یہ سب کیا غلط ہی غلط باتیں ہیں؟۔ اس کا جواب تو میں نے اپنے فکر کے لحاظ سے صفحاتِ ماقبل میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ کافی ہے۔ لیکن پھر بھی رسالت مآب کے متعلق سوال حل طلب رہ جاتا ہے۔ دیکھئے سورۂ جن میں اور سورۂ رحمٰن میں میرا فکر موجود ہے۔ سورۂ جن میں اجنہ کے قرآن سننے کا علم رسول اللہ صلعم کو بذریعۂ وحی ہوا ہے نہ کہ بلاوحی کے بالراست اور عینی مشاہدات کے تحت (باقی بر صفحہ ۱۷۹)

عہ تمام جادوگر اور عمل عملیات کرنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ کسی حاکم یا بادشاہ پر کوئی اثر جادو یا عمل کا نہیں ہوتا۔ پھر رسول اللہ صلعم پر جادو کا اثر ہو جاتا کیسے تسلیم کر لیا جائے؟۔ اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اس کے بعد وحیِ الٰہی (جو آپؐ کی زبانِ مبارک سے جاری ہوئی ہے۔ یعنے قرآنِ حکیم) میں کس قدر شبہات کی گنجایش پیدا ہو جائے گی۔ غور طلب بات ہے کہ اگر میرے فکر کی روشنی میں اِن دونوں صورتوں پر غور کیا جائے تو سحر کی روایت ہی بے معنے ہو جاتی ہے۔ بہر حال اِس روایت کی میرے پاس کوئی اصلیت نہیں جس کے بعد وحیِ الٰہی پر کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۸) پس جب کہ نصِ قرآن اس خصوص مین واضح موجود ہے تو پھر آپ کے مشاہدۂ عینی یا ملاقات اجنہ کا واقعہ صرف روایات کے تحت باقی رہتا ہے۔ اور نصِ قرآن کے مقابلہ مین روایات بلکہ احادیث کا بھی تو کوئی مقام نہین۔
اب رہا اولیاء اللہ یا ائمہ و غوث و قطب وغیرہ سے اجنہ کی ملاقات۔ مجھ کو ان روایات سے انکار کرنے کی اس لئے ضرورت نہین کہ جب مین وحیِ الٰہی کو ماحول فکرِ انسانی اور تصوراتِ ذہنی کا پابند سمجھتا ہون تو انکے بیانات کو اسی دائرہ مین سمجھنے سے کیون انکار کرون۔ پھر کسی بزرگ کا مشاہدہ خود ان کے قلم نے نہین لکھا ہے بلکہ ان کے معتقدین نے روایت کی ہے۔ تو دراصل راوی معتبر کا بیان ہے نہ کہ شاہد صادق البیان کا۔ اور پھر اگر شاہد کا بیان بھی ہو تو کیا "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" بہکی نہین نگاہ اور نہ حد سے بڑھی ـــــ یعنے مشاہدہ مین کوئی غلطی نہین ہوئی ـــــ تو کیا رسول اللہ صلعم ہی کی نظرون کی طرح مین ہر ایک کی نظر اور مشاہدہ کو مان لینے پر مجبور ہون؟ جی نہین! رسول اللہ صلعم کی نظر میرے نزدیک کچھ اور ہی ہے۔ اور غیر رسول اور غیر نبی کی نظر کچھ اور (دیکھئے میرا فکر سورۂ النجم مین)۔ بہرحال یہ میرا ذاتی فکر ہے۔ مین جانتا ہون کہ کروڑہا انسانون مین ایک بھی میرے اس فکر کا موید نہین ہو سکتا۔ مگر مجھ کو اس سے بحث نہین ہے۔ میرا مقصد تو میری ذاتی تحقیق اور میرا فکر جو میرے رب کا عطیہ ہے اسکو دوسرون تک پہنچا دینا ہے۔ میرا کام منوانے کا نہین ہے اور نہ مجھ کو اس کی ضرورت ہے۔ اب رہا یہ امر کہ مین بھی دوسرون کیطرح جنات کو مان لون۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ جس حقیقت تک میرا علم الیقین عین الیقین تک پہنچ چکا ہے اس سے انکار میرے نزدیک کفر۔ بلکہ میرے رب سے کفرانِ نعمت ہے۔

جن کیا ہے؟ وہ کیسی مخلوق ہے؟

مختصر یہ کہ ان تمام نظریات کے بعد جن اور شیطان اور ارواح کے متعلق یہ کلیہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ:ـــــ

یہ تمام قوتین بلاشبہ غیر مرئی ہین۔ اور ذہنِ انسانی کی پیداوار ـــــ

بالفاظِ دیگر

یہ سب ظنی مخلوق ہے ـــــ

دیکھو خالقِ کائنات نے بہت سی مخلوق ایسی پیدا کی ہے جس کو انسانی بصارت دیکھ نہین سکتی۔ مثلاً جرمس۔ امراض کے۔ خون کے۔ پانی کے۔ وغیرہ۔ لیکن انسان نے خردبین ایسی ایجاد کرلی ہے کہ اس کی مدد سے انکا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ دور کی نظر عاجز ہے طویل مسافت کی شئے کو دیکھنے تو اس نے دوربین سے مدد لی۔ اور اس کو بھی دیکھ لیا۔ لیکن ہوا اندر آواز کو نہ دوربین دیکھ سکتی اور نہ خردبین۔ تو اس نے اس کو مکانیت مین مقید کرکے اس کا وزن اور اسکے اثرات سے استفادہ کیا۔ اسی طرح برق کو بھی اپنے تصرف مین لایا۔ آواز کو ریکارڈ کیا ـــــ اس سے بڑی قوت ایتھر کی تحقیق کی تو اسکو نہ دیکھا جاسکتا ہے اور نہ مقید کیا جاسکتا۔ تو پھر بھی اس کے ذریعہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجاد کرلی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام قوتین غیر مرئی ہی تو ہین لیکن سائنس کی نظرون مین ان کا جسم یعنے مادہ ہوتا مسلمہ ہے۔ کیونکہ ہر قوت تابع مادہ ہے ـــــ اور ہر مادہ مین قوت لازمی ہے۔ پس جوہر یعنے ایٹم کی تحقیق نے بہت کچھ راز ہائے سربستہ قدرت کے انسان (یعنے خلف الرشید آدم) سامنے کھول کر رکھ دیئے ـــــ اس زمانہ مین جن اور شیطان۔ روح سے انکار ایک جہالت ہوگی۔ مگر اس کا اقرار ان معنون مین نہین کیا جاسکتا جن معنے مین دنیا سمجھتی ہے۔ بلکہ اللہ کی قوتون مین ان کو شمار کرلو جس مین فرشتے بھی آجاتے ہین ـــــ لہذا یہ سب قوتین اللہ کی مخلوق ہین ـــــ پس مین کائنات کی ہر قوت کو چاہے وہ مرئی ہو یا غیر مرئی (باقی بر صفحہ ۱۸۰)

(بقیہ صفحہ ۱۷۹) خدا کی مخلوق مانتا ہون اِس سے انکار نہین کرتا۔ جیسے انسان مین بصارت۔ سماعت۔ گویائی۔ سونگھنے اور ذائقہ اور حفظِ نفس وغیرہ کی قوتین ہین۔ درآن حالیکہ سب غیر مرئی ہین لیکن خُدا ہی ان کا خالق ہے اور سب مخلوق ہین۔ اسی طرح قوتِ فکر عقل کو بھی سمجھ لو۔ ارادہ کو بھی مان لو۔ البتہ ایک بات پر ایمانِ کامل رکھتا

اللہ کا تصور

ہون کہ ایک ذات واحد ہی ایسی ہے جو کائنات کی خالق ضرور ہے مگر مخلوق نہین ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ اللہ۔ اُوم۔ گاڈ۔ یزدان ہے۔ ہر زبان مین اسکے نام علیحدہ ہین۔ ہر تصور اس کو اپنے رنگ مین جانتا۔ دیکھتا ہے۔ مگر سب غلط۔ اس لئے کہ "لیس کمثلہٖ شیٔ" اس کے مثل کائنات مین کوئی شئے ہی نہین تو پھر خارج از تصور کچھ بھی نہین۔ جس نے کہا کہ مین نے اس کو جانا اور وہ نہ جانا۔ اور جس نے اعتراف کیا کہ اس کو نہین جانا۔ بے شک اس نے اسکو اسکی قدرتون سے کچھ نہ کچھ پہچانا۔

ذاتِ خدا مین فکر کے بجائے اسکی مخلوق مین فکر کرو

اس نکات نظر سے تو مین سب ہی کا یقین رکھتا ہون اور ذاتِ خداوندی مین فکر کرنے کے بجائے اس کی تخلیق اور قدرتون مین غور و فکر کرتا ہون۔ اور بس۔ چنانچہ میرے چالیس سالہ فکر قرآنی مین مین نے کبھی ذاتِ الٰہی یعنے خالقِ کائنات مین فکر نہین کیا۔ کرون تو کس طرح کرون۔ جب کہ قرآن کہتا ہے کہ "لیس کمثلہ شیٔ" کہ اللہ کی ذات کی مثال کسی شئے سے بھی متمثل نہین ہوسکتی ــــ پس مین صاحبانِ فکر قرآنی کی خدمت مین عرض کرون گا کہ وہ جن۔ فرشتہ شیطان ــ ارواح وغیرہ سے منکر نہ ہون۔ بلکہ قرآنی نکتۂ نظر سے اِن کی تصدیق کرین۔ البتہ اپنے ماحول اور آباء و اجداد کے روایاتی۔ ظنی۔ ذہنی۔ فرشتون۔ اجنہ اور شیطان اور ارواح سے انکار کردین۔ کہ ان کی کوئی اصلیت نہین ہے مجھ کو اُمید ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فکر اور بصیرت دی ہے وہ میرے اس فکر کو بغور پڑھ کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرین گے۔ اور اس سے آگے وہ اپنے فکر کو بڑھا کر بلند زینہ پر پہنچین گے جس مقام تک میرے فکر کی رسائی نہین ہوئی ہے۔ چونکہ مین نے اپنے اس فکر کو دادِ سخن حاصل کرنے کی تمنا مین نہین لکھا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد دوسرون کے لئے دعوتِ فکر ہے۔

ہر مذہب کی مقدس کتاب اس مذہب کا الٰہ یعنے بت۔ صنم تصور کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ مین ایک بات قابلِ یادداشت ہے کہ ہر مذہب و ملت نے اپنی مقدس کتاب کے حروف۔ الفاظ اور ان کی آواز کو بت بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حاملینِ قرآن اور اُمتِ محمدی بھی اس زمرہ مین داخل ہین۔ لیکن مین قرآنِ حکیم کے حروف۔ الفاظ۔ جملون۔ (یعنے آیات) جن کی تعداد تا ید از چھ ہزار ہے روایات کے مندر مین رکھ کر ان کی پوجا کرنا نہین چاہتا۔ مین جانتا ہون کہ ایک بت خانہ مین اِلٰہ دراصل ایک مقدس مورتی ہوا کرتی ہے۔ اس کی حقیقت اور اصلیت سوائے اس کے کچھ نہین کہ وہ ایک پتھر تھا۔ ایک بت تراش کی صنعت نے اس کو حسین یا ہیبتناک صورت دے دی۔ اگر وہ کسی میدان یا جنگل مین پڑا رہتا تو کوئی بھی اس کے تقدس و عظمت کو نہ مانتا۔ لیکن وہ ایک قیمتی عمارت مین رکھ دیا گیا ہے تو اس عمارت کی شان و شوکت اور نقش و نگار اس مورتی یا بت کے تقدس کا باعث بنے۔ اور اس سے زیادہ اجتماعی فلسفہ اور کثرتِ روایات اس بت کی پرستش اور احترام کا سبب ہین۔ بس اس مثال کو سامنے رکھ کر مین قرآنِ حکیم کو روایات کے بت خانہ مین رکھ کر چھ ہزار آیات اللہ کو (جو خوشنویس۔ مثل بت تراش یا مصور کے اس کو بنایا ہے) اپنا اِلٰہ بنا کر (باقی بر صفحہ ۱۸۱)

(بقیہ صفحہ ۱۸) پوچھنا نہین چاہتا ۔ مین تو اِن حروف کی حقیقت کو اپنے فکر سے معلوم کرنا چاہتا ہون تاکہ فہم قرآن حکیم حاصل کرکے اس منشاء کی تکمیل کے لئے ممکنہ کوشش کرون جس مقصد کے لئے وہ بصورتِ وحی بزبان محمدِ عربی صلعم عالم وجود مین ہماری نظرون کے سامنے موجود ہے (دیکھو وحی نمبر (۳۱) کتاب اللہ پر میرا فکر)۔ بہ قول علامہ رومیؒ :۔

من ز قرآں مغز را بر داشتیم ۔ استخواں پیشِ سگاں انداختیم

مین نے قرآن کے آیاتِ محکمات سے کھلے ہوئے مفہوم کو اپنے فکر قرآنی مین سمو لینے کی کوشش کی ہے جیسے کہ مخاطبینِ وحی اُمّی عربِ مکہ یا عربِ مدینہ یا اطراف و جوانب کے عرب اِس وحیِ الٰہی کو سُن کر اور فکر کرکے فہم حاصل کر لیا کرتے تھے مجھ کو قرآنِ حکیم مین تاویلات ۔ صرف و نحو ۔ علمِ کلام ۔ فلسفہ اور منطق سے بال کی کھال نکالنا نہین ہے ۔ اور نہ قرآن کے حرفون کو اِلٰہ بنا کر پوجنا مقصود ہے ۔ اِس کے خلاف تیرہ سو سال سے حاملِ قرآن اُمتِ محمدی نے مغز سے دست بردار ہو کر ہڈیون کے لئے ایک دوسرے پر غراتے ہوئے زاید از چار سو فرقے بنا لئے ہین تو (دیکھو میری ایک تالیف "مذہبِ اسلام کے چار سو فرقے") مجھ کو ان ان فرقون سے کوئی بحث نہین ہے۔

"غریب القرآن" مین لفظ "جن" کے معنیٰ و مفہوم اور محاورات حسب ذیل ہین جن کے لغوی معنیٰ :۔

جن ــــ ڈھانکنا ۔ س (۶) آیت (۷۶)۔
" ــــ مقامِ آسایش ۔ س (۲۰) آیت (۱۱۷) س (۵۷) آیت (۲۱) س (۱۱) آیت (۱۰۸)
" ــــ شیطان ۔ س (۱۸) آیت (۵۰)۔
" ــــ چھپی ہوئی چیز ۔ س (۵۳) آیت (۳۲)۔
" ــــ وحشی لوگ غیر متمدن ۔ س (۲۷) آیت (۱۷)۔ جان ۔ سانپ ۔ س (۲۷) آیت (۱۰)۔
" ــــ " " " ۔ س (۳۴) آیت (۱۲ و ۱۳)۔
" ــــ " " " ۔ س (۲۷) آیت (۳۹) مجنون ۔ مجنون یا دیوانہ ۔ س (۸۱) آیت (۲۲)۔
" ــــ نجومی و کاہن ۔ س (۷۲) آیت (۱ و ۲ و ۸ و ۱۰)۔ جن ۔ مخلوق مزعومہ و مظنونہ غیر مرئی عربِ جاہلیت۔
" ــــ بدسرشت ۔ غنڈے ۔ س (۶) آیت (۱۱۳ و ۱۱۴)۔ دیکھو غریب القرآن صفحہ (۶۵ و ۶۶ و ۶۷)۔
" ــــ کیڑے مکوڑے ۔ س (۶) آیت (۱۴۳)۔
" ــــ " " " ۔ س (۱۷) آیت (۱۲)۔

نام سورہ **الشمس** تعداد آیات (۱۵) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۹۱) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۵) زمانہ نزول دور دوم سنہ بعثت ۶۱۵ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ غالباً ۶۸۳ء	حسین بن ابی الحسنؒ عکرمہؒ	محمد بن نعمان بن بشیرؒ	جابر بن زید تابعیؒ	ولیم میور ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء	نولڈیکے ۱۲۳۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل ۱۲۵۳ھ ۱۸۷۶ء	ایچ گرامم	ہرشفیلڈ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء	سید یعقوب حسین ۱۹۲۳ء	تحقیق مصر ۱۸۸۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۲۵	۲۵	۲۵	۲۶	۴	۱۶	۴۳	۱۶	۳۸	۲۳	۲۶

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شرعیہ منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہلِ عرب اور تمام انسانیت		کائناتِ ارضی کی تمام مخلوق پر انسان کو جو امتیاز ملا ہے وہ قوتِ فکریہ سے ملا۔	۱	فرقۂ اسلام کے زاید از چار سو فرقے۔	صـ ۱۹۲
			قصۂ قوم ثمود۔	۲	نفس کی حقیقت اور مقام قلب و	صـ ۱۸۵
			قرآن اللہ کو نتائج مستقبل سے بےخوف بتلا رہا ہے اسکا مفہوم۔	صـ ۱۹۰	مسکنِ روح کے نقشے۔	صـ ۱۸۶
			ہمارے فہمِ قرآنی اور مخاطبینِ نزولِ وحی میں فرق۔	صـ ۱۹۲		

——— شروع نام سے زمین و آسمان پیدا کرنے والے کے

سورج اور اس کی روشنی ۱ چاند کا سورج کے بعد نمودار ہونا ۲ ان دونوں کی گردش سے دن اور رات کا ظاہر ہوتا ۳ و ۴ اور آسمانوں کی بلند و بالا بناوٹ ۵ زمین کا پھیلاؤ ۶ پھر سب سے بڑی تخلیق و تسویہ نفسِ انسانی کی بناوٹ ۷ جو اچھائی اور برائی کا تمیزدار ہے ــــ دیکھو! یہ تمام نشانیاں اللہ کی ربوبیت و خالقیت کے شاہد ہیں ۸ پس کامیاب زندگی ہے اس کی جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا۔ اور نامراد و برباد ہوا وہ جو

اصلاحِ نفس کی طرف توجہ نہین کیا ۹ و ۱۰ ف۱ دیکھو تم کو قوم ثمود کی تباہی کا قصہ تو معلوم ہی ہے کہ

ف۱ ۔ میرا فکر :— دیکھئے! پھر وحیِ الٰہی مخاطبینِ وحی کو تخلیقِ اشیاء کی عظیم الشان آیات اللہ یعنے سُورج ۔ چاند ۔ زمین ۔ آسمان ۔ گردشِ نظامِ شمسی کو شہادت مین پیش کرتے ہوئے سب سے بڑی صنعت خالق سبحانہٗ تعالیٰ کو نفس سے نامزد کرکے بتلا رہی ہے کہ اسکے ذریعہ ہر شخص آزادیِ فکر کے ساتھ اپنے کردار کی اصلاح کرکے سچی انسانیت اور اچھی دُنیا پیدا کر سکتا ہے — اور جو اندھی تقلید مین گُم ہو کر اندھا ۔ بہرا بنا ہوا نفس کے اچھے اشارات کو درخورِ التفات نہین سمجھتا ۔ اس کی بربادی اور نامرادی مین کوئی کلام ہی نہین ہو سکتا ۔

نہ معلوم اس وحی کے متعلق نزولِ وحی کے مخاطبین کے کیا فکر و فہم اور تصورات ہون گے ۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک فریق نفس کی حقیقت کو محاورۂ عرب مین سطحی نظر سے غور کیا اور اچھائیون کی طرف راغب ہو گیا جن کو مصدقین قرار دیا گیا — دوسرا فریق جو اپنے باپ دادا کی سُنت سے ہٹنا ۔ اور آزادیِ فکر کو کام مین لانا گناہ اور پاپ سمجھتا تھا اور اپنے پیدائشی دین و مذہب ہی کو حق جانکر اسکے خلاف آوازِ حق پر لبیک کہنا دُنیا اور آخرت کی خرابی جان رہا تھا اُس نے اس وحی کو سُنکر سُنی ان سُنی کیفیت پیدا کر لی ۔ تو اُس کو مکذبین سے موسوم کیا گیا ۔ پس ہم کو قصۂ ماضی کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ رفت و گزشت ۔ اسکے بعد آج اپنے ماحول مین اپنے فکر و نظر کے لحاظ سے اس وحی کے آیات (۷ و ۸) پر غور کرکے نفس کی حقیقت معلوم کرنا ہے کہ ہمارے جسم مین وہ کونسا مقام ہے جس مین خالق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایسا بے بہا جوہر رکھا ہے جس کو پیشِ نظر رکھنے کے لئے ارشاد ہو رہا ہے تاکہ ہمارا مقصدِ تخلیق ادائیِ فرائضِ انسانیت کی صورت مین پورا ہو سکے اور ہم اپنی زندگی مین کامیاب و کامران ہو سکین ۔ بصورتِ ثانی ناکامی و نامرادی ہماری تباہیِ دُنیا و آخرت کا باعث ہو جاتی ۔ جس کا ثبوت قومِ ثمود و عاد کی تباہی و بربادی سے دیا جا رہا ہے — وحیِ الٰہی بتلا رہی ہے کہ نفس کی تخلیق مین جو صفت انسان کو اچھائی اور بُرائی کی تمیز پیدا کرا دینے کی رکھی گئی ہے وہ بہت ہی بڑی نعمت خالق تعالیٰ سبحانہٗ کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب تک اُس صفت کے حاملِ عضوِ جسم کا علم نہ ہو ہم کس طرح اس وحی کی حقیقت کو معلوم کرکے فہم حاصل کر سکتے ہین ۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ نفس کا مقام ہم اپنے جسم مین متعین کر لین تاکہ اس کی قوت ۔ اور اس کی کارکردگی کا صحیح احساس و علم ہم کو ہو جائے ۔ کیونکہ قرآن حکیم کے زاید از چھ ہزار آیات اِسی مرکز کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی ہین ۔

....

قرآن حکیم مین "نفس" مختلف محاورون مین استعمال ہوا ہے ۔ (دیکھو غریب القرآن) ۔ ۹:۷۱×

نفس ۔ یعنے (۱) جاندار ۔ (۲) جان ۔ یعنے حیات (۳) شخص (۴) ہم جنس (۵) نوع یعنے قسم (۶) ذات ۔ (۷) جی (۸) قوتِ ممیزہ (۹) نفسِ امارہ (۱۰) اولاد و نسل —

اِس وحی مین نفس کا مفہوم نمبر (۷ تا ۹) ہی ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ قوتِ ممیزہ کی دو ذیلی قوتین ہین :—

(۱) "نفسِ امارہ" ۔ (یعنے وہ ۔ جی ۔ طبیعت ۔ فطرت ۔ جو بُرائی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے) ۔

(۲) "نفسِ مطمئنہ" ۔ (یعنے وہ قوت جو اچھائی کے نتایج کی طرف مائل کرتے ہوئے مستقبل مین فلاح و کامرانی کا یقین کامل دلاتی ہے) ۔

اِن دونون قوتون کے مجموعہ کا نام قرآنِ حکیم مین "نفسِ لوامہ" آیا ہے ۔

قرآنِ حکیم ۔ لفظِ "قلب" کا مفہوم بھی مختلف محاورون مین اپنے مخاطبین کو اپنے ذکر کے لئے عطا کرتا ہے —

"قلب" بمعنیٰ (۱) پھیرنا یعنے اُلٹنا (۲) پھرانا (۳) واپس کرنا (۴) دل (۵) عقل (۶) علم (۶) غور و فکر (باقی بر صفحہ ۱۸۴)

اُس قوم کی اصلاح کرنے والے مامور من اللہ نبی سے انھون نے کس طرح کی شرارت کی ہ۱۱ اور

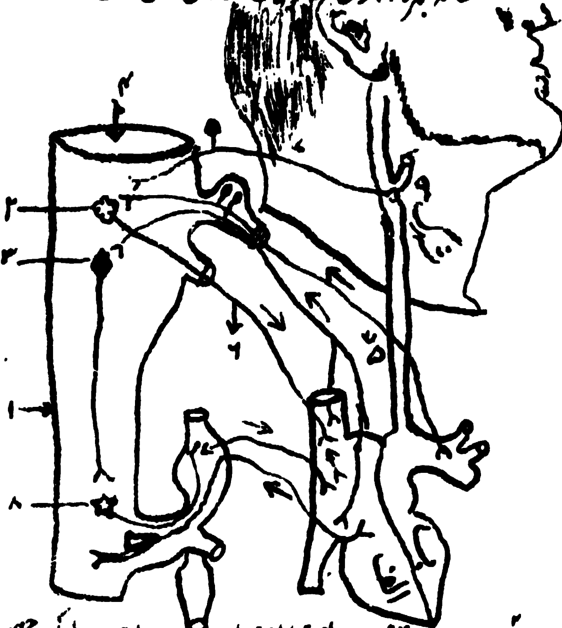
(بقیہ صفحہ ۱۸۳) "دل" یعنے ہارٹ (Heart) کے لئے عربی لفظ "فئید" بھی حسب ذیل سورتون مین آیا ہے:-
ملک ۶۷ - آیت (۲۳) السجدہ ۵۴ - آیت (۹) الاحقاف ۵۰ - آیت (۲۶) المومنون ۶۱ - آیت (۷۷) ابراہیم ۵ - آیت (۳۸)
نمل ۹۷ - آیت (۷۷) انعام ۹ - آیت (۱۱۳) ہمزہ ۱۴ - آیت (۶) - اور اسی طرح صدر کا ترجمہ بھی "دل" کیا جاتا ہے۔
گر یہ سب محاورات مروجہ ہی ہیں وحی مخاطبین کو ارشاد کررہی ہے۔ جو نہ صرف نزول وحی کے زمانہ مین مروج تھے بلکہ آج تک بھی دینی محاورے ہر مذہب وملت مین انسان کہتے اور سنتے ہین۔ لیکن ہم کو تو اپنے جسم مین اس عضو کو معلوم کرنا ہے جس مین نفسِ لوامہ۔ اور قوتِ فکر یہ انسان کے لئے خالق تعالیٰ سبحانہ نے پیدا کرکے تخلیق کی علامت و نشان کو اس وحی کے ذریعہ نہ صرف بتلا دیا ہے بلکہ حکم دیا جارہا ہے کہ منشاء تخلیقِ انسانیت اور ادائی فرائضِ انسان کی تکمیل کا انحصار اسی نفسِ لوامہ کے مقام کو معلوم کرکے اس کی قوتون (یعنے اشارات) سے استفادہ حاصل کرنے مین ہے — تاکہ یہ آدم زاد مخلوق شرفِ انسانیت حاصل کرکے اشرف مخلوق بن جائے۔
میرا فکر تو یہ ہے کہ "نفخت فیہ من روحی" یعنے اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدمؑ کے بعد اُس کو مقامِ انسانیت پر پہنچانے اپنی ایک خاص صفت روح سے ایک ادنیٰ سی قوت اس کو عطا کی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اسکا مقام جسم انسانی مین کوئی خاص ہی ہوگا۔ یعنے ہمارے جسم کا کوئی خاص عضو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا حامل ہونا چاہیئے۔

. . . .

عام طور پر نفس۔ اور قلب کی قوتون کا مرکز۔ دل۔ یعنے ہارٹ کو سمجھا جاتا ہے جو ہمارے جسم مین سینہ کے بائین جانب ایک گوشت کا لوتھڑا سا ہے — اسی عضو کو تمام مذاہب کے عالم اور جاہل باعثِ خیر وشر اور عشق ومحبت مجازی وحقیقی ذکر وشغل خشوع وخضوع الی اللہ۔ ونیز چین وسکون۔ راحت وآرام سمجھتے ہین۔ اور بُرائیون کا ذمہ دار شیطانی وسوسہ اندازی اور رنج وغم کا مقام بھی اسی کو قرار دیتے ہین۔
ایک قدیم تصور یہ بھی ہے کہ دل کے ساتھ شُش۔ یعنے پھیپھڑا بھی بہادری اور محبت کے جذبات کا مساوی ذمہ دار تھا۔ چنانچہ جہان یہ محاورے ہین کہ — اللہ ہمارے دل مین ہے — ہمارا دل فلاں نے چُرا لیا — اللہ سے دل لگاؤ۔ وغیرہ وہان یہ بھی کہا جاتا ہے کہ — زید بڑے ہی دل جگر کا شخص ہے — یا — فلاں واقعہ سے دل وجگر مین سوراخ پڑ گئے۔ وغیرہ۔
بہر حال یہ تصورات ذہنِ انسانی مین شعورِ انسانیت کی ابتدائی منازل کی یادگار ہین جبکہ اسکو تشریح الابدان کا علم نہین تھا۔ لیکن کیا آج بھی اِس وحی کے مفہوم کو ہم دل اور جگر ہی سے متعلق کرین گے؟ درآن حالیکہ ہم سائنسی دُنیا مین پیدا ہوئے ہین۔ اور ہمارے بچے بچے کے معلومات متقدمین سے بالا وبلند ہین — تو آج ہم کو اس وحیِ الٰہی کا حقیقی مفہوم حاصل کرنا ہوگا۔ تاکہ وحی نمبر (۳) کے شرحِ صدر کی حقیقت اور قلب رسول اللہ صلعم پر نزولِ وحی کا مقصد بھی ہمارے فہم مین آسانی سے آجائے۔ پھر اصل حقیقت کی روشنی حاصل کرنے کے بعد ہمارے ظنی و ذہنی تصورات وروایات کی تاریکیان دُور ہوکر ہم "خلفت الرشید آدمؑ" بن جائین۔
نفس اور قلب کے مخصوص عضو کو اپنے جسم مین تلاش کرنے سے پہلے بدنِ انسانی کے تشریحات وتفصیلات کو معلوم کرلینا ضروری ہے۔ تاوقتیکہ ہمارے اعضاء جسم کے فرائض اور کارکردگی کا علم (باقی بر صفحہ ۱۸۵)

اپنی قوم کے ایک سرغنہ کے کہنے پر حق کی آواز کو جھٹلا کر بدبختی مول لی ع۱۲ اللہ کے رسول نے تو

(بقیہ صفحہ ۱۸۴) ہم کو وہ جو قدرت نے ہمارے لئے بنائے ہیں کسی صحیح نتیجہ پر ہم نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا مندرجۂ ذیل خاکے اور انکی عام فہم کارکردگی تشریح الابدان یعنے اناٹمی کے نظریات آپ کے فکر کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں:-


خاکہ نمبر (۲) دل، شریان اور نس متعلق نخاع


خاکہ نمبر (۱) دل

خاکہ نمبر (۱) میں آپ کو دل کا نقشہ نظر آئیگا۔ دل میں دو حصہ ہوتے ہیں۔ یعنے الف اور ب۔ اور ہر ایک حصہ میں پھر دو حصہ ہوتے ہیں۔ یعنے اذن و بطن جس کو انگریزی میں اریکل اور وینٹریکل کہتے ہیں۔ حصۂ الف میں خون غیر صالح ہوتا ہے جو انگریزی میں نان آکسیجنیٹڈ بلڈ (NON-OXYGENATED BLOOD) کہتے ہیں۔ یہ خون حصۂ الف سے پھیپھڑوں میں شریانوں کے ذریعہ پہنچ کر وہاں فلٹر یعنے صاف ہو کر حصۂ ب میں شریانوں کے ذریعہ پہنچ جاتا ہے۔ پھر دل کا حصۂ ب اس صالح خون کو جس کو انگریزی میں آکسیجنیٹڈ بلڈ کہتے ہیں۔ تمام جسم کی پرورش کے لئے اپنے پمپ کے ذریعہ پہنچاتا رہتا ہے۔ یہ عمل دل کا حیاتِ انسانی کے آخری لمحہ تک بلا کسی وقفہ کے (یعنے مقررہ وقفہ کے علاوہ) جاری رہتا ہے جس میں دل اپنے فرائضِ منصبی میں ذرا بھی غفلت نہیں برتتا۔ گویا یہ دل کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے۔

خاکہ نمبر (۲) کے نقشہ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ قدرت نے دل سے نخاع اور نخاع سے دل کو کن کن مثبت و منفی تاروں سے (جس کو طب میں نس اور انگریزی میں نروز NERVE کہتے ہیں) مربوط کیا ہے۔ اور حبل الورید یعنے شہ رگ بھی آپ کو نظر آئے گی جس کے متعلق وحیِ الٰہی کہتی ہے کہ ہر انسان سے اس کا خالق اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اسی لئے اس کا وسوسہ اور خیال بھی اللہ کے علم سے باہر نہیں۔ خاکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دل ایسے پمپ کے مماثل ہے جو دماغ کو اس کی غذا پہنچانے کا فریضہ ادا کرتا ہے جس سے دماغ کی مشنری چالو رہے۔ جیسے موٹر میں فیول پمپ (FUEL PUMP) ہوا کرتا ہے۔ گویا دماغ کی مشنری خود دل کے چارجینگ کا باعث ہے اور اپنی غذا اس کے ذریعہ حاصل کر لیتی ہے (باقی بر صفحہ ۱۸۶)

ع۱۲ سورۂ اعلیٰ۔ وحی نمبر (۲۱) میں فکر نمبر (۱) پر گوشت کی بال کی کمائی کی مثال آپ کے لئے مزید وضاحت کا باعث ثابت ہوگی۔

قوم سے صرف ایک اونٹنی کے احترام کے لئے اسکے پانی پینے کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی بات کہی تھی ۱۳

(بقیہ صفحہ ۱۸۵) خاکہ (۲) کے نسوں اور شریان کے فرائض حسب ذیل ہیں :-

۱۔ نخاعی ڈور (SPINAL - CORD) یہ دماغ کی جڑ ہے۔

۲۔ مرکز تبطی القلب (CARDIO - INHIBITOR CENTRE) حرکتِ دل کو سست کرنیوالا تار یعنی نس۔

۳۔ مرکز سریع القلب (CARDIO - ACCLERATOR CENTRE) " " تیز کرنیوالا تار " " ۔

۴۔ نخاعِ مستطیل (MEDULLA - OBLONGATA) نخاع کے اوپر کا حصہ۔

۵۔ الیافِ ضاغطہ (DEPRESSOR FIBRE EFFERENT VAGAL) دل کا دباؤ کم کرنیوالا تار۔ یعنی نس۔

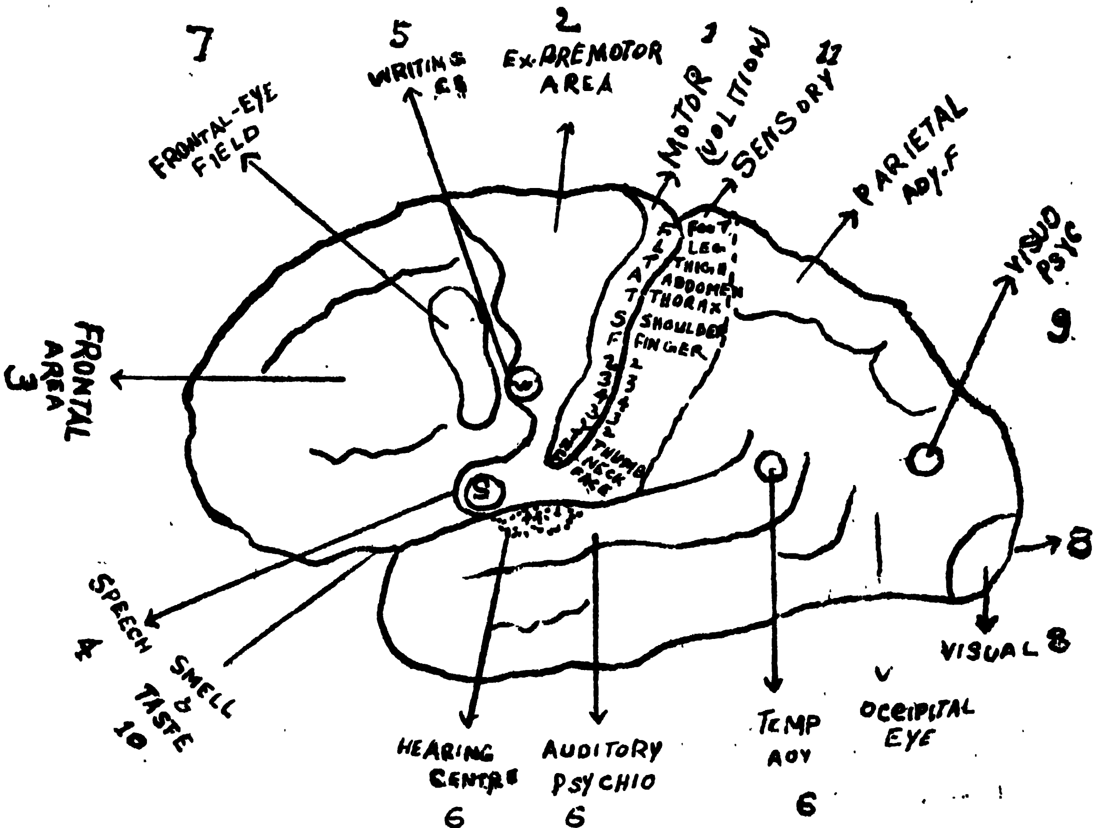
۶۔ الیافِ راجعہ (EFFERENT VAGAL FYBRE) " " بڑھانیوالا تار " " ۔

۷۔ جوفِ ثباتی (CAROTID SINUS) شہ رگ کو کنٹرول کرنیوالا " " " ۔

۸۔ نخاع کا قرنِ جانبی (LATERAL HORN OF SPINAL CORD)

۹۔ شہ رگ (JUGULAR VEIN) گردن کی سب سے بڑی شریان جسکے ذریعہ دل سے دماغ اور گردن اور سر کے دوسرے حصوں کو خون پہنچتا ہے۔

خاکہ نمبر (۳) دماغ انسانی



لیکن انھوں نے اپنی شرارت سے اس کا احترام تو کیا کرتے اسکی کونچیں ہی کاٹ ڈالیں تو تم نے

(بقیہ صفحہ ۱۸۶) خاکہ نمبر (۳) انسان کے دماغ کا ہے (یعنے کھوپڑی کے اندر جو مغز قدرت نے محفوظ کیا ہے) میرا موضوع اس خاکہ کے ذریعہ طب اور ڈاکٹری کے تفصیلات (جو سیکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں) اپنے ناظرین کو بتلانا نہیں۔ کیونکہ نہ تو میں علم طب کا ماہر ہوں اور نہ میرے مخاطب تشریح الابدان کے متجسس ہیں۔ میں تو اس خاکہ میں نفس یا قلب یا مقام روح کا خود متلاشی ہوں۔ اور اپنے ناظرین کو بھی اسی کے لئے دعوتِ فکر کا داعی بنا ہوں۔

محققین نے اپنے تجربے کے بعد ایک اوسط درجے کے انسانی دماغ کے مغز کا وزن (۱۲۰) تولے ایک اور اعلیٰ دماغ انسانی کے مغز کا وزن (۱۸۱) تولے تک ہونا بتلایا ہے۔ پاگلوں کے دماغ کا وزن (۶۱) تولے تک کہا جاتا ہے۔

خاکہ نمبر (۳) میں ان آسان حصص دماغ کو بتلایا گیا ہے جس کو ایک غیر ماہر طب آسانی سے سمجھ لے ان باریک اور باریک سے باریک تر تحقیقاتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس پر ملائک بھی فکرِ انسانی پر انگشت بدندان ہیں کہ اسے کیا کہیئے۔

خاکہ نمبر (۳) کا حصہ نمبر (۱ و ۲)۔ یہ مرکز محرکاتِ انسانی ہے جس کو طب میں رقبہ حرکی اور انگریزی میں موٹر ایریا۔ اور پری موٹر ایریا کہا جاتا ہے۔ اس جزو دماغ کے فرائض۔ پیر۔ ران۔ پنڈلی۔ پیٹ اور سینہ۔ گردن۔ انگلیاں۔ انگوٹھا۔ چہرہ وغیرہ کے حرکات و سکنات پر کنٹرل کرنا ہے۔ یعنے اس حصہ کے حکم کے بغیر یہ اعضاء انسانی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ اس طرح یہ حصہ مرکز محرکات افعال بدنِ انسانی ہے۔

حصہ نمبر (۳) یہ حصہ مغز کا سب سے بڑا تقسیم شدہ حصہ ہے جس کو طبِ یونانی میں مُخّ۔ یا رقبہ جبہتی اور انگریزی میں فرنٹل ایریا (FRONTAL AREA) سے موسوم کیا گیا ہے جو انسان کی پیشانی کے عین سامنے اور دونوں کنپٹیوں سے ملا ہوا ہے۔ یہ خالق تعالیٰ سبحانہٗ کے تخلیق کاملہ کا ایک انمول جواہر ہے جس کے متعلق تمام سائنٹسٹ اس بات پر متفق ہیں کہ اس زمین کے کسی جاندار مخلوق میں قدرت نے ان صفات کا حامل کسی دماغ کو نہیں بنایا ہے جیسا کہ دماغ انسانی ایک خاص امتیاز اس کے ذریعہ ملا ہے۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ بابرکت ہے اللہ جو تمام صناعوں سے بہتر صانع و بہترین خالق ہے۔ یہ حصہ منبع کلام۔ تحریر۔ غور و فکر۔ عقل و خرد۔ مہبطِ علم یعنے "علم الانسان مالم یعلم" کا ہے۔ یہی حصہ آدمی کو مقام انسانیت عطا کرتا ہے۔ کیا اس حصہ کو نفس۔ قلب اور مقام نزولِ وحی الٰہی یعنے قوتِ فکریہ کا مرکز قرار دینے میں میں غلطی کا مرتکب تو نہیں ہوں؟

حصہ نمبر (۴) یہ حصہ مرکز کلام ہے جس کو مرکز تکلم۔ اور اسپیچ سینٹر کہا جاتا ہے جو ہمارے ما فی الضمیر کا ہماری زبان۔ حلق اور ہونٹوں کی جنبش سے بصورتِ آواز دوسروں کی سماعت تک پہنچانے کا حاکم ہے۔ جس کی طرف قرآن حکیم نے "خلق الانسان علمہم البیان" کا اشارہ فرمایا ہے۔

حصہ نمبر (۵) قوتِ تحریر کا ہے۔ گویا ہمارے قلم کی حرکت۔ اور قلم کے ذریعہ اپنا ما فی الضمیر دوسروں کے لئے کسی چیز پر منقوش کرانے کا یہ ذمہ دار ہے۔ جیسا کہ وحی اول میں "علم بالقلم" کا اشارہ قرآن حکیم نے کر دیا ہے۔

حصہ نمبر (۶) اس کے دو ذیلی حصص ہیں۔ ان سب کے فرائض آواز کے سننے اور اس کی تمیز سے متعلق ہے جس کو طب میں رقبہ سماعی کہا جاتا ہے۔ (باقی بر صفحہ ۱۸۸)

سُن ہی لیا کہ اللہ نے ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا۔ کہ جس سے قوم کی قوم برباد و تباہ بلکہ فنا ہو گئی ۱۴۱

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) حصہ (۷ تا ۹) یہ مرکزِ بصارت ہین۔ اِن حصص کے ذرات کی صناعی کے بتلانے کے لئے سیکڑون صفحات پر مشتمل ایک خاص کتاب کی ضرورت ہے۔ کسی اناٹمی کی کتاب مین آنکھ کی بناوٹ اور بصارت کے قدرتی انتظامات کا مطالعہ کیجئے تو انسان انگشت بدندان ہو کر چیخ اٹھے کہ خالق تعالیٰ سبحانہٗ کی قدرت کو کیا کہیئے۔ اس انتظامِ قدرت کی نقالی مین صناعانِ مجازی یعنے سائنسدانون نے جو ایجاد فوٹو گرافی کی کی ہے۔ اس کی نیرنگیون کو انسان رات دن پردۂ سینما پر دیکھ کر حیران و ششدر ہو رہا ہے۔ تو پھر صانع حقیقی کی صنعت پر فکرِ انسانی کا کیا حال ہوگا۔

حصہ نمبر (۱۰) سونگھنے اور چکھنے کی دونون قوتون کا مرکز ہے۔ جس کو اطباء مرکزِ شمی۔ اور مرکزِ ذائقہ کہتے ہین۔ ہمارا سونگھنا۔ اور چکھنا۔ پھر اُس کے امتیازات وغیرہ سب کا ذمہ دار یہ مرکز ہے۔

حصہ نمبر (۱۱) یہ تمام حسیات کا مرکز ہے۔ جس طرح کہ نمبر (۱ و ۲) کی کیفیت ہے۔ گویا یہ مقام تمام دماغ کا منیجر ہے۔ اس خاکہ مین بغیر نشانات کے کچھ حصص آپ کو نظر آئین گے خصوصاً سامنے کا حصہ دماغ جس کی تفصیلِ کارکردگی کا تجزیہ ابھی ماہرینِ سائنس کے زیرِ تحقیق ہے۔ گویا اِس ایٹمی زمانہ مین جب کہ سائنس دان کارکنانِ قضاء و قدر کو اپنے تابع بنا کر آسمان پر اڑا چلا جا رہا ہے وہ اپنی ذات کے لئے ابھی تک خدا کی قدرتون کا کماحقہٗ علم حاصل کرنے مین اپنے کو جماعتِ اول ہی کا طالب علم سمجھ رہا ہے۔ وہ کبھی بھی "انا خیرٌ منهم" زبان پر نہین لاتا۔ بلکہ وہ علانیہ کہتا ہے کہ:۔ "ہمارے عقل و فکر کے تمام زینے طے ہو کر ہماری عمر ختم ہو رہی ہے لیکن ابھی تو کتابِ کائنات کا درسِ اول بھی ختم نہین ہوا۔ لہٰذا ہم آنے والی نسلِ انسانی کو اپنے کندھون پر لئے ہوئے متوقع ہین کہ جو چیزین ہماری نظرون سے اوجھل رہی ہین وہ اپنی دوربینی سے اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرین گے۔ اور ہماری باتون کو حرفِ آخر نہ سمجھین گے۔"

مین اپنے فکرِ دیرینہ کے بعد نفسِ قلب اور مقامِ مہبطِ وحی۔ یا الہام۔ اور قوتِ فکریہ۔ یعنے مقامِ "روح" کو دماغِ انسانی کا حصہ نمبر (۳) قرار دینے اپنے عقل و خرد سے مجبور ہو گیا ہون۔ کیا صاحبانِ فکر و بصیرت اپنی عقل و خرد کی روشنی مین میری تائید کرنے تیار ہین؟۔ "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست۔"

یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ جب کوئی اصطلاح غلط مفہوم مین زبان زدِ عوام ہو جاتی ہے تو وہ خواص کے لئے بھی فصیح اور بلیغ بن جاتی ہے۔ اس سے انحراف تو کجا اس کی اصلاح و صحت بھی تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ میرے اِس فکر پر بعض حضرات نے مجھے کہا کہ:۔ "دل کے مقام پر تو نظر پڑ سکتی ہے۔ اور ذکر و شغل مین اس کی جانب آسانی سے توجہ کیجا سکتی ہے۔ دماغ کے لئے یہ صورت کہان ہو سکتی ہے؟"۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ تجسیم کے پرستار ہین ان کے لئے تو یہ بات جائز ہے۔ البتہ تنزیہ کے مکتب خیال والون کے لئے تو ایسا تصور بھی شرکِ عظیم ہے۔ غور کیجئے کہ جو معبود زمان و مکان سے منزہ ہو۔ اس کے عرش کا تصور نظرون کے سامنے رہنا کس قدر مہمل عقیدہ ہوگا۔

بہرحال میری ذاتی عقل و خرد۔ اور میرا فہم میرے فکر کے نتایج پر کامل مطمئن ہے۔ اس سلسلہ مین میرے ایک عزیز ڈاکٹر مظفر حسین عزت اختر کا ایک خط جو میرے استفسارات کے جواب مین گلاسگو یونیورسٹی لندن سے بتاریخ یکم ڈسمبر ۱۹۵۹ء کو لکھا ہوا مجھ کو ملا۔ اس کا اقتباس ناظرین کے لئے پیش کر رہا ہون جو یقیناً باعثِ دلچسپی ہوگا:۔

"دماغ کے خاکے گرے اناٹمی سے بنا کر حاضرِ خدمت کر رہا ہون۔ آپ نے جن دلچسپ حالات کا (باقی بر صفحہ ۱۸۹)

دیکھو! اور خوب سمجھ لو کہ ایسی زبردست قوم کے تباہ و برباد کر دینے میں قدرت کو ذرا بھی پس و پیش

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) ذکر فرمایا ہے اُس کی تائید میں سائنس کے نظریات موجود ہیں۔ غالباً مشرق میں مذہبی نکتۂ نظر سے اس موضوع پر شاید ہی کبھی ایسا فکر منظرِ عام پر آیا ہو۔ بہر حال آپ کا خیال قوتِ فکریہ کے مقام دماغ سے بلا واسطہ ہارٹ (دل) بالکل صحیح ہے۔ البتہ آپ نے نخاع (یعنے حرام مغز) کو جو نامزد کیا ہے اس کو فرنٹل ایریا (یعنے حصۂ نمبر ۳) کا مقام قوتِ فکریہ کا مرکز قرار دیجئے تو پیچیدگیاں پیدا نہ ہوں گی ۔ آپ کا خیال صحیح ہے کہ دِل کا کام صرف پمپ کا ہے۔ رنج و راحت اور جملہ احساسات کا تعلق مراکزِ دماغ سے وابستہ ہے۔ دراصل دماغ چاہتا ہے اور سب کچھ محسوس کرتا ہے نہ کہ دل۔ "دل چاہتا ہے" کی اصطلاح اُس زمانے کی ہے جب کہ انسان کو اناٹمی اور فزیالوجی کا علم نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر دل کی حرکت تیز یا سُست ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی ظاہری کیفیت ہے جو تابع دماغ ہے نہ کہ بذات ۔ لہذا اس خصوص میں بھی آپ کی رائے بالکل ٹھیک ہے۔

روح کے متعلق آج تک مسئلہ سلجھ نہ سکا۔ وہ روح (SPIRIT) جس کو قرآن نے "قل الروح من امر ربی" ارشاد فرمایا ہے۔ کیا جان ہے؟ ۔ یہ مسئلہ دایرۂ مذہب میں تو بلا شبہ بہت ہی پیچیدہ ہے لیکن ~~علم طب و~~ سائنس میں جتنا آسان ہے ۔ چنانچہ ہمارے روزمرہ کے تجربات میں بوقت اپریشن دل کی حرکت بند ہو جائے تو اندرون (۳) منٹ سینہ چاک کر کے دل کا مساج کیا جائے تو انسان ملک الموت کے چنگل سے نکل آتا ہے ۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اس عمل پر جو وقت انسان کی موت کے وقفہ کا ہے ۔ اس عرصہ میں روح کہاں رہی؟ ۔ و نیز ایک مردہ انسان کے دل کو ہم نے شیشہ میں بند کر کے عرصہ سے زندہ رکھا ہے۔ یعنے اس کی حرکت ہمارے سائنسی اصولوں کے تحت جاری ہے۔ اس دل کو دیکھ کر مجھ کو خیال آتا ہے کہ ۔ اس دل کا انسان تو مر چکا ہے۔ مگر دل زندہ ہے تو کیا صاحبِ دل کی روح عہ دل میں محفوظ ہے؟ ۔ چونکہ میرا مضمون سرجری ہے لہذا یہ موضوع علماء مذہب ہی کے لئے قابلِ غور و فکر ہے۔"

خاکوں اور تشریحات مذکور الصدر کے بعد یہ بات ذہن نشین ہو جائے گی کہ صانع حقیقی تعالیٰ سبحانہٗ نے انسانی تخلیق میں نفس یعنے قوتِ فکریہ کا جوہر کیسا عظیم الشان رکھا ہے کہ اس کی مثال کائناتِ ارضی و سماوی کے کسی ذی حیات میں نظر میں آئی ۔ پھر خلف الرشید آدمؑ نے خالقِ بے ہمتا کے پوشیدہ رازوں کی کھوج لگا کر اس حقیقت کا پتہ لگایا کہ اس کائنات میں جس طرح خالقِ بے ہمتا کی کوئی مثال نہیں اسی طرح اس کی یہ تخلیق بھی بے مثال ہے۔

قبل اس کے کہ آپ کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ مزید ایک حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھیئے کہ ۔ پاگل خانوں میں پاگل و مجنون کے دل یعنے ہارٹ تو صد فیصد بہتر حالت میں ہوتے ہیں لیکن صد فیصد دماغی توازن بگڑا نظر آتا ہے۔

پھر ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ دل کے مریض جسمانی کمزوری میں مبتلا نظر آتے ہیں لیکن ان کا دماغی توازن بہترین حالت میں رہتا ہے۔ برخلاف اس کے دماغ کے مریض صحتِ جسمانی کے لحاظ سے تنومند ہوتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوشی و غمی میں کیوں ہمارے دل کے حرکات میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے جب کہ اس میں احساس و ادراک کا وجود نہیں؟ ۔ اس کا تفصیلی جواب تو اناٹمی کے ماہروں سے (باقی بر صفحہ ۱۹۰)

عہ روح کے متعلق میں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنے فکر سے مطلع کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو میرا فکر وحی نمبر (   ) میں۔

نہیں ہوتا ۱۵ ع ف۲

(بقیہ صفحہ ۱۸۹) تشفی بخش ملے گا۔ میرا اپنا فکر اس خصوص میں یہ ہے کہ دل کے حرکات مقررہ قدرت تو اس کے ذاتی ہوتے ہیں۔ ما بقی تابع دماغ۔ پس احساسات دماغ کی وجہ ہی اس میں تیزی یا سستی پیدا ہوتی ہے چونکہ دماغ کے حرکات ظاہر و نمایاں نہیں ہوا کرتے اس لئے اُس کے متعلقہ اعضاء کے حرکات کو اُن اعضاء کے ذاتی حرکات تصور کر لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ موٹر کی مشنری میں پیٹرول اور اسپارک کا عمل تو نظر نہیں آتا۔ در آن حالیکہ وال اور پسٹن پیٹرول کے شعلہ کی وجہ متحرک ہوتے ہیں اور ان کی حرکت کے باعث تمام مشنری چلتی ہے۔ بظاہر مشنری کے پُرزے ہم کو متحرک نظر آتے ہیں۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر دل کے دھڑکنے اور آہستہ ہونے پر غور کیا جا سکتا ہے۔

اب ہر صاحبِ غور و فکر کے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا ہوگا کہ خانۂ خدا۔ یا مقامِ نزولِ وحی و الہام۔ منبع ذکر و شغل۔ مقامِ روح۔ جیسے قوتِ فکریہ کا مرکز اگر دماغِ انسانی کو قرار دیا جائے تو قرآنِ حکیم میں نفس اور قلب کے الفاظ کا صحیح مفہوم آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔ اگر انسان کے نفسِ امارہ۔ نفسِ مطمئنہ۔ نفسِ لوامہ اور قلبِ مطمئنہ کے صحیح میٹر کا مقام معلوم ہو جائے تو پھر اس کو روحانی ریڈیائی اسٹیشن سے مواصلات حاصل کرنے میں آسانی ہو جائیگی۔ بشرطیکہ تقلیدِ جامد کے بادلوں کی غلیظ فضاء ریڈیو کو متاثر نہ کر دے۔

ہر شخص اپنے فکر و فہم سے اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ نفس اور قلب کے مفہوم قرآنی کا عضو اُس کے جسم میں کہاں ہے۔ پس وہی مقامِ الہاماتِ الٰہی کا مرکز ہوگا۔ اور وہی القائے شیطانی کا منبع۔ اس طرح اس آیت کا مفہوم آپ حاصل کر سکتے ہیں ۔۔۔ "و نفس و ما سوٰھا۔ فالھمھا فجورھا و تقوٰھا" (اللہ نے نفسِ انسانی کو اس طرح مکمل طریقہ پہ بنا دیا ہے کہ وہ اچھائی اور برائی کا امتیاز صحیح صحیح طریقہ پہ کرا دیتا ہے) ۔۔۔

مخفی مبادکہ نزولِ قرآن کے وقت تصورات مخاطبین کی اصلاح اناٹمی۔ تشریح الابدان کے ذریعہ مقصود نہ تھی۔ بلکہ اس وقت کے محاورات مخاطبین ہی کے مدنظر وحیِ الٰہی نے ان کو مخاطب کیا تھا۔ اس لئے قرآنِ حکیم میں قلب اور افئدہ اور نفس کے الفاظ مختلف محاوروں میں اگر آئے ہیں تو اس سے میرے تحقیقی فکر پہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اور نہ اناٹمی اور تشریح الابدان کی حقیقت اس سے متاثر ہو سکتی ہے۔

ف۳۔ میرا فکر:۔۔۔ دیکھو انسان کی ناکامی و نامرادی کا ایک قصہ قومِ ثمود[عـہ] کا تم کو معلوم ہی ہے۔ کہ کس طرح حق بات کو محض ایک سرغنہ قوم کے کہنے سے تقلیدِ جامد میں پھنستے ہوئے قوم کی قوم نے اپنی قوم ہی کے ایک مصلح قوم نبی مامور من اللہ کے ساتھ شرارت کی۔ نتیجہ کیا ہوا کہ خود ہی فنا ہو گئی۔ ذرا سی بات ہی تو نبی نے قوم سے کہی تھی کہ اس اللہ کی نشانی والی اونٹنی کو پانی پی لینے کا موقع دو۔ اور اس وقتِ معینہ پر چشمہ کو اس کے لئے چھوڑ دو۔ مگر قوم اس ادنیٰ سی آزمائش میں ایثار و قربانی نہ کر سکی۔ بلکہ اپنے لیڈر شر پسند کے اغواء سے اُس اونٹنی کے پیر ہی کاٹ ڈالے۔ تو اس میں نہ مامور من اللہ کا کوئی نقصان ہوا۔ اور نہ خدائی کا۔ بلکہ قدرت نے ایسی زبردست قوم کو آنِ واحد میں فنا کر دیا۔ (باقی بر صفحہ ۱۹۱)

عـہ عاد اور ثمود کے زمانۂ اقتدار کی حدود ارضی کا نقشہ وحی نمبر (۲۰) کے صفحہ ( ) پر ملاحظہ ہو۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۰) جس کا نام و نشان بھی آج تم کو نظر نہیں آتا ہے عـــہ اس واقعہ سے سبق حاصل کرو۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تمھاری قوم مین بھی ایک مامور من اللہ رسول مبعوث ہوا ہے۔ کہین اُسی قوم ثمود کی طرح تم بھی حق بات کے ماننے سے انکار۔ اور شرارت۔ ضد۔ ہٹ نہ کرنا۔ ورنہ مثل قوم ثمود کے قدرت تمھارے ساتھ بھی سُنت اللہ کو پورا کرے گی۔

خدا کیون مستقبل کے نتایج سے بے خوف ہو کر قومون پر عذاب نازل کر کے فنا کر دیتا ہے "ولا یخاف عقبٰھا"

اس سورۃ کی آخری آیت نمبر (۱۵) پر مین نے اکثر غور و فکر کیا ہے کہ آخر کس بنا پر شانِ بے نیازی رب العزت جل جلالہٗ اِس انداز مین ظاہر کی جا رہی ہے کہ "وہ نتایجِ مستقبل سے بے خوف ہے"۔

جنگِ ثانی یورپ کے دوران مین جرمن قوم کے عقل و دانش۔ سائنس اور ہمت و جراءت۔ بہادری اور جوانمردی سب ہی باتون کا غلغلہ کرۂ زمین پر تھا۔ اس کی فتح و نصرت کا یقین ہر ایک کو تھا۔ اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ان انعامات الٰہی سے نوازا ہے اس کو تباہ کر کے کیا کرے گا؟۔ اگر یہ قوم تباہ ہو جائے تو دُنیا سے ترقیِ سائنس اور ایجادات کی جڑ ہی اکھڑ جائے گی۔ لیکن اچانک اخبارات نے جرمن قوم کے مغلوب ہونے کی خبر دکھائی۔ اور اس طرح تباہ ہوئی کہ کرۂ زمین کے ہر فرد میں اس عروج کے بعد زوال کی داستان نے کپکپی پیدا کر دی۔ اس وقت میری زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ بس "ولا یخاف عقبٰھا" وہ قدرتِ خداوندی نتایج سے نہین ڈرتی ہزارون سالہ تاریخ لاکھون قومون کی ہمارے سامنے ہے اور ہر ایک کا عروج اور زوال (باقی بر صفحہ ۱۹۲)

عـــہ اس وحی کے مبینہ ذکرِ ثمود پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح اونٹنی پہاڑ کی چٹان سے پیدا ہوئی اور کس طرح محض ایک اونٹنی کے مار ڈالنے کی وجہ سے قوم کی قوم عذابِ الٰہی سے فنا کر دی گئی۔ درآن حالیکہ قوم کا ہر فرد تو اس قتلِ اونٹنی مین شریک نہ ہوگا۔ اللہ کا ایسا انصاف کیسا؟۔ اس کا جواب آپ کو پہلے ہی صفحات مین بتلا دیا گیا ہے کہ قرآنی قصص کوئی مستند واقعات پر مبنی نہین ہین۔ بلکہ وہ روایات جو کسی قوم کے معتقدات مین داخل ہو چکے ہین اُسی کو دُہرا کر ان کو نصیحت کی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل مین یہ قصہ اسی طرح چلا آرہا تھا۔ اور اسی کا عکس اہلِ عرب مین تھا۔ پس اس کو دُہرا کر نصیحت کی جا رہی ہے۔ اس وحی کے پیشِ نظر نہ تو خلافِ سُنت اللہ اونٹنی کا پہاڑ سے نکلنا یا نہ نکلنا پیشِ طلب ہے اور نہ اونٹنی کے مار ڈالنے یا پیر کاٹ دینے مین کون کون شریک تھے تحقیق طلب ہے۔ وحی کے پیشِ نظر صرف اس قدر ہے کہ۔ دیکھو! تم جانتے ہی ہو قوم ثمود کا قصہ جس نے اپنے نبی کے مقررہ ہدایات کی نافرمانی کی تو غضبِ الٰہی مین مُبتلا ہو کر فنا ہو گئی۔ لہذا ہر قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے نبی کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔ ورنہ تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ پس تم بھی کہین ایسی حرکت نہ کرنا۔

فہمِ قرآنِ حکیم کے لئے قصصِ قرآنی کے ریسرچ کی قطعاً ضرورت نہین۔ صرف اس کے نتایج پر فکر و غور کر کے راہِ ہدایت حاصل کرنا چاہئیے۔ یہی اصول اصحابِ رسولؐ کا رہا ہے۔

مثلاً گلستان۔ بوستان۔ بہار دانش۔ انوار سہیلی آپ بچون کو محض اس لئے پڑھاتے ہین کہ اس کے قصص۔ حکایات سے بچون مین شعور۔ فکر و فہم حاصل ہو جس کے بعد وہ اچھے بُرے کی تمیز پیدا کر لین اور اپنی زندگی کو سنوار لین۔ نہ کہ ان قصص سے کسی تاریخی واقعات کا ریسرچ مقصود ہوا کرتا ہے۔ البتہ سطحی درجہ کے انسان اپنے ظنیات مین ان باتون کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہین۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۱) بتلا رہی ہے کہ کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے قدرت سنّت اللہ کے تحت اسباب عروج اور اسبابِ زوال مرتب کرتی چلی جاتی ہے ـــــ بات کیا ہے؟ ــ بات یہ ہے کہ جس مجازی ہستی کو اپنی حقیقت پر کامل عبور ہو۔ اور اپنی صنعت گری میں لاجواب ہو۔ ایسے خالق اسٹیچو۔ یعنے بُت تراش۔ ایسے مصور اور ایسے کمبھار کو اسکی کیا پرواہ ہے کہ اس کی خوب صورت سے خوب صورت مورت۔ خوب صورت اور حسین تر تصویر۔ بہترین برتن کو وہ خود توڑ پھوڑ کر تباہ کردے اور پھر افسوس کرے اپنی محنت پر۔ جب کہ وہ ہمیشہ اس سے بہتر ہر چیز کو بنانے کا عادی ہو۔ ظاہر ہے کہ اُس ٹوٹے پھوٹے اجزاء ہی سے وہ بہترین صورت گری کرے گا ــ پس ــ "وَ لَا یَخَافُ عُقْبٰهَا" اشارہ کر رہا ہے :- "هُوَ الَّذِی خالق۔ باری۔ مصور۔ یسبح لہ ما فی السمٰوٰت و الارض۔ و هو العزیز الحکیم۔ القدیر لیطر۔"

ہم کس بناء پر قرآن کی تفسیر صحیح کرسکتے ہیں۔ ہمارے فہمِ قرآنی اور ماضی کے فہمِ قرآنی کا فرق۔

نزولِ وحی کے وقت تو مخاطبین کیلئے ایک معمولی اشارہ قوم ثمود کا مقصود تھا کیونکہ نہ تو مخاطبین کے پیشِ نظر دُنیا کی قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ تھی اور نہ ان کا دماغ آج کی طرح منازلِ ارتقاء پر پہنچا تھا لیکن آج قرآن کے اس آیت کی تکمیل:-

"وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ" (سورۂ جمعہ) یعنے "یہ قرآن اور وحی تو ان مخاطبین کے علاوہ اور لوگوں کیلئے بھی تو ہے جو مستقبل میں ظاہر ہونے والے ہیں"۔ ہر شخص اپنے ایقان اور ایمانِ کامل سے اس بات کا مدعی ہے کہ قرآنِ حکیم کے آیات بینات ہر زمانے کیلئے اپنے نشانات نصیحت۔ خوشخبری اور ڈر۔ المعروف۔ المنکر کیلئے اپنے میں لچک رکھتے ہیں۔ بلاشبہ نزولِ وحی کے وقت اُن کا منشاء وہی تھا جس کو مخاطبین نے سمجھا۔ اور خلافتِ اول اور دوم کے وقت اس وقت کے ماحول کے لحاظ ہی سے اصحابؓ نے اسکا منشاء لیا۔ وہ بھی برحق تھا۔ بے لوث ائمہ اور خلفائے اسلام نے جو سمجھا وہ انکے زمانے اور ماحول کے لحاظ سے حق تھا۔ آج کے ماحول کے لحاظ سے جو علماء کے حق اور مجددین سمجھ رہے ہیں وہ بھی حق ہے۔ اور مستقبل میں جو کچھ سمجھا جائیگا وہ بھی حق ہوگا۔ بشرطیکہ آیات اللہ کو بُت بنا کر چودہ سو سال کے تصورات میں اس کو نہ پوجا جائے۔ بلکہ ہر زمانے میں اسکی اصلی روح کو برقرار رکھکر اپنے ماحول میں اس سے استفادہ کیا جائے۔ یعنے نزولِ وحی کے ماحول اور پس منظرِ اسلام کو پیشِ نظر رکھکر قوم کی اصلاح جس طرح مقصود وحئ الٰہی کی تھی اُن ہی اقدار پر ہر زمانے میں اسکو منطبق کرکے اسکے اصول و مبادیات سے اپنی قوم اور اپنے ملت اور اپنے ماحول کی اصلاح کی جائے۔ ظنیات۔ روایات۔ شخصیت پرستی کے بُت توڑ دیئے جائیں ــ جو شروع ہی سے اسلام کی عظیم الشان عمارت میں اس طرح ظنی تصورات علم کلام کے ذریعہ گھن کے کیڑونکی طرح داخل ہوئے کہ سب کچھ کھوکھلہ کردیا۔ باوجود چارسو سے زاید ستون (یعنے فرقے) اسکو سہارا دینے والے بنے اور بنتے جارہے ہیں لیکن اسلام کی عمارت ناقابلِ رہائش

فرقۂ اسلام کے زاید از چارسو فرقے

بنی ہوئی ہے۔ اور ایک بھیانک صورت اختیار کرتی جارہی ہے ــ یہ تمام کرشمہ سازی ہے صرف تقلیدِ جامدگی اور شخصیت پرستی کے بھوت کی ــ کہ یہ دونوں حق و صداقت کے ازلی دشمن انسان کو اپنے آہنی چنگل میں اس طرح جکڑ لیتے ہیں کہ پھر ان کی غلامی سے چھٹکارا ناممکن ہے۔ اسی ذہنی غلامی اور تقلیدِ جامد کے جیل خانے سے آزادی دلانے یہ قرآنِ حکیم نازل ہوا تھا ــ مگر وائے بدقسمتی کہ پھر اُمتِ وسطیٰ اسی رنگ میں رنگ گئی جس رنگِ غلامی میں دُنیا کی تمام قومیں تباہ و برباد ہو کر فنا ہو چکی تھیں ــ بہرحال ہر اُس انسان کو جو فہمِ قرآن کا متلاشی ہو مطالعۂ قرآنِ حکیم کے وقت اِن بنیادی اصولوں پر نظر و فکر رکھنا ضروری ہے۔

نام سورۃ **الھمزۃ** تعداد آیات (٩) تعداد رکوع (١) شمارہ ترتیب موجودہ (١٠٤) پارہ (٣٠)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (١٦) زمانہ نزول دورِ دوم۔ ششم بعثت ٦١٥ء
اس سورۃ کے سلسلہ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق مین قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمار بلحاظ ترتیب نزول وحی	٣١	٣١	٣١	٣٢	١٠	٦	١٣	٥	١٣	٢٩	٣٢

توضیحات

شمار الحاقی آیات	کون حق و باطل ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہلِ قریش		حطمہ کی حقیقت۔ سید آباد کے امراء و جاگیرداروں کا عذاب مین مبتلا ہونا۔ چغلی کا حشر۔	١٩٣		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خرابی و بربادی مین مبتلا ہے ہر چغلی کرنے والا طعن و طنز کرنے والا ١ جو مال جمع کرکے اسکو گن گن کر رکھتا ہے ٢
سرمایہ دار بخیل کا تصور تو ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ اس کا مال اسکے لئے باقی رہے گا ٣ کچھ نہین وہ تو
اس سرمایہ کی وجہ حطمہ مین جائے گا ٤ اے مخاطب! کیا حطمہ کو تو جانتا ہے ٥ وہ ایک
آگ ہے اللہ کی طرف سے سلگائی ہوئی ٦ جو جھلس دیتی ہے انسان کے دل و دماغ کو ٧
وہ آگ بند ہے خود سرمایہ دارون کی تجوریون مین اور انکے عالیشان مکانون مین ٨ و ٩ ف١

ف١ ـ میرا فکر: دیکھئے اس سولھوین وحی مین پھر وحی نمبر (١١ و ١٢ و ١٣) کا اعادہ کیا جارہا ہے اور بتلایا جارہا ہے

حطمہ کی حقیقت جو سرمایہ دار اپنا سرمایہ صحیح مصرف پر قوم اور ملت کے مفادات پر خرچ نہین کرتے بلکہ اس کو جمع کرکے اس خیال مین مگن رہتے ہین کہ وہ ان کے لئے دوامی کام آئے گا۔ اور اپنے سرمایہ داری نشہ مین صحیح مصرف پر خرچ کرنے والون کا مذاق اڑاتے ہین طعن و طنز کرتے ہین۔ اور جو کوئی بعض مشکلات کی وجہ پوشیدہ طور پر اپنی کمائی سے مفادِ ملک کے لئے خرچ کرتا ہے تو اسکی چغلی کرتے ہین۔ یہ لوگ بلا شبہ ایک دردناک مصیبت کی آگ مین گرنے والے ہین جس کا نام حطمہ ہے (باقی بر صفحہ ١٩٤)

(بقیہ صفحہ ۱۹۳) محاورے میں "حُطمہ" ہے۔
"حطم" کے معنے ہیں چُور چُور کر ڈالنا۔ اہل عرب کا محاورہ "حُطمہ" اس مصیبت کو کہا جاتا جو انسان کو اندر ہی اندر رنج و غم میں تباہ کر دیتا۔ جیسے ہم کسی سخت پریشان حال مصیبت زدہ کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ "یہ تو مدقوق معلوم ہوتا ہے" یعنے دق کا مریض بن گیا ہے۔

عذاب حطمہ میں اُمراء اور جاگیرداران حیدرآباد کس طرح مُبتلا ہوئے | حطمہ کے عذاب الیم کو ہم نے بکثرت حیدرآباد کے پولیس ایکشن میں سرمایہ داروں پر نازل ہوتے ہوئے

اپنی آنکھوں دیکھا ہے اور کانوں سُنا ہے۔ آج دس سال پولیس ایکشن کو ہو چکے ہیں۔ لیکن اُس حطمہ کے لمبے لمبے شعلہ زن ستونوں برابر دلوں کو جلا رہے ہیں۔ اس آگ کی تپش برقی لہروں سے بھی زیادہ تیز ہے۔ مگر وہ آگ نظر نہیں آتی۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ ؎

نہ بر آسمان و نہ زیر زمین ؎ ہمیشہ خورد گوشت آدمی

اُمرائے پائیگاہ اور جاگیرداران۔ سرمایہ داران اضلاع سے ذرا پوچھو کہ ان کے ان گنت مال و خزانے کیا ہوئے۔ آج وہ دوسروں کے محتاج کیوں ہیں۔ جن کی ڈیوڑھی پر بڑے بڑے اُمراء و عمائدین بگلوس دستار کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ آج وہ دفتر معتمدی جاگیرات میں ایک معمولی کلرک کے میز کے سامنے اپنی کارروائی کی التجا کرتے ہوئے کھڑے نظر آتے ہیں۔ معتمدی میں داخل ہونے کیلئے چپراسیوں کی خوشامد کرتے دیکھے جاتے ہیں۔
خدا بخشے بہادر یار جنگ مرحوم نے دیوان دیوڑھی کے ایک جلسہ میں سالار جنگ اور اُمرائے پائیگاہ کو اس وحی سے ڈرایا تھا۔ سُننے والوں کے کان میں مرحوم کی آواز گونج رہی ہوگی اور ان کی آنکھیں حطمہ کی آگ سے جلتے ہوئے دلوں کو بھی دیکھ رہی ہوں گی۔ نواب میر عثمان علی خان نظام سابع جو دُنیا میں اس زمانے کے سب سے بڑے سرمایہ دار مشہور تھے جن کی بے حساب دولت کنگ کوٹھی میں بند تھی کنگ کوٹھی کی زمین نے اسکو فاتحین کے سامنے اُگل دیا۔
خلاصہ فکر یہ ہے کہ سرمایہ داروں کا مال جب فاتح قوم کیلئے مال غنیمت ہو جاتا ہے۔ یا ڈاکو لوٹ لیتے ہیں — یا اولاد نا خلف نکل کر اس کو برباد کرتی ہے یا اچانک پیغام موت پہنچ جاتا ہے۔ تو غور کرو کہ دل و دماغ میں کس طرح حطمہ کی آگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے ہیں۔ یہ تو اس زندگی کا نقشہ ہے۔ پہلے اس پر غور کرلو۔ اس کے بعد آخرت۔ حشر۔ قیامت اور دوزخ سے متعلق غور کرنا۔

چُغلی کا حشر | اس وحی میں چغلی کا بھی ذکر ہے۔ اسکو بھی ذرا سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کانگریس کی تحریک کے زمانے میں حکومت نے حکم دیا تھا کہ کوئی وفادار رعیت کانگریس کو کسی قسم کی مدد نہ کرے۔ اور خصوصاً ملازمین سرکار تو سخت پابند تھے۔
اُس زمانے میں جو لوگ چوری چھپی کانگریس کی مالی مدد کرتے تو دوسرے لوگ حکومت کا تقرب حاصل کرتے انکے متعلق رپورٹ کرتے۔ اور رات دن کے میل جول میں طنزاً طعنہ دیتے۔ اشارۃً کنایتاً آوازے کستے۔ بس اسی کو بُرا کہا جا رہا ہے۔ دیکھئے اتحاد المسلمین۔ جماعت اسلامیہ۔ مسلم لیگ وغیرہ وغیرہ میں بھی اسی طرح کے حالات موجود ہیں اور ہر زمانے میں تھے۔ اور ہیں اور رہیں گے۔ بس نزول وحی کے زمانے میں بھی آنحضرت صلعم کی مشن کے مالی امداد کیلئے جو لوگ ایسا کرتے تھے تو انکے آقاؤں سرپرستوں والدین وغیرہ سے بعض لوگ چغلی کرتے ہونگے اور طعن و طنز اشارۃً ملاقات میں بھی کرتے ہونگے۔ لہذا ایسے لوگوں کیلئے وحی تباہ دیتی تھی۔

صد جہان باقیست در قرآن ہنوز ؎ اندر آیاتش یکے خود را بسوز (اقبالؒ)

نام سورہ **المعارج** تعداد آیات (۴۴) تعداد رکوع (۲) شمارہ ترتیب موجودہ (۷۰) پارہ (۲۹)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۷) زمانہ نزول دَور دوم سنہ بعثت ۶۱۵ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزول وحی	۷۸	۷۶	۷۷	۷۷	۳۷	۴۲	۴۷	۳۵	۳۰	۷۹	۷۹

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہل عرب اور بیسویں صدی کے سائنٹسٹ و نیز ہر صاحب فکر و نظر۔		حق کو جھٹلانے والے عذاب کی فرمایش کیوں کرتے ہیں۔ قدرت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہونے کا ایک زمینی ثبوت۔ مکذبین پر عذاب نازل ہونیکی وجہ مصدقین میں شک و شبہ۔ دنیا کے قانون انصاف کی ایک مثال جس میں امریکہ کا ذکر ہے۔ تمام مذاہب کے مومنوں کی تعریف قرآنی۔	ك	نماز کا محاورۂ قرآنی۔ نسلی اولاد انبیاء و مرسلین محض تعلق کی وجہ قابل احترام نہیں۔ رب المشرقین و المغربین۔ حسب نسب کا گھمنڈ۔ آبائی دین کا گھمنڈ۔ روحانی ہستیوں کی بے بسی اور پولیس ایکشن حیدرآباد کی ایک مثال۔	ھ ملا ٹ

بسم اللہ القہار و الجبار تعالیٰ سبحانہ

اے محمد! دیکھو۔ ایک طلبگار عذاب کہہ رہا ہے کہ جس عذاب سے بذریعۂ وحی تم ڈرا رہے ہو وہ اس وقت مجھ پر نازل ہو جائے تو یقین کر لونگا کہ تم سچے رسول اللہ ہو۔ ہاں ہاں تم اس سے کہدو کہ۔ وہ عذاب جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وقت مقررہ پر نازل ہو کر رہے گا کہ تمہارے صاحب درجات رب کعبہ تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے اس عذاب کا ایک وقت مقرر ہے آیات ۱ تا ۳
اس طلبگار سے کہو کہ۔ تم لوگ تو اس حقیقت سے ناواقف ہو اللہ کی مشیت کیا ہے؟۔ دیکھو!

اس کا ایک دن تمہارے پچاس ہزار سالون کے مساوی ہے جس مین فرشتے اور روح (یعنے کارکنانِ قضاء و قدر) اپنے رب کی تعمیلِ حکم مین مصروفِ عمل ہو جاتے ہین ؀ اے محمد اتم

؀ میرا فکر:۔ دیکھیے اس سورۃ کا نام ہی بمقابلۂ زمانۂ نزولِ وحی کے اس بیسوین صدی کے انسانون کو قانونِ ارتقاء کے نظریات کا اشارہ کر رہا ہے۔ بیچارے اہلِ مکہ مخاطبین ان اشارات کی ماہیت کو کیا جان سکتے تھے۔

دعوئے حق کی تکذیب کرنے والون کا خدا سے عذاب کا طالب ہونا

(دیکھو میرا فکرِ وحی نمبر (۱۵) کے فقرہ (۳) صفحہ (۱۹۲) پر "آخرین منہم") اہلِ مکہ کے ایک پر وہیت خاندان کے ایک فرد یعنے محمد رسول اللہؐ کی زبان سے عذاب کے ڈراوے کو سن کر سربرآوردہ افرادِ خادمینِ کعبہ یعنے کعبہ کے مندر کے پجاریون سے کسی ایک نے (جیسا کہ بعض روایات مین ابی لہب اور بعض مین نذر بن حارث کہا گیا ہے) خانۂ کعبہ کے زینہ پر کھڑے ہو کر حالتِ اضطرار مین خانۂ کعبہ کا واسطہ دے کر رب کعبہ کو پکارا ہوگا کہ:۔ "اے رب کعبہ! اگر محمدؐ نبی و رسول ہین۔ اور فی الحقیقت جبریلؑ قرآن کو وحی کے ذریعہ ان پر نازل کر رہے ہین تو اس میرے انکارِ حق پر مثلِ ثمود کے مجھ پر عذاب نازل کر دے تاکہ میری تکذیب کا بدل مجھ کو مل جائے۔ اور دو سرون کے لیئے محمدؐ کے پیغامِ حق کا ثبوت ہو جائے"۔ یہ کوئی انوکھی بات نہین۔ آج بھی ہم کو نظر آتا ہے کہ جب کبھی کسی ضدی تقلیدِ جامد کے پرستار سے کہا جاتا ہے کہ:۔ "فلان کام نہ کرو۔ قرآن مین اس کی ممانعت صریح آئی ہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو"۔ تو کہنے والے کے مقابل جب ضدی لاجواب ہو جاتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ:۔ "اگر میرا عقیدہ یا عمل جھوٹا ہے تو اسی آن و لحظہ میرے انکار کی سزا مجھ کو خدا دے"۔ پس اسی طرح اس وقت بھی تقلیدِ جامد کے جذبے سے کسی کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے ہون گے۔ جس کا جواب یہ مل رہا ہے کہ:۔ "دیکھو! اے منکرینِ حق۔ قانونِ قدرت کے تحت اپنے وقت پر سب کچھ ہو کر رہے گا۔ محض تمہاری خواہش کی وجہ ہمارا قانون امہال بدلتا نہین۔ ہمارا قانونِ ارتقاء تو تم کو بلندیون کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور تم پستی کی طرف جانا چاہتے ہو۔ پس تمہارے لیئے ہمارا قانونِ امہال مقرر ہے۔ تم کو کچھ معلوم بھی ہے کہ قانونِ ارتقاء و قانونِ امہال کی مدت کیا ہوتی ہے؟ سنو! اس کا ایک دن تمہارے کرۂ زمین کے سالون کے لحاظ سے پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ جس مین کارکنانِ قضاء و قدر اپنے رب کے حکم کی تعمیل مین مصروفِ عمل ہوتے ہین۔ پس تم جس عذاب کے لیئے جلدی کر رہے ہو بجائے اس کے کاش تم بلندی کی طرف رجوع ہو جاتے اور فتح و کامرانی کی طلب کرتے تو انعاماتِ الٰہی سے سرفرازی ملتی۔ مگر تم تقلید کے پرستار بھلا ان باتون پر جو قرآن حکیم تم کو سنا رہا ہے کیون توجہ کرنے چلے"۔

ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہونے کا کرۂ زمین پر ثبوت

ایک دن قدرت کا پچاس ہزار سال کا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بات تو نزولِ وحی کے مخاطبین تصورات کی دنیا مین رہ کر نہ سمجھ رہے تھے۔ اور حیران تھے۔ اور آج بھی مفسرین کے تفاسیر اس پر رائے زنی کرتے ہوئے صفحات کے صفحات سیاہ کر رہے ہین لیکن اس بیسوین صدی نے اس بات کا مشاہدہ اس کرۂ زمین پر کرا دیا ہے کہ۔ اسی کرۂ زمین پر قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی مین (۳۶۵) دن کا (باقی بر صفحہ ۱۹۷)

منکرینِ حق کی طعنہ زنی اور شر و فساد کی چیرہ دستیوں کو برداشت کرتے چلے جاؤ۔ اور اس پر صبر و استقلال سے رہنا۔ دیکھنا جس دن کا وعدہ اِن منکرینِ حق سے وحیِ الٰہی کر رہی ہے۔ بلا شبہ اِن لوگوں کے حساب شمار کے لحاظ سے تو وہ بہت دُور دراز مدت معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن ہمارے اوقات کے شمار کے لحاظ سے وہ ایک دن کے اندر ہی اندر کی بات ہے ۵تا۷ اے مخاطبین! دیکھو تم تو اپنے باپ دادا سے سنتے ہی چلے آئے ہو کہ اس دن تو آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح نظر آئے گا۔ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی اون کی طرح ہوا میں منتشر ہو جائینگے ۸تا۹ یاد رکھو کہ اُس دن کوئی بھی ایک دوسرے کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ درآن حالیکہ سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود ہوں گے ۱۰ ف۲ دیکھو اچھی طرح سمجھ لو کہ روزِ قیامت انصاف کے دن ہر ملزم۔ گنہگار خاطی۔ جج یوم انصاف کے روبرو اس بات کی خواہش کرے گا کہ

(بقیہ صفحہ ۱۹۶) ایک دن درات ہوا کرتے ہیں۔ اور ماہرینِ فلکیات نے نظامِ شمسی میں پچاس پچاس ہزار سال کا ایک دن بھی دریافت کر لیا ہے۔ ماہرینِ طبقات الارض نے زمین کے سات طبقات کے لئے ہر طبقہ میں لاکھوں سال کا فرق بتلایا ہے۔ غور کیجئے ہمارے عقاید کو کہ کُن کے ساتھ ہی "فیکون" ہوگیا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ چھ روز میں کُن کا نتیجہ فیکون کی صورت میں کارکنانِ قضا و قدر نے تکمیل کیا۔ دیکھا آپ نے یہ خدا کو شعبدہ گر بنا کر پیش کرنے والے ہمارے راویانِ معتبر کے روایات کی حقیقت۔ اور ہمارے عقیدہ میں دوزخ میں جلنے والے خلفۃ الرشید آدم کی تحقیقات کے نتایج؟ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ کس طبقہ کی قدر فرمائیں گے؟ غور کا مقام ہے۔

ف۲ ۔ میرا فکر :۔ دیکھئے وحی نمبر (۱۴۲) میں جن وسوسہ اندازیوں کا ذکر کیا گیا تھا میرے فکر کی تائید اس

مکذبین پر عذاب نازل نہ ہونے سے مصدقین کے شکوک

وحی سے ہو رہی ہے کہ جب اس طرح منکرینِ وحی نے گڑگڑا کر ربِ کعبہ سے دعا کی ہوگی تو مصدقین نے دیکھا ہوگا کہ دعا کرنے والے کا بال بھی متاثر نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ فطرتِ انسانی کے تحت وسوسہ پیدا ہوگیا ہو کہ یہ ماجرا آخر کیا ہے! پس اس سلسلۂ کلام کے ذریعہ اُن تصوراتِ قیامت اور انتہائی عذاب دُنیا کی صورت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے لیکن سب سے پہلے رسولؐ اور مصدقین کو صبر و استقلال کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ کہیں تصدیقِ رسالت میں متزلزل نہ ہو جائیں۔

منکرینِ وحی کو بتلایا جا رہا ہے کہ "تم دیکھتے نہیں کہ جب آتش فشاں پہاڑ سے لاوا نکلتا ہے تو اُس کے شرارے آسمان کو تانبا بنا دیتے ہیں اور پھر مخلوق کی حالتِ سراسیمگی بھی تو تمہارے (باقی بر صفحہ ۱۹۸)

کسی طرح اسکے جُرم و گناہوں کے بدلے میں جو طلب کیا جائے تاوان دینے وہ تیار ہے۔
یہاں تک کہ اپنی اولاد۔ اپنے بھائی۔ اپنا خاندان۔ بلکہ تمام روئے زمین کے انسان۔
معہ ان کی دولت کے وہ تاوان دینے کو تیار ہے۔ لیکن یوم انصاف کے قاضی القضات
یعنے چیف جسٹس یوم حساب کے پاس کوئی بات اس وقت قابلِ قبول یا درخورِ التفات
نہ ہوگی۔ بجز اسکے کہ حکم سزا سُنا دیا جائے اور ملزم عذابِ سخت کے مقام پر پہنچا دیا جائے ۱۱ تا ۱۶ ف ۳

(بقیہ صفحہ ۱۹۷ پیش نظر ہے) رہتی ہے کہ باپ کو بیٹے کی اور ماں کو بچے کا ہوش نہیں رہتا۔ ہر ایک نفسی نفسی میں لگا رہتا ہے۔ اُس وقت تمہارے معبودانِ باطل اور شفیعانِ ظنی کہاں ہوتے ہیں۔ کون بچا سکتا ہے۔ سوائے ذاتِ واحد القہار و الجبار کے۔ یہ تو دُنیا کے آنکھوں دیکھی بات ہے۔ ذرا قیامت کا بھی تصور کر لینا۔ جو کچھ وہاں ہوگا وہ تمہارے تصورات سے خارج ہوگا۔

ف ۳۔ میرا فکر:۔ ان آیات میں انسان کے ظنی اور ذہنی عقاید کو چور چور کیا جا رہا ہے۔ اور بتلایا جا رہا ہے کہ انسان کس طرح بے سندی باتوں میں آن کر اپنے عقایدِ باطلہ میں غرق ہو جاتا ہے اور شفاعت کی اُمیدیں اپنے ذہنی اولیاء۔ انبیاء اور پیرون کو وہ یوم حشر اللہ کے پاس سفارش کر کے نجات دلوائیگی اُمیدیں اپنے ضمیر کی آواز کو ٹھکراتا ہے۔

قانونِ انصاف۔ دُنیا کی مثال۔ امریکہ کا واقعہ۔ اِس وحی کو سمجھنے کے لئے ذرا اس دُنیا کے بنائے ہوئے قوانین اور عدالتوں پر ایک گہری نظرڈالنا ضروری ہے۔ تاکہ "ملک یوم الدین" کا انصاف روزِ حشر کا کچھ سمجھ میں آجائے۔ دیکھئے! جب کسی عدالت میں کسی مجرم کے خلاف چالان پیش ہوتا ہے تو ملزم چاہے ولی عہد کیوں نہ ہو۔ اگر بعد تحقیقات جرم ثابت ہو جائے تو فیصلہ سزا کا صادر ہو جاتا ہے۔ اگر ملزم کی طرف سے اس کے ماں یا باپ یا اولاد یا بیوی اُس سزا کو اپنے پر لینا چاہے۔ یا کروڑ در کروڑ نقد روپیہ اس سزا مجوزہ کے تاوان میں دے کر سزا سے بری ہونا چاہے تو وہ عدالت یا اس سے مافوق عدالت اس کو بری نہیں کرتی۔ اور نہ ایسی درخواست پر کوئی ادنیٰ سی توجہ کسی جج کی مبذول ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء کا ایک تازہ واقعہ موجود ہے کہ امریکہ نے ایک سائنس دان کو جوہری بم کا راز فاش کرنے کی سزا میں بوجہ غداریٔ ملک موت کی سزا تجویز کی جس پر تمام کُرۂ زمین کے کونے کونے سے اس کی جان بخشی اور قیدِ عمر بھر سے سزائے موت کو بدلنے کے لئے صدرِ جمہوریہ امریکہ کے پاس ہزارہا تار اور عرضداشتیں بھیجی گئیں۔ مگر وہ سزائے موت نہیں بدلی گئی۔ وقتِ مقررہ پر اس کی سزا نافذ ہوگئی۔ جب دُنیا کی عدالتوں کا یہ حال ہے تو غور کا مقام ہے کہ وہ ججوں کا جج۔ وہ یوم حشر کا قاضی القضات۔ چیف جسٹسوں کا چیف جسٹس کس طرح تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ ذرا مقام غور ہے۔ پس ان آیات بینات کے خلاف جو لوگ اپنے ظنی و ذہنی بے سندی عقاید میں مگن ہیں اور ایصالِ ثواب۔ شفاعت۔ کفارہ وغیرہ کے بھروسہ اس دُنیا کی کھیتی میں جوار بو کر آخرت میں انگور اور سیب حاصل کرینگی (باقی بر صفحہ ۱۹۹)

اے حق اور صداقت کی آواز پر پیٹھ پھیر کر جانے والے انسان اور سرمایہ کے دھنی دیکھ اور سُن لے کہ تجھ کو وہ تپتی ہوئی آگ کا عذاب پکار رہا ہے جو تیرے دل و دماغ کو جلا کر خاک کر دینے والا ہے ع۱۷ و ۱۸ بے شک انسان کی فطرت بے صبر اور حریص ہے ع۱۹ دیکھو جب اُسکو کسی مصیبت مین مبتلا ہونا پڑتا ہے تو بے صبر بن جاتا ہے ع۲۰ اور جب بھلائی اس کا ساتھ دیتی ہے تو بدکرداری کی طرف راغب ہو جاتا ہے ع۲۱ باستثناء اُن انسانون کے جو مصلین ہین ع۲۲ اور اپنی صلاۃ پر جمے ہوئے ہین ع۲۳ اور جن کے مال مین مستحقین کا حق مقرر ہے ع۲۴ محتاج مسکین سائلون کا ع۲۵ ع اور یقین رکھتے ہین انصاف کے دن کا ع۲۶ پھر جو لوگ اپنے رب کے مواخذہ سے خایف ہین ع۲۷ بلا شبہ ان کے رب کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے ع۲۸ اور جو اپنی خواہشاتِ نفسانی پر قابو رکھتے ہین ع۲۹ مگر خواہشات کی تکمیل اپنی بیبیون اور لونڈیون سے پوری کر لیتے ہین جس کی کوئی پوچھ ان سے نہین ع۳۰ ہان اس کے سوائے جو دوسری عورتون پر نظر دوڑاتے اور زنا کاری کرتے ہین یہ گناہ ہے ع۳۱ اور جو اپنے قول و قرار امانت و دیانت کے پابند ہین ع۳۲ اور جو اپنی گواہی حق و صداقت کے لیئے بلا کم و کاست دیتے ہین ع۳۳ اور جو اپنی صلاۃ پر جمے ہوئے ہین ع۳۴ پس ان اوصاف کے انسانون ہی کے لئے عزت کے باغ اور آرام و آسائشین ان کے رب کے پاس موجود ہین ع۳۵ ف اور اے محمد! ذرا ان مدعیانِ ملتِ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو دیکھو کہ جو تمہارے اطراف جوق در جوق جمع ہو کر

(بقیہ صفحہ ۱۹۸) کہتا ہین ہین۔ غور کر لین کہ ان کا عقیدہ کس حد تک عقلِ سلیم کے لئے قابلِ قبول ہے۔ (اِس خصوص مین وحی نمبر (۲۹ صـــــ) مین بھی ایک تفصیلی فکر آپ کے غور و فکر کا محتاج ہے)۔ آیات ۱۷ و ۱۸ مین مکذبین کو مخاطب کیا جا کر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اس تکذیب کے نتایج کو اچھی طرح سوچ سمجھ لین۔

ف۔ میرا فکر:۔ (۱۹ سے ۳۵) آیات پر غور کیجیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی آواز پر لبیک کہنے والون کو اب مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اور اِن کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ انسان فطرتاً مصائب مین بے صبری اور خوش حالی مین بدمستی کا عادی ہے۔ یہ اس کی صحیح فکر نہین ہے۔ بلکہ صحیح فکر تو یہ ہے کہ اس کو ہر دو صورتون مین ایک مستقل مزاج انسان ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی حال اور مستقبل کو سنوار لے۔ دیکھو جو لوگ اللہ کی نافرمانیون کے (باقی بر صفحہ ۲۰۰)

دعوے کر رہے ہین کہ ہم فلاں رسول اور نبی کی اولاد سے اور ان کے متبع ہین۔ ہم ان کو مانتے ہین۔ پس یقیناً ہم نجات یافتہ اور مستحقِ جنت ہین کیونکہ ہمارے اسلاف سے ربِ کعبہ نے وعدۂ مغفرت کر لیا ہے۔ لہذا اس وعدہ کے لحاظ سے ہمارے پیشوایان ہم کو نجات دلا کر ہی رہین گے"۔ ان بے عقلون اور ظنی و ذہنی عقیدون اور غلط تصوراتِ بے سندی کے مدعیون سے کہدو کہ ضمیر فروشی۔ بدکرداری۔ بد دیانتی۔ جھوٹی گواہی۔ وعدہ خلافی کر کے عملِ صالح سے یکسر منحرف رہ کر یوم الصاف سے بے نیاز ہو کر پھر بھی انعاماتِ الٰہی کے مستحق ہونے کا تمہارا گھمنڈ لغو اور مہمل ہے! اللہ خوب جانتا ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۱۹۹) نتایج سے ڈرتے ہین۔ وہ اپنے باہمی اتحاد پر اور ادائی فرایض پر (یہان صلاۃ کے معنے فرایض کے

تمام مذاہب کے مومن کی تعریف

لے رہا ہون) جمے رہتے ہین۔ وہ فرایض کیا ہین؟ کہ ان کے سرمایہ اور دولت مین مستحق مانگنے والون اور بے سہارا انسانون کا حق ہوتا ہے۔ وہ انکی خبر گیری کرتے رہتے ہین۔ اور ان کی مالی مدد کرتے ہین۔ اور پھر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل مین وہ زنا کاری نہین کرتے۔ البتہ اپنی بیویون اور لونڈیون سے اپنے عیش کو پورا کر لیتے ہین (دیکھئے اس بات کو ذہن مین رکھئے کہ یہ مکی وحی ہے۔ امتِ محمدی کے لئے ابھی کوئی قانون نافذ نہین ہوا ہے۔ اہلِ مکہ جن باتون اور رشتون اور طریقون کو حلال اور جایز سمجھتے تھے وہی حلال طیب ہین۔ اسی لئے لونڈیون سے بلا نکاح کے مباشرت کا جواز بتلایا جا رہا ہے اور عقدِ نکاح کے بیویون کی تعداد کا کوئی تعین نہین ہے۔ اس کے متعلق احکام مدینہ مین ہجرت کے بعد نافذ ہوئے ہین۔ لہذا میرا فکر سورۂ المومنون اور سورۂ النساء مین قابلِ ملاحظہ ہے جہان پر میرے ذاتی فکرِ قرآنی نے لونڈی سے بلا نکاح مباشرت کی نفی کی ہے۔ سورۂ المومنون (۶۱ وین وحی ہے) اور اپنے قول و قرار کے پابند ہوتے ہین۔ امانت داری مین پکے۔ حق و صداقت کے سچے گواہ۔ بلا کسی رو رعایت کے ہوتے ہین۔ اس طرح اپنے ضمیر کی آواز پر ادائی فرایض (صلاۃ) پر جمے رہتے ہین۔ یہ سب محض اس لئے کرتے ہین کہ وہ اپنے رب یعنے اپنے آقا کے محاسبہ سے (جس دن انصاف کے لئے وہ قاضی القضاۃ ہوگا) ڈرتے ہین کہ کہین ان پر بہ حیثیت ایک غلام کے یعنے بہ حیثیت ایک بندہ ہونے کے ادائیِ فرایض مین کوتاہی کی وجہ وہ ملزم قرار نہ پائین۔ پس ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت مین مستحقِ جنت ہین۔ دیکھئے وحیِ اول مین مین نے صلاۃ کے متعلق اپنا فکر پیش کیا ہے۔ یہان پر متبعین محمدِ عربی صلعم ہی مخصوص نہین ہین بلکہ ہر قوم۔ خصوصاً مکہ کے اہلِ عرب مین صالحین کون ہین اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔ ان صالحین مین موسوی۔ عیسوی۔ ابراہیمی۔ مجوسی۔ ہندی وغیرہ سب ملتین شامل ہین۔ اور ہر ایک ملت مین جن افراد مین یہ خوبیان ہون ان کو مستحقِ جنت بتلایا جا رہا ہے۔ مگر ہمارے مفسر صلاۃ اور ان متذکرہ امور کی تکمیل کرنے والا سوائے مسلمان امتِ محمدی کے کسی اور کو نہین سمجھتے۔ اس کا کوئی علاج ہی نہین ہے۔ ذرا غور نہین کیا جاتا کہ ابھی امتِ محمدی کے لئے کوئی قانون ہی نہین بنا اور نہ کوئی دستور۔ ابھی تو ابتدائی دور افراد کے کردار سازی کا ہے۔ اس دور مین امتِ محمدی کے لئے نماز کی فرضیت کا بھی کوئی سوال ہی نہین ہے۔ تو پھر مفسرین کی تفسیر مین صلاۃ کے لفظِ قرآنی کو ہر جگہ نماز نماز کی رٹ میرے فکر و فہم سے بالاتر ہے۔

صلاۃ۔ نماز بمعنے تنظیم | غریب القرآن مین صلاۃ کا مفہوم و محاورہ حسب ذیل ہے جو (باقی بر صفحہ ۲۰۱)

تمہارے اعمال کا کیا حال ہے ۳۶ تا ۳۷ ف۵ قسم ہے رب المشرقین والمغربین کی۔ کہ اللہ اپنے نااہل بندوں کو صالح بندوں سے مغلوب کر دینے پر قادر ہے۔ پھر کون ہے جو اللہ کے قابو سے نکل جائے ۴۰ و ۴۱ ف۶

(بقیہ صفحہ ۲۰۰) میں قرآنِ حکیم ہی کے محاوروں کے لحاظ سے ہے :۔ صلا۔ فرض۔ فرضِ منصبی۔ دین۔ ایمان۔ دعا۔ رحمت۔ برکت۔ صف بندی تنظیم۔ نمازِ جماعت۔ یہود کی عبادت گاہ۔
دیکھئے ابتدائے صالحین کی تعریف صلاۃ سے آغاز ہوئی اور ختم بھی صلاۃ ہی پر جس کے معنے صاف یہ ہیں کہ قرآنِ حکیم نے تسبیح۔ صلاۃ اور ذکر کے الفاظ زیادہ تر تنظیم اور ادائے فرائضِ منصبی کے لئے ہیں۔

ف۵۔ میرا فکر :۔ آیات ۳۶ تا ۳۹ پر میرا فکر یہ ہے کہ جب (۱۹ تا ۳۵) آیات نازل ہوئے تو اہلِ مکہ جوق در جوق محمدِ عربی صلعم کے پاس آن کر ہر ایک اپنی ملت اور اپنے نبی کی پیروی کا مدعی ہونے لگا اور کہنے لگا کہ دیکھئے ہم صحایف ابراہیم کے پیرو بلکہ ان کی اولاد ہی سے ہیں۔ ہم بھی اسحاق اور یعقوب سے اور ان کی امت ہی میں ہیں اور اسی طور طریق پر چل رہے ہیں تو یقیناً ہمارے انبیاء سے کئے ہوئے وعدہ پر ہم مستحقِ جنت ہیں۔ آپ اس کی تصدیق کیجئے"۔ اس قسم کے ادعا کا جواب وحیِ الٰہی دے رہی ہے کہ یہ سب کچھ تو سچ ہے لیکن ذرا اگریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو کہ تمہارے اعمال اور کردار کا کیا حال ہے۔ وہ کونسی صفت ہے جو صالحین کے اوصاف میں وحیِ اول الذکر میں بتلائی گئی ہے اور وہ تم میں موجود ہے۔ تم صلاۃ کو کعبہ کے طواف اور چند الفاظ کو بڑبڑانے کی حد تک سمجھ رہے ہو۔ وحیِ الٰہی جس صلاۃ کا ذکر کر رہی ہے وہ تمہاری بے روح صلاۃ نہیں ہے بلکہ وہ روحِ صلاۃ ہے یعنے ادائے فرائضِ منصبی جس کو سمجھ کر اور جس پر قایم رہ کر صالحین اپنے کردار کو سنوار لیتے ہیں۔ جو فرائض ہی کو نہیں جانتا وہ کیا خاک فرمانبرداری کرے گا۔ بس یہ جو کچھ تم کر رہے ہو بے حقیقت طور طریق ہیں جو تمہارے باپ داداؤں نے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں۔ اگر تم حقیقی صلاۃ یعنے فرائضِ منصبی کا دھیان کرو گے تو تم میں خود بخود صالحین کے اوصاف ظاہر ہونے لگیں گے۔ دیکھو تمہارے دلوں کی بات اور تمہاری نیتوں کو جاننے والا اللہ ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز۔ کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ محض تمہارا گھمنڈ اولادِ انبیاء و مرسلین کی نسل سے ہونا۔ یا اس ملت میں پیدا ہونا۔ یا اس ملت کے ساتھ اپنے کو منسلک کر لینا۔ اور اپنے کو نجات یافتہ امت قرار دے لینا۔ یہ لغو اور مہمل بات ہے۔ "یوم الدین" یعنے انصاف کے دن میزانِ اعمال ہوگا کہ کوئی پیمانہ معتقدات اور نہ حسب و نسب کا اس دن کوئی وزن ہوگا اور نہ شمار و قطار۔ ہر نفس اپنا آپ جوابدہ ہوگا۔ نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ شفاعت اور کفارہ۔ نہ تاوان قبول ہوگا اور نہ ایک دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا۔ پس اچھی طرح سمجھ لو کہ جس نے جو کچھ اس دنیا کی زندگی میں اچھا یا برا عمل کیا وہی اس کو مستقبل میں یعنے آخرت میں موجود پائے گا۔ لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ جنت میں داخل ہو تو چھوڑ دو اپنے باپ داداؤں کی تقلید کو اور آزادئ فکر حاصل کر کے ادائے فرائضِ منصبی کی طرف لگ جاؤ۔

فرقِ اولادِ انبیاء و مرسلین ہونا قابلِ احترام نہیں

ف۶۔ میرا فکر :۔ مشرق کہتے ہیں جدھر سے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور مغرب ڈوبنے کے مقام کو۔ چونکہ آفتاب گردشِ زمین کی وجہ ہر سال دو مقامات کو (باقی بر صفحہ ۲۰۲)

رب المشرقین و رب المغربین

اے محمد! ان باتونی اور گھمنڈ کرنے والے باپ دادا کے رسم و رواج کے پیرو۔ تقلیدِ جامد کے بندون کی بکواس کو نظر انداز کر دے۔ اور اپنا کام کئے جا۔ یہ بہت جلد اس دن کو دیکھ لین گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ۴۲ یقین جان کہ اس دن یہ اپنی قبرون سے اس طرح نکل پڑین گے جیسے بدحواسی مین انسان نشان پر بے تحاشہ دوڑتے ہین ۴۳ اور اس وقت انتہائی خجالت اور ذلّت و خواری کی وجہ ان کی آنکھین زمین مین دھنسی جا رہی ہونگی اور اس وقت وہ سمجھ لین گے کہ یہ تو وہی وعدہ کا دن ہے ۴۴ ف ع

(بقیہ صفحہ ۲۰۱) بدلتا رہتا ہے۔ یعنے شمال مشرق اور جنوب مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اور اس کے خلاف شمال مغرب اور جنوب مغرب مین ڈوب جاتا ہے۔ اہلِ عرب کا اسی لئے مشرقین و مغربین محاورہ تھا۔ اور ہر قوم اپنے لئے علیٰحدہ ایک مخصوص رب مانتی تھی۔ تو۔ رب العٰلمین کی نشان کو ظاہر کرتے ہوئے یہ اس قدر عظیم الشان قسم بر بیان رسالت

حسب و نسب کا گھمنڈ غلط ہے

جاری ہو رہی ہے اور بتلایا جا رہا ہے کہ مخاطبین کو جو گھمنڈ ہے بلحاظ حسب نسب حصولِ جنت۔ کا۔ یا تمام اقوام عالم پر اپنی برگزیدگی و منتخبہ خدا کی مخلوق ہونے کا وہ غلط اور سراسر غلط و بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس با عزت وہی قوم و ملت اقراد یا فرد ہے اعمالِ صالح سے اپنے نفس کو سنوار لیا۔ اور اللہ کے احکام کی نافرمانیون کے نتایج سے ڈرتا رہا۔ یوم حساب کے محاسبہ کا اس کو ہر دم خیال پیش نظر رہا۔ پس یہ سنت اللہ ہے کہ غیر صالح قوم سے خلافت زمین یعنے اقتدار عزت عظمت۔ دولت سب کچھ چھین کر صالح قوم کو مسلط کر دے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے اس لئے وہ اس بات پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے۔ وہ تمہاری جھوٹی آرزوؤن کی پرواہ نہین کرتا۔ اس کی سنت نہین بدلتی۔ جیسا کہ ابھی ابھی تم کو ایک زبردست قوم ثمود کے فنا کر دینے مین ذرا بھی اللہ تعالیٰ کو تامل نہ ہونے کا ثبوت دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا جب تباہی کا حکم صادر ہو جاتا ہے تو پھر کوئی مفر بچنے یا بچ نکلنے کا نہین۔ لہٰذا اپنی نسلی و نسبی بڑائی کا گھمنڈ چھوڑ دو۔ اور عملِ صالح کی طرف حق کی آواز پر لبیک کہنے لگو۔

کیا اُمتِ محمدی اِن آیاتِ بیّنات کی روشنی مین اپنے عقاید کا جائزہ لینے تیار ہے؟

ف۔ میرا فکر:۔ (۴۲) وین آیت مین بلحاظ حسب و نسب اہلِ قریشؓ اپنی برگزیدگی اور اولادِ نسلِ ابراہیمی کے

آبائی دین کا گھمنڈ

ثبوت مین تائیدِ رب کعبہ کا واقعہ اصحاب فیل پیش کیا ہو گا کہ اگر ہم غلط راہ پر ہوتے تو پھر اللہ کیون ہماری مدد فرماتا۔ بلکہ اصحابِ فیل کے ذریعہ ہم کو تباہ کر دیتا۔ لہٰذا یہ کبھی نہین ہو سکتا کہ ہمارے طور طریق عبادت سے اللہ ناخوش ہو۔ اور کوئی نیا دین ہم کو اپنے باپ دادا سے ہٹ کر قبول کرنا نہین ہے۔ اس پر یہ وحی نازل ہو رہی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے گھمنڈ کا نتیجہ عنقریب دیکھ لین گے۔ تم کو تو صرف ہمارا پیغام قوم کو پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ان کے خرافات کی پرواہ کئے بغیر پیام حق پہنچاتے رہو۔ (وہ یہ مغرور دیکھ لین گے جب ہمارا حکم جاری ہو گا تو یہ اپنی قبرون سے ذلت و نامرادی کی (باقی بر صفحہ ۲۰۳)

(بقیہ صفحہ ۲۰۲) حالت میں نکل پڑیں گے۔ اور چیخ اُٹھیں گے کہ ہائے یہ تو وہی وعدہ کا دن ہمارے سامنے آگیا۔ یہ تو آخرت کی خبر اس وحی میں ہے۔ لیکن ذرا غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوگا فتح مکہ کے وقت یہ وعدہ کا دن اہلِ مکہ کیلئے اِس وحیِ الٰہی کے مطابق من و عن ظاہر ہو گیا تھا۔ ذرا بھی اِس میں فرق نہ تھا۔ اگر اہلِ حیدر آباد خصوصاً عثمان آباد اور بیدر وغیرہ اضلاع کے صاحبانِ فکر پولیس ایکشن کے موقع پر مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیں اور یاد کریں تو معلوم ہوگا کہ کس طرح ذِلت۔ جہالت اور بے سروسامانی میں وہ گھروں سے نکلے۔ اور جو مارے گئے تو وہ آخرت میں حساب و کتاب دیں گے۔ لیکن جو زندہ رہے ان کا کیا حشر ہوا۔ بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی ہر آیت ہمارے لئے آئینہ ہے۔ اِسی دُنیا میں۔ بشرطیکہ فکر و غور کیا جائے۔ آخرت کے متعلق تو جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہمارے فکر۔ قیاس و گمان میں سمو بھی نہیں سکتا۔

روحانی ہستیوں کی بے بسی پولیس ایکشن حیدر آباد کے موقع پر

ایک بات اپنے ذہن میں رکھئے کہ عثمان آباد۔ بیدر۔ بیڑ وغیرہ میں جو قتلِ عام بزمانۂ پولیس ایکشن ہوا ہے اس کی داستان عبرت کے لئے کئی ہزار صفحوں کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ روحانی ہستیاں جن کو مسلمان رات دن پکارتے تھے آخر ان کا تصرف ان معصوم بچوں۔ عفت مآب خواتین اور مظلوم و بے گناہ مسلمانوں کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوا؟ نہ حضرت علیؓ کی ولایت کام آئی اور نہ پیرانِ پیرؒ و خواجۂ اجمیریؒ نے کوئی مدد کی۔ یہاں تک کہ رسولِ عربی صلعم کو پکارنے والے اور خالص اللہ کے آگے گڑگڑانے والے بھی اس وقت دردناک عذاب سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ آخر یہ کیوں ہوا۔ یہ محض اس لئے کہ قانونِ امہال کی مدت ختم ہو چکی تھی اور عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا۔ کارکنانِ قضاء و قدر تعمیلِ حکم میں مصروف تھے۔ اس وقت یہ سب ظنّی و وہمی خود ساختہ دیرینہ داختہ شفیعان اپنے پرستاروں سے بے خبر تھے۔ کیونکہ وہ مُردہ تھے۔ ان کے اختیار میں اتنا بھی نہ تھا کہ اپنی قبروں کی بے حرمتی پر جلال میں آجائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی پکار اس لئے نہیں سُنی کہ دروازہ توبہ بند ہو چکا تھا۔ کیونکہ عذاب کا فرمانِ قضا شیم نافذ ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جانا سُنت اللہ ہے۔ بہر حال قرآن کے ہر وعید اور اس کی ہر بشارت کو مسلمانانِ حیدر آباد اپنے پولیس ایکشن کے آئینہ ہی میں دیکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ چشمِ بصیرت کو کھول کر دیکھیں اور اس کے بعد وہ آخرت اور اپنے مستقبل کا اندازہ کرتے ہوئے (اہلِ ملہ مخاطبین پر محمد عربی صلعم کی بشارت و نذارت کی پیش گوئیاں (وحیِ الٰہی یعنے قرآن حکیم) کس طرح لفظاً لفظاً صادق) آئیں معلوم کر سکتے ہیں چشمِ بصیرت بمقابلہ ظاہر بصارت جو تقلیدِ جامد کی تاریکی میں کھلی ہو کس قدر بلند ہوتی ہے وحی نمبر (۱۸) سے معلوم کیجئے۔

نام سورہ **عبس** تعدادِ آیات (۴۲) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۸۰) پارہ (۳۰)
شمارۂ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۸) زمانۂ نزول دورِ دوم سنہ بعثت ۵ تا ۱۱
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	جابر بن زید تابعی	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۲۳	۲۳	۲۳	۲۳	۲۶	۱۷	۲۴	۲۴	۲۲	۲۱	۲۴

توضیحات

شمار الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و تربیت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	محمد عربی صلعم اور اہلِ قریش و تیز عام انسانیت		۱۔ آنکھوں والے بے بصیرت کے مقابل نابینا صاحب بصیرت بہتر ہوتا ہے۔	۱ط	۱۔ امّی کس کو کہتے ہیں۔	۲ط
			۲۔ قرآنی تعلیم پستی کو بلند کرتی ہے۔	〃	۲۔ قرآن کے مقدس لکھنے والے کون ہیں۔	〃
			۳۔ ہر نبی کے معتقد قبیلے علم ہوتے ہیں بکہ عالم۔	〃	۳۔ قتل الانسان کا محاورہ۔	۳ط
			۴۔ لیڈر اور مصلح قوم کی آواز پر عوام لبیک کہتے ہیں تقدمی جی کی ایک مثال۔	〃	۴۔ مساوات اونچ و نیچ اپنی روزانہ غذا ہی پر غور و فکر سے قدرت کا اندازہ کرنیکا	〃
			۵۔ قرآن میں ہر زمانے کے لئے لچک موجود ہے۔	〃	۵۔ قانونِ زراعت۔	
					۶۔ حشرِ اول و حشرِ آخر۔	
					۷۔ ایک لقمہ پر غور و فکر قدرت کی عظمت کے معلوم کرنیکے لئے بہت ہے۔	

بِاسْمِ مَالِكِ الْقُدُّوسِ

کیا وجہ ہے اے محمد! تو نے تیور چڑھائے اور ناگواری سے بے رُخی برتی۔ کہ تیرے پاس ایک
اندھا حاضر ہوا ع۱ و ۲ اے محمد! تیرے کو کیا خبر کہ وہ اندھا ہی تیری نصیحت کو قبول کرتا۔ یا
تیری نصیحت پر غور کرتا تو وہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ع۳ و ۴ برخلاف اس کے جو تیرے مخاطب

سراسر تیری نصیحتون سے تقلیدِ جامد کی وجہ لاپروا ہین ۔ تو تو انھین کی اصلاح کی فکر مین لگا ہوا ہے ع۵ و ۶ درآن حالیکہ تو جانتا ہے کہ جو تیری باتون کو سُنکر اپنے نفس کو نہ سنوارے تو تیرے پر کوئی ذمہ داری نہین ع۷ اور جو تیرے پاس طلبِ حق مین دوڑتا دوڑتا چلا آرہا ہے۔ اور اسکے دل مین خوفِ خدا بھی ہے۔ تو تو اُس طالبِ صدق سے لاپروا ہو رہا ہے ع۸ تا ۱۰ ف۱ ۔

ف۱ ۔ میرا فسکر ۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلعم اہلِ مکہ کے سربرآوردہ سمجھ دار افراد سے تبلیغ قرآنی و اسلام کے

آنکھون والے بے بصیرت کے مقابل اندھا با بصیرت بہتر ہوتا ہے ۔

سلسلہ مین گفتگو فرمارہے تھے اس مجلس مین ایک نابینا ابنِ اُمِ مکتوم آگئے اور آنحضرت صلعم سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے سوال کیا۔ ایسے وقت مین جب کہ آپ اہلِ مکہ خصوصاً اہلِ قریش کے سردارون سے گفتگو فرمارہے تھے تو ایک غریب نابینا کا دخل درمعقول ہونا آپؐ کو بارِ خاطر گزرا۔ اس پر وحیِ الٰہی رسالت کو متنبہ کرتے نازل ہو رہی ہے. اور کہا جارہا ہے کہ وحیِ دوم مین سائل سے ترش رو ہونے کی تم کو ممانعت کی گئی تھی تو کیا اس کو بھول رہے ہو۔ یہ اندھا تو چشمِ بصیرت کا سائل ہو کر تمہارے پاس آیا ہے۔ اس کو تم نظر انداز کر رہے ہو۔ اور ان سردارانِ قریش اندھے مقلدین سرمایہ اور اپنے بلند مرتبت کے نشہ مین چور لوگون کو سمجھانے مر کھپا رہے ہو۔ ذرا تو غور کرو کہ جو تلاشِ حق مین سرگردان ہو اس کو راہِ حق کی راہ نمائی کس قدر جلد سے جلد تر اس کو منزلِ مقصود کی طرف پہنچائے گی۔ اور زبردستی کھینچ تان کر راہِ حق پر ڈالنے کی کوشش کس قدر بے نتیجہ ثابت ہو گی ۔ یاد رکھو اے محمدؐ یہ سُنت اللہ ہے کہ حق کی آواز پر لبیک کہنے والے یہ مغرور و متکبر سرمایہ دار اور مذہب پرستی کے اجارہ دار نہین ہوا کرتے بلکہ ایسے ہی غریب و بدحال منکسر المزاج قلوب نصیحت قبول کرنے والے ہوتے ہین ۔ پس تم کو آیندہ ادائی فرائض مین اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری اُمت کی تعداد کیا ہے اور کتنے علماء و سرمایہ داروں کو تم نے اپنا پیرو بنایا۔ بلکہ تم سے صرف پوچھا جائے گا کہ پیامِ حق کے پہنچانے اور ہر طالبِ راہِ حق کو غلامئ فکر و تقلیدِ جامد سے آزادی حاصل کر لینے کے لئے اس کے عقل و فکر کی حد تک تفہیم کے فرائض کس حد تک ادا کئے گئے ۔

قرآن کی تعلیم پست کو بلند کرنیکی ہے

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ اس وحی مین یہ اصولِ ارتقاء بتلایا جارہا ہے کہ کس طرح پست کو بلند کیا جا سکتا ہے ۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بمقابلہ علم والون کے بے علم ۔ اور بمقابلہ سرمایہ دارون کے مفلس اور بمقابلہ بلند درجات والون کے کم درجہ کے لوگ نصیحت کو جلد سے جلد قبول کر لیتے ہین ۔ ان کے دلون کی تڑپ اُن کو مستقبل کی امیدون یعنے غیب کی باتون کی طرف بلا کھٹکے راغب کر دیتی ہے.

ہر نبی کے مصدق بے علم ہوتے ہین نہ کہ عالم

وہ مثل علماء و مشائخ ۔ احبار ۔ رہبان ۔ فلسفی منطقی ۔ پنڈت ۔ پادری ۔ مولوی کے چنان چنین مین نہین پڑتے ۔ اسی وجہ قرآنِ حکیم نے تاریخِ انبیاء و اُمم سابقہ مین حق و صداقت کی آواز پر لبیک کہنے والون کی وضاحت کر دی ہے اور چنان چنین کرنیوالون کا اعتراض بھی بتلا دیا ہے کہ ہر رسول اور نبی سے یہی کہا گیا کہ تمہارے پیرو کوئی صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ سرمایہ و غرور و تکبر والے نہین ہین بلکہ پست درجہ ہی کے لوگ ہین ۔

گاندھی جی کی تحریک کی مثال

غور کیجئے کہ جب لیڈر و مصلحانِ قوم کی آواز پر عوام لبیک کہتے ہین ۔ (باقی بر صفحہ ۲۰۶)

ہاں۔ یہ تو ایک تذکرہ ہے۔ یعنے یاد دہانی نصیحت ہے ع۱۱ پس جو کوئی چاہے اس سے نصیحت
حاصل کرے ع۱۲ یہ نصائح تو باعظمت و احترام مقدسوں ہی کے ہیں ع۱۳ جو ستھرے اور
بلند مقام پر رکھے جاتے ہیں ع۱۴ اور وہ تو بڑے ہی مقدس اور باحرمت و عظمت ہاتھوں سے ہی

(بقیہ صفحۂ ۲۰۵) کسی تحریک سیاسی کا ظہور ہوتا ہے تو لیڈر کا ساتھ کون دیتا ہے؟ ۔ لینن ۔ گاندھی جی اور
جناح ہی کو دیکھ لیجیے کہ ابتداء میں ان لیڈروں کا ساتھ گرایجویٹوں نے دیا ۔ یا لکھے پڑھے اور کم لکھے پڑھوں نے؟
یہ لکھے پڑھے معترضین چنان چنین میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ اس تحریک میں جوق درجوق
قوم داخل ہو رہی ہے اور تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے تو یہ نام و نمود کا خود غرض ہوشیار طبقہ فتح و نصرت کا
نقارچی بن جاتا ہے اور اس میں شریک ہو جاتا ہے ۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک عمارت کی تعمیر میں اس کی
بنیاد گنڈوں یعنے ناتراشیدہ پتھروں ہی سے بھر کر مضبوط کی جاتی ہے ۔ اس بنیاد کی بھروائی میں محنت و مشقت
زیادہ لیکن معاوضہ بہت ہی کم ملتا ہے ۔ جب بنیاد تیار ہو چکتی ہے اور مستحکم ہو جاتی ہے تو تراشیدہ پتھروں اور
اچھے مستریوں کی ضرورت پڑتی ہے جن کی مزدوری بمقابلہ اول الذکر کے دوگنی تگنی ہوتی ہے ۔ اور جب عمارت
کھڑی ہو جاتی ہے تو نقش و نگار کرنے والے مستری کو اول الذکر سے دوگنی مزدوری دی جاتی ہے اور اس کا
کام اس قدر دقت طلب ہوتا ہے کہ ایک فٹ کے لیے اس کو دو چار دن لگ جاتے ہیں ۔ پس یہی حال امتوں اور
قوموں کی تعمیر کا ہے ۔ لیکن جو تجربہ کار اور اعلیٰ انجینیر ہے اس کی نظریں تو بنیاد ہی کے استحکام کی طرف لگی
رہتی ہیں ۔ وہ اُن بنیادی پتھروں ہی کی تعریف کرتا ہے جس پر عمارت کا استحکام ہے ۔

قرآن میں عصر حاضر کے مطابقت کی جھلک ۔

پس ان آیات میں رسول عربی صلعم کو بطور خاص مخاطب کیا جا کر اپنی قوم کو پستی سے
بلند کرنے کے اصول ارتقاء بتلائے جا رہے ہیں ۔ قرآن حکیم کے بعض آیات بلاشبہ
ذات محمدی صلعم کے انتباہ کے لیے مختص ہیں ۔ لیکن اس سے استفادہ حاصل کرنا
حاملین قرآن کے لیے لازمی ہے کیونکہ سالم قرآن جن حالات حاضرہ کی اصلاح کے لیے نازل ہوا جب اور جہاں
اُن حالات کا ظہور ہوگا تو وہ اُسی طرح اپنے میں جھلک اصلاح کی رکھتا ہے ۔ کیونکہ ہر کتاب حکمت وہی کہلا سکتی ہے کہ
جس میں مبادیات کے اصول بتلائے گئے ہوں جو ہر زمانے میں اُس کے نظریات باعث استفادہ ہوں ۔ مثلاً
ابوعلی سینا جو نظریات صفراوی بخار کے لیے قائم کیا تھا اور اس کے لیے جو نسخہ تجویز ہوا تھا جب کبھی اور جہاں کہیں
صفراوی بخار ظاہر ہوگا تو اس کا علاج بھی اُسی اصول کے پیش نظر ہوگا ۔ اگر تشخیص غلط ہو یا علاج میں غلطی ہو تو
کوئی فایدہ نہ ہوگا ۔ پس یہی حال قرآن حکیم کا ہے ۔ لیکن ہمارے حکمائے روحانی نہ تو امراض روحانی کی صحیح تشخیص
کر سکتے ہیں اور نہ اشیاء و ترتیب کی ماہیت اور اس کے اثرات کا فہم رکھتے ہیں ۔ صرف امراض کا نام لیتے ہیں
اور نسخہ کے الفاظ کا ورد کرتے ہیں ۔ اور سمجھتے و سمجھاتے ہیں کہ اسی طرح اور اسی طریقہ سے امراض لاحقہ قوم و
ملت دور ہو جائیں گے اور صحت حاصل ہو جائے گی ۔ وہ قطعاً حالات زمانہ سے متاثر ہونا نہیں چاہتے بلکہ
زمانۂ ماضی ہی کی پرستش مقصد تخلیق انسانی پر ایمان کامل رکھتے ہیں ۔ عوام الناس کا حال یہ ہے کہ یہ قول اقبال سہ
ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق ۔ ۔ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

(باقی بر صفحۂ ۲۰۷)

لکھے جاتے ہین ۱۵ و ۱۶ ہائے تباہی انسان کی! کیسا ناسمجھ ہے؟ ۱۷ غور نہین کرتا کہ کس چیز سے اللہ نے اس کو بنایا ۱۸ ایک قطرۂ منی ہی سے تو وہ بنا! اور پھر اس کی ایک مقدار پر نشو ونما کی ۱۹ پھر اس کے لئے راستے زندگی کے مہیا کر دئیے ۲۰ یہان تک کہ وہ مر کر قبر مین دفن ہو جاتا ہے ۲۱

(بقیہ صفحہ ۲۰۶) یاد رکھو کہ دشمن علم اور وہ بھی جامد تقلید مین محدود و محصور - جہان فکر کی نفی ہی نفی ہو علم نہین بلکہ جہلِ اکبر ہے۔ اور ایک فکری بحر علم اور دشمن فکر و فہم جو آزاد فضا مین ہو دراصل کتابِ علم و حکمت کا بے انتہا خزانہ ہے۔

ف ۲ - میرا فکر:- اس وحی کا مفہوم معلوم کرنے سے پہلے ذرا پس منظرِ نزولِ وحی کو ذہن نشین کر لو اہلِ عرب کے محاورہ مین

اُمی کس کو کہتے تھے

"اُمی" غیر اہلِ کتاب کو کہتے تھے۔ کتاب کے عربی معنے ہین قانونِ الٰہی۔ حکمِ الٰہی جو کسی رسول کے ذریعہ اس کی قوم کو متمدن بنا کر اس کی معاشرت کی اصلاح کے لئے منجانب اللہ بصورت دستورِ دنیوی دیا جاتا ہے تاکہ دُنیا کی زندگی کو وہ سنوار کر آخرت یعنے مستقبل کو روشن بنالے۔ ہمارے محاورہ مین "اُمی" غیر مہذب۔ اور ناشائستہ قوم یا جماعت کے معنیٰ ہے۔ اور اہلِ کتاب شائستہ مہذب قوم یا جماعت کے معنے امین جیسے ہندوستان مین نیچ جماعت اور قوم کو شودر کہتے ہین اور یورپ والے غیر مہذب اقوام کو "نیٹیو" یعنے کالے لوگ کہتے ہین۔ دیکھئے ہر مذہب کی مقدس کتاب کی عظمت اُس کے پیرو تو کرتے ہی ہین لیکن غیر مہذب و ناشائستہ اور پست طبقہ صاحبِ علم سے زیادہ اس کی عظمت و احترام کرتا ہے۔ وہ اپنی پست ذہنیت کی وجہ اس کو چھونا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میری ایسی ناپاکی و ذلالت کی وجہ مجھ کو حق نہین کہ مین اس مقدس کو ہاتھ لگاؤن۔ اگر ہاتھ لگاؤن گا تو مہاپاپ ہوگا۔ وہ نہین جانتے کہ اس مقدس مین کیا لکھا ہے! البتہ اتنا جانتے ہین کہ اس کو مقدس ہستیان ہی لکھ پڑھ سکتے ہین۔ چنانچہ ہندو شاستر نے ویدون کا سُننا بھی شودرون کیلئے مجرم قرار دیا۔ اور بصورت خلاف ورزی سُننے والے کی سزا اس کے کانون مین سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کو کہا۔ یہ کیون؟ اس لئے کہ اگر وہ ویدون کی تعلیم سے آگاہ ہو جائین گے تو پھر پیشوایانِ مذہب پر وہ غالب ہو جائینگے۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ مسٹر امبیڈکر آنجہانی ہندوستان کے بلند و بالا شاستری بن گئے — پس اس وحی کے نزول کے وقت اہلِ عرب کا بالکل ایسا ہی حال تھا۔ یہود اور نصاریٰ دونون صاحبِ کتاب تھے مجوسیون کے پاس بھی ژند اوستا موجود تھی۔ ان مقدس کتابون کے نامون سے تو وہ ضرور واقف ہون گے۔ مگر یہ نہین جانتے تھے کہ اُس مین کیا لکھا ہے۔ کوئی صاحبِ کتاب ان کو اپنی مقدس کتاب کے چند جملے سُنا دیتا۔ اور وہ اس کو تبرکاً سُنکر ایک کیفِ روحانی حاصل کر لیتے۔ اور بس۔۔

لہٰذا اس وحی کے ذریعہ اہلِ مکہ و نیز تمام اُمیون کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ "دیکھو محمدِ عربی کے ذریعہ

کِرامٍ بَرَرَۃ قرآن کو لکھنے والے کون؟

تم کو تذکرہ یعنے اُن قوانینِ الٰہی کی یاد دہی بزبانِ عربی کی جا رہی ہے جو نہ صرف صحفِ موسیٰ اور عیسیٰ اور زرتشت یا ویدون مین مذکور ہے۔ بلکہ صحائفِ نوح اور ابراہیم کے بہت قدیم مقدسون مین بھی جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے تم کو تمہاری مادری زبان عربی مین آگاہ کر دیا جائے گا۔ ان سب مقدسون مین انسانون کے لئے (باقی بر صفحہ ۲۰۸)

پھر اللہ جب چاہا اس کو پھر پیدا کر دیا ع۲۲ ہائے بدنصیبی انسان کی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کرتا ع۲۳ ذرا انسان اپنی غذا پر ہی غور کرے! ع۲۴ کہ قدرت نے غذا کی ہر چیز کو بارش ہی کا تو محتاج رکھا ہے ع۲۵ ذرا وہ غور کرے کہ معمولی دانہ کس طرح بارش کے بعد زمین کو پھاڑتا ہوا باہر نکل آتا ہے ع۲۶ پھر اس پودے میں قدرت نے اناج کی بالیاں پیدا کر دیں ع۲۷ اور انگور۔ اور ترکاری ع۲۸ زیتون اور کھجور ع۲۹ اور کہیں گھنے باغ ع۳۰ میوہ اور گھانس کے ع۳۱ جو انسان اور جانوروں کے لئے غذا ہے ع۳۲ اے مخاطب! ذرا تو سوچ کہ جب وہ ساعت آجائے جس کی آواز سے کان بہرے ہو جائیں ع۳۳ اور جس دن بھائی

(بقیہ صفحہ ۲۰۷) درسِ نصیحت ہے۔ اس کے سوائے کوئی راز یا طلسم یا ناقابلِ عمل و ناقابلِ فہم و ادراک بات نہیں ہے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ تمام مقدس کتابیں جو وحیِ الٰہی ہیں ان کو پاک نیت۔ پاکباز۔ پاک دل۔ پاکیزہ بزرگ انسان لکھ کر ان کو باعظمت بلند مقام پر رکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں جس کی وجہ نہ صرف مقدس کو ماننے والے بلکہ دوسرے بھی اس کا احترام اپنے پر فرض سمجھتے ہیں۔ پس ان مقدس اوراق میں جو کچھ لکھا ہوا ہے محمدِ عربی کی زبان سے بذریعۂ وحی تم کو سنایا جا رہا ہے اور سنایا جائے گا۔ اب تم کو اختیار ہے کہ ان نصائح کو سن کر تم اس پر عمل کرو۔ یا اس سے انکار کر کے ذلیل و خوار بنے رہو۔ اور اس بات کو بھی یاد رکھو کہ محمد ہمارا رسول تم پر داروغہ بنا کر جبر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا کام تو صرف تم کو تذکرہ سنا دینا ہے۔ (تذکرہ کے معنے ہیں نصیحت۔ یاد دہانی وعظ) اور بس"۔

آیت نمبر (۲۱) کو غور سے پڑھو۔ فکر کرو۔ اور پھر سے فکرِ وحی نمبر (۲۸) میں نظریۂ تناسخ کو پڑھ کر غور و فکر کرو کہ کس طرح وحیِ الٰہی ارشاد فرما رہی ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اللہ نے جب چاہا اس کو پیدا کیا۔ بہرحال وحی نمبر (۲۸) کے فکر پر غور کر کے اس آیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ف۳۔ میرا فکر:۔ آیت نمبر (۱۶) سے (۲۲) تک انسانوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اور مخاطبین وحی کو عام محاورہ کے لحاظ سے کہا جا رہا ہے کہ "مارا جائے انسان" یعنے کیسی تباہی ہے انسان کی۔ جیسے کہ اردو میں ہم بطورِ محاورہ کہتے ہیں "ڈوب مر"۔ "تجھے موت آئے"۔ "تو قبر میں جا" وغیرہ۔ یہ جملے یا محاورہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنے فرضِ منصبی سے ہٹ کر یا اس کو ترک کر کے غلط راہ پر چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور بار بار جتانے کے بعد بھی وہ سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتا تو سمجھ دار اور بزرگِ خاندان۔ یا استاد کی زبان پر یہ جملے جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عرب کے مروجہ محاورہ میں مخاطبین کو وحیِ الٰہی مخاطب کر رہی ہے کہ :۔ "انسان جب صاحبِ شعور ہو جاتا ہے تو قوت۔ طاقت۔ جوانی۔ سرمایہ داری۔ حسب نسب۔ علم و فضل۔ اقتدار وغیرہ حاصل ہو جانے کے بعد اس کو اونچ نیچ کا د باقی بر صفحہ ۲۰۹

قتلِ الانسان یعنے "مارا جائے انسان" کا محاورہ

بھاگے اپنے عزیز بھائی سے ع۳۴ اپنی ماں اپنے باپ سے۔ اپنی رفیقِ حیات اور اپنے بیٹے سے ع۳۵ ہر آدمی کو اس دن ایک ہی فکر تو لاحق ہوگی! جو اس کے لئے کافی ہوگی ع۳۶ اس روز کتنے مُنہ مسرت و شادمانی سے چمکتے ہونگے ع۳۷ اور ہنسی خوشی مسرت و شادمانی ان کی ہوگی ع۳۸ اور کتنے ہی اُس دن سیاہ روئی مین مُنہ پر خاک ڈالے ہونگے ع۳۹ و ۴۰ بس سمجھ لو کہ یہ وہی لوگ ہونگے جنھون نے حق نصیحت سے انکار کیا۔ اور تقلیدِ جامد پر

(بقیہ صفحۂ ۲۰۸) گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نشہ مین وہ مفلوک الحال۔ کمزور۔ بے سہارا مسکین۔ غلام وغیرہ پر جبر و ظلم کرتا ہے اور جب اس کو حق بات۔ صداقت۔ سچائی۔ انصاف کے لئے کہا جاتا ہے تو اُس سے لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کو انتباہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی افلاس و غربت کی حالت مین تھا۔ ماں باپ غریب اور نانِ شبینہ کو محتاج تھے۔ اور خود بھی انتہائی محتاج زندگی مین تعلیم و تربیت پاکر کسی بڑے عہدہ پر پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے اپنی سابقہ حالت کو بھول گیا اور اپنے خاندان بلکہ والدین۔ بہن بھائی کو ذِلّت کی نظرون سے دیکھا تو اس کے بزرگ۔ باہم عمر بلکہ چھوٹے بھی کہین گے کہ :۔ "ارے میاں تم ذرا اپنی اصلیت کو تو یاد کرو! آج یہ گھمنڈ کیون ہے؟" — دیکھا آپ نے کس طرح عام محاورون مین قرآنِ حکیم انسان کے کردار کی اصلاح کرتا ہے؟ وہ کہہ رہا ہے کہ ایک غریب اور ایک امیر۔ ایک بادشاہ اور ایک فقیر دونوں کی پیدائش قانونِ قدرت کے تحت ایک قطرۂ منی ہی سے تو ہوئی ہے۔

انسانی مساوات اونچ نیچ کوئی سونے یا چاندی کے قطرہ سے ہو۔ اور کوئی لوہے یا مٹی سے ہو تو خیر بات بھی ہے۔ کسی کی منی دودھ اور شہد سے بنائی گئی ہو۔ اور کسی کی گندلے اور سڑے پانی سے تو بھی امتیاز مناسب ہوگا۔ مگر جب سب انسان ایک قطرۂ منی ہی سے قرارِ حمل حاصل کرتے ہین اور خونِ حیض سے زمانہ حمل مین نو ماہ قدرت ان کے اعضاء درست کرتی ہے۔ اس کو سنوارتی ہے۔ سب کو یکسان ماں کی چھاتیون سے حیض کا خون دودھ بنا کر غذا دی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ ایک نومولود جب کہ وہ کچھ نہین ہوتا ایک کیڑے کی طرح ہوتا ہے۔ نہ بول سکتا نہ دیکھ سکتا نہ چل سکتا نہ بیٹھ سکتا۔ ایسی حالت سے قدرت کا قانون اس کو سنِ شعور کو پہنچاتا ہے اور پھر وہ دُنیا کی زندگی مین کامیاب و کامران ہوکر سب کچھ بن جاتا ہے۔ یہان تک کہ عمرِ طبعی حاصل کرکے موت کو لبیک کہتا ہے۔ اور قبر مین دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا رب اس کو جب چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے عـه باوجود صاحبِ غور و فکر ہونے کے کیسا بدنصیب ہے انسان جو حقیقت کو سمجھنے سے گریز کرتا ہے۔

اپنی غذا روزانہ پر ایک نظر اچھا ذرا انسان اپنے روزمرہ کے کھانے پینے ہی پر غور تو کرے کہ قدرت اسکی زندگی کو قایم رکھنے کس طرح کے انتظامات کا سلسلہ جاری رکھی ہے تاکہ اس کی پرورش ہوتی رہے۔ ایک چاول کے دانہ ہی کو دیکھو کہ وہ کس قدر ادنیٰ سی شئے ہے! اس حقیر دانہ کو جب دھان کی صورت مین زمین مین دبو ج دیا جاتا ہے تو قدرت بارش برساتی ہے۔ زمین مین دھان کا وہ ایک دانہ اپنے سے طاقتور سخت زمین کو چیرتا ہوا باہر نکل آتا ہے (باقی برصفحۂ ۲۱۰)

عـه دیکھو فقرۂ (۲) کا آخری نوٹ اور وحی نمبر (۲۸) کا فکر۔

ڈھیٹھ بنے رہے ع ۴۲ غ ف۴

(بقیہ صفحۂ ۲۰۹) اب اس کی صورت شکل ہی علحدہ ہوتی ہے۔ پہلے تو وہ سخت اور زرد دھان تھا۔ اب وہ انتہائی نرم و نازک سبز پتی بن کر زمین سے باہر برآمد ہوا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح اس نرم و نازک پتی نے زمین کو چاک کیا ہوگا۔ اب وہ بڑھتا ہے اور وہ ایک دانہ اپنے نشو و نما کے بعد دس بالیان پیدا کرتا ہے اور ہر بالی مین سو سو دانے۔ پھر دیکھو ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی۔ لیکن باغون کو دیکھو کہ مختلف قسم کے پھل۔ میوہ۔ ترکاریان کوئی کھٹی۔ کوئی کسیلی۔ کوئی میٹھی۔ کوئی کڑوی۔ اور ہر ایک مین مختلف قسم کے حیاتین۔

زراعت کا قانونِ قدرت

پھر ان سب کو تم اپنی قوتِ فکریہ سے نشو و نما دیکر پکاتے اور لذتین حاصل کرتے ہو۔ پھر بھی نہین کہ صرف تمہارے ہاتھون کاشت ہو رہی ہے بلکہ تمہاری امداد کے لئے جو جانور پیدا کئے گئے ہین جو تمہاری کاشت اور سواری اور بوجھ ڈھونے مین تمہاری مدد کرتے ہین ان کے لئے بھی تو گھانس اور ان کی غذا کا انتظام قدرت کر رہی ہے۔ پھر یہ تمام کاشت سوکھ جاتی ہے اور بھرا کھ کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ قطعۂ زمین کس قدر ویران ہے۔ لیکن پھر اُن ہی ذرات سے جوہر پیدا ہوتا ہے اور اپنے موسم پر وہی قطعہ پھر لہرانے لگ جاتا ہے۔ جب تم یہ سب کچھ اپنی آنکھون سے دن رات دیکھ رہے ہو اور اس سے فایدہ حاصل کرتے رہتے ہو تو حقیقت پر غور و فکر کیون نہین کرتے۔ اور کیون اس بات کا یقین نہین کرتے کہ انسان کی پیدائش مین بھی اسی طرح کے بہت سے راز چھپے ہوئے ہین۔ اور وہ بھی کسی خاص مقصدِ عظیم کے لئے پیدا ہوا ہے۔ پیدا کیا گیا ہے۔ اور مرتا ہے۔ اور پھر قدرت اس کو پیدا کرتی ہے۔ غور کرو کہ کائنات جس مخلوق عظیم کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کے مقاصدِ تخلیق بھی کتنے اونچے اور بلند ہون گے۔ مگر ہائے بدبختی اس اشرف المخلوقات یعنے انسان کی کہ وہ ذرا بھی نہین سوچتا۔ اور اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کرنے کی طرف مائل نہین ہوتا ؎

ہمہ از بہرے تو سرگشتہ و فرمان بردار ٭ شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نبری (سعدیؒ)

ف۴۔ میرا فکر:— اب پھر مخاطبینِ وحی کو سمجھایا جا رہا ہے کہ: "تم یہ سب کچھ انعاماتِ الٰہی کو صبح و شام بلکہ ہر لحظہ و ہر گھڑی اپنی آنکھون دیکھ رہے ہو۔ اور یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ انسان پر جب موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کے لئے قیامتِ صغریٰ کس طرح ظاہر ہوتی ہے! اور پھر ایک حشرِ اول بھی تو قومون پر قدرت لاتی ہی رہتی ہے جس کے قصے تو اریخِ ماضی اور واقعاتِ حال سے بھی تم کو معلوم ہوتے رہتے ہین کہ جب کوئی قوم کسی قوم پر بہ حیثیت فاتح غالب آجاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے اس وقت مغلوب قوم کا۔ کس طرح انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ نہ بیوی کی خبر۔ اور نہ ماں باپ کا خیال۔ نہ اولاد کی فکر۔ بس نفسی نفسی کا عالم رہتا ہے۔ اور ایک فکر لاحق ہوتی ہے کہ کس طرح جان بچے۔ اور بس۔ اگر اپنے کردار کی وجہ وہ نیک نام رہا ہے تو مسرور ہے۔ اگر بدنام رہا ہے تو چہرے پر سیاہی دوڑتی ہے۔ نیک نامی اور بدنامی کا سوال سمجھ لو۔ یعنے اگر وہ غالب حکومت کا طرفدار تھا تو وہ اس غلبہ سے خوش ہے کہ اس کو انعام۔ جاگیر سب کچھ ملے گا اور اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر وہ حکومت کا باغی رہا ہے اور اس کے خلاف لڑا اور سازش کی ہے تو وہ سیاہ رو ہوگا اور زیادہ پریشان۔ دیکھو پولیس اکشن مین جو ایک معمولی حشرِ اول مسلمانانِ حیدرآباد کا تھا۔ یہ نقشہ نہ صرف مین نے بلکہ ہر مسلمان حیدرآبادی نے دیکھا ہے جس مین سرِ مو فرق نہین۔ خصوصاً عثمان آباد۔ بیدر۔ بیڑ وغیرہ کے مسلمانون سے پوچھو

حشرِ اول انفرادی۔ حشرِ اول اجتماعی۔

(باقی بر صفحۂ ۲۱۱)

(بقیہ صفحہ ۲۱۰) پس یہی حالت حشرِ آخر مین بھی ہونے والی ہے۔ بلکہ اس حشرِ آخر کا تصور بھی نہین لاسکتے۔ اپنے وہم وگمان میں بھی ایک آقائے بے نیاز سے جب زندگی بھر بغاوت کی جاتی رہی ہو۔ اور پھر مقصدِ حیات کو پورا نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ زندگی بجائے خیر کے شر ہی شر مین گزار کر "یوم الدین" یعنے محاسبہ کے دن اپنے رب کے سامنے حاضری ہوگی تو کیا حال ہوگا باغیون کا اور کس طرح مسرور رہون گے اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا کرنے والے۔ غور کرلو ـــ

دیکھو ۳۳ وین آیت مین "یوم الصاقۃ" آیا ہے۔ "صاخۃ" عربی مین لوہے سے لوہا ٹکرانے کو کہتے ہین اور محاورہ مین سخت مصیبت کے دن کو۔ غور کرو کہ جنگ ہی مین تو تلوار تلوار سے ٹکراتی ہے۔ اس لحاظ سے میرے فکرِ مغلوبیت یعنی حشرِ اول پر غور کرو۔

مزید فکر متعلق آیات ۲۴ تا ۳۲ ـــ اس سلسلہ مین میرا قدیم فکر یہان لکھ رہا ہون جو آج ہی میری نظر سے گزرا ہے۔

ایک لقمہ پر غور و فکر خدا کی خدائی کی عظمت کو سمجھنے کیلیے بہت کافی ہے

آج بیسوین صدی مین ان آیات پر اگر غور کیا جائے تو ان کا مفہوم یہ ہوگا کہ :ـــ

انسان ذرا اپنے کھانے پینے ہی پر غور کرے کہ اِس کے رب۔ پرماتما۔ پروردگار۔ پالن ہار کی طرف سے اس کے لئے جو نعمتین مل رہی ہین وہ کیسی عظیم المرتبت ہین جن سے تمہارے پالن ہار کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ تمہارا ایک نوالہ جو تمہارے حلق سے نیچے اُتر کر تم کو قوتِ حیات بخشتا ہے کن کن مدارج کو طے کرتا ہے۔ دیکھو! تم جب کوئی نعمت اپنے رب کی دی ہوئی کھاتے ہو تو وہ کس قدر خوش ذائقہ۔ خوشبودار۔ اور لطافت سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن جب تم اس کو حلق سے نیچے اُتارتے ہو تو وہ معدہ مین پہنچ کر اپنے تمام صالح اور لطیف اجزاء تمہارے جسم کے نشو و نما کے حوالے کرکے فاسد اور بدبُودار مادہ کی صورت مین تمہارے جسم سے خارج ہو جاتی ہے جس سے تم کو خود گھن آتی ہے۔ دیکھو صرف ایک دانہ گندم کی حقیقت معلوم کرنا ہو تو کسی ماہرِ علمِ نباتات۔ ماہر علم الاشجار۔ ماہرِ علمِ کیمیا کے مقالون کو پڑھو۔ تم کو اپنی غذا کی حقیقت معلوم ہوگی کہ تمہارا رب کس طرح اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعہ اُس کے نشو و نما کا انتظام کرتا ہے۔ تم اور تمہارے احبار و رہبان۔ علماء و مشایخ ان باتون کو کیا سمجھ سکتے ہین۔ وہ تو فرشتہ ہین (یعنے فرشتہ مین قوتِ فکریہ مفقود ہوتی ہے جس کا ثبوت آپ کو آیندہ افکار مین ملے گا جہان پیدایشِ آدمؑ کا ذکر ہوگا) تم لوگ تو مثل جانورون کے ہماری نعمتون کو چبا کر کھا لینا جانتے ہو اور بس ـــ دیکھو جب ماہر سایئنس دان ہمارے بنائے ہوئے ایک دانہ اور ایک پتے کی تحقیق مین عمر گزار دیتا ہے تو نتیجہ پر پہنچ کر چیخ اُٹھتا ہے کہ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ٭ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ ہے ہماری سچی حمد و ثنا اور تسبیح و تحلیل۔ نہ کہ ـــ تسبیح و سجادہ و دلق ـــ

یاد رکھو کہ قرآن کے آیات نزولِ وحی کے وقت بیسوین صدی کی تحقیقات کو اپنے مخاطبین کے غور و فکر کے لئے خطاب نہین کر رہے تھے۔ اس وقت کے دماغ کے لحاظ سے مخاطبین فہم حاصل کر رہے تھے۔ بلکہ اٹھارھوین۔ انیسوین صدی عیسوی مین بھی اس پر اس طرح غور نہین کیا جا سکتا تھا جیسے بیسوین صدی کی تحقیقات کے لحاظ سے غذائے انسانی مین قدرتی حیاتین کا علم ہم کو ہوا ہے جسکی وجہ ہم اِن آیات کو اُسی روشنی مین غور و فکر کا محل بنا سکتے ہین۔ (باقی بر صفحہ ۲۱۲)

(بقیہ صفحہ ۲۱۱) اسی طرح آیندہ تحقیقات سائنس جس قدر بلندی پر پہنچے گی وہ ان آیات کا مفہوم حاصل کرے گی۔ یہ نہین کہ ہم یہ سمجھ لین کہ نزولِ وحی کے وقت اصحابِ رسولؐ آج کی طرح اِن آیات کا فہم حیاتین کے مدِ نظر حاصل کر رہے تھے۔ پس قرآنِ حکیم کے فہم حاصل کرنے کے لئے اس اساس پر ہی مطالعۂ قرآن باعثِ ثواب اور حصولِ حکمت ہو سکتا ہے۔

حشر اول و آخر

میرے فکرِ قرآنی مین حشرِ اول کا جملہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حشر کو ملاحظہ کیجئے تو اس مین آپ کو یہ آیت ملے گی۔ "هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ" ۴ (ترجمہ:- وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہین۔ کتاب والون مین ان کے گھرون سے جو ان کے لئے حشرِ اول تھا)۔

لغاتِ غریب القرآن مین "حشر" کے معنے ہین:- (۱) اکھٹا کرنا (۲) جلا وطن کرنا (۳) جمع۔

قرآنِ حکیم نے اکثر قومون۔ اُمتون کی مغلوبیت۔ جلا وطنی۔ تباہی و بربادی۔ غلامی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حشرِ اول کو بتلایا ہے۔ یوم الساعۃ اور قیامت۔ یومِ جزاء۔ انصاف کا دن۔ یہ سب یوم معاد یعنے مرنے کے بعد دوسری زندگی کے لئے۔ وہیز خود موجودہ زندگی کے لئے بھی استعمال ہوئے ہین۔ چنانچہ وحی نمبر ۳ پر معاد کے متعلق میرا فکر آپ کو واضح طور پر ملے گا۔ بہرحال بنی نضیر کی جلا وطنی کے سلسلہ مین قرآن نے حشرِ اول کا جملہ استعمال فرمایا ہے اور احادیث سے انسان کی موت اس کے لئے قیامتِ صغریٰ بھی تو ہے۔ یہ تو انفرادی موت کا ذکر ہے۔ اجتماعی قومون کی موت بھی تو ان کا حشرِ اول۔ قیامتِ صغریٰ۔ یوم الساعۃ کے مصداق ہے۔ پس میرے فکر مین حشرِ اول اِن ہی معنیٰ مین ہے۔ حشرِ آخر سے انکار نہین۔ لیکن وہ میرے لئے ناقابلِ فکر ہے۔

نام سورہ **البلد** تعداد آیات (۲۰) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۹۰) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۱۹) زمانۂ نزول دَورِ دوم ۵ سنہ بعثت ۶۱۵ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ ثعالبی سنہ ۶۲ھ ۶۸۳ء	حسین بن ابی الحسن و عکرمہؒ	محمد بن نعمان بن بشیر	جابر بن زید تابعی	ولیم میور سنہ ۱۲۳۳ھ ۱۸۶۰ء	نولڈیکی سنہ ۱۲۳۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۷۶ء	ایچ گراہم	ہرشفیلڈ سنہ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء	سید یعقوب حسین سنہ ۱۹۳۴ء	تحقیق مصر سنہ ۱۸۵۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۳۴	۳۴	۳۴	۳۵	۱۵	۱۱	۱۸	۱۷	۳۶	۳۱	۲۶

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام شریعت منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہلِ مکہ		۱۔ شہر مکہ کی قسم؟	۱		
			۲۔ انسان کی ترقی کا قانون۔	"		
			۳۔ ووٹ حاصل کرنے کا قدیم طریقہ اہلِ مکہ کا۔	"		
			۴۔ ایثار و قربانی کی گھاٹیاں۔	۲		
			۵۔ عقبۃ۔ یعنے گھاٹیاں کیا ہیں؟	"		
			۶۔ اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ۔	"		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے محمد! تم قسم کھاکر بیان کرو اس شہرِ مکہ کی۔ اور حرمت کی اس شہر کے۔ اور اپنے والدین کی اور اپنی ۱ تا ۳ دیکھو انسان کو قدرت نے محنت اور مشقت کے جھیلنے کے لئے بنایا ہے ۴ اور کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُس پر کسی کا قابو نہیں ہے؟ ۵ اور کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہے ۶ اور سمجھتا ہے کہ اس کی نیتوں کو کوئی دیکھتا نہیں ۷ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں دیکھنے کے لئے نہیں دیں ۸ اور زبان گویائی کے لئے ۹ اور اس کے لئے

ف۱۔ میرا فکر:۔ دیکھئے اِس وحی میں محمد عربی صلعم کی زبان مبارک پر (باقی برصفحہ ۲۱۴)

دو راستے کھول دیئے ۱۰ مگر وہ گھاٹی کو طے نہ کر سکا ۱۱ اے مخاطب تو کیا سمجھا کہ وہ چڑھائی (گھاٹی) کیا ہے ۱۲ سن! آزادی دلوانا غلامی اور قرض سے ۱۳ اور فاقہ زدون کو کھلانا ۱۴ اور بے سہارا (یتیم) کو سہارا دینا ۱۵ اور نیز مساکین جو ذلت و مسکنت مین مبتلا ہون ۱۶ اور وہ امن و سلامتی کا علمبردار ہو کر رہے اس طرح جیسے کہ ایمان والے دوسرون کو صبر و تحمل کی رحم و کرم سے تاکید یعنے تبلیغ کرتے ہین ۱۷ ایسے ہی لوگ بڑے

قسم شہر مکہ کی حقیقت

(بقیہ صفحۂ ۲۱۳) شہر بلد الامین یعنے مکہ کے امن والے شہر کی قسم جاری کیجا رہی ہے اور اپنے والدین کی قسم بھی — کیونکہ شہر مکہ کے دشوار گزار ریگستان مین ایک بڑی عبادت گاہ کے وجود کا تصور بھی اہل عرب کو اس کی عظمت و احترام کی وجہ جھوٹی قسم کھانے پر لرزہ براندام کر دیتا ہوگا۔ اور کوئی شخص اپنے والدین کی قسم جھوٹی نہین کھا سکتا۔ اسلئے یہان پر سچائی آیات قرآنی کے ثبوت مین وہ قسم رسول عربی صلعم کھا رہے ہین اور قرآن پیش کر رہے ہین۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ تیسری آیت مین نوحؑ سے لے کر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ تک اشارہ ہے جو حسب و نسب کی وجہ قریش و اہل مکہ اور عرب سب ہی کے جد اعلیٰ ہین۔ کیونکہ تاریخ توراۃ بتلا رہی ہے کہ نوحؑ کے فرزند حام کی اولاد سے اہل عرب ہین (نوحؑ کا زمانہ چار ہزار سال قبل مسیحؑ کا کہا جاتا ہے) اور اسی سلسلہ سے ابراہیمؑ بھی ہین۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے مقدس و با عظمت اجداد کو جب اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو دونون کی قسم کو بڑی وقعت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کوئی سید اپنے جد اور اپنی ساداتی کی قسم کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ بہر حال اس شہادت یا قسم کے ذریعہ مخاطبین کو وحی الہی بزبان محمد عربی صلعم سمجھا رہی ہے کہ انسان کشمکش حیات میلئے بنایا گیا ہے محض نسب حسب۔ نسل۔ اصل کی وجہ آسمان سے کوئی چیز نہین گرتی۔ ایسا خیال بے معنے و مہمل ہے۔

انسانی ترقی کیلئے ایک قانون مقرر ہے

ہمارا قانون مقررہ ہے وہ تبدیل نہین ہوتا۔ انسان جیسا کریگا ویسا ہی پھل اس کو ملے گا۔ اللہ نے کائنات کو بے لگام نہین رکھا ہے تو پھر انسان کو کیسے بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔ انسان کی ترقی کے لئے جو ضابطے مقرر کئے گئے ہین اس مین سر مو فرق نہین ہو سکتا۔ تم جو کہتے ہو کہ ہم نے ڈھیرون مال خرچ کیا ہے تو یہ مال تم نے محض اپنے نام و نمود کے لئے خرچ کیا ہے۔ اس مین مفاد ملت اور اصول دین پیش نظر نہین تھے۔

اہل مکہ لیڈر شپ کے لئے شراب اور جوے کی رقم سے لوگون کا ووٹ حاصل کرتے تھے

یہان پر اس بات کو ذہن مین رکھو کہ اہل قریش اور اہل مکہ اپنے حصول اقتدار اور عہدہ کے لئے زمانۂ حج مین زایرین کو شراب کباب اور پانی پلا کر اپنا نام پیدا کر لیتے اور اس طرح وہ رفتہ رفتہ لیڈری کی کوئی اعلیٰ عہدمت حاصل کر لیتے جس سے ان کی آمدنی مین اضافہ ہو جاتا (جیسے کہ آج کل الکشن مین ہم دیکھتے ہین کہ ہر امیدوار کا طریقۂ عمل ووٹرون کے ساتھ کیسا ہوتا ہے) اسی کی طرف اشارہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم نے ڈھیرون روپیہ خرچ کیا ہے اس مین قوم یا مفاد ملک و ملت کے لئے ایک حبہ بھی نہ تو (باقی بر صفحہ ۲۱۵)

خوش قسمت ہین دُنیا اور آخرت مین ۱۸ اور جو منکر ہوئے ہماری نشانیون سے اور ہماری حکمت کی آیتون سے وہی اصحاب المشئمہ کمبختی والے ہین ۱۹ جو ہمیشہ رہین گے مصائب مین گھرے ہوئے آگ مین جلتے ہوئے ۲۰ ف۲

(بقیہ صفحہ ۲۱۴) خرچ نہین کیا ہے۔ تمہاری نیتون کو اللہ خوب جانتا ہے۔ بھلا غور و فکر کرنے والے اور صاحب نظر جب تمہارے طور طریق کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہین تو اللہ اُس سے کیسے بے خبر ہوگا۔ قدرت نے انسان کو آنکھین دی ہین اور زبان گویا ہے۔۔۔ یتیم مسکین اور مجبور و معذور۔ غلامی و قرضہ مین گرفتار تمہاری نظرون کے سامنے سسک رہے ہین۔ بتلاؤ کہ اِن ڈھیرون مال سے تم نے ان کی کیا مدد کی ہے؟ البتہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے۔ نمود و نمائش کے لئے جو کچھ خرچ کیا خرچ کر لیا۔"

ایثار و قربانی کی گھاٹیان

ف۲۔ میرا فکر:۔ دیکھو آیت (۱۰ تا ۱۶) مین کس طرح صاف طور پر بتلایا جا رہا ہے کہ:۔ "ہم نے انسان کو قوتِ فکریہ عطا فرما کر نیکی۔ بدی۔ خیر و شر۔ اچھائی برائی۔ کامیابی و ناکامیابی کے دو راستے بتلا دیئے ہین۔ بلاشبہ یہ دونون راستے بڑے ہی دشوار گزار ہین۔ جیسے کہ پہاڑون کے اُتار چڑھاؤ کا راستہ۔ مگر افسوس کہ اے ڈھیرون مال خرچ کرنے والو! تم نے اس گھاٹی کے راستہ کو طے نہین کیا۔ تم سمجھے کہ وہ گھاٹی کا راستہ کیا ہے؟ سنو!۔ وہ ایثار و قربانی کا راستہ ہے۔ صحیح معنے مین مستحقین پر اپنی دولت اور اپنی خدمت صرف کرنے کا راستہ ہے۔ جس کے ذریعہ تم کامیابی کی منزل پر پہنچ سکتے ہو۔ یعنے اپنے مُلک اور قوم۔ اور شہر کے غلامون اور قرضدارون کو آزاد کرانے کے لئے اپنا روپیہ صرف کرو۔ اور بے سہارا کو سہارا دینے مین اپنا سرمایہ لگا دو۔ فاقہ کشون اور برہنہ جسمون کو کھلانے اور پہنانے مین روپیہ صرف کرو۔ جو لوگ ذلت اور مسکنت مین مبتلا ہین ان پر روپیہ خرچ کر کے ان کو ذلت اور مسکنت سے نکالو۔ پھر ان کو امن و سلامتی کی تعلیم دو۔ خود اس پر عمل پیرا رہو۔ اور قوم کو صبر و تحمل کا۔ رحم و کرم کا عادی بناؤ۔ اس طرح عمل کرنے والے ہی خوش نصیب ہین دُنیا اور آخرت مین۔ اور اس کے خلاف ڈھیرون روپیہ خرچ کر کے نام و نمود پیدا کرنے والے اور اقتدار مین مست و مدہوش رہنے والے بلاشبہ بدنصیب اور قعر مذلت مین گرنے والے ہین اور بس۔

عقبۃ۔ یعنے گھاٹیان کیا ہین؟

اے حاملین قرآن! ذرا ان آیات پر اور ان گھاٹیون پر فکر کرو۔ تو معلوم ہوگا کہ غیر شعوری طور پر کس طرح اس انیسوین صدی مین غیر حاملین قرآن اس درسِ انسانیت کو اپنا رہے ہین اور چودہ سو سال پہلے جو نظریات ایک جاہل قوم کے سامنے پیش کئے گئے تھے آج علم کے علمبردار سیاست مدن مین اس پر عمل کرنا ضروری سمجھ رہے ہین۔ دیکھو امریکہ اور ایشیا اور یورپ کو کہ وہ گرے ہوئے ممالک کو بلند کرنے کس طرح اپنے خزانون کے منہ کھول دیئے ہین اور فاقہ کشی دُور کرنے لاکھون ٹن اناج دے رہے ہین اور کروڑہا گز کپڑا ننگون کے لئے بھیج رہے ہین۔ غلامی سے آزادی دلانے۔ غلامی کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ممالکِ مقروض کو قرض سے نجات دلانے کروڑ ہا ڈالر خرچ کر رہے ہین۔ گو اس مین ان کی سیاست مضمر ہے لیکن (باقی بر صفحہ ۲۱۶)

(بقیہ صفحہ ۲۱۵) ہے تو وہی بات جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن آج حاملین قرآن کیا کر رہے ہیں؟ صدقات۔ خیرات۔ زکاۃ کا ان کے پاس کیا مصرف ہے؟ نذر۔ نیاز۔ نجیر اللہ۔ شادی بیاہ کی دعوتیں۔ گیارھویں۔ بارھویں کا کھانا۔ رمضان میں پارچہ کی تقسیم۔ کس کس طرح ان کا روپیہ بے مصرف خرچ ہو رہا ہے۔ یہ سب اسی آیت اور وعید کے تحت ہے۔ ذرا دیکھو میرا ایک رسالہ مطبوعہ "رجب کے کونڈے" تو معلوم ہوگا کہ حاملین قرآن کدھر چلے جا رہے ہیں۔ دیکھو کس طرح دعوت غور و فکر دی جا رہی ہے۔ ہوائی قلعے نہیں۔ ہتھیلی میں جنت نہیں بلکہ انسان کو ایثار و قربانی کی گھاٹیاں طے کرنا ہوگا۔ سچائی اور حق کے ساتھ فرض کو فرض سمجھ کر تن دہی کیساتھ محنت و مشقت کرتے ہوئے۔ احکام خدا کی نافرمانیوں کے نتائج سے ڈر کر دنیا کی زندگی کو سنوارنا۔ تبلیغ حق اور اپنی قوم کی آزادی و بلندی کے لئے اپنے اور غیروں کے ہر قسم کے ظلم و تعدی کو صبر و استقلال سے سہہ کر گذرے گا تو پھر نہ صرف اس کو بلکہ اس کی قوم کو بلند و بالا مقام ملے گا۔ یعنے ترقی کی چوٹی پر پہنچ جائیگا۔ بس جو اس طرح ایثار و قربانی کی گھاٹیوں کو طے کر لیتے ہیں۔ دراصل وہی انسان یہاں سعادت و عزت و عظمت اور حیات جاوید حاصل کرکے خوش و خرم نظر آتے ہیں۔

گھاٹی کا محاورہ ایسا سمجھو جیسا کہ "دیکھو یہ کام کرنا فولاد کے چنے چبانا ہے"۔ "دیکھو یہ کام تو ایسا ہے کہ پہاڑ کو ادھر سے ادھر کرنا"۔ "پہاڑ کا کھودنا آسان تر ہے اس کام سے" وغیرہ۔ بس اسی طرح کا یہ محاورہ بلحاظ زبان عربی وحی نے استعمال کیا ہے۔

اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ اس وحی میں "صاحب میمنہ" اور "صاحب مشئمہ" آیا ہے۔ عربی میں یہ محاورہ نیکوں اور بدوں۔ اچھوں اور بروں کے لئے اسی طرح استعمال ہوا کرتا ہوگا جیسے کہ اردو میں "اچھے قسمت والے" اور "بدنصیب و بدبخت" کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں "دکھن مارگی" نیک نفس انسانوں کی جماعت کے لئے قدیم محاورہ تھا۔ "اصحاب میمنہ" کے معنے صاحبان قسمت یعنے امن و سلامتی۔ خوش و فرحاں لوگ۔ اور "شمال" کے معنے مصیبت زدہ اور بدقسمت لوگ۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ عزت و احترام میں ہونگے وہ خوش قسمت ہوں گے اور جو مصائب و تکلیف میں ہوں گے بدقسمت ہوں گے۔ پس قرآن حکیم نے اسی طرح کے محاورے استعمال کئے ہیں۔۔۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں تھے اور ہر وقت موجود ہیں اور مستقبل میں بھی ——— "اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ" رہیں گے۔ نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیا میں ہر قوم اور ہر ملک میں جو صاحبان بصیرت ہیں اور اصحاب غور و فکر کو نظر آتے ہیں۔ (ذیل میں محمد اجمل خان صاحب کی کتاب سیرۃ قرآنیکا ص ۵۶ کا مقدمہ اس خصوص میں ایک تحقیقی فکر درج کرتا ہے) اصحاب الیمین۔ اور اصحاب الشمال ہند میں آنحضرت صلعم سے بہت پہلے یہ اصطلاح جاری تھی اور آج کی مہذب دنیا میں اخلاق و سیاست میں یہ اصطلاح عام ہو گئی ہے۔ زبان سنسکرت میں "دکھن آچاریہ" یا "دکھن مارگی"۔ دست راست۔ اصحاب المیمنہ کو کہتے ہیں۔ اور اصحاب المشئمہ یعنے دست چپ والا۔ بام آچاری یا بام مارگی کہلاتے ہیں۔ یہی تصور مصر۔ بابل۔ یونان میں بھی جاری و ساری رہا۔ دیکھئے جو لوگ اپنی خود غرضیوں اور نفس پرستی میں مبتلا ہو کر دوسروں کو بھی بدراہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کو بام مارگی کہا جاتا تھا اور کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ نیک راہ پر خود چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی چلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کو دکھن مارگی کہا جاتا تھا اور کہا جاتا ہے۔ گویا یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ فی زمانہ اردو زبان میں "الٹا" "غنڈا" آدمی بام مارگی کے مترادف ہے۔ نیک آدمی "اصحاب المیمنہ کے مترادف ہے"۔

نام سورہ **الفجر** تعداد آیات (۳۰) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۸۹) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۰) زمانہ نزول دورِ دوم بعثت ۸ تا ۱۰ھ
اس سورۃ کے سلسلہ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ غالباً سنہ ۶۰ھ ۶۸۳ء	حسین بن ابی الحسن عکرمہؓ	محمد بن نعمان بن بشیر	جابر بن زید تابعی	ولیم میور سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء	نولڈیکی سنہ ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۷۶ء	ایچ گرایم	ہرشفیلڈ سنہ ۱۳۱۷ھ ۱۹۰۰ء	سیٹھ یعقوب حسن سنہ ۱۹۲۴ء	تحقیق مصر سنہ ۱۸۸۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۹	۹	۱۰	۱۰	۱۴	۳۵	۳۹	۱۸	۴۳	۱۰	۱۰

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی شان ہے	احکام شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	اہلِ عرب ملکی اور اہلِ کتاب		۱۔ جُفت اور طاق راتین۔	ف۱	۵۔ قدرت کی منشوری۔	ف۳
			۲۔ تاریخ عاد و ثمود و موتفکہ	ف۲	۶۔ الفصات روزِ جزا۔	ف۳
			۳۔ فرعون کی بمقابلہ بنی اسرائیل مظلومیت کی ایک تازہ مثال برطانیہ۔	//	۷۔ روزِ حشر کے دو گروہ۔	ف۴
					۸۔ ہر غالب قوم کیا مومن کہلانے کی مستحق ہوتی ہے؟	۵
			۴۔ اقوامِ عرب و شام کا ذکر قرآن مین بار بار دُہرانے کی وجہ۔	//	۹۔ یوم الساعۃ۔	//

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قسم ہے فجر کی اور دس راتون کی۔ اور جفت اور طاق راتون کی اور گزرتی رات کی ع ۱تا۳ دیکھو! یہ قسمین تو صاحبانِ غور و فکر کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہین ع۵ ف۱ اے مخاطب! تم کو معلوم نہین کہ ربِّ کعبہ نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا جو اِرَم مین بلند و بالا سُتون کی عمارتون مین زندگی

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ زمانۂ نزولِ وحی مین اہلِ مکہ کے پاس ان قسمون کی بڑی اہمیت ہوگی۔ اور جب کوئی اہم واقعہ بیان کرنا ہوتا تو وہ اس طرح کی قسمین کھا کر بیان کرتے ہون گے اسی نقطۂ نظر سے وحی اپنے مخاطبین کو مخاطب کر رہی ہے مجھ کو اس بات مین
جفت اور طاق راتین

(باقی بر صفحہ ۲۱۸)

بسر کرتے تھے ۶و۷ جن کی مثل اُس زمانہ میں کوئی اور قوم نہ تھی ۸۔ اور قوم ثمود کا کیا حشر ہوا جنھوں نے وادیوں میں پہاڑوں کو تراش کر عمارتیں بنائی تھیں ۹۔ اور فرعون مصر جو صاحبِ جبروت و اقتدار تھا ۱۰۔ جب ان قوموں نے غرورِ اقتدار میں سر اُٹھایا اور ظلم و تعدی مظلوموں پر شروع کر دیا اور قوم کو تباہ حال کرنا شروع کیا ۱۱ تو تم نے سُنا ہو گا کہ قدرت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کس طرح ان پر عذاب کا کوڑا چلایا ۱۲۔ بلاشبہ تیرا رب اپنی مخلوق کے اعمال کو تاکتا رہتا ہے ۱۳و۱۴ ف۲ آدمی کا بھی عجب حال ہے۔ کہ جب اس کا رب اس کو عزت اور رزق کی نعمتیں دے کر اس کی جانچ کرنا چاہتا ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۲۱۷) غور و فکر کی ضرورت نہیں کہ وہ دس راتیں طاق اور جُفت کی تحقیق کروں کہ وہ دس راتیں ذی الحجہ کی پہلی راتیں ہیں۔ یا ماہِ رمضان کی آخری فجر یوم عرہ محرم یا یوم الحج کی فجر ہے۔ طاق اور جفت سے کیا مراد ہے۔ مجھ کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ مخاطبین کی ذہنیت کے مدِ نظر اہم ترین قسموں کو زبانِ محمدِ عربی صلعم پر بذریعۂ وحی جاری کر کے کیا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور بس قسموں کے متعلق میں نے اپنا فکر وحی نمبر (۲) کے فقرہ (۱) میں بیان کر دیا ہے۔

ف۲۔ میرا فکر:۔ اے اہلِ عرب کیا تم کو عاد۔ ثمود اور فرعون کے قصص اور تاریخ معلوم نہیں ؟ دیکھو اے اہلِ عرب عاد و ثمود کی نسل سے تو تم بھی ہو۔

تاریخ عاد و ثمود کہا جاتا ہے کہ آج سے سات آٹھ ہزار سال قبل سمیریا (عراق) کا تمدن شروع ہوا تھا۔ اسی زمانے میں مصر کے تمدن کا بھی پتہ چلتا ہے۔ سامی النسل قوم جو دجلہ و فرات کے درمیان کی سرزمین پر آباد تھی وہ نوحؑ کے بیٹے سام بن نوحؑ کی نسل سے تھی جس کا ذکر توراۃ میں ہے۔ سامی نسل وسطِ ایشیا عالدیہ۔ فارس اور عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ سرزمینِ احقاف میں جو سامی آباد تھے وہ قومِ عاد اولیٰ سے موسوم تھے۔ عادِ اولیٰ نے عمان سے لے کر حضر موت بشمولِ یمن و سرزمینِ احقاف کا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ جب عادِ اولیٰ کا اقتدار زوال پذیر ہوا تو عادِ ثانی جو سمیریا میں آباد تھی عروج پر آئی۔ جس نے شمالی عرب شام و فلسطین اور عراق و نیز مصر پر اپنا تسلط جما لیا۔ اس کے بعد ثمود کو عروج حاصل ہوا۔ جو یمن اور احقاف میں آباد تھی۔

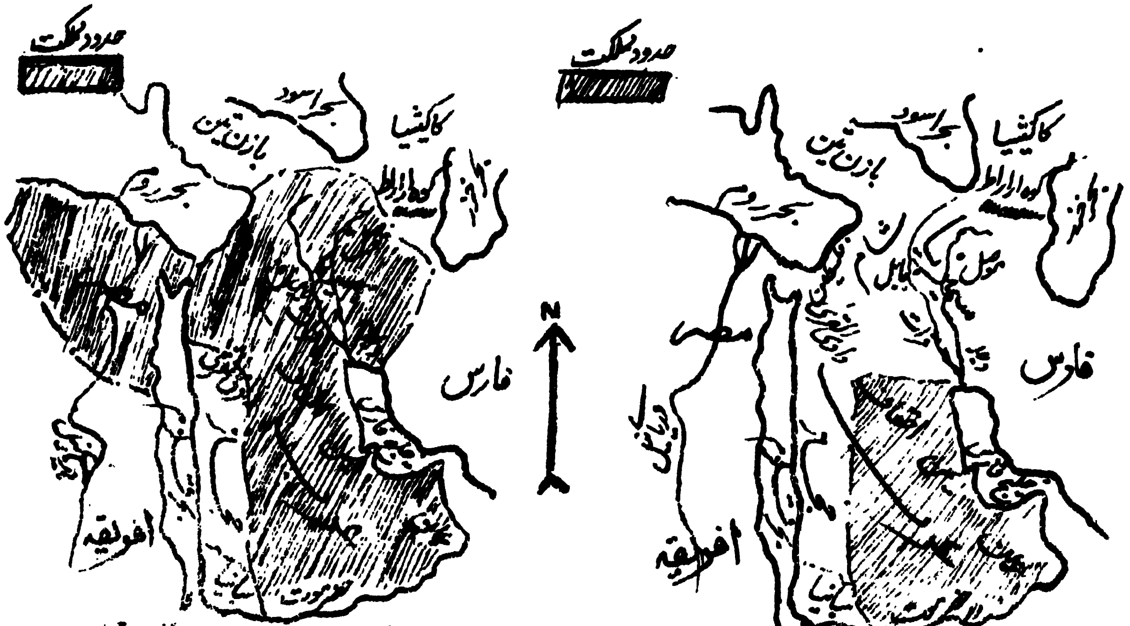
قومِ عاد کے مامور من اللہ ھودؑ اور ثمود کے صالحؑ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ نافرمانی اور تکذیب کی وجہ یہ قومیں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر فنا ہو گئیں۔ یہ تینوں قومیں نہایت قوی ہیکل جنگجو۔ اور فنِ کوہ تراشی و تعمیری فنون کی ماہر تھیں۔ عادِ ثانی نے لوہا۔ تانبا۔ چاندی سونے کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ جب اہلِ بابل جانوروں کے بال نوچ کر یا قندگی کرتے تھے تو سامی قینچی سے کترا کرتے تھے۔ عاد و ثمود نہ صرف (باقی بر صفحہ ۲۱۹)

کس طرح وہ اپنے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ یعنے انعاماتِ الٰہی سے وہ دوسروں کو کس طرح سرفراز کرتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو میرے اعمالِ نیک کی وجہ نوازا ہے اور دوسروں کے حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے ع۱۵ اور جب اس کو روزی تنگ کرکے ابتلا میں ڈال دیتا ہے تو

(بقیہ صفحہ ۲۱۸) عمارات کی تعمیر میں بلکہ کوہ تراشی میں بھی اپنی مثل نہیں رکھتے تھے (عراق دیمن وعرب میں آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہیں جن سے عاد وثمود کی صنعتی ترقی کا ثبوت ملتا ہے) عادِ ثانی وثمود عربی گھوڑوں پر سوار ہوکر جنگ کرنے میں خوب مہارت رکھتے تھے اسی لئے دیگر ممالک کو آسانی سے فتح کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ مصر پر تقریباً تین سو سال عادِ ثانی وثمود کا تسلط رہا جن کو چرواہے بادشاہ حی عکس (HYXKSOS) کہا جاتا تھا (کیونکہ سامی النسل ابتدائی زمانے میں چرواہے تھے) ۱۵۸۰ قبل مسیح میں شاہ اثور نے مصر سے ان کا اقتدار ختم کردیا۔

غالباً ابراہیم علیہ السلام شہر مصر میں حی عکس کی شاہی کے زمانے میں داخل ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل کے سامی النسل ہونیکی وجہ سے غالباً فرعون کو بنی اسرائیل کے اقتدار حاصل کرنیکا اندیشہ تھا۔ بنی اسرائیل کی اولادِ نرینہ کے قتل کا قانون نافذ کیا جانا قبطیوں کے اسی خدشہ کی ...... وجہ سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرعون اور قوم مصر کا یہ اندیشہ حضرت موسیٰ کے ذریعہ دُنیا کے سامنے ظہور پذیر ہوکر رہا۔ اور آج بھی بنی اسرائیل کا دماغی ارتقا و سائنس و سیاست میں ایک سامی النسل ہونیکا ایک کھلا ثبوت ہے۔ نقشۂ ذیل سے عادِ اولیٰ و ثانی اور ثمود کے سرزمینِ اقتدار کا خاکہ آپ کے ذہن نشین ہوجائے گا۔

نقشہ (الف) اقتدار عاد اولیٰ　　　نقشہ (ب) اقتدار عاد ثانی وثمود



اب آپ کو غور کرنا ہے کہ قرآن حکیم میں عاد۔ ثمود۔ اصحاب الحجر و اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس (باقی بر صفحہ ۲۲۰)

کہتا پھرتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل و رسوا کر دیا ۔[16] اور وہ نہیں غور کرتا کہ اس بدحالی کی وجہ دراصل اس کی اس لاپرواہی کا نتیجہ ہے جو اس نے انعامات الٰہی کی حالت میں بے سہاروں کی مدد کرنے میں کی ۔[17] اور نہ خود محتاجوں بھوکوں و فاقہ کشوں کے کھلانے کا کوئی انتظام کیا اور

(بقیہ صفحہ ۲۱۹) اور قوم نوحؑ و اخفات و سبا ۔ اور بنی اسرائیل ہی کا ذکر کیوں بار بار آرہا ہے ؟ (اصحاب الحجر وغیرہ کے متعلق متعلقہ وحی میں میرا نکر آپ کے پیش نظر آئے گا) بات یہ ہے کہ مخاطبین وحی جس نسل سے تھے یہ سب ان کے جدّ اعلیٰ یا ہمسایہ قومیں تھیں جن کے حالات اور واقعات و روایات سے مخاطبین کے کان آشنا تھے ۔ برخلاف اس کے وہ کرۂ زمین کے دیگر اقوام کے تاریخی حالات سے قطعاً نا آشنا تھے ۔ اس لئے دیگر اقوام اور ان کے انبیاءؑ و مرسلینؑ کا ذکر وحیٔ الٰہی نے غیر ضروری جانا ۔ البتہ ایک کلیہ سنت اللہ کا قرآن حکیم نے اپنے حاملین کے ذہن نشین کرا دیا کہ ہر قوم میں اس قوم کی زبان جاننے والا اسی قوم سے ایک ہادی ۔ نبی ۔ رسول ۔ رشی ۔ منی ۔ اوتار (اس ملک کے محاورہ کے مدنظر) مامور من اللہ پیدا کیا گیا ۔ سنت اللہ ایسی ہی ہے ۔ لہٰذا تمام قوموں کے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ان کی تعلیم کی سچائی کو تسلیم کرنا حاملین قرآن حکیم پر فرض ہے ۔

نوٹ :- سامی نسل کی تاریخ بہت قدیم اور کرۂ زمین پر یہ نسل غیر معمولی طریقہ پر پھیلی ہوئی ہے اسلئے صاحبان فکر قرآنی اگر چاہیں تو تاریخ پر عبور حاصل کرکے مزید تشفی حاصل کر سکتے ہیں ۔ وحی نمبر (۱۵) میں سرسری طور پر صرف قوم ثمود کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تھا ۔ برخلاف اس کے اس وحی میں سامی النسل تین عظیم الشان قوموں کی بربادی کا ذکر کیا جارہا ہے اور بتلایا جارہا ہے کہ یہ قومیں احکام فطرت کے نتائج سے بے خوف ہو کر عذاب الٰہی کی مستوجب بن چکی ہیں ۔ لہٰذا اب تم کو بھی جب ایک بلند و بالا مرتبہ کی طرف راہ نمائی کی جارہی ہے تو سنبھل سدھر کر اپنا قدم آگے بڑھانا ہے چلنا ہے ۔ ورنہ یاد رکھو کہ قدرت نے خلاف احکام و منشاء فطرت چلنے والوں ۔ امن و سلامتی کے تکرار انداز کرنے والوں اور ظلم و شر پھیلانے والوں کو باوجود اس قدر اونچے مقام پر پہنچنے کے ایسا تباہ کر دیا کہ آج ان کا نام لیوا بھی باقی نہیں ہے ۔ دیکھو عاد و ثمود کا قصہ بہت ہی قدیم ہے ۔ مصر کا قصہ تو اس کے بعد کا ہے ۔ بنی اسرائیل کے واقعات تو تم کو بخوبی معلوم ہیں کہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں فرعون مصر کی قوت کتنی بڑھی ہوئی تھی ۔ لیکن تم نے دیکھ لیا کہ موسیٰؑ کی مدد کس طرح قدرت نے کی اور کس طرح فرعون کی با جبروت اور مستحکم فوج کو بے دست و پا بنی اسرائیل کے مقابل فتح و نصرت عطا کی دیکھئے !

ایک مثال برطانیہ اور ہندوستان کی قراعنۂ مصر اور بنی اسرائیل کے مماثل

برطانیہ کی قومی قوت کیسی زبردست تھی ۔ کل کی بات ہے کہ گاندھی جی کی تحریک پر لوگ ہنسا کرتے تھے ۔ غیر مذہب والے نہیں بلکہ خود ہندو ۔ کہ چرخہ کات کر اور اہنسا سے یہ پوست و استخوان کا گاندھی کس طرح توپوں اور ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کا مقابلہ کرکے ہندوستان کو آزادی دلا سکتا ہے ؟ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ قدرت نے کس طرح برطانیہ سے ہندوستان کو آزادی دلا دی ۔ اس پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ اتفاقات تھے ۔ ہاں صاحب ! اتفاقات ہی کا نام قدرت کے کرشمے ہوا کرتے ہیں ۔ نہ کہ آسمان سے پتھر برسا کر خدا کسی قوم کو مغلوب اور کسی کا غالب کرتا ہے ۔ مگر کیا کیا جائے نہ فہم قرآن حاصل کرنے میں روایات سے ہٹے ۔ اور (باقی بر صفحہ ۲۲۱)

نہ اپنے زیر اثر دن کو ترغیب دی ہے ۱۸۔ نہ صرف یہ غلطی کی بلکہ مُردون کا مال بلا کھٹکے کھاتا رہا ہے ۱۹
اور اپنے سرمایہ کی محبت مین غرق رہا ہے ۲۰ کیا وہ نہین جانتا کہ جب اس کے لئے زمین تنگ
کردی جائے گی ہے ۲۱ اور رب العالمین انصاف کے لئے جلوہ افروز ہوگا ہے ۲۲ اور جہنم اسکے
سامنے اُس دن موجود ہوگی ہے ۲۳ تو اس دن آدمی نتایج پر غور کرنے لگے گا تو بھلا اب اسکا
سوچنا اُس کے لئے کیا فائدہ دے سکتا ہے ہے ۲۴ اب وہ کہنے لگتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ مین ماضی مین

(بقیہ صفحہ ۲۲۰) راویانِ معتبر کی شخصیت پرستی سے دُور ہو کر غور و فکر کرنا ہر حاملِ کتابِ مقدس نہین چاہتا۔ بلکہ وہ تو اپنے ذہن و فکر کو اندھی تقلید ہی مین غلام بنائے رکھنا سعادتِ دارین سمجھتا ہے اور بس) پس اے مخاطبین عرب! تم کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیئے کہ خالقِ کائنات کا قانون اٹل ہے۔ وہ بے لگام اور کھیل تماشا۔ سحر۔ جادو۔ طلسم نہین ہے۔ وہ تو ہر ٹیڑھی راہ چلنے والون کی تاک مین ہے کہ جس قوم یا فرد نے فرایضِ منصبی مین کوتاہی کی۔ کہ اس پر عذاب کا کوڑا برس پڑا۔ اس بیسوین صدی مین ہمارے غور و فکر کے لئے اس وحی مین قومون کے عروج و زوال کی لاکھون تاریخین

ان آیات کی روشنی مین جرمن وغیرہ کی تباہی

ماضی اور حال کی موجود ہین۔ ذرا زارِ روس اور جرمن۔ چین۔ برطانیہ۔ ہندوستان۔ ترکی۔ بغداد۔ طرابلس۔ یونان۔ فرانس۔ فلسطین۔ مصر۔ اسپین کی تاریخون کا مطالعہ کرو۔ اور مسلمانون کے عروج و زوال پر نظر ڈالو۔ پھر ایاتِ قرآنی کا فہم حاصل کرنے کے لئے غور و فکر کو کام مین لاؤ تو معلوم ہوگا کہ قدرت کا قانونِ امہال اور قانونِ ارتقا کس طرح ایک دوسرے کی تاک مین خالقِ کائنات تعالیٰ سُبحانہٗ نے لگا رکھا ہے کہ رمق برابر بھی اس مین کمی و زیادتی نہین ہوتی۔ اور خود بخود نتایج خیر و شر

قدرت کی مشنری

نمایان ہوتے رہتے ہین جیسے کہ ایک مشنری ہر پُرزے کے نتایج عمل کو ظاہر کرتی رہتی ہے جیسے مِنٹ (دار الضرب) مین چاندی کو ایک مقام پر ڈال دیا جائے تو وہ اپنے مدارجِ مشنری کو طے کرتے ہوئے ایک روپیہ کی صورت مین آخری درجہ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اگر تانبا ڈال دیا جائے تو پیسہ کی صورت مین۔ سونا ڈال دیا جائے تو اشرفی کی صورت مین۔ بس اسی طرح اللہ کے بنائے ہوئے قانونِ قدرت کو خالقِ کائنات کی ایک مشنری سمجھ لو۔ اس کی ضرورت نہین ہے کہ خدا اس مشنری کے ہر پُرزے کو ہر وقت تاک لگائے بیٹھا رہے۔ ہم دیکھتے ہین کہ یورپ کے بہترین کارخانون کی مشنری کو اُس کا انجینیر ہزار دن کوس پر بیٹھا ہوا دیکھتا نہین رہتا۔ مگر اس کی بنائی ہوئی مشنری کبھی غلطی نہین کرتی۔ تو غور کرو کہ وہ خالقِ کائنات کی مشنری کیسے غلطی کر سکتی ہے۔ پس اس آیت کا منشا آج کا دماغ انسانی یہی لے سکتا ہے کہ سُنت اللہ کی مشنری جزا و سزا کے نتایج مرتب کرتے اپنے خالق تعالیٰ سُبحانہٗ کے منشار کے مطابق تاک لگائے ہوئے ہے۔

ت ۲۔ مبر افسکر:۔ نہ صرف مخاطبین وحی زمانہ نزول کو سمجھایا جا رہا ہے بلکہ ہر زمانے کے آدمی کو درسِ عبرت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو انسان (باقی صفحہ ۲۲۲)

گری ہوئی انسانیت کو سہارا نہ دینے سے تباہیِ قوم و مُلک و ذات

مستقبل کے لئے کچھ اپنا سرمایہ خرچ کر لیتا کہ وہ آج میرے کام آتا ؏۲۵ وہ دن انصاف کا تو بڑا ہی سخت مواخذہ کا ہوگا ؏۲۶ اور قاضیٔ یومِ جزا کا حکمِ سزا بھی تو بہت ہی

(بقیہ صفحہ ۲۲۱) کیسا عجیب الفکر ہے۔ کہ جب اس کا رب اس کو اپنے فضل اور اس کے اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں عزت اور دولت سے سرفرازی بخشتا ہے تو وہ سب کچھ بھول کر کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میری نیکیوں کا بدلہ میرے رب نے مجھ کو عطا فرمایا۔ اور وہ اپنے فرائضِ منصبی کو بھول جاتا ہے کہ انسانیت کا فرض کیا ہے۔ بے سہارا کو سہارا دے کر اس کو اس کے قدموں پر کھڑا کرنا۔ اور مفلوک الحال مفلس۔ فاقہ کش کی امداد کرنا۔ اپنی دولت کو اپنی قوم کے مفاد کے لئے خرچ کرنا۔ اور اپنی عزت۔ اپنے اقتدار کو کام میں لاکر دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دینا تاکہ انسانیت کا توازن بگڑنے نہ پائے۔ ان فرائض کو انسان بھول کر اپنے عیش و عشرت میں مگن ہو جاتا ہے اور ہر دم اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ میرا سرمایہ اور میرا اقتدار تو میرے رب ہی نے میرے اعمالِ نیک کی وجہ مجھ کو دیا ہے۔ اس کو ذرا بھی اپنے فرائض کا خیال نہیں آتا۔ جب اس کی اس لاپروائی فرائض کی وجہ اس کے رب کے مقررہ قانون کے تحت کارکنانِ قضاء وقدر اس پر تنگی اور ذلت و مسکنت لپیٹ دیتے ہیں تو چیخ اٹھتا ہے کہ ہائے میرے رب نے مجھ پر ظلم کیا اور مجھ پر تباہی و بربادی ڈال دی۔ ذرا بھی غور نہیں کرتا کہ وہ رب العالمین اپنے بندوں پر ظلم کر کے کیا کرے گا۔ وہ تو اپنے بندوں کا بے غرض آقا ہے اور کائنات کو ان کی سعئ پیہم کے سلسلہ میں انعاماتِ الٰہی سے فیض یاب کرنے کے لئے ان کا مطیع بنا دیا ہے تو پھر وہ تم پر ظلم کر کے کیا کرے گا۔ چنانچہ ثمود۔ عاد اور مصر کی عظیم المرتبت قوموں کا ذکر کرتے ہوئے جن کو اہلِ عرب مخاطبینِ وحی خوب جانتے تھے۔ انسان کی فطرت کی بے لگامی کو بتلایا جا رہا ہے کہ ان قوموں نے ابتداء میں تو اپنی سعئ پیہم کی وجہ عزت اور دولت سب کچھ حاصل کر لیا۔ لیکن دولت اور اقتدار نشہ میں سرشار ہو کر بجائے امن و سلامتی کے جبر و تشدد۔ ظلم و زیادتی کو اپنا شعار بنا لیا۔ اور محض چند رسم و رواج کے حرکات اور الفاظ کو ادا کر کے یہ سمجھ لیا کہ یہی مالی اور جسمانی عبادت ہے اور یہی باعثِ خوشنودئ خدا ہے۔ اور پھر اس گھمنڈ میں بھی مبتلا ہو گئے کہ تمام اقوامِ عالم سے خدا کے ہم برگزیدہ ہیں۔ چونکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی عطا فرمائی ہے اس لئے ہم کو پست اقوام پر ہر قسم کے ظلم و ستم اور جور و جفا کا حق بھی ہے۔ اس کا نتیجہ قانون امہالِ قدرت نے نافذ کر دیا اور قوم کی قوم کو یا افراد کو مصائب و آلام میں مبتلا کر کے ان کی روزی تنگ کر دی تو واویلا مچانا شروع کر دیا کہ ہمارے رب نے ہم کو تباہ کر دیا۔ بات یہ ہے کہ تمہارے رب نے تم کو تباہ نہیں کیا بلکہ تم خود اپنے ہاتھوں تباہ و بربادی کو مول لئے۔

مُردوں کا مال کھانے والے

دیکھئے آیت (۱۹-۲۰ و ۲۱) میں مُردوں کا مال غیر مستحقوں کے کھانے کو انتہائی کراہت سے دُہرایا جا رہا ہے اور وہ بھی بسلسلۂ عذاب اور وعید۔ نزولِ وحی کے زمانے میں سرمایہ داروں کے مُردوں کا مال کھانے کی طرف جو رغبت تھی آج بھی تمام اقوام میں۔ خصوصاً مسلمانوں میں وہی رغبت بہت زیادہ نمایاں ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جب کوئی مرتا ہے تو جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ بیوہ۔ یتیم کا حق ہوتا ہے۔ ان کی بے سہارگی کا ایک ادنیٰ سا سہارا۔ لیکن ایصالِ ثواب۔ فاتحہ وغیرہ کے نام سے جو رسومات انجام پاتے ہیں ان میں (باقی بر صفحہ ۲۲۳)

سخت ہوگا ؏۲۷ پس انسان کے لئے کیا ضروری نہین ہے کہ وہ اس زندگی مین اپنے نفس کو مطمئن کرلے ؏۲۸ اور پھر مستقبل مین جب وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہو تو وہ اس کے ادائیِ فرائض سے راضی ہو جائے اور تو خود اپنے رب کے سرفرازیِ انعامات سے

(بقیہ صفحہ ۲۲۲) ان مین سرمایہ دار اور غیر مستحقین جاکر کھاتے ہین اور مستحقین کو نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ اگر رسم ورواج کی پابندی نہ کی جائے تو بیوہ اور یتیمون پر انگشت نمائی اور طعنہ زنی شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کے لئے ان یتیمون کو مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر علماء و مشائخین۔ پیرانِ طریقت سب ہی ایصالِ ثواب کے نام سے دو گوشتہ پلاؤ کھاتے ہین۔ اگر کوئی منع کرے تو اس کو ملحد۔ وہابی۔ بے دین کا خطاب ملتا ہے (دیکھو اس خصوص مین میرا مطبوعہ رسالہ "رجب کے کونڈے") اور اسی طرح میراث کی تقسیم مین قوی۔ کمزور کے حقوق کو غصب کرجاتا ہے۔ لڑکیون کے حصص نظرانداز کردیئے جاتے ہین اور بعض یتیم و بیوہ کو محروم الارث قرار دے کر تباہ کردیا جاتا ہے۔ یہ ہے آج کل امتِ محمدی کا طریقہ!۔ پس اسی طرح نزولِ وحی کے وقت اہلِ مکہ کا طور و طریق تھا۔ یہود کے احبار۔ راہبان امی اہلِ عرب کو اس قسم کی ترغیب و تحریص دلاکر مُردون کی میراث کو من مانے کھاتے تھے۔ اور خود اہلِ مکہ و اہلِ عرب بھی ایسا کرتے تھے تو ان کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ "دیکھو! تم کس طرح اپنے مال کی محبت مین غرق ہو۔ آج مُردون کا مال بے کھٹکے کھا رہے ہو۔ اور اپنے سرمایہ سے محبت کرکے اس کو جان سے عزیز رکھا ہے۔ کل تمہارے مرنے کے بعد کیا ہوگا اس پر بھی تم نے غور کیا ہے؟۔ غور کرلو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائضِ انسانیت کی عدم ادائیگی کی وجہ سے عاد و ثمود و فرعونِ مصر کا جو حشر ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔ پس سنبھل جاؤ اور اپنی اصلاح کرلو!"۔

ف۳۔ میرا فکر:۔ "اے انسان! کیا تیری قوتِ فکریہ اس بات پر غور نہین کرتی کہ موت تیرے سر پر کھڑی ہے! کارکنانِ قضاء و قدر تیری تاک مین لگے ہوئے ہین! اور ایک دن تجھ کو مرکر اپنے رب کے آگے محاسبۂ زندگی کے لئے کھڑا ہونا لازمی ہے۔ جہان پر فرائضِ زندگی کے ذرّہ ذرّہ کا حساب دینا ہوگا! تیرے سامنے جہنم کا عذاب بھی ہوگا۔ اور انعاماتِ الٰہی کے آرام و آسائشون کی جنت بھی۔ اور اس دن

انصافِ روزِ جزاء

قاضیِ انصاف۔ جج۔ مجسٹریٹ۔ چیف جسٹسون کا چیف جسٹس۔ یعنی تیرا رب کرسیِ انصاف پر ہوگا۔ اور کارکنانِ قضاء و قدر تعمیلِ حکم کی بجاآوری مین صف بستہ حاضر رہین گے۔ اس وقت تو کفِ افسوس ملے گا۔ اور سوچے گا کہ کاش مین اپنے ماضی مین مستقبل کے لئے کچھ توشہ آگے بھیج دیتا تو وہ آج کام آتا لیکن اس وقت تیرا سوچنا عبث ہوگا کیونکہ تیرے لئے قانونِ امہال کی مدت ختم ہو چکی ہوگی!۔ کیا تو نہین دیکھتا کہ تیرے بنائے ہوئے قاضی مجسٹریٹ اور چیف جسٹس جب کرسیِ انصاف پر بیٹھتے ہین تو کس قدر سچائی سے بے لوث انصاف کرتے ہین۔ پھر مالکِ یوم الدین کے انصاف مین تو کیا ناانصافی کی توقع رکھ سکتا ہے!" (دیکھو میرا فکر وحی نمبر (۱۷) فقرہ (۳) مین)۔

دیکھیے! کس طرح ان آیاتِ بینات مین مخاطبین کے غور و فکر کے لئے دنیاوی انسانون کے (باقی بر صفحہ ۲۲۴)

مسرور رہے ۲۹ اور تیرا رب کہے کہ تو میرے خاص بندوں کے ساتھ جا مل ۳۰ اور داخل ہو جا۔ اطمینان و آرام۔ راحت و آسایش کی زندگی میں ۴۱ ع ۔

(بقیہ صفحہ ۲۲۳) عدالتوں کا نقشہ کھینچ کر سمجھایا جا رہا ہے تاکہ معاد کا تصور ان کو کپکپا دے۔ دیکھو جب چیف جسٹس اجلاس پر آتا ہے تو کس طرح اس کے لوازمات مہیا رہتے ہیں کہ ملزم کی نظر چیف جسٹس پر پڑتے ہی وہ کانپنے لگتا ہے۔ ہائی کورٹ کے اجلاس کو دیکھو تو "مالک یوم الدین" کے اجلاس کی شان کا اندازہ ہوگا۔ جس مولوی و مشائخ یا مفسر نے کبھی اعلیٰ عدالتوں کا معاینہ ہی نہ کیا ہو اس غریب کو دبدبہ عدالت کی کیا خبر؟ بہر حال حشر آخرت سے متعلق تو کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہاں کیا اور کیسا اور کیونکر ہوگا۔ اسی لئے وحیٔ الٰہی مخاطبین کے داخلی تصورات و نقشوں کو بتلا کر ہی راہِ ہدایت اور حکمت و موعظت کا طریقہ اختیار کرتی ہے تکیہ ہتیلی کی جنت اور زیرِ پا کا جہنم۔ پس جس طرح دُنیا کی عدالتوں میں ملزم کے لئے سزا تجویز ہو جانے کے بعد اس کا پچتاوا۔ افسوس سب کچھ بے کار ہے اسی طرح اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی عبس اور بے معنے بات ہے۔

ف ۴ ۔ مراقبہ :- دیکھیے پھر بتلایا جا رہا ہے کہ انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی حیاتِ موجودہ۔ زندگی جاریہ میں ہی ایسے کام کرے جس سے اُس کے قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے کیونکہ وحی نمبر (۱۵) میں بتلا دیا گیا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ فکریہ عطا فرما کر اچھائی اور بُرائی کی تمیز دے دی ہے تو اسکا فکر۔ اس کے ضمیر کو مطمئن کر دے گا جب کہ وہ عملِ صالح کرے۔ ورنہ اس کو ملامت کرے گا۔ پس جو لوگ عملِ صالح کر کے اپنی زندگی ہی میں اطمینان حاصل کر لیتے ہیں وہ یومِ حساب میں نہ صرف مطمئن رہیں گے بلکہ ان کا رب بھی اُن سے راضی رہے گا کہ انھوں نے مقصدِ تخلیق کو کما حقہٗ پورا کیا۔ ظاہر ہے کہ جب کسی آقا کے غلام کسی بادشاہ کے ملازمین اپنے فرایض کو کما حقہٗ پورا کر کے متعلقین۔ آقا اور رعایا، حکومت کو راحت و آرام دیتے ہیں تو آقا اور بادشاہ اپنے غلاموں اور ملازمین سے کس طرح راضی و خوش ہو کر ان کو انعامات سے سرفراز کرتا ہے۔ برخلاف اس کے عدم ادائیِ فرایض سے وہ ناراض ہو کر ان کے لئے سزا تجویز کرتا ہے۔

روزِ حشر صرف دو گروہ ہوں گے [۲] غور کیجئے کہ یوم انصاف۔ یوم حشر اول و آخر دو ہی گروہ کا ذکر آپ کو قرآن حکیم میں ملے گا۔ ایک گنہگار۔ ملزم۔ مجرم۔ اور دوسرے نیکوکار۔ فرایضِ منصبی کو کما حقہٗ ادا کرنے والے۔ البتہ ایک اور جماعت کا ذکر بھی قرآن نے کیا ہے۔ وہ مقربین ہیں دُنیا میں بھی ہر حکومت میں یہ تین ہی گروہ آپ کو نظر آئیں گے ان گروہوں میں کسی مذہب۔ یا عقیدہ یا صورت شکل۔ نسل۔ نسب کا کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ صرف عمل ہی دیکھے جاتے ہیں۔ اور عمل ہی کے لحاظ سے تمام رعایا۔ اور غلام اور بندے جماعت میں تقسیم ہوتے رہیں۔ بہر حال اس وحی میں پھر وہی بات بتلائی جا رہی ہے کہ یوم جزا نہ کسی کی سفارش کارگر ہوگی اور نہ کوئی معاوضہ قابل قبول ہوگا۔ اور نہ کوئی مہلت دی جائے گی اور نہ کسی کے عقاید۔ ایمانیات۔ نسب حسب کو (باقی بر صفحہ ۲۲۵)

(بقیہ صفحہ ۲۲۴) پوچھا جائے گا سوائے عمل کے۔

ایک بات خاص طور پر فکر و فہم کے حصول کے لئے ذہن نشین رہنے دیجئے کہ وحیِ الٰہی ابتداء ہی سے حشرِ اول یا حشرِ آخر کے موقع پر دو یا تین فریقوں کا ہی ذکر فرمارہی ہے۔ ایک قابلِ سزا۔ اور ایک قابلِ جزاء۔ اور تیسرا مقربِ بارگاہ ۔۔ غور کیجئے کہ حشرِ اول ہر قوم کے موقع پر یہی تین فریق دنیا میں بھی نظر آتے ہیں ۔۔۔ (حشرِ اول کیا ہے؟ ۔سورۂ حشر میں یہود کی جلا وطنی کو وحیِ الٰہی نے حشرِ اول کہا ہے۔ اس سورہ کو پڑھ لیجئے اور تاریخ کی روشنی میں حشرِ اول کا مفہوم حاصل کر لیجئے ۔) پس ہر قوم غالب یا مغلوب یا پھر سردارانِ قوم غالب ہوتے ہیں۔

ہر غالب قوم کا مومن ہونا قرآنِ حکیم نے ایک اٹل فیصلہ کر دیا ہے کہ :۔ " تم ہی دوسروں پر غالب رہو گے اگر تم سچے مومن ہو جاؤ گے "۔۔ پس اس نظریہ کے تحت ہر فاتح قوم کا مومن ہونا ایک نتیجہ ہو گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مشرک ۔غیر مسلم اُمتِ محمدی کے مقابل مومن کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ۔اسکا جواب عقاید باطلہ سے ہٹ کر قرآن کی روشنی میں میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ جس جماعت کی نیکیاں (۵۱) فی صد ہوں گی (۴۹) فی صد کے مقابل قرآنِ حکیم کے فیصلہ کے لحاظ سے وہ مومن سمجھی جائے گی ۔کیونکہ سنت اللہ کے تحت قانونِ قدرت ہوتا ہے اور قانونِ قدرت کے تحت کارکنانِ قضاء و قدر خود بخود نتایج مرتب کرتے رہتے ہیں۔ آپ یا میں جب کبھی "حشر" کی بات پر غور کریں گے تو حشرِ اول میں ایک ایک حرف وحی کے مطابق اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے ۔ خود اُمتِ محمدی کے حشرِ اول کو مختلف ممالک میں ان کی تاریخوں کو سامنے رکھ کر غور کر لو کہ کس طرح مفتوح قوم اور افراد کی گت بنی ہے ۔۔ دُور کیوں جائیں ۔حیدرآباد کے پولیس ایکشن ہی پر نظر ڈالو ۔ تو

یوم الساعۃ "یوم الساعۃ" کے بتلائے ہوئے تمام نقوش مسلمانانِ حیدرآباد کے آنکھوں دیکھی باتیں ہوں گی ۔ حشرِ آخر کے تصورات تو ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہیں ۔۔ اب رہی غالب قوم کی حالت ۔جب کوئی قوم صبر و استقلال اور قوتِ ارادی کے ساتھ اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑ لیتی ہے تو وہ فتح و نصرت کا انعام بھی حاصل کر کے آرام و آسایش ۔مسرت و شادمانی کی جنت میں پہنچ جاتی ہے اور اسکو وہاں پر حور و غلمان ۔ باغ ۔نہریں ۔ تخت ۔ گاؤتکیہ ۔کنگن وغیرہ سب ہی قدرت مہیا کر دیتی ہے ۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے اوراق میرے اس فہم کی ناقابلِ تردید شہادت ہے ۔ بہ قولِ اقبالؒ ؎ یعنی بہشت بھی ہے ۔حور و جبریلؑ بھی ہے ؛ تیری نظر میں ابھی شوخیِ نظارہ نہیں ۔

ظاہر ہے کہ بے بصیرت کا کوئی علاج نہیں جب کہ وہ مادر زاد اندھا یعنی تقلیدِ جامد کا شکار ہو ۔۔ ذرا فرانس ۔برطانیہ ۔مصر کے کل ہی کے حالات پر نظر ڈالو فلسطین اور عرب ۔عراق ۔چین ۔جرمن اور جاپان یا خود اپنے گھر کا جائزہ لو ۔ یعنی ہندوستان اور پاکستان (بشرطیکہ "انا خیر منہ" یعنی اُمتِ محمدی ہی سب سے برتر کا ابلیسی عقیدہ غور و فکر پر غالب نہ ہو) ہی کے حالات پر نظر ڈالو تو "یوم الساعۃ" صالح اور غیرِ صالح جماعتوں پر آسانی سے رائے قایم ہو کر فہمِ قرآنی حاصل ہو سکتا ہے ۔

"نفسِ مطمئنہ" کس طرح اصحابِ رسولؐ کو حاصل تھا ۔ اور وہ کس طرح خدا سے راضی ہوئے یعنی انہوں نے احکامات بلا جبر و اکراہ بجالائے اور کس طرح اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور نتیجۃً خلافتِ زمین اور انعامات ارضی سے سرفراز فرمایا ۔ پھر ان کے ناخلف کس طرح تباہی میں جا پڑے ۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کر کے عبرت حاصل کرو محض خوش اعتقادی اور جنتی کی بہشت اور دوزخی جہنمی خیر الامم کے تصوراتِ ظنی سے کوئی فایدہ نہیں ہو گا ۔ "ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا" یعنی رکھو کہ اللہ کا قانون رتی برابر نہیں بدلتا ۔

نام سورہ۔ **الاعلیٰ** تعداد آیات (۱۹) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۸۷) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۱) زمانۂ نزول۔ دورِ دوم۔ سنہ بعثت ۶۱۱ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق بعض محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۷	۷	۷	۸	۲۳	۱۹	۲۵	۲۰	۲	۸	۸

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام شریعت ومنہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات	صفحہ		صفحہ
×	عام انسانیت	×	۱۔ تخلیقِ کائنات کا نظریہ۔ خلق۔ فسوّیٰ۔ قدرہٗ۔ فہدیٰ۔	و۱	۷۔ انسان میں بھول کی صفت ایک نعمتِ خداداد ہے۔	و۳
					۸۔ ناسخ و منسوخ آیات۔	و۳
			۲۔ گھوڑی کی ایک مثال۔	و۱	۹۔ صبر کی حقیقت۔	و۳
			۳۔ فہدیٰ = ہدایت	و۱	۱۰۔ نصیحت کو کون قبول کرتا ہے؟	و۴
			۴۔ وحیِ الٰہی۔ وحیِ شیطانی۔	و۱	۱۱۔ دینِ فطرت دینِ قدیم تمام کرۂ زمین کے مذاہب کے	و۶
			۵۔ وحی کی زبان	و۱	انسانوں میں موجود ہے۔	
			۶۔ گھانس کا کوڑا کرکٹ ایندھی زندگی کا ارتقاء ہے۔	و۱	۱۲۔ تاریخ ابراہیم اور ان کی ہجرت کا نقشہ۔ صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ۔	و۶
					۱۳۔ کیا وید صحفِ نوحؑ و ابراہیمؑ ہے؟	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے انسان! تو اپنے ربِ جلیل الشان کی پاکی بیان کر۔ جیسے اپنے منشا تخلیق کو پورا کر تا ۱
جس نے کائنات کو اکمل طریقہ پر پیدا کیا ہے ۲ اور جس نے ہر چیز کو جو کائنات میں ہے

ایک اندازہ مقرر کر کے ایک اچھے راستہ پر لگا دیا ۳ ف اور وہ ذات جس نے

ف - میرا فکر:- سبحان اللہ! کس قدر جامع یہ تین ۳ جملے وحیٔ الٰہی کے ہیں جس میں اس بیسویں صدی کا تمام علمِ سائنس بھرا ہوا ہے۔ نزولِ وحی کے وقت مخاطبین وحی بہ مشکل ان جملوں کا مفہوم اعلیٰ سمجھ سکتے ہوں گے۔ جب کہ آج کا انسان ایک لاکھ میں ایک بھی اس کو سمجھنے سے عاری ہے۔ البتہ ماہرین علم سائنس ہی

تخلیقِ کائنات کا نظریہ:- خلق۔فسوّٰی۔قدّر۔فھدیٰ۔

ان آیات کی صحیح تفسیر اپنے تجربات کی بناء پر کر سکتے ہیں۔ وحیٔ اول میں " علم الانسان ما لم یعلمہٗ " کہہ کر انسان کے فکر میں اچانک پیدا ہونے والے علم کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اب تخلیق کائنات کے ذرہ ذرہ میں کن کن اصولوں کو قدرت نے اختیار کیا ہے اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔ کہ جب خالق تعالیٰ سبحانہٗ کا حکم "کُن" ہوتا ہے کسی چیز کے عالم وجود میں لانے کے لئے تو کارکنانِ قضاء و قدر منشاء رب العزت کی تعمیل میں انتہائی حُسن و خوبی سے ٹھیک ٹھیک اُس کی بناوٹ کرتے ہیں کہ اس میں کوئی سُقم نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ اس شئے کے نشو دنما اور اپنے مقصدِ تخلیق کے حصول کے لئے ایک اندازہ بھی مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یعنے اس کی تقدیر بھی معین ہوتی ہے۔ تقدیر کے مفہوم میں عام طور پر غلط فہمیاں ہیں اور قرآن حکیم نے تقدیر کا لفظ اکثر استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے میں اپنے فکر و فہم کے لحاظ سے اس کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں:-

تقدیر　دیکھئے غریب القرآن میں حسب ذیل قَدَرَ کے معنیٰ قرآن میں آئے ہیں:-

(۱) قَدَرَ۔ قدرت رکھنا۔ کام کرنے کی طاقت رکھنا۔ اختیار رکھنا۔ دار و گیر کرنا۔ گرفت کرنا۔
(۲) قَدَرَ۔ ایک اندازے سے دینا۔ ایک حساب سے دینا۔ نپی تلی چیز (فقدر علیہ رزقہ)۔
(۳) " تنگی کرنا (اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر)۔
(۴) " کسی کی قدر کا اندازہ کرنا (فقدر علیہ رزقہ)۔
(۵) مقرر کرنا (علیٰ امر قد قدر)۔
(۶) قَدَرٌ۔ (اسم فاعل) مقررہ۔ مقدار۔ حساب۔ قاعدہ (قد جعل اللہ لکل شیٍٔ قدرا)۔
(۷) قَدر۔ استطاعت۔ طاقت۔ عظمت (لیلۃ القدر خیرٌ)۔
(۸) قَدَرٌ۔ (اسم فعل) مقرر شدہ۔ مقدر۔ مقررہ مقدار۔ مقررہ ناپ۔ حساب۔
(۹) " وسعت۔ (۱۰) قُدُوْرٌ۔ دیگیں (قدورٌ۔ راسیات)۔
(۱۱) قَادِرٌ۔ وہ جو طاقت رکھتا ہے۔ غالب ہے۔ (۱۲) قدیر۔ زبردست قدرت رکھنے والا۔
(۱۳) مَقْدُوْرٌ۔ ایک حساب سے مقرر کیا ہوا (و کان امر اللہ قدراً مقدورا)۔
(۱۴) مِقدار۔ حساب۔ قاعدہ (و کل شیٍٔ عندہٗ بمقدار)۔
(۱۵) " مدت (فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃٍ)۔
(۱۶) قَدَّرَ۔ بہ مقتضائے حکمت ترتیب دینا۔ مقرر کرنا۔ دائرۂ عمل تجویز کرنا (والذی قدر فھدیٰ)۔
(۱۷) قَدَّرَ۔ مقرر کرنا (قدر فیھا اقواتھا)۔
(۱۸) " حکم دینا (۱۹) تدبیر کرنا (۲۰) حساب کرنا۔ ناپنا (قدروھا تقدیرا)۔

(باقی بر صفحہ ۲۲۸)

اِس زمین سے لہلہاتا سبزہ اُگایا ہے ۴ پھر کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ خاکستر

(بقیہ صفحہ ۲۲۷) (۲۱) تَقْدِیْرٌ۔ (اسم فعل) بہ مقتضائے حکمت ترتیب دینا حساب سے مقرر کیا ہوا انتظام
(۲۲) مُقْتَدِرٌ۔ قدیر۔ قدرت والا۔ غالب۔

گھڑی کی مثال

میرا فہم تقدیر کے لئے یہ ہے کہ کسی شئے کو اس کی حالت۔ مقدار۔ اثر۔ زمان و مکان میں ایک معین حساب سے مقید کر دیا جائے جیسے گھڑی۔ کہ اُس کے خالق نے اس طرح اسکی تقدیر بنادی ہے کہ اگر اُس کو کنجی دے دی جائے تو اس کا ہر پُرزہ قوت کمانی سے متحرک ہو جاتا ہے اور ایک ہی مقررہ حرکت پر وہ رہتا ہے جس کی وجہ آپ کو سکنڈ۔ منٹ۔ گھنٹے وہ بتلاتی ہے لیکن اسکے لئے ہر ایک پُرزے کا دوسرے پُرزے سے تعاونِ عمل لازمی ہے۔ ورنہ گھڑی اپنے فرائض کو پورا نہیں کر سکتی۔ ایک خاص چیز گھڑی میں اُس کے بنانے والے نے جو رکھی ہے وہ اس کی بال کمانی ہے۔ دیکھئے جب آپ گھڑی کو کنجی دے دیں بلا کسی حرکت کے تو وہ چلے گی نہیں۔ بال کمانی کو متحرک کرنے گھڑی کو حرکت دینی ہوگی۔ جب بال کمان متحرک ہو جائے تو وہ اصلی کمانی کی قوت سے اس وقت تک متحرک رہے گی جب تک کہ اصلی کمانی کی قوت ختم ہو جائے۔ قوتِ محرکہ کے ختم ہونے کے بعد آپ نے گھڑی کو بال کمانی کے متحرک کرنے کے لئے ہلا دیا لیکن وہ ایک دو سکنڈ چل کر پھر رُک گئی۔ اس لئے کہ دوسرے پُرزے لیور کو متحرک نہیں کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اصلی کمانی میں اب قوت ختم ہو چکی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھڑی کے موجد (یعنی خالق) نے گھڑی کی تقدیر اس طرح بنائی ہے۔

جب ہم کائناتِ عالم کی کسی چیز پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر وجود کی جسمانی ساخت اور معنوی قویٰ میں ایک خاص اندازہ موجود ہے۔ جس میں ذرا بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:—
قولہ تعالیٰ "خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ۝" (ترجمہ:— تیرے رب نے کائنات کی ہر چیز پیدا کی اور پھر ہر چیز کے لئے اس کی حالت اور ضرورت کے مدِ نظر ایک خاص اندازہ مقرر کر دیا) یہ قانونِ فطرت کا بنیادی اصول ہے جس میں ذرہ برابر بھی تغیر نہیں ہوتا۔ چنانچہ کائنات کی ہر چیز چاہے وہ نظامِ شمسی کی گردش اور کشش ہو۔ یا چیونٹی کی پیدائش اور اس کی زندگی۔ سب تقدیر کی حد بندیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ جو اربوں اربوں صدیوں کے گذر جانے کے بعد بھی اپنی تقدیر کو بدل نہیں سکتیں:—

"فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۝"

دیکھو جو پرند ہوا میں اُڑتا ہے وہ پانی میں رہ نہیں سکتا۔ اور پانی کی مخلوق خشکی پر فنا ہو جاتی ہے۔ پھر مختلف قطعاتِ زمین کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہر جاندار کی ایک خاص ساخت اور تقدیر قدرت نے بنائی ہے جو بلحاظ جغرافیائی حالت کے موزون ہے۔

پھر ذرا گھڑی کی مثال کو پیشِ نظر رکھو۔ ہر گھڑی کا مقصد اور غرض وقت بتلانا ہے۔ لیکن ہر گھڑی کے پُرزے اور ساخت۔ صورت شکل میں علحدہ علحدہ نظر آئیں گے۔ لیکن ہر گھڑی کے لئے ایک قوتِ محرکہ اور دوسرے لیور۔ یعنی قوتِ محرکہ کو کنٹرول کرنے والا پُرزہ لازمی ہوگا۔ گو اس کی صورت شکل علحدہ علحدہ ہو۔ پس یہ خلق تو گھڑی ہوئی یعنی ایک شئے — ایک غرض کے لئے۔ اس کو بنایا گیا تو "فَسَوّٰی" کی (باقی بر صفحہ ۲۲۹)

ہو جاتا ہے ع۵ اے محمد! ہم تجھ کو سب کچھ بتلا دینگے جسکو تم بھول نہ سکو گے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ ع۲ و۱

(بقیہ صفحۂ ۲۲۸) صورت ہوئی۔ **نقدیر** اسکے لئے ایک مقررہ اندازہ بنایا گیا۔ یعنے وہ ہر سکنڈ بتلاتی ہے۔ اس کے بعد ہر منٹ۔ اس کے بعد ہر گھنٹہ۔ اس کے علاوہ ہر روز۔ ہر ہفتہ۔ ہر مہینہ اور ہر سال۔ بلکہ ہر صدی۔ یہ ہے اسکی تقدیر کے کرشمے۔ **"فہدیٰ"** وہ بال کمانی کی حرکت ہے جو ایک انتہائی کمزوری کے باوجود تمام مشنری کو متحرک کر دیتی ہے اور اس کو راہ پر لگا دیتی ہے ـــ بس یہ ہے تقدیرِ انسانی کا منشاء۔ نکہ وہ جو ہم سمجھتے ہین کہ نطفہ کہ قرار پاتے ہی ایک فرشتہ نے اللہ کے حکم سے اس کی پیشانی پر اس کی قسمت لکھ دی۔ لہٰذا انسان اپنی قسمت۔ تقدیرِ مقررہ کا تابع ہو گیا۔ یعنے مجبور و معذور ـــ اس کے اختیار مین کچھ نہین ـــ لیکن اقبال نے دو مصرعون مین تقدیر کی حقیقت کو خوب واضح کر دیا ہے ؎

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزدان ٭ تو خود تقدیرِ یزدان کیون نہین ہے

اب ذرا ہدایت۔ **ھدیٰ** پر بھی فکر کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن مین اکثر مقامات پر فہدیٰ کا لفظ آیا ہے۔

فہدیٰ جسکے معنے ہدایت

راستہ بتلانا۔ ٹھیک راہ پر لے چلنا۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہنمائی کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ منزلِ مقصود پر بلا کھٹکے کے جو راہ نمائی ہو وہی سچی راہ نمائی کہی جا سکتی ہے۔ نکہ منزلِ مقصود سے ہٹ کر راہ بھٹکتے پھرنے کو راہ نمائی کہا جائے۔ قرآنِ حکیم نے ہم کو جو دعا بتلائی ہے وہ "صراط مستقیم" یعنے ایسا راستہ جو منزلِ مقصود کو خیر و عافیت سے جلد پہنچا دے کی دعا ہے۔ قانونِ قدرت بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ ذرا بھی راہِ مستقیم سے ہٹو تو غار مین گرنا پڑتا ہے

قرآنِ حکیم نے لفظِ ہدایت کو مختلف حالات کے لئے مختلف مفہوم مین ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ کہین تو ایک وجدانی کیفیت کیطرف اشارہ کرتا ہے اور کہین تو ربوبیتِ الٰہی کو بتلا رہا ہے۔ کہین حواس و ادراک کی بیداری مین نظر آتا ہے۔ کہین ذہن و فکر کی تربیت کا سبب ہے اور کہین وہ اصلاحِ انسانیت کیلئے بصورتِ وحی انبیاء و مرسلین و مصلحینِ قوم کا رہنما ہے اور کہین وہ لیڈرون اور ناخدایانِ قوم کی رہبری مین استعمال ہوتا ہے۔ یہان تک کہ وہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ حشرات سب ہی کو ان کے مدارج تخلیق و تسویہ و تقدیر کے لحاظ سے رہنمائی کرتا ہے۔

پھر گھڑی کی مثال کو سامنے لاؤ۔ اور اس کی بال کمانی کے مقصد اور کارکردگی پر غور کرو کہ اس کا کام تمام پرزون کو راہ پر لگا دینا ہے۔ یعنے محرک کر دیتا ہے جس کے بعد مشنری متحرک ہو جاتی ہے اور بال کمانی اس کے تابع ہو کر متحرک رہتی ہے۔

وحیِ الٰہی

قرآنِ حکیم نے وحیِ الٰہی کا بھی ذکر کیا ہے اور مختلف الفاظ ہم معنیٰ و مفہوم مین ارشاد ہوا ہے۔ وحی کے متعلق میرا فکر (وحی نمبر ۳۱) سورۂ القیامہ کے فقرۂ (۴) پر ملاحظہ ہو) مین بصراحت موجود ہے۔ یہان پر یہ بتلا دینا چاہتا ہون کہ وحی کے معنےٰ ایک مخفی اشارہ کے ہین۔ یعنے فطرت اللہ کا فطرتِ انسانی کے فکر کے لئے ایک مخفی اشارہ۔ یعنے ہدایت جس سے راہِ عمل کھل جائے۔ چنانچہ شہد کی مکھی کے لئے وحی کا لفظ قرآن نے استعمال فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی جبلت کے بموجب اپنے نظم و ضبط کو قایم رکھ کر اپنے فرض کو پورا کرتی ہے۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لئے تسویہ۔ تقدیر اور ہدایت ہے۔ (باقی بر صفحۂ ۲۳۰)

یعنے فطرتِ انسانی کے تقاضے کے تحت اگر کوئی بات تم بھول جاؤ تو تم کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا جائے گا۔ کیونکہ تمہارا رب تو ہر کھلی چھپی چیز سے واقف ہے۔ پس تم کو آسان اور

(بقیہ صفحہ ۲۲۹) ہاں۔ قرآن کہتا ہے کہ شیطان بھی اپنی ذریات کو وحی کرتا ہے۔ تو اس کے کیا معنے ہوئے؟

وحیٔ شیطانی یہی تاکہ شر کے لئے جو اشارہ قلبِ انسانی پر ہو وہ القائے شیطانی ہے۔ قرآن حکیم میں غیر انبیاء و مرسلین پر بھی وحی کے نزول کا ذکر ہے۔ جیسے والدۂ موسیٰؑ۔ زوجۂ فرعون۔ والدۂ مریمؑ اور خود مریمؑ پر "یوحی" کا لفظ آیا ہے ۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحیٔ الٰہی کے مختلف مدارج ہیں۔ کہیں وہ ربوبیت کے لئے عام ہے اور کہیں فکرِ انسانی کے لئے عملِ صالح کی رہنمائی کرتی ہے اور سب سے بلند و بالا درجہ اس کا مرسلینؑ کے لئے ہے کہ اس کے ذریعہ قانونِ الٰہی مرتب ہوتا ہے جس کو قرآن حکیم نے "کتاب اللہ" کہا ہے۔ اور کہیں اس کو نور۔ حکمت۔ موعظتِ حسنہ۔ امام مبین۔ فرقان۔ قرآن سے موسوم کیا گیا ہے۔

وحی کس زبان میں نازل ہوتی ہے؟ میں نے اپنے فکر سے وحی کے متعلق جو فہم حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ قوتِ مدرکہ۔ قوتِ فکریہ کو ایک مخفی اشارہ ہوتا ہے جس کو مامور من اللہ یعنے رسول اپنی مادری زبان میں اپنی قوم کو اُن الفاظ میں مخاطب کرتا ہے جو منجانب اللہ یعنے بصورتِ آمد اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں جس میں آورد کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ پس اس فکر سے آگے میرا فہم و ادراک اور غور و فکر کے پر جلتے ہیں اس لئے میری زبانِ فکر رُک رہی ہے۔

مختصر یہ کہ ہر ایجاد۔ ہر علم۔ ہر عمل۔ ہر فکرِ رسا۔ ہر شعر۔ ہر نئی بات۔ ہر جدید تحریک امن و سلامتی اور آزادیٔ قوم اور نیک کرداری کے لئے انسان مثل بال کمانی کے محتاجِ ہدایت ہے۔ بشرطیکہ اس کی بڑی کمانی یعنے قوتِ ارادی قوی ہو۔ ورنہ ہدایت کی تحریک اس کے لئے کوئی منفعت بخش ثابت نہیں ہوسکتی۔ مثل بال کمانی کی مثال کہ تھوڑی دیر متحرک ہو کر پھر رُک جائے گی۔ چنانچہ وحی نمبر (۱۱) والعصر میں صبر و استقلال کی طرف جو اشارہ ہے وہ قوتِ ارادی ہی کو مستحکم اور قوی العمل بنانے کے لئے ہے۔

المنکر۔ یعنے خواہشاتِ نفسانی۔ یعنے شر و فساد کے لئے یہی صورت ہے جس کو قرآن نے القائے شیطانی سے تعبیر کیا ہے ۔۔ پس معلوم ہوا کہ جو اشارہ المعروف یعنے خیر کے لئے ہوتا ہے وہ ہدایت۔ وحیٔ الٰہی ہے۔ اور وہ منجانب اللہ ہے ۔۔ اور جو اشارہ المنکر کی طرف ہو یعنے شر کے لئے وہ شیطانی۔ یعنے القائے شیطانی ہے۔

ف۲۔ میرا فکر:۔ (صفحہ ۲۲۹ سے متعلق) دیکھو! پھر وہی ارتقائی منازل کو بتلایا جا رہا ہے کہ ہر روئیدگی

گھاس کا کوڑا کرکٹ ہونا ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ ہے جب اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کر لیتی ہے تو اس کی عمرِ طبعی ختم ہو جاتی ہے۔ جس کو تم فنا ہو جانا۔ سوکھ جانا۔ جل جانا کہتے ہو۔ لیکن یہ تخریب در اصل ایک بلند مقصد کی حامل ہوا کرتی ہے۔ دیکھو جب تم پودوں کی بالیاں حاصل کر لیتے ہو تو گھاس رہ جاتی ہے جس کو یا تو جانور کھا جاتے ہیں یا وہ سوکھ جاتی ہے (باقی بر صفحہ ۲۳۱)

سہل طریقے پر تمہارے مشن کی کامیابی کے ذرایع بذریعۂ وحی تمہارا رب بتلا دے گا ع۸ ۶ما ف۳

(بقیہ صفحہ ۲۳۰) لیکن اُس کے جواہر یعنے اجزائے ترکیبی فنا نہیں ہوتے۔ خواہ وہ جانور کھا کر گوبر اور لید بن جائے۔ یا اناج فضلۂ انسانی بن بدل جائے یا زمین ہی میں تمازتِ آفتاب کی وجہ وہ جل کر سیاہ ہو جائے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بارش یا موسم بہار بن قدرت پھر اس کو سرسبز کر دیتی ہے۔ اِس حقیقت کو سائنس دان اور علمِ نباتات و جمادات کے ماہرین نے معلوم کیا ہے۔ جن کے مقالے پڑھنے سے اِس وحی کا منشا ذہن نشین ہو سکتا ہے نہ کہ تفسیر کے معمولی سطحی اذکار سے۔

پس۔ کہا جا رہا ہے کہ ہمارے تخلیق۔ تسویہ۔ تقدیر اور ہدایت کے مدِ نظر تم ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو کہ جلی ہوئی گھاس اور ہضم شدہ اشیاء کا فضلہ بھی قانونِ قدرت کے تحت ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔ پھر کیوں سمجھتے ہو کہ انسان بلا کسی مقصد کے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کا مستقبل تاریک ہے۔ اور وہ مرنے کے بعد فنا ہو جائے گا۔ تمہارا ایسا تصور بے معنے اور لغو ہے۔ یاد رکھو کہ تم کو بعثت بعد الموت کے مدارج اسی طرح طے کرنا ہے جیسا کہ تم زمین کی پیداوار کو دیکھتے رہتے ہو۔"

ف۳۔ میرا فکر:۔ ان آیات کا مفہوم میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ وحیِ الٰہی محمد عربی صلعم کو اس بات سے مطمئن کر رہی ہے کہ:۔ دیکھو! جس طرح ہر چیز میں تسویہ۔ تقدیر۔ اور ہدایت کے سامان تخلیق کے ساتھ ہی مہیا کئے جاتے ہیں اُسی طرح جب تم کو رسالت کے لئے قدرت نے منتخب کر لیا ہے تو تم کو ہدایت کے اعلیٰ درجہ بھی وحی کے ذریعہ سب کچھ بتلایا جا رہا ہے۔ اگر کبھی تم بتقاضائے بشریت کچھ بھول چوک جاؤ گے تو اس کی اصلاح ذریعۂ وحی کر دی جائے گی۔ ہاں جس بات کو اللہ چاہے گا اس کو تو تم اپنے ذہن سے یقینی فراموش کر جاؤ گے۔"

انسان میں بھول کی صفت قدرت کا ایک عظیم انعام ہے

یہاں پر میرا فکر اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ بھول انسان کے لئے قدرت کا عطیہ اور ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر انسان میں بھول کی صفت نہ ہوتی تو اس کی قوتِ فکریہ کے مدِ نظر اس کی زندگی محال تھی۔ کیوں؟ انسان بھول جاتا ہے کہ جب اُس کے پیر میں کانٹا چبھا تھا تو وہ کس کرب و بے چینی میں مبتلا ہوا تھا۔ ماں اپنے لختِ جگر کی موت کو بھول جاتی ہے۔ اگر وہ نہ بھولے تو اس کی زندگی دشوار ہو جائے۔ اس طرح ہر بات راحت یا رنج کی ذہنِ انسانی سے محو ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک ضعیف العمر انسان کو اپنے بچپن کا کوئی واقعہ ازبر رہتا ہے۔ در آں حالیکہ اس کا حافظہ زیادتیِ عمر کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر بھول انسان میں نہ ہو تو غور کیجئے کہ اس کی زندگی کس طرح آگے بڑھ سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قدرت ضرورت کی چیز کو حافظہ میں محفوظ رکھتی ہے۔ اور جس چیز کو حافظہ میں رکھنا مفادِ انسانیت کے لئے مضر ہو اس کو حافظۂ انسانی سے محو کر دیا جاتا ہے۔ اگر باقی بھی رہتا ہے تو ایک موہوم سا خیال۔ آپ نہیں بتلا سکتے کہ ایک روز قبل آپ نے دسترخوان پر کیا کیا کھایا تھا۔ ایک قوی حافظہ والے نے دو روز گذشتہ کا روزنامچہ (۲۴) گھنٹے کا محض دو دن لکھنے کے لئے ہے تو یقیناً وہ بیسیوں باتوں کو فراموش کر چکا ہوگا۔ اگر ہم اس بھول کی طرف اس وحی کے اشارہ کو سمجھیں تو وہ پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں جو آیات اللہ کے (باقی برصفحہ ۲۳۲)

اے محمد! تم سے جہان تک ہو سکے نصیحت کرتے چلے جاؤ ع۹ اور یاد رکھو کہ تمہاری نصیحت تو
وہی قبول کرے گا جو خُدا کے احکام کی نافرمانیون کے نتایج سے خوف کرتا ہو ع۱۰ اور جس کے
قلب مین صفائی موجود ہو۔ اور جو محض اندھی تقلید کی وجہ اپنی فکر کو غلامی کی زنجیرون مین
جکڑ رکھا ہے۔ اور اپنے قلبِ سلیم یعنے غور و فکر کو اندھا بنا چکا ہے۔ اور باپ دادا کے
رسم و رواج پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے۔ ایسے بدقسمت تو عذابِ جہنم کے لئے ہی مختص
ہو چکے ہین جہان پر نہ تو وہ مَرین گے اور نہ ہی ان کی زندگی زندگی مین شمار ہوگی ع۱۱ تا ۱۳

(بقیہ صفحۂ ۲۳۱) ناسخ و منسوخ ہونے پر مختلف تفاسیر بحث کرتے ہین۔ میرا فکر آیات اللہ کے منسوخی کی طرف مائل

ناسخ و منسوخ آیاتِ قرآنی

نہین ہے۔ جب کہ عام عقاید کے لحاظ سے قرآنِ حکیم کی ہر آیت کو قیامت تک کے لئے نافذ سمجھا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس قدر قرآن نازل ہوا وہ من و عن ہمارے سامنے مکمل موجود ہے اور اس کا ہر لفظ محفوظ رکھنے کا وعدۂ قرآنی موجود ہے تو پھر اُس کے بعض جملون کو منسوخ سمجھنا ایک بے معنے بات ہوگی۔ ہان۔ آیات اللہ کے معنے کلمات قرآنی سے ہٹ کر آیاتِ کاینات کے لئے جائین جن مین سُنت اللہ کے تحت تغیر۔ تبدل ہوتا رہتا ہے تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہین رہتی۔

آیۃ۔ کے معنے ہین نشان۔ ثبوت۔ دلیل۔ معجزہ۔ حُکم۔ عبرت —— پس قرآن نے اسی مفہوم مین آیات اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

صبر کی حقیقت

ایک بات یاد داشت مین رکھئے کہ صبر کے معنے ہمت و استقلال کے ساتھ کسی بھی تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے کے ہین۔ لیکن غور کیجئے کہ فطرتِ انسانی کسی بھی تکلیف اور مصیبت کو بتدریج فراموش کر دیتی ہے کسی مصیبت و تکلیف یا پریشانی مین فکرِ انسانی کے تعطل اور سراسیمگی کے بجائے استقلال و ہمت کو کام مین لاتے ہوئے اور سختیون کو برداشت کرکے سہج سہج آگے بڑھنے کی کوشش کرنے کا نام صبر ہے۔ اگر تم اپنی مصیبت و تکلیفون اور دشواریون کو بھول کر ہمت و استقلال اور پامردی سے حصولِ مقصد کے لئے آگے بڑھوگے تو فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومنے کیلئے تیار ہے۔ برخلاف اسکے تم پست ہمت ہو کر مصیبت اور تکلیف کا نوحہ پڑھتے بیٹھے رہو۔ اور پست ہمتی و لاچاری مین پڑ جاؤ تو نتیجتاً ایک وقت ایسا آئیگا کہ تم سب باتون کو فطرتِ انسانی کے تحت بھول ہی جاؤ گے اور فطری طور پر تم کو بھول ہی جائیگا لیکن یہ بات تم کو کوئی فایدہ نہ دے گی۔ پس یہ ہین صبر کے معنے بھی بلحاظ نتایج بھول ہی کے لیے مجبور ہون۔ ایک اور بات بھی قابلِ یاد داشت ہے کہ آیۃ کے معنے احکم کے بھی ہین اور ثبوت و دلیل کے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے دین تو ایک ہی پسند فرمایا ہے جو آج تک ہم کرۂ زمین کے ہر مذہب مین نظر آتا ہے۔ البتہ شرع و منہاج جدا جدا ہین جو فروعات دین ہین۔ پس جو حکم باقی رکھا گیا ہے وہ تو دین ہے۔ وہ منسوخ نہین ہوسکتا۔ اسلئے کہ سُنت اللہ نہین بدلتی۔ البتہ شرع و منہاج کا حالات کیفیات، وقت اور زمانہ اور ضروریات کے تحت بدلتے رہنا لازمی ہے بغیر اسکے چارہ نہین۔ قرآن مین حکم اور احکام کیا ہیں؟ آیندہ اوراق مین آپکو ملیگا۔ یہان صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

ع۱۰ میرا فکر:— پھر تبلایا جا رہا ہے کہ:— اے محمد! تم تو کوئی داروغۂ قوم نہین ہو۔ (باقی صفحہ ۲۳۴ پر)

اے انسان! یہ تو کھلی بات ہے کہ جس نے بھلائی اور ہدایت حاصل کرکے اپنے کو سنوار لینے کا ارادہ کرلیا وہ یقیناً سنور جاتا ہے ۱۴ اور وہ اپنے رب کا نام لیتا رہتا ہے اور صلوٰۃ بھی کرتے ہین ۱۵ مگر لوگ عام طور پر تو دنیا کی زندگی ہی مین مگن رہتے ہین اور آخرت کی بہترین اور تابناک زندگی سے لاپروائی برتتے ہین ۱۶ و ۱۷ ف اے مخاطبین! دیکھو اس قرآن کے ذریعہ جو کچھ نصیحت تم کو کی جارہی ہے وہ کوئی انوکھی اور نئی بات نہین ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۲) تمھاری حیثیت تو صرف ایک پیغام رسان کی ہے نصیحت کے سننے والے مانین یا نہ مانین۔ تم کو اس فکر کی ضرورت نہین۔ تمھارا فرض تو اسی قدر ہے کہ تالیفِ قلوب اور سنجیدگی کے ساتھ ہماری نصیحت مخاطبین وحی کو سناتے چلے جاؤ۔

نصیحت کو کون قبول کرتا ہے؟

دیکھو اسچائی اور حق اور اچھی نصیحت کو تو وہی لوگ سنین گے جن کے قلوب تقلیدِ جامد سے پاک ہون۔ اور غور و فکر کے لئے ان کی نظر اور کان کھلے ہوئے ہون۔ لیکن جن کے قلوب اندھی تقلید سے زنگ آلود ہو چکے ہین اور وہ ظنّی و وہمی عقاید بے سندی مین مگن ہین اور اپنے باپ داداؤن کے ریت ورواج ہی پر دنیا اور آخرت کی نجات سمجھتے ہین۔ ان کے لئے تو ہمارا یہ تذکرہ یعنے نصیحت قطعاً کارگر نہ ہوگی۔ وہ تو ایسی راہ پر ہین جس کی آخری منزل نامرادی و ناکامی کے سوائے کچھ نہین۔ جب وہ قعرِ مذلت مین گرین گے تو تکالیف جسمانی و روحانی سے تنگ آکر موت کو پکارین گے۔ لیکن نہ تو ان کو موت ہی آئے گی اور نہ ان کے مصائب مین کچھ کمی ہوگی۔ بقول شاعر کے :-

مرنے مین آرزو مین مرنے کی ۔ موت آتی ہے پر نہین آتی

جب ذلت اور مسکنت کسی قوم یا فرد پر قدرت لیپ دیتی ہے تو اُن کی ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے۔

ف ۔ میرا فکر :- یہان اس بات کو مخاطبین کے ذہن نشین کیا جارہا ہے کہ جن انسانون مین غور و فکر کا مادہ ہوتا ہے وہ حق بات کو مان کر اپنی اصلاح آپ کر لینے کی طرف مائل ہو جاتے ہین۔ وہ یہ نہین دیکھتے کہ اُن کے باپ داداؤن کا طور طریق کیا تھا۔ وہ سمجھتے ہین کہ ان کے باپ دادا کے زمانے کے حالات کے مدِنظر انھون نے جو کچھ کیا کیا ہوگا ہم کو ہمارے زمانے کے حالات کے مدِنظر اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ ایسے صاحبانِ غور و فکر کی ستایش کی جارہی ہے۔ اور بتلایا جارہا ہے کہ بلا شبہ یہی راستہ کامیابی و کامرانی کا ہے۔ پس انسان کو دنیا یا زمانہ حال کی زندگی ہی مین مگن نہ رہنا چاہیئے۔ ایسا تصور جمود پیدا کر دیتا ہے اور انسانی ترقی رُک جاتی ہے جس کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہین۔ بلکہ انسان کو اپنا مستقبل یعنے آخرت درخشان اور بلند و بالا بنانے کی فکر رہنی چاہیئے کہ انسان کی تخلیق کا منشاء پورا ہو کر رہے۔ تم کو معلوم ہے کہ جمود کی وجہ سے کیسی بڑی بڑی قومین فنا ہو گئین۔ لہٰذا جو لوگ نصیحت کو قبول کرکے اپنی اصلاح کی طرف پوری قوت ارادی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہین اور ہر وقت اپنے رب کے انعامات و برکات کے تصور مین اپنی تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت کو کما حقہٗ (باقی بر صفحہ ۲۳۴)

یہ تو وہی نصائح ہین جو تمہارے جد ابراہیم کے صحایف مین تھے ۔ اور موسیٰ کے صحف مین لکھے ہوئے ہین (یہی نہین بلکہ تمام کرۂ زمین کے قومون کی مقدس کتابون مین بھی یہی لکھا ہوا ہے ۔ پھر تم کو اچھنبا کیون معلوم ہوتا ہے) ۱۸ و ۱۹ ع ف٦

(بقیہ صفحۂ ۲۳۳) کام مین لاتے رہتے ہین ۔ دُنیا یعنے حال کی زندگی کو غنیمت سمجھ کر مستقبل کے مدارج ترقی کو نظر انداز کر دینا اور لاپروائی برتنا منشاء تخلیقِ انسانیت کے سراسر خلاف ہے ۔ دراصل آخرت یعنے مستقبل ہی کی زندگی کو درخشان کرنے مین منشاء تخلیقِ انسانی ہے ۔
"صلّی" کے لغوی و محاورے کے معنے آپ کو وحی نمبر (۲۲) الکوثر مین ملین گے ۔

آج بھی دینِ فطرت تمام کرہ زمین کے مذاہب مین مشترک ہے

ف٦ ۔ میرا فکر: — دیکھئے دین فطرت کی یکسانی کو اس ابتدائی زمانے ہی کی وحی مین واضح کیا جا رہا ہے کہ دینِ فطرت ایک ہی ہے جو کرۂ زمین کے تمام مذہبون مین مشترک نظر آتا ہے ۔ سب مقدس کتابون مین چاہے وہ وید ہو یا ژند اوستا ہو یا بھگوت گیتا ۔ یا توراۃ ہو یا انجیل ۔ سب ہی مین تم کو ایک ہی قسم کی بنیادی تعلیم نظر آئے گی کہ انسان کو ایک زبردست ہستی نے پیدا کیا ہے ۔ اور اس کو یون ہی نہین پیدا کر دیا بلکہ تمام خوبیون سے آراستہ کر کے ایک اچھے اندازے و حساب سے اس کو بنایا ۔ اور پھر اس کو قوتِ فکر دی ۔ جس سے وہ اچھے بُرے کی تمیز کر سکتا ہے اور اچھی راہ پر چلنے کے لئے اس کو یعنے اس کی فکر کو ہدایت بھی قدرت سے ملتی رہتی ہے ۔ ایسی حالت مین انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش مین رات دن لگا رہے ۔ اپنے کردار کو اور اپنی قوم کے کردار کو درست رکھ کر اجتماعی قوت کے ساتھ اللہ کے انعامات سے زیادہ سے زیادہ خود اور اپنی قوم کو بلکہ تمام انسانیت کو امن اور سلامتی کا پیغام پہنچانے ۔ ظلم اور غلامی کا انسداد کرنے ۔ علم کو عام کرنے ۔ پسماندگان کو سہارا دینے مجبور و معذور ۔ فاقہ کشون اور بھوکون کی مدد کرنے مین دریغ نہ کرے ۔ حال کی زندگی پر حصر نہ کرے ۔ مستقبل کو کامیاب بنانے کی کوشش مین لگا رہے ۔ اپنے فرض کو فرض جانکر پورا کرے ۔ اور اپنے سرمایہ کو قوم و ملّت کے لئے افراد کو سہارا دینے اور بھوکون کو کھلانے ۔ ننگون کو پہنانے اور غلامی سے قوم و افراد کو آزادی دلانے مین صرف کرے ۔ ایثار اور قربانی ۔ جد و جہد مین برائے حصولِ انعامات الٰہی زمانۂ حال و مستقبل (یعنے اس زندگی مین اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی مین جسکو "آخرت" کہا جاتا ہے) کیلیے سعیِ پیہم اور عملِ صالح کی نصیحت نظر آئے گی ۔ کسی مقدس کتاب مین یا کسی معمولی عقل و فکر کے انسان کی تحریر یا تقریر مین جھوٹ ۔ ظلم ۔ ناانصافی ۔ بندگانِ خدا ۔ یا مخلوقِ خدا کو تکلیف دینے اور خود غرضی و نفس پرستی کو اچھا ۔ اور نیکیون کو بُرا بتایا جاتا نظر نہ آئے گا ۔ پس یہی اُصل و بنیاد ہے ۔ یہی دین ۔ دینِ الٰہی اور خدا کے سچے دین کی جڑ بن ہین ۔

۲۳۵

(اس وحی میں صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کا بھی ذکر آیا ہے ۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا مختصر ذکر زبانی بر صفحۂ ۲)

(بقیہ صفحہ ۲۳۴) ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ تعلیمِ قرآن حکیم مین آپ کا فکر آسانی سے نتایج اخذ کر سکے :-

ذکر سیدنا ابراہیم علیہ اسلام وصحف ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کا نام بسلسلۂ صحفِ ابراہیمؑ وحیٔ الٰہی مین پہلی مرتبہ آیا ہے ـــ چونکہ قرآنِ حکیم کی تعلیم دینِ ابراہیمؑ اور صحفِ ابراہیمؑ ـ و نیز کعبۂ ابراہیمی ونسلِ ابراہیمی کے اطراف گھوم رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم کی مختصر سی تاریخ بتلا دی جائے تاکہ واقعات و نظریاتِ قرآنِ حکیم کے فکر و فہم مین آسانی ہو ـــ

اولاً اس بات کو ذہن مین جگہ دیجئے کہ نوحؑ کی کشتی مین جو مصدقین سوار تھے اور طوفان سے وہ جانبر ہو چکے تھے ان کی نسلین بھی تو دنیا مین پھیلی ہون گی ـــ اور عروج وزوال کے منازل طے کی ہون گی ـ ایسی حالت مین نوحؑ کو آدم ثانی کہنا ـ اور آدم اوّل کے بعد تمام دُنیا مین ان کی نسل کا تصوّر ایک بے معنے بات ہے (اس خصوص مین میرا فکر تاریخ نوحؑ کے سلسلہ مین بہ وضاحت پیش کیا جائے گا) رسولون کی نسلی اور نسبی اولاد نہین بلکہ ان کی روحانی اور تعلیمی اولاد قرآن سے ثابت ہے ـ اس لئے مصدقین نوحؑ کی اولاد کا اولادِ نوحؑ تصوّر کیا جانا حق بجانب ہو گا ـ

توراۃ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نسلِ نوحؑ کی آٹھوین پشت سے بہ مقامِ "اُر" سرزمینِ عراق مین ۲۰۶۸ سنہ قبل مسیحؑ پیدا ہوئے تھے جن کے والد کا نام "تارح" تھا ـ تارح نے اپنے لڑکے کا نام "اب رامؑ" رکھا ـ جس کے معنے "با عظمت باپ" کے ہوتے تھے ـ شہر "اُر" وہ مقام تھا جس کو بعد مین شہادہ اور خالدیہ سے نامزد کیا گیا جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان آج بھی ایک مختصر سا شہر ہے ـ یہ شہر اُر دو ہزار سال قبلِ مسیحؑ (غالباً عاد و ثمود کے زمانے مین) ایک مرکزی (تجارتی اور صنعتی شہر تھا جس کے کاروبار دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے ـ اس مُلک کے تاجدار کا لقب "اُرنمو" تھا (جس کو بزبانِ عربی نمرود کہا جاتا ہے) قوم اپنے ہر بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتی تھی عــہ اس قوم کا مذہب تجسیم پرستی تھا ہر بلند مرتبت انسان کی موت کے بعد اس کا بُت بنا کر اس کو معبود بھیجتے قابلِ پرستش قرار دیا جاتا تھا ـ علاوہ ازین آسمان کے جگمگاتے ستارون اور سیارون کی پرستش کی جاتی تھی ـ ہر شہر کا ایک خداوند خدا بھی ہوتا تھا جس کے ماتحت معبود انتظامِ کائنات مین خود مختار سمجھے جاتے تھے ـ پایہ تخت "اُر" کے (باقی بر صفحہ ۲۳۶)

عــہ لفظِ "رام" سُریانی زبان کا ہے ـ غالباً بزبان سریانی خُدا کے مقدس نامون سے ہو گا اسی لئے "تارح" نے یہ نام اپنے فرزند کا رکھا ـ غور کیجئے کہ راجہ "دشرتھ" نے جو نام اپنے فرزند کا رکھا ـ وہ بھی "رام" ہی سے مشتق "رام چندر" تھا ـ چونکہ "تارح" بھی سامی النسل تھے اور "دشرتھ" بھی ـ وسطِ ایشیا سے ہندوستان مین جو آریہ داخل ہوئے ان کے سامی النسل ہونے مین کوئی کلام نہین ہو سکتا ـ ایسی حالت مین مقامِ "اُر" اور "آریہ" اور لفظِ "رام" صاحبانِ فکر کے لئے ضیافتِ طبع کا سامان ہے ـ

عــہ قومِ عاد و ثمود کی تاریخ کو بھی پیشِ نظر رکھئے جو اسی سلسلے کی کڑیان ہین ـ

(بقیہ صفحہ ۲۳۵) خداوند خدا۔ "ننار" اور "شماش" تھے۔جن کے شاندار معابد فلک بوس پہاڑون پر نظر آتے تھے۔ بہرحال قدیم تاریخ کے متلاشیون نے سلطنتِ اُر کے معبودون کی تعداد آثارِ قدیمہ کے لحاظ سے پانچہزار تک بتلائی ہے۔ اس مُلک کے باشندے تین درجون مین تقسیم تھے:۔

(۱) اونچے طبقہ والے = پنڈت۔ پروھیت۔ اُمراء۔ وزراء۔ اور اعلیٰ افسر کو "عمیلو" کہا جاتا تھا۔ جن کے متعلقین بھی "عمیلو" ہی کہلاتے تھے (جیسے ہندوؤن مین برہمن اور چھتری)۔

(۲) جو طبقات تجارت۔ زراعت۔ صنعت و حرفت کرتے ان کو "مشکینو" کہا جاتا تھا (جو مماثل ویش کے تھے)۔

(۳) غلامون اور محنت مزدوری کرنے والون کو "اردو" کہا جاتا تھا (گویا ہندوستان کے "شودر" کے ہم معنی)۔

محققین آثارِ قدیمہ کا اندازہ ہے کہ شہر اُر کی آبادی دو ہزار سال قبل مسیح تین چار لاکھ کے درمیان ہوگی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُر کا شاہی خاندان سامی النسل تھا۔ ظاہر ہے کہ "ننار" اور "شماش" کے پروھیت بھی سامی النسل ہون گے۔ لہذا "اب رام" کے شاہی خاندان اُر سے ہونے مین بہت کم شُبہ رہتا ہے۔

"ابرام" نے جب اپنی فکرِ خداداد کو کام مین لاتے ہوئے اپنے قومی معبودون کے متعلق غور کیا کہ یہ کون ہیں۔ کیون۔ اور کیسے معبود ہین تو ان کی عقلِ سلیم نے ان کو بتایا کہ یہ سب فانی اور بے اختیار محض ہین اور اس عظیم الشان کائینات کا انتظام مختلف اور فانی قوتون کے اختیار مین نہین ہے۔ ان کی عقل و خرد نے انکے لیے راہِ ہدایت کھول دی اور وہ اپنے آبائی دین سے منحرف ہوگئے اور ایک مدبرِ کاینات "محیطِ کُل" لا فانی پردۂ غیب مین پنہان قوت کے تصور مین ڈوب گئے۔ اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے کہ:۔

"مین تو اپنے فکر کو ایک ایسی بے ہمتا ذات کی طرف پھیر رہا ہون جو کائنات کی خالق ہے۔ اس طرح مین آزادیِ فکر کے ساتھ تنِ تنہا اپنی قوم کے عقایدِ باطلہ سے برگشتہ ہو کر صرف ایک منزّہ ذات کی طرف متوجہ ہو رہا ہون۔ لہذا قومی اور آبائی مذہب کے معبودون سے اور تقلیدِ جامد سے مجھ کو کوئی تعلق نہین"۔

اس طرح "ابرام" کا عقیدہ تجسیم سے ہٹ کر تنزیہ کی طرف یقینِ کامل کے ساتھ جم گیا۔ اس کے ساتھ ہی قوم ان کی آزادیِ فکر کے صلہ مین انُ کو ملحد۔ باغی۔ غدار۔ کافر۔ ناخلف۔ گستاخ۔ بے دین۔ باپ دادا کے قدیم دین کو چھوڑ کر ابتر شخص قرار دینے پر مجبور ہوگئی اور ان کے اس جُرم کی سزا آگ مین زندہ جلانے قرار دی گئی ؏۔ آگ تیار ہوئی۔ لیکن قدرت نے شاہ نمرود اور قوم کی تیار کی ہوئی شعلہ فگن آگِ مخالفت کو ابرام کے لیے گلزار بنا دیا:۔ "یا نارُ کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراهیمؑ" (ورنہ معبودانِ باطل و تقلیدِ جامد کا منکر ایک ذاتِ واحد تعالیٰ سبحانہ کا پرستار (باقی بر صفحہ ۲۳۷)

؏ کیا اس زمانے مین بھی ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے ایسے ملزم و مرتد کو اسکی آزادیِ فکر کی سزا مین ہر قسم کی ایذا رسانی و مخالفت کو باعثِ خوشنودیِ خدا اور خدمتِ مذہب نہین سمجھتے ؟ پھر ہم گزشتہ قومون کو کیون لعنت و ملامت کرین جب کہ ہم خود انُ کی سُنت پر ہین۔

(بقیہ صفحۂ ۲۳۶) اپنی بیوی "سری" اور اپنے بھتیجے لوطؑ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر گیا۔ عہ
گذشتہ اوراق میں کسی جگہ اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ آزادیٔ فکرِ خداداد کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنی جان بچا کر ہجرت کرنا ایک بہت بڑے مقصد کا حامل اور اولوالعزمی کا مظاہرہ اخلاقی اقدار کی بلندی ہے جس کی تقلید ارسطو کو کرنی پڑی۔ اور خود آنحضرت صلعم نے اس سنتِ ابراہیمی کو دو ہزار سال بعد زندہ کیا۔ نقشۂ مندرجۂ ذیل سے ہجرت کے نقوش آپ کے سامنے نمایاں ہوں گے۔

نقشہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ "اَب رائم" جب اپنے وطن سے مخالفت کے بہتم سے بچکر نکلے تو (باقی بر صفحۂ ۲۳۸)

عہ "اَب رائم" اور "بَر لھاد" ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ اہلِ ہنود کے پاس ہولی کی عید پر لھاد کی توحید پرستی کی یادگار میں منائی جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مقصدِ توحید کی یادگار منانے والے دونوں فریق اصلی حقیقت کو پسِ پشت ڈال کر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۷) بابل کی طرف کوچ کیا۔ پھر وہاں سے حاران پہنچے۔ پھر کنعان و بیت ایل سے ہوتے ہوئے بیئر سبع مین ٹھیرے اور وہاں سے مصر مین داخل ہوئے۔ کیونکہ عراق کے بعد مصر کا تمدن اور تہذیب قابلِ سکونت تھا۔ اور یہان کا فرمانروا اس وقت غالباً سامی النسل ہی ہوگا جیسا کہ قومِ عاد کی تاریخ مین میرا فکر ظاہر ہوچکا ہے۔ مصر مین ایک عرصہ تک قیام کے بعد جب دوسرا سفر آغاز ہوا تو ہمراہ سفر ہاجرہ باندی آپ کے ساتھ تھین، یہ قافلہ بیئر سبع سے ہوکر بیت ایل مین ٹھیرا۔ یہان پر ہاجرہ حاملہ ہوئین۔ جس کے بعد انھین عرب کے جنوبی صحرا مین پہنچا دیا گیا۔ جہان پر ان کے بطن سے "اشمائیلؑ" پیدا ہوئے۔ ہاجرہ اپنے فرزند کو لے کر ابرامؑ کے پاس آئین۔ لیکن سوکنون مین ان بن ہوگئی تو اب رامؑ اشمائیلؑ یعنے اسماعیلؑ اور ہاجرہ کو لے کر سرزمینِ حجاز مین پہنچے اور وہان پر ایک عبادت گاہ کعبہ بشراکت اسماعیلؑ تعمیر کرکے مان اور بیٹے کو وہان چھوڑ دیا۔ اور خود مقامِ لوطؑ کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ لوطؑ نے اردن کی سرسبز و شاداب زمین کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ اس علاقہ کا نام "سدوم" تھا۔ پھر یہان سے "حبرون" کی طرف یعنے اپنے مسکن پر پہنچ گئے۔ کیونکہ ابتدائے ہجرت مین جب بیت ایل پر آپؑ ٹھیرے تھے تو اس سرزمین پر آپ کی اولاد کے حکومت کی بشارت آپ کو ملی تھی۔ اسی لئے شام کو ارضِ موعودہ کہا جاتا ہے۔۔۔ حبرون مین قیام کے بعد پھر آپ کو "سری" سے ایک اولاد کی خوشخبری دی گئی اور یہان پر آپ کا نام بجائے "اب رام" کے "اب راھام" اور "سری" کا نام "سارہ" رکھا گیا اور پیدا ہونے والے لڑکے کا نام "اضحاک" (یعنے ہمیشہ ہنس مکھ) رکھنے کا حکم ملا۔ اور اسی سلسلہ مین قومِ لوطؑ پر عذابِ الٰہی کی اطلاع بھی آپ کو دی گئی۔۔۔ بہرحال سیدنا ابراہیمؑ نے اپنی عمر کا آخری حصہ حبرون ہی مین گزارا۔۔۔ کیونکہ یہ سرزمین آپ کی موعودہ تھی۔ "اضحاک" (یعنے اسحاقؑ) کی پیدائش کے بعد جب سارا کا انتقال ہوگیا تو ابراہیمؑ نے "قطورہ" سے عقد کیا جس سے چھ سات اولادین ہوئین اور (۱۷۵) سال کی عمر مین سیدنا ابراہیمؑ نے ۱۸۹۳ قبلِ مسیحؑ مین انتقال کیا اور حبرون ہی کی سرزمین مین دفن ہوئے۔

سیدنا ابراہیمؑ کے متعلق مزید واقعات و تفصیلات اپنے اپنے موقع پر ملحاظ سلسلۂ نزولِ وحی پیش کئے جائینگے۔۔۔ یہان پر "صحفِ ابراہیمؑ" کا ذکر وحیِ الٰہی مین پہلی مرتبہ آرہا ہے! اس لئے اس کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے گی:۔۔۔

صحفِ ابراہیمؑ

اس وقت تک "صحفِ نوحؑ" کا پتہ دنیا کو نہین ملا۔ جس سے معلوم ہوتا کہ انھون نے اپنی قوم کو وحیِ الٰہی کے ذریعہ کس قسم کا دستورِ حیات پیش کیا تھا۔۔۔ آثارِ قدیمہ کے بعض نقوش پر یہ قیاس غالب قایم ہوتا ہے کہ "صحفِ نوحؑ" کے نقوش ابراہیمؑ پر منعکس ہوئے تھے۔ کیونکہ نوحؑ کے بعد ھودؑ کا زمانہ اور ان کی تعلیم کا ذکر قرآن مین نظر آتا ہے۔ پھر صالحؑ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونون قبیلون نے نوحؑ کی تعلیم کے مبادیات سے استفادہ کیا ہوگا۔ چونکہ تیسری کڑی ابراہیمؑ کی ہے تو وہ تعلیمِ نوحؑ کا عکس ہی ہوگا۔ لیکن اس کا کیا مداوا ہے کہ خود صحفِ ابراہیمؑ کا پتہ نہین۔ قرآن کی روشنی ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ (باقی بر صفحہ ۲۳۹)

(بقیہ صفحہ ۲۳۸) جو تعلیم قرآنِ حکیم کی ہے وہ صحفِ ابراہیمؑ ہی کا عکس ہے۔ اور صحفِ ابراہیمؑ کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو صحفِ موسیٰؑ کا مطالعہ کرو ۔۔۔ اِس وحیِ الٰہی کی روشنی مین ہم اس طرح نتیجہ اخذ کرسکتے ہین کہ صحفِ نوحؑ جو ہودؑ اور صالحؑ کی تعلیم وہی ہے جو صحفِ موسیٰؑ مین مذکور ہے۔

گذشتہ اوراق مین آپ نے عاد و ثمود کے عروج کی تاریخ دیکھی ہے۔ سمیریا یا بابل کا متمدن ہونا مستند آثارِ قدیمہ سے ثابت ہے۔ جب سامی نسل حضرتِ نوحؑ سے چلی تھی تو صحفِ نوحؑ کی وہ علمبردار ہوگی۔ جب ہی تو قدرت نے اس کو خلافتِ زمین (وسطِ ایشیا) سے اس کو نوازا تھا۔ پس ہمارے سامنے ایک قدیم کتاب جس کو "قانونِ حمورابی" کہا جاتا ہے کرۂ زمین کا سب سے پہلا مدون قانون۔ یعنے کتاب کی صورت مین نظر آتا ہے۔ یہ "حمورابی" کون تھا؟ بابل کا فرمانروا جس کا اصلی نام "اُمرافیل" تھا۔ اس نے سب سے پہلے انسانیت کے لئے ایک قانون مرتب کیا تھا جس کے نقوش آثارِ قدیمہ کے دساتیر مین موجود ہین۔ توراۃ اور تاریخ بنی اسرائیل سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اُس توراۃ مین جو زمانۂ نزولِ قرآن حکیم بنی اسرائیل کے ہاتھون مین تھی بابل والون کے روایات و تصورات اور عقاید داخل تھے۔ ایسی حالت مین قانونِ حمورابی کو ہم صحفِ نوحؑ کی تعلیم قرار دیتے مین غلطی کے مرتکب نہین سمجھے جائین گے۔

ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نے سمیریا سے ہجرت کی اور مصر۔ عرب اور شام مین اپنی بود و باش اختیار کرلی۔ وہ اپنی قوم کو عراق مین چھوڑ آئے۔ اب ان کی کوئی قوم نہ تھی۔ البتہ نسلِ اسمٰعیلؑ و نسلِ اسحاقؑ سے جو قوم بنی اس پر قوم ابراہیمؑ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ قوم نوحؑ کے فنا ہو جانے کے بعد اولادِ نوحؑ اور اولادِ مصدقین سے قومین بنین وہ اولادِ نوحؑ کہلائین۔ اب غور کیجئے کہ تقریباً دو ہزار سال جس نسل کو اپنے جدِ اعلیٰ کے وطن سے کوئی تعلق نہ رہا ہو وہ کس طرح اپنے جدِ اعلیٰ یا اپنی قوم کے تعلیمی اقدار سے واقف ہوسکتی ہے۔ پس اولادِ ابراہیمؑ صحفِ نوحؑ سے قطعاً نابلد تھی۔ یہان تک کہ موسیٰؑ کو دس احکامِ توراۃ وحیِ الٰہی کے ذریعہ ملے (جو آج بھی توراۃ مین من و عن موجود ہین) اس وحیِ الٰہی کی روشنی مین موسیٰؑ نے اپنے دین کا قانون بنایا۔

اِس سلسلہ مین میرا فکر مجھ کو ویدِ مقدس کی طرف بھی کھینچ رہا ہے جو کرۂ زمین پر سب سے مقدس کتاب مانی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آریہ قوم نے ہندوستان مین اپنے ساتھ ویدِ مقدس کو لایا تھا۔ اگر ہم "اُر" سے سیدنا ابراہیمؑ کی ہجرت کا زمانہ تلاش کرتے ہین تو سترہ سو سال قبلِ مسیحؑ کا بتلایا جاتا ہے اور سامی النسل کے خروج کا زمانہ بھی یہی کہا جاتا ہے۔ اور ہندوستان مین آریاؤن کی آمد کا زمانہ بھی یہی بتلایا جاتا ہے۔ پھر سمیریا کے شہر اُر (وطنِ سیدنا ابراہیمؑ) اور لفظِ آریہ پر غور کیا جائے تو یہ سب کڑیان ایک دوسرے سے ملتی نظر آتی ہین۔ اگر ویدِ مقدس کو ہم صحفِ نوحؑ کہین تو کوئی بے تک قیاس نہین ہوسکتا عہ۔ لیکن مشکل تو یہ آن پڑی ہے کہ (باقی بر صفحہ ۲۴۰)

عہ یہاں پر اصلی کتاب مین تحریف ہو جانے کی وجہ وید مقدس سے انکار ایک بے معنی بات ہو گی جب کہ توراۃ اور انجیل کے محرف ہو جانے کا یقین کامل رکھتے ہوئے بھی حاملینِ قرآن موجودہ توراۃ اور انجیل کو مقدس مانتے ہین اسی طرح وہ ویدِ مقدس کا بھی احترام کرین خصوصاً جب کہ اصلی وید مقدس کی بنیادی تعلیم بت پرستی کی نہین نظر آتی بلکہ توحید کی جو اصل اسلام ہی تھا۔ بانی مصنف

(بقیہ صفحۂ ۲۳۹) ہماری تنگ نظری۔ اندھی تقلید۔ اور فکر و فہم کا اندھا پن ہم کو آزادیٔ فکر کے ساتھ شرح صدر حاصل کرنے میں مانع و مزاحم ہے۔۔۔ بہر حال یہ تو مسلمات سے ہے کہ دُنیا کی مقدس کتابوں میں سب سے قدیم کتاب "وید" مانی جاتی ہے تو سب سے آخری وحیٔ الٰہی کا ایڈیشن "قرآنِ حکیم" ہے۔ اس چودہ سو برس میں کسی مُلک یا قوم نے کوئی الہامی قانون دُنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ پھر وہ تو کُرۂ زمین کے ہر قوم کے مامور من اللہ مصلح اور اس کے الہامی کتاب کا مصدق بھی ہے۔ نہ صرف خود مصدق ہے بلکہ اپنے پیروؤں سے بھی اس کی تصدیق کا میثاق لیتا ہے۔ پھر اس کا دعویٰ بھی یہ ہے کہ اس کی تعلیم کوئی انوکھی نہیں۔ اچھوت نہیں اور نہ عجائب و غرایب کے باعث ناقابلِ فہم ہے۔ بلکہ وہ فطرتِ انسانی کے عین موافق اور صحفِ نوحؑ صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ ہی کے اقدار کو نمایاں کرنے والی ہے۔

مد حاصلِ فسکر یہ کہ :۔۔ اس وحی میں آیات (۱۸ و ۱۹) میں مخاطبین وحی سے کہا جا رہا ہے کہ:۔ محمدِ عربی (صلعم) تم کو دینِ ابراہیمؑ ہی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ (دینِ ابراہیم دراصل دینِ موسیٰ ہے) تاکہ تم بھی خلافتِ زمین کی صلاحیت پیدا کر لو۔ جیسے کہ بنی اسحاق نے حاصل کی تھی۔ کیونکہ تم بھی تو بنی ابراہیم ہی ہو۔ تم کو میراثِ ابراہیم کی تمنا عرصہ سے تھی اور نسلِ اسمٰعیل سے ہونے کی وجہ اہلِ قریش کو ناز بھی ہے ایسی حالت میں اگر حقیقت کو نظر انداز کر کے تم اندھی تقلید کے غلام بنے رہو گے اور اپنے رہبر و رہنما۔ مامور من اللہ کی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے "سنتِ اولین" (یعنی اُن قوموں کے طریقے پر جنھوں نے اپنے مامور من اللہ کو جھٹلایا اور ان کو ایذا دی) پر چلو گے تو یاد رکھو کہ تم اپنی جدی میراث کو کھو دو گے اور دوسرے اس کو حاصل کر لیں گے۔ لہٰذا اس کھُلی نصیحت کو سوچو۔ سمجھو۔ اور اس پر غور و تدبر سے عمل پیرا ہو جاؤ۔۔۔

یہ ہے اس وحی کی اساس جو اتحاد بین الملل و ادیانِ عالم کی صداقتوں کو ان دو چھوٹے بولوں میں بتلا کر قرآن ازم کے عالمگیر ہونے اور امن و سلامتی کے قایم کرنے والے دینِ الٰہی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ باوجود اس کے اگر حاملینِ قرآن عمداً حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ سراج منیر کس طرح ان کو کتاب حکمت و فراست سے روشنی پہنچا سکتا ہے؟۔ بہ قول کسی شاعر کے ؎

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ٭ پردے اتنے ہیں پڑے اُس پہ اٹھائے نہ بنے

الکوثر

نام سورہ **الکوثر** تعداد آیات (۳) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۱۰۸) پارہ (۳۰)
شمارۂ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۲) زمانۂ نزول دورِ دوم سنہ ۶ بعثت سنہ ۶۱۷ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶۸ھ ۶۸۴ء	حسین بن ابی الحسن و عکرمہ رضی اللہ عنہ	محمد بن نعمان بن بشیر	جابر بن زید تابعی رضی اللہ عنہ	ولیم میور سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء	نولڈیکی سنہ ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۶۱ء	ایچ گریم	شفیلڈ سنہ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء	سید یعقوب حسن ۱۹۲۴ء	تحقیق مصر ۱۸۸۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۱۴۰	۱۴	۱۴	۱۵	۱۱	۵	۱۲	۱۰	۳۵	۹۶	۱۵

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	محمد عربی صلعم	×	۱۔ کوثر؟	ف۱	۸۔ مسلمانوں کی عیدِ قربان کا قربانی۔	ف۱
			۲۔ صلاۃ؟	ف۱		
			۳۔ نحر۔ یعنے قربانی۔	ف۱	۹۔ ہندوؤں اور یہودیوں کی قربانی۔	ف۱
			۴۔ قربانی کی تاریخ۔	ف۱		
			۵۔ ہندوؤں کی قربانی۔	ف۱	۱۰۔ ابلیس کی حقیقت۔	ف۱
			۶۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی انسانی قربانی۔	ف۱	۱۱۔ آنحضرت صلعم کیا برہمن خاندان سے تھے؟	ف۲
			۷۔ بیسویں صدی میں ایک مسلمان کا اپنے لڑکے کو بحکمِ خدا کے تصور میں ذبح کر دینا	ف۱	۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام برہمن خاندان سے تھے۔	ف۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ف۱
اے محمد! اللہ نے تم کو الکوثر عطا کیا ہے ع۱ پس تم کو چاہیئے صلاۃ و نحر اپنے رب کیلئے کرتے رہو ع۲

ف۱۔ میرا فکر:۔ کوثر کے معنے خیرِ کثیر کے ہیں۔ بہت سی نیکیاں اور بھلائیاں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو
کوثر! محاورۂ عرب میں کوثر کہا جاتا تھا۔ یعنے اچھائیوں کا منبع۔ جیسا کہ ہم (باقی برصفحہ ۲۴۲)

تم کو جو لوگ طنزاً ابتر کہتے ہیں یقیناً وہی ابتر ہوں گے ۳۔

(بقیہ صفحہ ۲۴۱) کہتے ہیں کہ "یہ تو مجسمہ خیر ہے" یا "یہ تو فرشتہ ہے"۔ یعنی سوائے خیر کے اس میں کوئی شر نہیں ہے۔ پس کہا جا رہا ہے کہ "اے محمد! تیرے رب نے تجھ کو خیر کثیر والا بنایا ہے۔ یعنی از سرتا پا خوبیوں والا۔ پس تم کو چاہیئے کہ صرف مقصد تخلیق بلکہ مقصد رسالت کو پورا کرنے کے لئے ادائی فرائض میں کوتاہی نہ کرو۔ بلکہ فصلی لربک وانحر یعنی ادائی فرائض کے ساتھ ساتھ ایثار و قربانی میں کوتاہی نہ کرنا۔"

غریب القرآن میں صلاۃ کے مادہ میں صلوٰۃ کے معنے حسب ذیل ہیں:-

صلاۃ - نماز کی حقیقت فرض۔ فرض منصبی۔ فریضہ۔ دین۔ ایمان۔ دین داری۔ رحمت۔ برکت۔ جہاد کی تنظیم کے لئے باجماعت نماز (حدیث:- الصلوٰۃ جامعۃ الناس) یعنی ہو دیوں کی عبادت گاہ۔ صلّی۔ فرض ادا کرنا۔ اپنے فرائض کو کما حقہ پورا کرنا۔

یہاں پر صلوٰۃ اور نحر کا حکم تاکیداً دیا جا رہا ہے جب کہ ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس زمانۂ نزول وحی میں رسول اللہ صلعم اور مسلمان نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے تو پھر "فصلی لربک وانحر" سے کیا مقصود ہے؟۔ دیکھئے صفحات ما قبل میں ہم نے صلوٰۃ کے لفظ قرآنی کو ادائی فرائض تخلیق انسانی لکھا ہے۔ یہاں بھی وحیٔ الٰہی رسول عربی صلعم اور ان کے متبعین بلکہ تمام انسانیت کو حکم دے رہی ہے اور نصیحت کر رہی ہے کہ "جب تمہاری راہ روی خیر کی طرف ہو چلی ہے تو اپنے فرائض کی ادائی میں ذرا بھی تساہل نہ کرو۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ تن دہی کے ساتھ فرائض کی تکمیل میں کوشاں ہو جاؤ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی "نحر" کی بھی ضرورت ہے"۔

نحر - قربانی کی حقیقت النحو کے معنے غریب القرآن میں۔ دسترس پیدا کرنا۔ علم میں دستگاہ حاصل کرنا۔ نحو یا لصلوٰۃ۔ رجوع قلب کے ساتھ سیدھا کھڑا ہونا (النحو۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا۔ بعض روایات میں ہے۔ اور ابن کثیر نے قربانی کے معنے لئے ہیں۔ تمام مفسرین "قربانی" ہی ترجمہ کرتے ہیں) ۔۔ آج کل ہر مذہب و ملت قربانی کو فرض سمجھتے ہیں اور ادا کرتے ہیں خصوصاً مسلمان امت محمدی میں قربانی کے معنیٰ یہی سمجھے جاتے ہیں کہ چند سکۂ رائج الوقت کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دیا جائے اور بس۔ کیا فی الحقیقت قرآن میں اسی قربانی کو اور جانور کو اہمیت دی گئی ہے؟ اور کیا خدا اسی قربانی کو اور جانور کے لہو اور گوشت کو پسند کرتا ہے؟ جس طرح نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے پیرو سومختی قربانی اسی لئے کرتے ہیں کہ اسکی بو سے خدا خوش ہوتا ہے؟ کیا امت محمدی کو بھی یہی بتلایا جا رہا ہے کہ خدا تمہارے قربانی کے جانور کے لہو سے خوش ہوتا ہے؟۔ میرا فکر اس تصور کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ جس رسول کے متعلق اور [illegible] کے متعلق نص ہو کہ: "تمہارا رسول ہماری کتاب کے ذریعہ تمہارے فکر کو سنوار کر علم و حکمت سکھلا رہا ہے" (دیکھو سورۂ جمعہ کا پہلا رکوع)، تو پھر ایسی کتاب اور ایسے رسول کی طرف قربانی کے وہی معنیٰ منسوب کرنا جو اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ یا دیگر امم کا طریقۂ قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟۔ یہ میں مانتا ہوں کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر نماز اور قربانی کی ہے۔ بلا شبہ وہ ان کے زمانے کے حالات سے منطبق ہوتی ہوگی۔ لیکن آج بیسویں صدی میں اس طرح اس آیت کے (باقی برصفحہ ۲۴۳)

(بقیہ صفحۂ ۲۴۲) مفہوم کوئین لینا نہین چاہتا۔ بلکہ قرآن حکیم کی حکمت کی روشنی مین مین نے قربانی کی حقیقت پر جو کچھ فکر کیا ہے اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہون ــــ درآن حالیکہ قربانی کے لئے قرآن حکیم نے بطور محاورہ "نسک" فرمایا ہے عــہ قبل اس کے کہ قربانی یا نحر کے متعلق کچھ عرض کرون قربانی کی اُس حقیقت کو واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انسانی ذہن مین قدیم زمانے کی پیدا وار ہے۔

قربانی کی تاریخ

تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ ایک زمانہ انسانیت پر ایسا بھی گذرا ہے کہ جب کہ خدا کے پاس رسوخ حاصل کرنے اس کی محبت مین اس کے نام پر اپنی اولاد کو قربان یعنی ذبح کر دیا جاتا تھا۔ اور سمجھا جاتا تھا کہ پلوٹھا یعنے پہلن اولاد جو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے وہ اگر خدا کے نام ذبح کر دیجائے تو ایسی قربانی خدا کو بہت پسند آتی ہے ــ اسی طرح بد روحون سے نجات حاصل کرنے بھی انسان کو بھینٹ چڑھانے کی رسم تھی (اور آج بھی بعض جاہل قومون مین بلکہ مہذب قومون مین یہ عقیدہ موجود ہے) تصور یہ تھا کہ جو چیز انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہو وہ اللہ کے نام پر قربان کر دی جائے لڑکا لڑکی سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا ہے؟

انسان کی قربانی

جب انسان مین کچھ شعور زیادہ ہوا تو اس نے اپنی اولاد کو نظر انداز کر کے دوسرے انسانون پر دست درازی کی۔ پھر شعور بڑھا اور اپنے ہم قوم اور ہم وطن سے اُس مین اضافہ ہوا تو غیر ملکی اور غیر قوم یا غلامون پر دست درازی شروع کی۔ پھر آدمی سے جانورون پر قربانی ٹھیری۔ یہان تک کہ بعض وہ قومین جو کسی جانور کو مارنا پاپ سمجھتی ہین آٹے کے جانور بنا کر قربانی کرتے ہین۔ کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ مندر اور دیو پر جو سرخ سیندھور ہوتا ہے وہ کیون مورتی کے لئے مخصوص ہے؟ قدیم زمانے مین قربانی کا خون خدا کے پسند سمجھا جاتا تھا اور انسانی وحیوانی قربانی کے بعد اس کا خون مورتی پر ڈال دیا جاتا تھا۔ آہمسا کے تحت انسانی خون اور حیوانی خون نہ مل سکا تو اُس کے بدل خون کی سرخی کے لئے سیندھور کا استعمال شروع ہوا۔ یہی نہین بلکہ بہادر راجپوت اور مقدس برہمن قربانی کے بعد اشنان کرتے اور اس مقدس خون کا ٹیکہ ماتھے پر لگاتے پھر کھانا کھاتے۔ موجودہ تلک کی رسم اسکی بدلی ہوئی شکل ہے۔

ہندو مورتی کی پوجا خون کے بغیر نہین ہوتی

پہلے لڑکے کی قربانی

تاریخ قربانی سے ثابت ہے کہ اولاد کی قربانی خدا کی خوشنودی کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے بھی کرنے کا ارادہ کیا لیکن خواب مین خدا کا حکم معلوم کر کے ــ یہ تو ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح کا زمانہ ہے لیکن ۵۴۵ء مین بھی تو سنتِ ابراہیمی کو تازہ کرنے کا ایک موقع عبد المطلب آنحضرت صلعم کے دادا کیلئے درپیش ہوا تھا ــ روایت ہے کہ عبد المطلب نے خواب مین دیکھا کہ چاہِ زمزم کو وہ کھود رہے ہین۔ صبح کو اُٹھ کر انھون نے کوشش کی مگر کوئی یار و مددگار نہ ہونے سے منت مانگی کہ اگر مجھ کو دس لڑکے ہون تو ایک کو ربِّ کعبہ کے نام قربان کر دون گا۔ قدرت نے دس لڑکے دیئے۔ قرعہ اندازی کی تو عبد اللہ کا نام نکلا یعنے (باقی پر صفحۂ ۲۴۴)

عــہ ذہن مین رکھیئے کہ "نَسَک، مَنْسَک" کے معنے رسمی قربانی کے ہین اور نیز رسم۔ دستور۔ طریقۂ عبادت کو بھی کہا جاتا ہے (دیکھیئے غریب القرآن)۔

عــہ وید اور شاستر مین بزبانِ سنسکرت قربانی کو "یگیہ" ( ) کہتے ہین۔

(بقیہ صفحۂ ۲۴۵) "ابتر" ہین۔ یعنے ان کی اولاد ذکور نہین ہے اور ان کی تحریک بھی بے نام ونشان ہونیوالی ہے۔ جس کے جواب مین وحیِ الٰہی رسولِ عربی صلعم کو مخاطب کرکے دلاسا دے رہی ہے کہ :- "اِن نا عاقبت اندیش اندھون کو کہہ لینے دو۔ اس کا کوئی وسوسہ یا رنج نکرو۔ بلاشبہ یہ خود ہی ابتر ہوکر رہ جائین گے اور تم کو خیرِ کثیر حاصل ہوگا!"۔

آنحضرت صلعم بھی پروہت خاندان سے تھے

ایک بات ذہن نشین رکھیئے کہ خانۂ کعبہ مین بُت تھے۔ گویا وہ مندر۔ دیول کی صورت مین عبادت گاہ تھا۔ اس کے متولی یعنے پُجاری قریش تھے۔ جس طرح ہندوستان مین مندرون کے متولی یعنے پُجاری برہمن اعلیٰ ذات ہوتے ہین یعنے پروہت۔ اسی طرح رسولِ عربی صلعم ایک پُجاری۔ برہمن۔ پنڈت خاندان کے فرد تھے ۔۔ غور کیجیئے کہ جب محمدِ عربی صلعم نے بُت پرستی سے انکار کیا اور نعرۂ توحید بلند کرکے تمام عقایدِ باطلہ اب وجد کو توڑتے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ" کے ہتوڑے کی ضرب لگائی تو اس کعبہ کے بُت خانہ کے پُجاریون کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی اور کس طرح دِل کی گہرائیون سے انھون نے قرآن ازم اور محمدِ عربی صلعم کو "ابتر" کہا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس پیش گوئیِ قرآنی کو بھی دیکھیئے کہ آج چالیس کروڑ مسلمانِ قرآن ازم اور محمدِ عربی صلعم کے نام لیوا کرۂ زمین پر موجود ہین۔ درآنحالیکہ اس وحی کو نازل ہوکر تقریباً (۱۴۰۰) سال کا زمانہ گذر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پروہت خاندان سے تھے

یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پروہت خاندان کے ایک فرد تھے جنھون نے باپ دادا کے طریقہ کو توڑا تھا۔ اور محمدِ عربی صلعم نے بھی اپنے جدِّ اعلیٰ کی سنت پر عمل کرکے پروہیت یعنے برہمنون اور پنڈتون کے خلاف نعرۂ بغاوت بلند کیا ۔۔

"صلی اللہ علیٰ محمد صلعم کما صلّی علیٰ ابراھیم"

نام سورہ **الماعون**۔ تعدادِ آیات (۷) تعدادِ رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۱۰۷) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۳) زمانۂ نزول۔ دورِ دوم سنہ بعثت ۶۱۶ء
اِس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباسؓ ۶۰ تا ۶۸۳ء	حسین بن الحسن و عکرمہ	محمد بن نعمان بن بشیر	جابر بن زید تابعیؒ	ولیم میور سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء	نولڈکے سنہ ۱۲۳۶ھ ۱۸۵۹ء	راڈویل سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۷۶ء	ایچ گراہم	ہرشفیلڈ سنہ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء	سید یعقوب حسین سنہ ۱۹۲۴ء	تحقیق مصر سنہ ۱۸۸۵ء
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۱۶	۱۶	۱۶	۱۷	۳۹	۷	۱۴	۲	۳۴	۳۴	۱۷

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	محمد عربی صلعم اور اہلِ دین		۱۔ دین کی حقیقت۔ ۲۔ دین کو جھٹلانے والے ۳۔ نمازی پرویل کی حقیقت۔ ۴۔ ثواب کی حقیقت۔ ۵۔ ہر مذہب کا دین۔ ۶۔ دینِ انسانیت ہی اصلی دین ہے۔	ف۱ ف۱ ف۲ ف۲ ف۲		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے مخاطب! تو دیکھتا ہے دین کے جھٹلانے والوں کو؟ یہ تو وہی ہیں جو بے سہارا یتیموں کو دھکے دے کر نکال دیتے ہیں۔ اور فاقہ کشوں مساکین کو نہ خود کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو کھلانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ویل ہے ایسے مصلیانِ دین کے مدعیوں پر ۔۔ تا ۔۔ ف۱

ف۱۔ میرا فکر:۔ **دین کی حقیقت** جب محمد عربی صلعم نے باپ دادا کے طور طریق اور پروہتی مذہب کو ترک کرکے روحِ دین۔ یعنے اساسِ دینِ انسانیت کی تبلیغ شروع کی تو قریش اور دیگر اہلِ مکہ نے کہا کہ:۔ "ہم تو اپنے باپ دادا کے ریت۔ رواج (باقی بر صفحہ ۲۴۸)

جو دراصل حقیقتِ صلاۃ ہی سے ناواقف ہیں۔ محض دکھاوے۔ یا اب وجد کے طور طریق پر عبادت کرتے ہیں۔ ذرا دیکھو کہ اِن میں روحِ عبادت کا نام و نشان بھی تو نظر نہیں آتا۔ ایثار و قربانی تو کجا — اگر کوئی اِن سے عاریتاً کوئی چیز برتنے کی مانگتا ہے تو دینے سے

(بقیہ صفحہ ۲۴۷) طور طریق پر اپنی دین داری کو قائم رکھے ہیں۔ اور اِسی طریق پر ہم اپنی عبادت بھی خشوع و خضوع سے کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے اجداد ہم سے زیادہ نیک اور جاننے والے تھے۔ کیونکہ ان کو تو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے قربت تھی — تو بتلاؤ کہ کس طرح ہم اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر تمہارا ساتھ دیں اور کس طرح مان لیں کہ ہمارا دین جھوٹا ہے اور تمہارا سچا ہے؟ — اِس پر یہ وحی نازل ہو رہی ہے۔ غور کرو کہ کتنی واضح اور عام فہم یہ آیات اللہ ہیں!۔

ایک مثال کو پیشِ نظر رکھئے۔ — اگر آج ہم کسی سے یہ سنیں کہ فلاں شخص دین کو جھٹلا رہا ہے۔ تو معاً یہ خیال ذہن میں آئے گا کہ وہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکاۃ کا منکر ہے۔ کیونکہ دین کے معنی ہر ملت و مذہب میں چند عبادت کے طور طریق ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ — پس قرآن سب سے پہلے عبادت کے اِن رسمی و رواجی حرکات و سکنات کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر دین کی اصلی روح کو بتلانا چاہتا ہے —

دین کے جھٹلانے والے کون؟

قرآن یہ بتلا رہا ہے کہ: "دین کے جھٹلانے والے تو یہی رسمی عبادت گذار ہوتے ہیں جو بے روح جسم کو۔ لئے پھرتے ہیں۔ اور ناز کرتے ہیں کہ وہ فرائضِ مذہب کی تکمیل کَمَا حَقُّہٗ کر رہے ہیں۔ یعنی "مصلّی" ہیں — نہیں، ہرگز نہیں۔ دینِ اصلی تو دینِ فطرت۔ دینِ انسانیت۔ دینِ امن و سلامتی ہے۔ بے دین وہ لوگ ہیں جو بے سہارا۔ یعنی یتیم۔ بیوہ۔ معذور، مجبور، مصیبت زدہ مستحقِ امداد کی مدد نہیں کرتے اور ان کو کوئی سہارا نہیں دیتے۔ بلکہ دھکے دے کر نکال دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو صاحبِ عزت و اقتدار ہیں۔ پیر و مرشد ہیں۔ مذہبی رہنما ہیں۔ اپنے زیرِ اثر لوگوں کو اس بات کی ترغیب و تحریص بھی نہیں دلاتے کہ وہ بھوکوں اور فاقہ کشوں کو کھلائیں اور ننگوں کو پہنائیں۔ بلکہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو طعنہ دیتے ہیں کہ: — "دیکھو! یہ کیسا بے وقوف ہے کہ اپنا روپیہ برباد کرتا ہے۔ یہ تو خدا کی طرف سے اس کو سزا مل رہی ہے۔ جب خدا کی طرف سے اس کو سزا مل رہی ہے تو ہم کیسے مدد کریں گے۔"

پھر یہ لوگ اپنی عبادت اور ریاضت میں مگن ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دین دار ہیں۔ یہ لوگ تو دین کے معنی تک نہیں سمجھتے۔ دراصل "دین" مقصدِ انسانیت کی تکمیل کرتا ہے جو کرۂ زمین کے ہر مذہب و ملت میں ایک ہی قدر رکھتا ہے۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ خدا کی مخلوق کی ربوبیت۔ یعنی اُن کے ضروریات کی تکمیل کرنا اور تربیت دے کر مکمل نشو و نما کرنا۔ اپنے حسبِ استطاعت و استعداد بے سہارا کو سہارا دینا۔ بھوکوں کو کھلانا۔ ننگوں کو پہنانا۔ بے گھروں کو ٹھکانے لگانا۔ بے علموں کو علم سکھانا۔ جسمانی و فکری غلامی سے نجات دلوا کر آزادی کا علمبردار بنانا۔ نیچ اونچ کو مٹانا —

صرف نماز۔ روزہ وغیرہ ہی دین نہیں ہے!

یہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ تو دین کے فروعات ہیں۔ "دین" ایک ہی ہے اور فروعات جس کو قرآن نے شرع و منہاج کہا ہے ہر ملک کے (باقی بر صفحہ ۲۴۹)

انکار کرتے ہیں ۷ تا ۷ ع ۲ ف

(بقیہ صفحۂ ۲۴۸) دین و مذہب کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ ہیں ۔ پس شرع و منہاج پہ قایم رہنا اور اساسی دین اور دین کی بنیادی قدروں کو پس پشت ڈال دینا اصلی دین داری نہیں ہے"۔ دیکھا آپ نے قرآن حکیم کی اس بنیادی تعلیم کو جو تئیسویں وحی کے ذریعہ دی گئی تھی ۔ حاملینِ قرآنِ حکیم نے کس طرح بھلا دیا اور وہی طریقہ اختیار کرلیا جو دیگر مذاہب نے اختیار کیا تھا ۔ مغز قرآنی تو غیر حاملینِ قرآن نے لے لیا ۔ شرع و منہاج کے پیچھے حاملینِ قرآن پڑکر ایک دوسرے سے دست بہ گریبان ہوئے جس کا سلسلہ ۴۵ھ ہی سے تخم اختلافات کی صورت میں بویا گیا اور آج زاید از چارسو فرقے اِس دینِ فطرت کے نام لیو اُن میں ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کرتے ۔ کفر و الحاد کے فتوے دیتے نظر آرہے ہیں (دیکھو میرا ایک رسالہ "مذہب اسلام میں چارسو فرقے") عبرت حاصل کرو اے صاحبانِ بصیرت ! اور اقبال کے اِس شعر پہ غور کرو ۔

اے بتقلیدش اسیر آزاد شو ٭ دامنِ قرآن بگیر آزاد شو

تقلیدِ جامد ۔ باپ دادا کے ریت رواج کی سنہری زنجیروں سے اپنے فکر و فہم کو آزاد کرکے سچے حاملینِ قرآن اُمتِ محمدی ۔ اُمتِ وسطیٰ ۔ خیر الامم بن جاؤ !

ف ۲ ۔ میرا فکر :- دیکھئے ! ان آیات میں مصلّی پر "ویل" کی وجہ بتلائی جارہی ہے کہ :- وہ لوگ جو اپنے کو مصلّی ۔ یا عبادت گزار ۔ یا دین دار سمجھتے ہیں اُن کو کیوں وحیِ الٰہی ویل کے مستحق قرار دیتی ہے ؟ یہاں بتلایا

مصلّی ۔ یعنے نمازی پر ملامت کی حقیقت

جارہا ہے کہ عبادت و ریاضت کی روح اصلی تو خدمتِ خلق اللہ ہے ۔ اگر ان کی عبادت میں روح ہوتی تو وہ نمایاں ہوتی ۔ یعنے خدمتِ خلق کی شکل میں ظاہر ہوتی اور وہ ایثار و قربانی کی طرف مایل ہوتے ۔ لیکن یہ تو یکسر اُس روح سے عاری ہیں ۔ دیکھو تو اِن کو مال ۔ دولت ۔ عزّت ۔ ثروت ۔ اقتدار ۔ اولاد ۔ تمام انعامات خُدا نے دیئے ہیں ۔ اور اگر کوئی ضرورت مند کبھی ان سے عاریتاً کوئی چیز مانگتا ہے ۔ یعنے دیگچی ۔ پلنگ ۔ بستر یا برتن وغیرہ تو یہ محض اس خیال سے کہ وہ اشیاء خراب ہو جائیں گی ۔ انکار کردیتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے یا ہم نہیں دے سکتے ۔ دیکھا ! اِن نا شکر گذار مدعیانِ دین کی عبادت کی حقیقت ! کس طرح وہ بے روح جسم نمایشی ہے ۔ یہ اتنا بھی تو نہیں غور کرتے کہ ان کو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ملتا ہے ۔ پھر اس کی شکر گزاری میں ضرورت مندوں کی حاجت پوری نہیں کرتے ۔ جن لوگوں سے اتنا بھی نہ ہوسکے وہ کس مُنہ سے اپنے کو مصلّی ۔ یعنے خدا کا خالص عبادت گزار اور دین دار کہتے ہیں ۔

ثواب کے معنی

ثواب کے معنے فایدہ کے ہیں ۔ "ثواب الدُنیا" کے معنے فایدۂ عاجلہ ۔ حال کا فایدہ ۔ دُنیاوی فایدہ ۔ اور "ثواب الآخرہ" کے معنے استقبل کا فایدہ ۔ اُخروی فایدہ ۔ ہر عمل کا کچھ نہ کچھ فایدہ ضرور رہوتا ہے ۔ اِسی طرح عبادت کا ایک ثواب ہے ۔ مثلاً آپ نے میوہ کھایا ۔ وہ خونِ صالح بن کر آپ کی قوت میں اضافہ کرکے آپ کو فایدہ پہنچایا ۔ یہ فایدۂ عاجلہ ۔ یا ثواب الدُنیا ہے ۔ آپ نے ایک باغ لگایا ۔ ایک عرصہ کے بعد ۔ آپ یا آپ کے مرنے کے بعد آپ کی اولاد نے (باقی برصفحۂ ۲۵۰)

(بقیہ صفحہ ۲۴۹) اس باغ کا پھل کھایا ۔ یہ فایدہ آپ کا مستقبل کا ۔ یا ثواب الآخرۃ کہلائے گا۔
جب آپ کسی مذہبی عمل کے ذریعہ حصولِ ثواب کی امید رکھتے ہیں تو اس کے فایدہ بخش آثار کا زمانہ حال ہی سے نمایاں ہوتا ضروری ہے ۔ اگر فایدہ بخش آثار ظاہر نہ ہوں تو مستقبل میں اس عمل کے فایدہ یا ثواب کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً ایک درخت آم کا آپ لگاتے ہیں ۔ اس کی آبیاری کرتے ہیں اور وہ سرسبز ہوتا اور بڑھتا جاتا ہے آپ کا ان آثار کی بناء پر مستقبل میں اس کے بار آور ہونے کی امید رکھنا ٹھیک رہے گا ۔ برخلاف اس کے اگر وہ درخت باوجود آپ کی محنت کے برابر مرجھاتا جا رہا ہے تو کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں آپ اس درخت کا پھل کھائیں گے اور آپ کی محنت ٹھکانے لگے گی ۔ بس اسی طرح اگر آپ کے اعمالِ عبادت ۔ شرع و منہاج آپ کے کردار کو سنوار رہے ہیں تو بلاشبہ آپ کی اس عبادت کا ثواب آپ کو دنیا اور آخرت ۔ حال و مستقبل میں ملے گا ۔ برخلاف اس کے اگر آپ کی عبادت سے آپ کے کردار میں کوئی فرق نہیں آ رہا ہے بلکہ آپ کا دل غریب ۔ محتاج ۔ بے سہارا ۔ ضرورت مندوں سے نفرت کرتا ہے ۔ ان کی امداد و استعانت کی طرف مایل نہیں ہے بلکہ لاپروا اور مشفق ہے تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو ثواب مل رہا ہے۔ صلوٰۃ وہی ہے جو مصلّی کو ایثار و قربانی اور عملِ صالح کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب کرے ۔ اس کے کردار کو سنوارے ۔ بصورتِ ثانی وہ جو کچھ مذہب اور دین کے نام پر کر رہا ہے اس پر ویل ہے ۔ ایک بار نہیں ہزار بار ۔ خدا کی اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی ۔

ایک بات اور بھی غور طلب ہے کہ میری ترتیب کے لحاظ سے اس وحی کا سلسلۂ نزول (۲۳) ہے ۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت کے لحاظ سے تو (۱۶) واں ہے ۔ مفسرین نے نمازِ محمدی کو خشوع و خضوع سے نہ پڑھنے والوں سے اس وحی کو متعلق کر کے تفسیریں لکھی ہیں ۔ غور کیجئے کہ ابھی تو نہ نماز ہی کی فرضیت کا حکم ہوا ہے اور نہ ہی عوام داخلِ اسلام ہوئے ہیں ۔ بجز چند خاص خاص اصحابِ رسولؐ کے ۔ تو کیا یہ ویل ان اصحابِ رسولؐ کے متعلق ہے ؟ ۔ میں تو ایسا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اصحابِ رسولؐ کی نمازوں پر اس وحی میں ویل پڑ رہی ہے ۔ چنانچہ میرا فکر وحیِ اول میں نماز کے سلسلہ میں لکھا جا چکا ہے لہذا اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔
اس وحیِ الٰہی کا فہم مجھ کو یہ حاصل ہو رہا ہے کہ خانۂ کعبہ کے سامنے تمام مذاہب کے پیرو اپنے اپنے طور طریق سے عبادت کرتے تھے ۔ اور خود اہلِ قریش بہ حیثیت برہمنیت اور برہمن و پجاری ہونے کے اپنے طور و طریقِ عبادت پر نازاں ہوں گے ۔ اور قرآنِ حکیم اور محمد عربی صلعم کے متبعین کے طور طریقِ عبادت کے متعلق وہ کہتے ہوں گے : ” دیکھو ! یہ دین میں رخنہ ڈال رہے ہیں ۔ بھلا ان کی عبادت کو ربِّ کعبہ کہاں پسند کر سکتا ہے ۔ دین تو ہمارا دین ہے جس کی پیروی میں ہم عبادت کرتے ہیں ! “ ــــ اس اعتراض کا جواب وحیِ الٰہی کے ذریعہ نہ صرف معترضین کو بلکہ متبعینِ قرآن ۔ مخاطبینِ وحی اور آج تک کے بلکہ قیامت تک کے مصلیوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ دین کی حقیقت کیا ہے ۔ اور عبادت کے نتایج کیا ہیں ۔

دین ؟

ہر مذہب میں دین کی حقیقت | اس وحی میں ” دین “ کا لفظ آیا ہے اور ہر مذہب کی (باقی برصفحہ ۲۵۱)

(بقیہ صفحہ ۲۵۰) بنیادِ دین پر ہی ہے۔ قرآن حکیم نے (۶۷) دین وحی (سورۂ الروم) میں اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ :۔ "فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" ترجمہ :۔ اے انسان تو سیدھا چلے چل ایک ہی منزلِ مقصود کی طرف۔ وہ منزلِ مقصود کیا ہے؟ وہی فطرت اللہ۔ جس پر اس نے انسان کو بنایا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا بنایا ہوا قانون کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور نہ وہ بدلا جاتا ہے۔ پس یہی سیدھا سادہ دین ہے (ذالک دین القیم) لیکن اکثر لوگ فکر سے کام نہیں لیتے۔" دیکھا آپ نے بنیادِ دین کی حقیقت!

عربی میں "دین" کے معنے ہیں حساب۔ قانون۔ فطرت۔ یعنے ایسی طبیعت جس کے مطابق خدا نے انسان کو بنایا۔ جس پر چلنا ہی انسانیت کا فرض ہے۔

"مذہب" کے معنے "ایک طرف رجوع ہونے والے" کے ہیں۔ یعنے کسی بانیِ مذہب کے بتلائے ہوئے طریق پر کاربند رہنا۔ قدیم زبانِ چینی میں مذہب۔ دھرم کو "پنتھ پنتھ مارک" کہتے ہیں۔ جس کے معنے جکڑے رکھنے کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے حساب۔ قانون۔ فطرت کی تعریف کیا ہو سکتی ہے؟ یہی کہ سب کو کسی دایرہ میں جکڑ کر رکھا جائے تاکہ وہ بے راہ نہ ہو جائیں۔ بے راہ روی۔ اور راہ روی کے نتایج کیا ہیں؟ دیکھئے بے راہ روی میں شر اور فساد ظلم و زیادتی لازمی ہے اور راہ روی میں سلامتی۔ امن و سکون ملتا ہے۔ پس دنیاوی قانون کا منشا یہی ہے کہ وہ اس دائرہ میں انسان کو جکڑے رکھے جس سے امنِ عامہ میں خلل واقع نہ ہو۔ اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو مرتکبِ جرم کو سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

"فطرت" بھی ایک ایسے طریقہ کو کہتے ہیں جو کسی اصول کی پابندی میں اٹل ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ "اللہ کی فطرت بدلی نہیں سکتی"! اور انسان کے متعلق وہ کہتا ہے کہ :۔ "وہ بھی ایک اٹل فطرت کا ہے"! وہ فطرت کیا ہے؟ ایک سچائی۔ جو شعوری اور غیر شعوری طور پر انسان کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف رجوع کرے اور برائیوں اور ظلم و ناانصافی سے ایک قسم کا تنفر دلائے۔

دینِ انسانیت یعنے اخلاقیات ہی "دین" ہے

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر مذہب میں تمام انسانوں کی بھلائی اور سب کو ملائے رکھنے کا حکم ہے ظلم و ناانصافی اور مقررہ حدود سے بے محابا ہونے کو گنّاہ۔ پاپ۔ کفر۔ شرک کہا گیا ہے پھر غور کیجئے کہ ہر مذہب میں اسکے بنیادی اقدار اخلاقیات ہیں۔ اخلاق کیا ہے؟ یہی کہ اچھی دنیا بنانے کے لئے سچی انسانیت پیدا کرلی جائے۔ جسکے لئے اپنے گھر والوں۔ محلہ والوں۔ شہر والوں۔ اپنے ملک والوں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کی بھلائی کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ یہاں تک کہ دوسروں کیلئے خود برباد اور فنا ہو جانا ایک بہت بڑی انسانیت ہر مذہب اور ہر تمدن میں تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم جو کہتا ہے کہ :۔ "دینِ اسلام جو محمدِ عربی (صلعم) پیش کر رہے ہیں کوئی نیا دین نہیں ہے۔ یہی نوح سے لیکر عیسیٰ تک اور کرۂ زمین کے ہر قوم کے مامورین اللہ کا دین ہے۔ کیونکہ دینِ سلامتی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے اور اسی پر انسان کی بنا ڈالی گئی ہے" اس دعوے کی کیا حقیقت ہے؟ آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مذہب میں ظلم۔ چوری۔ جھوٹ۔ چغلی۔ ایک معذور و مجبور کی خبر گیری نہ کرنا۔ بھوکے کو کھانا نہ کھلانا۔ بے سہارا کو سہارا نہ دینا بدترین گناہ سمجھا جاتا ہے! اور خدا کی عبادت کرنا۔ ماں باپ کی خدمت مصیبتوں میں دوسروں کی امداد۔ انصاف۔ غیرت۔ ان سب کو اچھا کام سمجھا جاتا ہے۔ پس یہ ہے دین کی حقیقت۔ یعنے بنیادِ دین۔ نہ کہ شرع و منہاج۔ ریت رواج۔ طور طریق۔ عبادت۔ معاشرت وغیرہ۔ پس اس وحی میں بتلایا جا رہا ہے کہ :۔ "دین کو جھٹلانے والے یعنے اصولِ دین کو نظر انداز کرکے محض ریت رواج شرع و منہاج کو دین سمجھ کر دین کے اقدار سے تہی دامن ہو کر اپنی دین داری پر ناز کرنیوالے دراصل قابلِ نفرت ہیں۔ کیونکہ ان میں اصل دین کی حقیقت رتی برابر بھی نہیں ہوتی"!

نام سورہ **لھب** ۔ تعداد آیات (۵) تعداد رکوع (۱) شمارۂ ترتیب موجودہ (۱۱۱) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۴) زمانہ نزول دورِ دوم سنہ بعثت ۷ تا ۱۱ء
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزول وحی	۵	۵	۵	۶	۲۲	۳	۱۱	۱	۱۲	۶	۴

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و تعریف و منہاج	میرے ذکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	عبدالعزی عرف ابی لہب اور قوم عرب		۱۔ ابی لعب کے ہاتھ ٹوٹ گئے؟	۱ف		
			۲۔ ابی لہب کی مخالفت کا سبب۔	۱ف		
			۳۔ دینِ آبائی کی حفاظت کا تصور آج بھی وہی ہے۔ جو ابی لہب کا تھا۔	۱ف		
				۱ف		
			۴۔ ابی لہب کے گلے کی رسّی۔	۱ف		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیکھو! ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے۔ اور وہ آپ ہی آپ شکست خوردہ ہوگیا ۱ف ۔ دیکھا تم نے کہ اس کا مال اور جس کی کمائی اُس کے کچھ کام نہ آئی ۲ف ۔ وہ خود پڑ جائے گا اپنے غرور کی بھڑکتی آگ میں اور اس کی عورت جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے۔ ایک دن وہ بھی سر بازار رسوا ہوگی ۳ف ۴ف ۔

ف ۱ ۔ میرا تفکر ۔ عبدالعزی عبدالمطلب کے لڑکے اور آنحضرت صلعم کے حقیقی چچا تھے۔ چونکہ وہ بہت ہی سرخ و سفید تھے۔ اس لئے حضرت عبدالمطلب نے ان کی کنیت ابی لہب رکھی تھی ۔ لہب کہتے ہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلہ کو۔ صورت سے بھی اور سیرۃ بھی وہ پرکالۂ آتش تھے۔ اسلئے یہی کیفیت اُن کی ہوگئی تھی ۔ کنیت ابی لہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے کی حقیقت
ید کے معنے ہیں ہاتھ ۔ کام ۔ عمل ۔ طاقت ۔ قوت ۔ اقتدار ۔ قبضہ و اختیار ۔ عطا اور نعمت کے ۔ یہاں پر ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے " معنے" وہ یہیں کہ وہ اپاہج ہوگیا ۔ بلکہ ابی لہب کے یار و مددگار (باقی بر صفحہ ۲۵۴)

(بقیہ صفحہ ۲۵۲) اس کا ساتھ چھوڑ دیئے۔ جیساکہ پارٹی ٹوٹنے اور قوتِ مقابلہ کے ختم ہونے کو اُردو میں محاورةً ہاتھ ٹوٹنا اور قوتِ بازو مفلوج ہوجانا کہتے ہیں ۔۔ ذہن نشین رکھیئے کہ ہر وہ تحریک جو مفادِ عامہ کیلیئے ہو سرمایہ دار اور ذی حشمت طبقہ کیلیئے مضر ہوتی ہے۔ اِسی لئے یہ طبقہ اسکی مخالفت اپنا فرض سمجھتا ہے۔ چونکہ عوام اس طبقہ سے متاثر رہتے ہیں اسلیئے وہ بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں ۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ ابی لہب ۔ محمدِ عربی صلعم کے مشن قرآن ازم کے سخت مخالف تھے ۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ

ابی لہب کی مخالفت کا اصلی سبب آبائی دین کی حفاظت تھا۔

یہ مخالفت کسی جایداد یا خاندانی وجوہات کی بناء پر نہ تھی ۔ بلکہ محض پروھیتِ دین کے حفاظت کی خاطر تھی ۔ ظاہر ہے کہ محمدِ عربی صلعم تقلیدِ جامد کو مٹا کر آزادیٔ فکر کی تعلیم دے رہے تھے ۔ تو کس طرح وہ اپنے خاندان کے حق میں اچھے سمجھے جاسکتے تھے ۔۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی فردِ خاندان آبائی دین کی مخالفت بلکہ اسکو نیست و نابود کرنے کا درپے ہوجائے تو عموماً تمام خاندان کے بزرگ افراد کے لئے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔ اور سب مل کر اس بات کی کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ اپنے فردِ خاندان کو ابتر ہونے دیا جائے ۔ یہاں تک کہ ماں باپ بھی خاندانی معبودوں کی بے حرمتی برداشت نہیں کرسکتے اور حتی الامکان نرمی ۔ گرمی جبر ظلم ہر طریقہ کو کام میں لاکر اس کو آبائی دین پر قایم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر اس پر بھی وہ اپنے ارادہ سے نہ پھرے تو پھر اس کا قتل بھی خوشنودیٔ محمدا کا سبب سمجھ لیا جاتا ہے ۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ سے ابی لہب کو تاریخِ پیدائش ہی سے ایک خاص الفت شفقت اور محبت تھی۔ اور اس وقت تک برابر رہی جب تک کہ آپؐ نے پروھیتِ مذہب کے معبودوں کی مخالفت نہیں کی۔

چنانچہ ابنِ ہشام نے جلد اول صفحہ (۱۶۲) میں لکھا ہے کہ جب محمدِ عربی صلعم نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو قوم نے آپؐ کی مخالفت نہیں کی۔ لیکن جب ان کے معبودوں کو باطل ٹھیرایا تو قوم آپؐ کی مخالف ہوگئی ۔۔۔ ظاہر ہے کہ ابی لہب نے جب دیکھا کہ اُس کا عزیز بھتیجہ بے دین ۔ ملحد ہوکر ابتر ہو رہا ہے تو اس نے اپنے محبوب بھتیجہ کو راہِ راست پر لانے کے لئے ہر قسم کی سختیاں شروع کردیں ۔ چونکہ ابی لہب کے سر پر تقلیدِ جامد کا جادو چڑھا ہوا تھا اس لئے وہ حق کو ماننے کی طرف راغب نہ ہوسکا۔ اور اپنے مرنے تک سمجھتا رہا کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے کسی کی پرواہ نہ کرے۔

دین کی حفاظت کا تصور آج بھی وہی ہے جو ابی لہب کا تھا۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہ مقابلہ سنجیدہ انسان کے مغلوب الغضب اور بہادر شخص ہی اپنے دین ۔ مذہب کی حفاظت میں آگے آگے رہتا ہے اور اُس کی ایمان داری کو عوام قابلِ داد سمجھتے ہیں جس قدر واقعات توہینِ مذہب کرنے والوں کے قتل کے آپ دیکھیں گے اس میں ۔ بے پڑھا لکھا ۔ یا کم لکھا پڑھا ہی قاتل نظر آئے گا۔ اور اسی طرح آج بیسویں صدی میں بھی کسی بڑے مشایخ یا مولوی سُنت جماعت کا کوئی لڑکا جو باپ کا اور خاندان کا چہیتا ہو ۔ قادیانی یا شیعہ یا خارجی وغیرہ کسی مذہب کو قبول کرے تو اس کا باپ اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے کیا کیا تدابیر ۔ اور سختیاں اور ظلم و ستم اس پر کرے گا ۔ کیوں ؟ ۔ محض اس لئے کہ وہ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو رہا ہے ۔۔ اور ایسی صورت میں اس خاندان کے کم علم اور جاہل افراد بھائی ۔ چچا پیش پیش نظر آئیں گے ۔ ماں باپ کو بھی ایسے ناخلف ۔ ابتر اولاد کی موت کی تمنا ہوگی ۔۔ پس اس مثال کو سامنے (باقی بر صفحہ ۲۵۴)

(بقیہ صفحۂ ۲۵۳) رکھ کر آنحضرت صلعم سے ابولہب کی مخالفت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اب ذرا وحیٔ الٰہی پر غور کیجیئے کہ کس قدر عامیانہ جملون کے ساتھ وہ نازل ہورہی ہے۔ دراصل کتاب حکمت ایسی ہی ہوتی ہے جو عوام کے عقل وفہم اور ان کے عام فہم محاورون مین ان کو نصیحت کرے۔ وہ کتاب جو عوام کے معیار فہم اور سوجھ بوجھ سے بالاتر ہو جس مین علم کلام، فلسفہ اور منطق کی بھول بھلیان ہون وہ نہ تو اللہ کا کلام ہوسکتا ہے اور نہ کسی رسول کی کتاب۔ دراصل کتاب اللہ فطرتِ انسانی کی آسان سے آسان تر رہنمائی کا نام ہے۔ ایسی صورت مین وہ اپنے مخاطبین کی تفہیم اور غور و فکر کے لیئے ایک پھریا اس سے کمتر مثال کے ذریعہ سمجھانے مین ذرا بھی پس وپیش نہین کرتی۔ دیکھیئے اس وحی مین بتلایا جارہا ہے "ابی لہب کی پارٹی کو شکست ہوگی اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا اور وہ خود محمدِ عربی کی مخالفت مین ناکامی کی وجہ غم وغصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ مین گرے گا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی بیوی بھی سر بازار رسوا ہوگی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آنحضرت صلعم نے اپنے چچا اور اپنی قوم کے ارادے کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ قدرت نے محمدِ عربی صلعم کو مکہ سے

ابی لھب کی عورت کے گلے مین رسی

بچاکر نکالا اور مدینہ پہنچادیا۔ اور وہان پر قرآن اعظم نے اتنی ترقی کی کہ ابی لہب اپنے بھتیجہ کے مقابلہ مین ناکام ہوا۔ پھر فتح مکہ کے بعد جو کچھ رسوائی اس کی عورت کی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کیجیئے تو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ پس اس وحی کا منشا یہ ہے کہ ابی لہب کا مشن تباہ ہوگیا۔ یعنے اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اس کا سرمایہ، اس کا اقتدار اور اس کی کارستانیان کچھ بھی کام نہ آئین۔ بلکہ وہ اپنی ناکامی کے رنج وغم کے شعلون مین جلتا ہی رہا۔ اور مر کر بھی جل رہا ہے۔ اس کی بیوی کی رسوائی کی بھی کوئی انتہا نہ رہی۔ گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی وحیٔ الٰہی کی جو فتح مکہ کے بعد ظاہر ہوکر رہی۔

آج اس وحی کو اور مخالفتِ ابی لہب کو چودہ سو سال گذر چکے ہین۔ لیکن حق کے مقابل باطل کی مخالفت کیلیئے بدنصیب ابی لہب اور ابوجہل کا مقام بطور ضرب المثل نہ صرف دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانون بلکہ غیرمسلمون کی زبان پر ہے۔ مین اس وحی کو آج بھی فطرتِ انسانی کا عکس سمجھتا ہون۔ ابی لہب کو لعنت ملامت کیلیئے نہین اور ہر مذہب مین ایسی فطرت ابی لہب کو دیکھکر عبرت حاصل کرتا ہون۔

نام سورہ **طارق** تعداد آیات (۱۷) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۸۶) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزول وحی بہ لحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خاں (۲۵) زمانہ نزول دورِ دوم ۴ سنہ بعثت
اس سورہ کے سلسلہ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اس کی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محقق	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بہ لحاظ ترتیب نزول	۳۵	۳۵	۸۶	۳۱	۲۹	۱۵	۲۲	۲۱	۲۳	۳۲	۳۶

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کون سی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	اہلِ مکہ	×	طارق یعنی ایک ستارے کے پرستار مساوات انسانی بہ لحاظ تخلیق حشر پر ظاہری ایمان اور عملاً نفی آیات قرآن و کائنات کی نشانیاں الہان باطل قرآن کے مصدق	ف۱ ف۲ ف۳ ف۴ ف۴		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بسم خالق السماء والطارق

اے مخاطب ۔ قسم ہے آسمان کی اور طارق کی ع۱ تم جانتے ہو کہ طارق کیا ہے ع۲ وہ
تو ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے ع۳ دیکھو کوئی نفس (شئے) نہیں جس پر کوئی نگہبان مقرر نہ ہو ع۴ ف۱
خود آدمی اپنی ہی پیدائش پر غور کرے کہ اس کی بناوٹ کا آغاز کس طرح ہوتا ہے ع۵
یہی نا کہ وہ بنتا ہے جوشِ نفسانی کے بعد قطرۂ منی سے ۔ ع۶ وہ منی جو نکلتی ہے ریڑھ

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ طارق ۔ محاورہ عرب میں صبح کے ستارہ کو کہتے تھے اور معزز لوگ رؤسا، کو بھی طارق کا محاورہ اس شخص کے لیے بھی تھا جو آخری رات میں دروازہ کھٹکھٹاتا ہو ۔ یہاں پر آسمان اور صبح کے ستارہ کی قسم مقصود معلوم ہوتی ہے ۔ اس ستارے کا نام ہمارے پاس زہرہ ہے ۔ نظام شمسی کے مختلف سیاروں کو مختلف قومیں پوجا کرتی تھیں جس سے اہلِ مکہ بھی متاثر تھے ۔ کیونکہ مختلف ممالک کے مختلف (باقی بر صفحہ ۲۵۶ پر)

طارق ۔ مشتری ۔ زہرہ کے پرستار

کی ہڈی اور ترائب سے ۷ بے شک اللہ اس پیدائش کو دُہرا سکتا ہے ۸ و۲ تم جانتے ہو کہ جس دن دلوں
کے پوشیدہ بھید ظاہر ہوں گے یعنی بروزِ یومِ حساب ۹ اُس دن نہ تو کوئی زور کام آئے گا اور نہ ہی کوئی مدد
کرنے والا ہو گا ۱۰ و۳

اے مخاطبین! پھر محمدؐ کی زبان سے سُن لو! قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی (یعنی نظامِ شمسی کی) ۱۱
اور زمین کے پیداوار کی ۱۲ بے شک یہ وحیٔ الٰہی امرِ فیصل شدہ ہے ۱۳ اس میں کوئی لغویات اور
مہملات نہیں ہیں ۱۴ باوجود اس کے مخاطبین اگر اعلانِ حق کے خلاف بُرے تدبیروں میں لگے ہیں ۱۵
تو قدرت کے کارکن بھی حق کو کامیاب بنانے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں ۱۶ البتہ قانونِ مہلت

(بقیہ میر افکر۔ و۱۔ صفحہ ۲۵۵) اقوام و ملل بہ ضمن تجارت مکہ میں آتے تھے۔ اور ان کے عقائد کے لحاظ سے ان کے معبود بھی خانہ کعبہ میں رکھے جاتے تھے جس کا ذکر اوراقِ گزشتہ میں آچکا ہے۔ پس آسمان اور طارق کی قسم زبانِ محمدیؐ پر جاری کر کے نصیحت کا آغاز کیا جا رہا ہے کہ دیکھو تمہارے تصور اور عقیدے کے لحاظ سے طارق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی شئے کائنات میں ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان مقرر نہ ہو۔ کیونکہ بغیر نگہبانی کے کوئی شئے باقی نہیں رہ سکتی۔ یعنی جب تک اس کی بقاء کے لیے کارکنانِ قضاء و قدر اس کی نگہبانی نہ کریں۔ چنانچہ آج سائنس کی دُنیا میں ہوا اور برق۔ ایتھر۔ آکسیجن وغیرہ گیاس ہی سے ہر حیوان۔ اور نباتات کی زندگی مسلمہ ہے، پس دیکھو تمہارا معبود طارق بھی اللہ کے مقررہ نگہبانوں کی حفاظت میں اربوں در اربوں سالوں سے اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔

و۲ میر افکر:۔ اُن مخاطبین کو جو بعث بعد الموت۔ اور معاد کے منکر ہیں۔ یا محض عقیدہ رکھ کر نتائجِ اعمال سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ تو ان کو غور کرنا چاہیئے کہ ان کی پیدائش تو کوئی راز نہیں ہے "وہی نطفۂ منی عورت کے رحم میں داخل ہو کر اس کے ترائب یعنی چھاتیوں سے جو خون حیض کا بنتا ہے۔ انسان کی بناوٹ ہوتی ہے اور پھر پیدائش کے بعد وہی حیض کے خون کو قدرت دودھ کی صورت میں بچے کی پرورش کے لیے خوراک بنا دیتی ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرتِ مقررہ سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ تو پھر تم کو کیوں بعث بعد الموت اور یومِ حساب سے انکار۔ یا لاپرواہی ہے۔ اور کیوں نہیں سمجھتے کہ جب اللہ کی قدرت ایک بار پیدا کرتی ہے تو وہ دوبارہ اس کو پیدا نہیں کر سکتی؟ اگر تم اپنے معبودِ باطل طارق ہی پر نظر ڈال کر فکر کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ کس طرح ہر مرتبہ غروب ہوتا ہے۔ اور پھر طلوع ہوتا ہے۔ کیا تم نے کبھی اس کے اوقاتِ مقررہ میں ایک لحظہ کا بھی فرق دیکھا ہے؟۔ جب ایسے عظیم الشان سیاروں پر اللہ کے نگہبان یعنی کارکنانِ قضا و قدر موجود ہیں۔ جس کی وجہ وہ اپنے فرائض کی تکمیل میں سرِ مو فرق نہیں کرتے۔ تو اے انسان تیرے کو جب تیرے خالق نے قوتِ فکریہ کی نعمت دے کر تجھ کو اپنے اعمال و افعال میں مختار کر دیا ہے تو کیوں تقلیدِ جامد میں جکڑا ہوا محض عقائد و ایمانیات کی دُنیا میں اپنے فرائض کو بھول رہا ہے۔ اور قوتِ فکریہ سے تسلیمِ حق کی آزادی کو حاصل کرنے میں پس و پیش کرتا ہے۔

انسانی پیدائش منی سے سب انسانوں کے لیے یکساں ہے

و۳ میر افکر:۔ اس وحی کے مخاطبین کی کیفیت وہی ہو گی جیسی کہ آج کل ہم مسلمانوں کی ہے۔ یعنی قیامت کے قائل، روزِ جزا و سزا پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ میزانِ عمل اور حسابِ اعمالِ نیک و بد ہر وقت زبان پر جاری ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ بروزِ قیامت کوئی مددگار نہ ہو گا۔ (باقی صفحہ ۲۵۸ پر)

عقائدِ حشر کی عملاً نفی

ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔ اور یہ چند روزہ مہلت ان کے لیے ہے اور بس ۱۷ ف۵

(بقیہ میرا فکر۔ ف۳ ۔ صفحہ ۲۵۶) قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں۔ جو لوگ طوطے کی طرح بڑبڑاتے ہیں اُن کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ۔ جو صاحبِ علم و فضل ہیں قرآنِ حکیم کے معنی و مطالب کو جانتے ہیں۔ تفاسیر لکھتے ہیں۔ سب کچھ ہے، لیکن ان کے دلوں کا بھید تو یہ ہے کہ ہم امتِ محمدی ہیں لہذا ہمارے لیے اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر بھروسہ کافی ہے۔ "نجات ہمارے لیئے لازمی ہے ـــ" بس اسی طرح مخاطبین وحی کے ایمانیات و عقائد لازمی ہوں گے جس کی طرف اس وحی میں اشارہ ہے۔

یہ کائنات کے نشانیاں بھی آیاتِ قرآنی ہیں

ف۴ ۔ میرا فکر:۔ پھر مخاطبین وحی کو زبانِ رسولؐ پر زمین اور آسمان کی قسم جاری کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ ہم محمدؐ عربی کے ذریعے جو کچھ تم کو اب تک سنا چکے ہیں۔ اور آئندہ سنائیں گے۔ ہر بات امر فیصل شدہ ہے۔ دو اور دو چار کی طرح ہے اس میں کوئی لغزش یا لغو یا ہوائی باتیں نہیں ہیں ۔ ہم تو تم کو کائنات کا کھلا قرآن۔ موجودات کی آیتیں یعنی نشانیاں بتلا کر سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو جس کو تم رات دن اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور اپنے عمل سے جانچتے ہو یعنی ہر عمل کا بھلا یا برا نتیجہ تمھارے سامنے فوری ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر تم اس قولِ فیصل کو جو تمھاری بھلائی کے لیے ذریعہ وحی الٰہی جاری کیا جا رہا ہے۔ اور تمھارے ذہن و فکر ہی کے دائرے میں تم کو سمجھایا جا رہا ہے کیوں غور نہیں کرتے۔ اور کیوں تقلید اب و جد سے فکر کی آزادی حاصل کر کے قرآنِ اعظم کی پارٹی میں داخل نہیں ہوتے؟ ذرا تو غور کرو کہ تمھارے ہی عقائد کے مدِ نظر محمدؐ عربی صلعم تم سے کیسی بڑی بڑی قسمیں کھا کر اپنا دعویٰ پیش کر رہے ہیں۔ اگر وہ غلط کہتے تو کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ تمھارے معبودانِ باطل اُن کو کیوں ضرر نہیں پہنچاتے؟ تم دیکھتے ہو کہ ان کو ان قسموں کے بعد بھی تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ تو تم کو غور کرنا چاہیئے کہ تمھارے اللہ بھی ان کے بیان اور نصیحت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر تم اعلانِ حق کو مٹانے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہو تو پھر کارکنانِ قضا و قدر بھی حق کو بلند کرنے اور تمھارے باطل کو مٹانے کی تدبیر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصروف ہیں۔ یہ زمانہ تو تمھارے لیے ایک مہلت کا ہے۔ اور جب تمھارے حساب کا دن آ جائے گا تو پھر سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ بس اس مہلت میں جو کرنا ہے کر لو ـــــ دیکھئے۔ ہمارے پاس بھی تو زراعت پیشہ اپنی زراعت کی قسم کھاتا ہے اور کبھی وہ بارش کی کبھی اپنے کھیت کی۔ ایک بڑھائی اپنے اوزار کی۔ عام انسان چراغ کی۔ مطلب اس سے یہی ہوتا ہے کہ اگر وہ غلط کہتا ہے تو زراعت تباہ ہو گی۔ اوزار اس کے ہاتھ پاؤں کو نقصان پہنچائیں گے۔ چراغ پھر اس کو دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ یعنی موت آئے گی یا تباہی آ جائے گی۔ آسمان اس پر ٹوٹ پڑے گا ۔ ان تصورات ہی کے تحت مخاطبین وحی کو زبانِ رسول اللہ صلعم پر اُن کے عقائد کے لحاظ سے قسموں کو جاری کر کے نصیحت کے ماننے کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔

نام سورہ **مزمّل** تعداد آیات (۲۰) تعداد رکوع (۲) شمارہ ترتیب موجودہ (۷۳) پارہ (۲۹)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خاں (۲۶) زمانہ نزول دور دوم سنہ ۴ بعثت ۶۱۴ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اس کی صراحت معلوم ہوگی

نام محقق	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب وحی	۳	۳	۳	۳	۴۶	۲۳	۳	۳۴	۸	۳	۳

توضیحات

شمارہ اہم آیات	کون مخاطب ہے یا کون سی مثال ہے	احکام شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
(۲۰) ویں آیت مدنی ہے	محمد عربی صلعم اور عام انسانیت	۱۔ پچھلی رات میں دعا اور وحی الٰہی پر غور و فکر کا حکم۔ ۲۔ عدم تشدد کا حکم	مزمل ؟	۱	مدنی قرآن۔ تعمیر اسٹیٹ قوانین وحی اور تمدن و معاشرت کو نافذ کرتا ہے۔	۱
			تہجد کی حقیقت	۱		
			مراقبہ اور مسمریزم	۱		
			رب المشرقین رب المغربین ؟	۲	قرآنی احکام کے ناسخ و منسوخ کی حقیقت۔	۱
			عدم تشدد یعنی اہمسا	۳		
			بنی اسماعیل کی تمنا اہل کتاب بننے کی۔	۴	نماز با جماعت زکوٰۃ کی حقیقت	۱
			آگ کی بیڑیاں ؟	۴	مالی عبادت سے ثواب آخرت	
			آخرت کے لیے زاد راہ ؟	۴	ثواب آخرت کی ایک مثال علی گڑھ یونیورسٹی ہے۔	
			تذکرہ قرآنی ؟	۵		
			الحاقی آیات پر یادداشت	الف		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے محمد! جب بار نبوت کے تم حامل ہو چکے ہو تو رات کو سوتے رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ۱۔ پس
رات میں تھوڑی دیر کے لیے قیام بھی کر لیا کرو ۲۔ خواہ آدھی رات ہو یا اس سے کم ۳۔ یا اور بھی زیادہ
اور اس قیام میں اللہ کی نازل شدہ وحیوں پر آہستہ آہستہ غور و فکر بھی کرنا چاہیئے ۴۔ کیوں کہ
عنقریب تم پر تبلیغ کا ایک بھاری بوجھ ڈالا جانے والا ہے ۵۔ کچھ شک نہیں کہ شب بیداری
نفس کے لیے ایک بار گراں ہے۔ لیکن یہ وقت ذکر کے لیے اچھا ہوتا ہے (یعنی وحی الٰہی میں غور و فکر کے لیے) ۶

پس رات ہی کو سب سے بے تعلق ہو کر وحی الٰہی میں ذکر کیا کرو (یعنی فکر کیا کرو) کیونکہ دن میں کثرتِ مشاغل کی وجہ سے فکر و فہم کا موقعہ نہیں ملتا ہے ۸ ف۱ ۔ یاد رکھو کہ مالک مشرق کا اور مالک مغرب کا سوائے ایک اللہ کے دوسرا نہیں ہے۔ لہذا اسی کو اپنا کارساز بنا لو ۹ ف۲ ۔ ہاں اے محمدؐ ! تیرے اعلانِ حق پر جو کچھ اعتراضات

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ مزمل محاورہ عرب میں حاملِ نبوت کو کہتے ہیں۔ مزمل اصل میں متزمل سے مشتق ہے۔ یعنی اپنے آپ کو عبادت کے لیے ستر پوش کر لینے والا۔

مزمل

اس وحی کے مخاطب خاص محمد عربی صلعم ہیں۔ وحی الٰہی آپ کو آگاہ کر رہی ہے کہ اب جبکہ تم کو بنی اسمٰعیل سے نبی منتخب کیا گیا ہے تو دن کے کاروبار معیشت و فرائض تبلیغ کے علاوہ رات کو وحی الٰہی میں زیادہ فکر اور غور کیا کرو۔ تاکہ سکونِ قلب کے ساتھ دراہ عمل اور نتائج پر پہنچنے کا تم کو موقع ملے۔

تہجد کی حقیقت

دیکھئے آج بھی جو لوگ شب میں عبادت کرتے ہیں، یا کسی معاملے میں غور و فکر کرتے ہیں ان کی قوتِ ارادی اور قوتِ فکریہ کس قدر تیز ہوتی ہے جس کی وجہ ان کی تبلیغ موثر خلائق بن جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ رات کی خموشی میں جس طرح سکونِ قلب ملتا ہے وہ دن کے شور و غل اور مشاغل و فرائض زندگی کی وجہ حاصل نہیں ہوتا۔

مسمریزم اور مراقبہ

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مسمریزم میں قوتِ ارادی کو بڑھانے کے لیے رات کے آخری حصے ہی میں توجہ کرنی بہت مفید ہوتی ہے۔ مجھ کو اپنی کم سنی کا ایک واقعہ یاد ہے کہ میرے خالو احمد علی شاہ متخلص قاضی خلیفہ فیض نے مجھ سے مسمریزم کا طریقہ پوچھا اور میں نے بتلایا کہ اس طرح رات میں ایک سیاہ نقطہ پر توجہ ڈالی جا کر اس کو روشن پھر سیاہ کر لیا جاتا ہے۔ تو وہ چیخ اٹھے۔ کہ "ارے یہ تو ہم صوفیا ہی کی ابجد ہے، تم لوگ شیطانی ابجد میں مبتلا ہو۔" بہر حال قوتِ ارادی بڑھانے کے لیے آج دنیا میں کئی طریقے۔ ہپناٹزم۔ مسمریزم۔ ڈیولپمنٹ آف مائنڈ۔ وغیرہ ہیں۔ اور بڑے بڑے سائنس داں اور صاحبِ فکر سیاست داں رات ہی میں غور و فکر کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے آج کے ماحول میں غور کیجئے تو وحی الٰہی پر غور و فکر کرنے کا حکم ظہور تجلیات کے لیے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مفسرین نے بہ لحاظ عمل رسول صلعم نمازِ تہجد کا حکم اس کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ نمازِ پنجگانہ کی فرضیت کے لیے ابھی حکم نافذ نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ آج بھی بعض فرقے۔ مثلاً مہدوی۔ اور قادیانی۔ اور صوفیہ کے نزدیک نمازِ تہجد فرض کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی لیے وہ اس کو قضا نہیں کرتے۔

دیکھئے اس وحی میں انسانی معیشت کا کس طرح خیال رکھا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ زندگی کے کاروبار ترک کر کے آخرت کی طلب میں مسجد و محراب کے حوالے ہو جاؤ۔ یا سنیاس۔ یا رہبانیت اختیار کر لو۔ نہ تو بدھ مت کی طرح بادشہی کی تعلیم ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح رہبانیت کی۔ بلکہ دن کو معاشی جدوجہد کے لیے جب قدرت نے بنایا ہے تو انسان کو اچھی دنیا پیدا کرنے کے لیے اس میں مصروفِ عمل رہنا لازمی ہے۔

ف۲ ۔ میرا فکر :۔ میرا فہم کہتا ہے کہ اس آیت کا منشا رسالت مآب صلعم کے ذریعے تمام انسانوں کو خواہ وہ مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے، شمال کے ہوں یا جنوب کے۔ جو بھی اپنی اپنی زبانوں میں اللہ کی پرستش کے مدعی ہیں ان سب کو یہ سنانا ہے کہ الٰہ یعنی معبود سب کا ایک ہی ہے، اگر کوئی اس کے خلاف اپنی قوم اور اپنے ملک کا علٰحدہ علٰحدہ رب یعنی پروردگار سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ ایک ہی ذاتِ واحد کو اپنا رب سمجھ کر اسی کو اپنا کام بنانے والا (باقی صفحہ پر)

رب المشرق والمغرب

اختلافات۔ اور جبر و ستم، ظلم و استبداد تجھ پر ہوگا اس کو سہتا رہ اور لوگ جو کچھ حق کی مخالفت میں تجھ سے کہیں اس کو سُنتا رہ۔ اور اُن کی سختیوں کو نظر انداز کردیا کر ۱۰۔ اور ان حق کے جھُٹلانے والوں کا معاملہ اللہ کے فیصلے کے لیے چھوڑ دے۔ ان کو قانونِ امہال کے سلسلے میں کچھ مُہلت ملے گی ۱۱ ف۳۔ اے محمّد! تو کیوں فکر کرتا ہے؟ ان جھُٹلانے والوں کے لیے تو ہم نے سخت سے سخت جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۱۲ اور ان کے لیے ذِلّت کی غذا ہے ۱۳ تو دیکھ لے گا جس دن زمین کانپ اُٹھے گی اور پہاڑ مثل ریت کے ٹیلوں کے پھسلنے لگیں گے ان مُکذبین کا حشر ۱۴۔ اے اہلِ مکّہ! دیکھو ہم نے تمھارے لیے بنی اسمٰعیل سے ویسا ہی رسول منتخب کیا ہے جیسا کہ بنی یعقوب سے موسیٰ کو منتخب کر کے فرعونِ مصر کے پاس بھیجا تھا ۱۵۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ جب فرعون نے موسیٰ کا کہنا نہ مانا تو فرعون اور اُس کی فوج کا کیا حشر ہُوا ۱۶۔ تم اگر ہمارے رسول کی تعلیم سے انکار کرو گے تو کس طرح ہمارے عذاب سے بچ سکتے ہو ۱۷۔ اور کہو! عذاب کا دن ضرور آئے گا اور وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ انسان تو انسان آسمان بھی اس دن پھٹ جائے گا ۱۸۔

(بقیہ میرا فکر ف۲ صفحہ ۲۵۹) اور بالنہار سب کچھ سمجھ لے ـــ اس کے خلاف تمام دعوے۔ اور اپنی برتری کا ادعا اللہ کے برگزیدہ اُمت ہونے کا گھمنڈ ملغوا اور جہل ہے۔۔

ف۳۔ میرا فکر:۔ دیکھیے ان آیات میں تشدد کا جواب عدم تشدد کے اصول سے دینے کی تعلیم محمّدِ عربی صلعم کو دی جارہی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ محمّدِ عربی صلعم کی ۱۳ سالہ تبلیغی زندگی مکّہ میں کس کشمکش کی گزری۔ اور آپ نے اس تعلیم کے موافق کس طرح حلم۔ بُردباری۔ اور حسنِ اخلاق و کشادہ دلی کے ساتھ منکرینِ حق سے تعلقات قائم رکھے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی و رسول کی قوم۔ نے مثل عرب کے اپنے نبی پر ظلم نہیں کیا۔ وہ تو صرف حسنِ عقیدت سے کہتے ہیں۔ میری نظر میں گزشتہ انبیاء مرسلین پر جو ظلم ہوا ہے آنحضرت صلعم پر اس میں کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہوا۔ لیکن میں اس بات پر یقین و ایمان رکھتا ہوں کہ سُولی پر چڑھ جانا۔ آرے سے کٹ جانا۔ آگ میں جلنا۔ موت کے مُنہ میں چلے جانا۔ تو ایک وقتیہ بات ہے۔ لیکن زندگی کو ہر وقت خطرہ میں ڈال کر رات دن قوم کی مخالفت۔ جانی۔ مالی جسمانی عزت و آبرو پر ضربات سہتے ہوئے پیغامِ حق کو عدم تشدد کے ذریعے پہنچانا اور پھر اپنے مشن کو اپنی زندگی ہی میں کامیاب بنانا، فی الحقیقت اولو العزمی ہی کا کام ہے۔ جس میں محمّدِ عربی صلعم کی مثال بہ مشکل تمام دیگر انبیائے مرسلین میں مل سکتی ہے۔ ابتدائی وحی الٰہی نے آپ کو جو ہدایت صبر و استقلال اور عدم تشدد کے ساتھ حسنِ اخلاق سے تکمیل رسالت کی دی تھی، اس پر جس طرح آپ نے عمل فرمایا اس کی تصدیق اپنے نہیں بلکہ پرائے انگشت بدنداں ہو کر کر چکے ہیں۔ چنانچہ بعض عیسائی محققین و مورخین نے اپنے کتابوں میں اس کا اعتراف کیا ہے ـــ لیکن سوال یہ ہے کہ آج مسندِ محمّد رسول اللہ کے جانشین یعنی علماء و مشائخین کا کیا حال ہے؟

اہمسا یعنی عدم تشدد کی تعلیم

ف۴۔ میرا فکر:۔ دیکھیے اس وحی کے ذریعے آنحضرت صلعم کو ڈھارس دی جارہی ہے۔ کہ تم اپنی مخالفت کرنے والوں کو ہم پر چھوڑ دو۔ ہم اپنی قدرت اور کارکنانِ قضا و قدر کے ذریعے ان کو سمجھ لیں گے۔ ان کی قسمت میں تو ارزل زندگی ہی معلوم ہوتی ہے۔ وہ باوجود احسنِ تقویم ہونے کے اسفل زندگی ہی کو پسند کرتے ہیں۔ تم اپنے فرائض حسنِ اخلاق کے ساتھ انجام

لوگو ــــ!! ذرا تو غور کرو کہ محمدؐ تمھارے کو جو خطاب کر رہا ہے۔ اور وہ جس وحی الٰہی کو تمھارے لیے لا رہا ہے۔ یہ دراصل ہے کیا؟ ــ یہ تو صرف تذکرہ ہی تو ہے!! یعنی صرف نصیحت۔ پس اے اہلِ مکہ۔ اے مخاطب۔ اب تیرے اختیار میں ہے کہ اس نصیحت کو قبول کر کے حق کا راستہ

(بقیہ میرا فکر۔ ۴۲ صفحہ ۲۶۰) دیتے چلے جاؤ ــــ اور ہمارے نصرت اور رحمت کے منتظر رہو۔

اہلِ عرب کی دیرینہ تمنا اہلِ کتاب بننے کی

پھر اہلِ مکہ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اے تقلید جامد، باپ دادا کے مذہب پر اندھے بہرے بن کر چلنے والو ــــ ذرا تو غور کرو ــــ کہ تمھاری کتنی دیرینہ تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے رحمت خدا جوش میں آئی۔ اور بنی اسمٰعیل پر برس پڑی کہ محمد عربیؐ بنی اسمٰعیل میں مبعوث کیے جا رہے ہیں اور تم اس نعمتِ عظیم کی ناقدری کر رہے ہو۔ اور ان کی تعلیم کو مٹانا چاہتے ہو۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ تم اہلِ مکہ کی حیثیت مصر کے بادشاہ فرعون کے مقابل کیا ہے؟ جب وہ ہمارے رسول موسیٰؑ کا مقابلہ نہ کر سکا اور تباہ و برباد کر دیا گیا۔ جس کے واقعات تمھارا بچہ بچہ جانتا ہے۔ تو پھر تم ہمارے رسول بنی اسمٰعیل کی مخالفت کر کے کیا پھل پاؤ گے ــــ؟ ذرا تو غور کرو۔ اندھی تقلید سے باہر نکل کر سوجھ بوجھ سے کام لو۔ دیکھو ہمارا عذاب کیسا سخت ہوا کرتا ہے کہ آسمان بھی تو اس کی تاب نہیں لا سکتا ــــ

آگ کی بیڑیاں

معتقدات۔ روایات۔ ظنی و ذہنی میں اس بات پر غور کرنے کے بجائے کہ ــ دوزخیوں کی بیڑیاں آگ کی کیسی ہوں گی؟ وہ غذا ان کی کیا ہو گی؟ آسمان کیسے پھٹ جائے گا؟ وغیرہ۔ اپنی اس زندگی ہی میں ہر چیز پر غور کر لو۔ تو سب کچھ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا ــــ پولیس ایکشن کل کی بات ہے۔ عثمان آباد بیڑ۔ بیدر۔ کے اُن عہدہ داروں اور سرمایہ داروں اور جوانمرد پٹھانوں۔ بہادر رضاکاروں سے دریافت کرو کہ کس طرح عذابِ الٰہی بصورت پولیس ایکشن نازل ہوا۔ بظاہر تو کوئی آگ کی بیڑیاں نہ تھیں لیکن بندوق کی نالی آگ کی بیڑی سے زیادہ تھی۔ ان کی نخرا جوان کو دی جا رہی تھی کیسی تکلیف دہ ذلت کی غذا تھی۔ اُن سے پوچھو کہ جب وہ اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے تو بڑے بڑے پہاڑوں کے سامنے کیسے ریت کے ٹیلوں کی طرح پھسلتے نظر آ رہے تھے۔ اول تعلقدار۔ مہتمم پولیس ناظم عدالت۔ یہ بڑے بڑے عہدہ داروں کے پیروں کا کیا حال تھا۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ کیسی بدنصیبی اور اندھاپن ہے کہ رات دن جو کچھ اس زندگی میں بداعمالی کی وجہ مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں اس کی طرف تو وہ دھیان دینا نہیں چاہتا۔ اور ایسی باتوں کو وہ لے کر غور و فکر کرتا رہتا ہے جس کی نہ تو مثال ہی مل سکتی ہے اور نہ انسان کی

آخرت کے لیے زادِ راہ کی حقیقت

سوجھ بوجھ۔ عقل و فہم اور فکر میں وہ سمو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے مخاطبین کے فہم و ادراک کے لحاظ سے مثالیں دے کر بتلا دیا ہے کہ اس زندگی ہی میں انسان اپنے کو سنبھال لے۔ تاکہ اس کا مستقبل درخشاں ہو جائے۔ کاشت کی۔ زمین کی۔ بارش کی۔ جھاڑوں پہاڑوں کی۔ حیوان انسان کی ہی تو وہ مثالیں دے کر سمجھاتا ہے۔ اور آسمان کی مثال بھی دیتا ہے تو تمھارے نظر کی حد تک۔ ملائکہ اور اجنہ کا ذکر کرتا ہے تو تمھارے ہی عقائد و تصورات کے لحاظ سے۔ پھر تم ان رات دن کے گزرنے والے واقعات اور ان کے اسباب و علل۔ پر تو غور نہیں کرتے۔ اور دوزخ۔ جنت۔ قیامت۔ حشر کے واقعات ہی پر اپنا فکر رسا اور علم کلام و منطق۔ فلسفہ۔ بلکہ روایاتِ بے سندی کی روشنی میں۔ دادِ کلام۔ دادِ تحریر۔ دادِ سخن حاصل کرنے میں اپنی عمریں تباہ کر رہے ہو۔ جس کا مفاد۔ یعنی ثواب رتی برابر بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ غور کرو اے صاحبانِ بصیرت۔

اختیار کر لے۔ یا باطل ہی میں تباہ ہو جائے ف۵ ۱۹۔ اے محمدؐ! بے شک تیرا رب جانتا ہے! کہ تو دو تہائی رات شب بیداری کرتا ہے۔ اور تیرے متبعین بھی۔ اور اللہ ہی نے دن اور رات مقرر کئے ہیں۔ پس اللہ جانتا ہے کہ اب اتنی سخت ریاضت کو تم اور تمھارے متبعین پورا نہیں کر سکتے۔ لہذا اب تم کو چاہیے کہ شب بیداری کے لیے جس قدر بھی تم کو سہولت سے حاصل ہو نماز میں مصروف رہا کرو ف الف کیوں کہ تمھارے میں بہت سے عمر رسیدہ۔ کمزور۔ بیمار۔ اور مجاہدین۔ نبرد آزما۔ یعنی فوجی سپاہی۔ بھی تو ہیں۔ ایسی حالت میں جس قدر بھی تم کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا موقع ملے پڑھ کر غور و فکر کر لیا کرو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یاد رکھو کہ نماز کے

تذکرۂ قرآنی

ف۵ ـ میرا فکر:۔ میرے فکر پر ایک مرتبہ غور کر کے ذرا اس آیت نمبر (۱۹) کو پڑھیے۔ تو معلوم ہوگا کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ شر کی رہنمائی۔ اور حق سے دوری۔ یا قرآن کا انکار ہے یا در اصل قرآن حکیم خود ہی اپنے نزول کا منشاء واضح الفاظ میں یہ ہی بتلا رہا ہے۔ کہ قرآن در اصل ایک پند نامہ ہے۔ نصیحت ہے۔ تذکرہ ہے۔ قرآن حکیم کوئی چیستاں نہیں ہے۔ منطق اور فلسفہ۔ اقلیدس اور سائنس کے کلیات کو تم سے بیان کرنے کے لیے تمھاری تلاوت میں نہیں ہے وہ تو تم کو راہِ راست جس کی منزلِ مقصود تعمیر انسانیت کی فیاکٹری ہے۔ اسی طرف رہنمائی کے لیے بطور ایک سگنل کے ہے۔ تم انفراداً یا اجتماعاً اس راستے پر چل پڑو گے تو آسانی سے منزلِ مقصود پر جلد سے جلد پہنچ جاؤ گے۔ اگر اس سبیل۔ یا صراطِ مستقیم۔ یا سیدھے شاہراہ سے ہٹ کر غلط راہ پر چل پڑو گے تو تم قطعاً منزلِ مقصود کو نہیں پا سکتے۔ بلکہ راستہ بھٹک کر نہ صرف حیران و پریشان ہوں گے بلکہ یقینی تم اپنے کو موت کے گڑھے میں ڈال دو گے۔ اور فنا ہو جاؤ گے۔۔۔ یہ ہے۔۔۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کا مفہوم۔

الحاقی آیات؟

ف الف ـ میرا فکر:۔ یہ بیسویں آیت اس سورۃ کی مکی نہیں بلکہ مدنی ہے۔ یعنی ہجرت کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کے حکم کے تحت اس سورۃ میں ضم کر دی گئی ہے۔

(ایک ضروری یادداشت ـــ میں مکی سورتوں میں مدنی وحی کے الحاقی آیات کو علیحدہ کر کے مدنی قرآن کے سلسلے میں شریک نہیں کر سکا۔ بلکہ ان کو ان کی سورتوں ہی میں لکھ رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ۔ اول تو مجھ کو ان الحاقی آیات کے سلسلۂ نزول کا مواد نہیں مل سکا۔ جس کے حوالے سے میں مدنی وحیوں میں ان کو سلسلہ وار لکھتا دوسری وجہ یہ ہے کہ مکی سورتوں میں مدنی وحیاں بہت ہی کم شامل ہوئی ہیں اور ان کے سلسلۂ بیان میں بھی ایک قسم کا ربط ہے۔ کوئی خاص بات کسی واقعہ کی مختلف قصہ نہیں۔ پس ان دو وجوہات کی بنا پر میں نے ان کو مدنی قرآن میں شریک نہیں کیا۔ البتہ ایسی صورت میں بطور یادداشت مدنی آیات کا مکی سورۃ میں الحاقی نوٹ کر دیا گیا ہے امید کہ ناظرین اس یادداشت کو ذہن نشین رکھیں گے)

دیکھیے تیرہ سالہ مکی دور عدم تشدد کا جد و جہد تبلیغ حق کا اور کردار سازی و تہجد گزاری کا گزر چکا ہے۔ اور تیرہ سالہ مکی آیات کے وعدوں اور وعیدوں کا ظہور شروع ہو چکا ہے۔ اور قرآن کے موعودہ انعامات الٰہی سے متبعین رسول کریم صلعم اسی دنیا ہی سے سرفراز ہونے لگے ہیں اور نتیجۃً حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ بقاء مملکت کے لیے قتال یعنی جنگ کی اجازت دے دی گئی ہے۔

قائم رکھنے اور زکوٰۃ کی ادائی میں۔ اور اللہ کے لیے قرض دینے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرنا اس میں تمھارے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔ ف ب

(بقیہ میرا فکر۔ ف الف۔ صفحہ ۲۶۲) اور عدم تشدد کا زمانہ ختم ہوگیا ہے۔ تنظیم مملکت، تنظیم فوج اور اصلاحِ معاشرت کے لیے زیادہ وقت درکار رہے۔ اس لیے اب رات کی عبادت شاقہ اور رات رات بھر فکر قرآنی کا موقعہ نہیں رہا کیونکہ اس کا مقصد کردار سازی تھا۔ مثال کے طور پر سمجھئے کہ کسی ملک کی رعایا، آزادی حاصل کرنے کی متمنی ہے، تو اس کا لیڈر چند ایسی تحریکیں اپنی قوم کو بتاتا ہے جس سے وہ اپنے نفس پر کنٹرول کر سکیں اور آپس میں متحد ہو جائیں، جیسے کہ گاندھی جی نے چرخہ اور عدم تشدد کی تحریک ابتدا میں پھیلائی۔ افراد نے جماعتی قوت پیدا کر لی۔ اور ہندوستان آزاد ہوگیا۔ اب نظم و نسق اور دفاعی انتظامات کی طرف لیڈر متوجہ ہو گئے۔ اب چرخہ کاتنا کسی فرصت کے وقت رکھا گیا — اس مثال کو سامنے رکھ کر نزول وحی مکی اور مدنی پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح سنت اللہ کے تحت ہمیشہ معاشرہ و تمدنِ انسانی کی تنظیم درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ بہرحال مکی وحیوں کے سلسلے میں میرا فکر ملاحظہ فرمایا جائے تو معلوم ہوگا کہ مکی وحیاں جو تقریباً دو ثلث قرآنِ حکیم پر مشتمل ہیں، کردار سازی کے لیے نازل ہوتی رہی ہیں۔ اور جب چند نفوس کے کردار بڑی حد تک ٹھیک ہو چکے اور انھوں نے ہجرت کی اور ان کے ساتھ انصار بھی شریک ہو گئے تو یہ دونوں جماعتیں ایک ہو کر ایک اسٹیٹ بن گئیں۔ اب وحی الٰہی یعنی مدنی قرآن۔ سب سے پہلے جنگی احکام دفاع کے نافذ کرنے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمدن و معاشرت کی اصلاح کے لیے بھی قانون سازی شروع کر دی گئی۔ ایسی حالت میں۔ آنحضرت صلعم اور آپ کی جماعت کے لیے رات کی بیداری اور عبادت یعنی قرآن حکیم میں غور و فکر کی اتنی ضرورت باقی نہیں رہی جو مکہ میں تھی۔ اب ہر مہاجر بنیادی اصول تعمیر ملت اور حصول انعامات الٰہی کے نظریات سے واقف ہو چکا ہے۔ اور بڑی حد تک مہاجرین کی سنگت میں انصار بھی رنگے گئے ہیں۔ اب رات دن دفاع و تنظیم اسٹیٹ کے فرائض ہر مصدق پر عائد ہو رہے ہیں۔ دن بھر محنت شاقہ کے بعد رات میں آرام ضروری ہے۔ اگر رات میں جسم۔ دماغ اور روح کو سکون نہ ملے تو اسٹیٹ کا استحکام ناممکن ہوگا۔ اس لیے وحی الٰہی حکم دے رہی ہے کہ دیکھو سابقہ حکم حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے ملتوی رکھا جا رہا ہے اور اب رات میں عبادت کے لیے زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآنی احکام کے ناسخ و منسوخ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

ایک بات ذہن میں رکھنا ہوگا کہ قرآنِ حکیم کے بعض آیات کو اکثر مفسرین منسوخ کہتے ہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ قانونِ الٰہی اٹل ہونا چاہئے۔ اس میں ایسے اصول ہونا لازمی ہیں۔ جو قیامت تک نافذ ہوں — پھر میں یہاں پر یہ جو لکھ رہا ہوں کہ مکی وحی ملتوی رکھی جا رہی ہے اس کے کیا معنی ہوں گے — دیکھئے قرآنِ حکیم بلاشبہ فطرت الٰہی کا قانون ہے، اور فطرت اللہ عین انسانی فطرت ہے۔ فطرت الٰہی نے ایام اللہ میں مد و جزر کا قانون بنا دیا ہے۔ جس کا کھلا ثبوت ہم کو رات دن اور موسموں سے ملتا ہے۔ جس طرح حالات بدلتے ہیں ویسے ہی احکام میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ پس قرآنِ حکیم کا ہر حکم تا قیامت اس طرح نافذ ہے یعنی جب کبھی وہ حالات اور واقعات پیدا ہو جائیں تو اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اور جب حالات بدل جائیں تو وہ قانون ملتوی رہے گا۔ التواء کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان حالات کے رونما ہونے پر خود بخود اُن اُصولوں پر وہ لاگو ہو جائے گا۔ مثلاً۔ نماز ہی کو لیجئے کہ حالتِ سفر میں نصف ہے تو حالتِ خوف میں ربع۔ جب یہ دونوں حالات نہ ہوں سکون و امن و چین ہو تو پھر نماز کی مقررہ رکعتیں بھی پڑھنی ہوں گی۔ بلکہ نوافل بھی — اسی طرح وضو۔ تیمم۔ غسل۔ وغیرہ پر نظر ڈالئے — اب صاحبانِ غور و فکر کے لیے میدانِ فکر آسانی سے وسیع ہو جائے گا۔

ف ب۔ میرا فکر:۔ میرے فکر الف کی تائید خود ان آیات سے ہو رہی ہے اور بتلایا جا رہا ہے کہ ایسا رعایتی حکم کیوں نافذ ہو رہا ہے۔ دیکھئے نزول مکی میں ضعیف۔ کمزور۔ اور تھکے ماندے کا کوئی سوال نماز کے سلسلے میں نہیں آیا ہے۔ مدنی وحی میں

ہاں اس بات کو سمجھ لو کہ جو کچھ تم اس زندگی میں اپنے مستقبل کے لیے سرمایۂ عمل جمع کرتے جاؤ گے جو عمل خیر عمل صالح اور نیکیاں ہوں گی۔ اس کو تم اپنے رب کے پاس محفوظ۔ مامون۔ بلکہ ثواب کے اضافہ ہی کے ساتھ پاؤ گے۔ پس اپنی بھول چوک۔ فرو گزاشت کا احساس کر کے ہمیشہ اللہ سے اپنی غلطیوں کی معافی کے خواستگار بنے رہو۔ کیونکہ تم تو جانتے ہی ہو کہ اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا۔ اور بخشنے والا۔ اور رحمتوں والا۔ آقائے بے نیاز ہے ۲۰ ع۲ ف ج۶

(بقیہ میرا فکر ف ب۶۔ صفحہ ۳۶۳) اس کا ذکر آرہا ہے۔ اور اس رعایتی حکم کے ساتھ ہی ساتھ نماز کی تنظیم اور زکواۃ۔ اور چندے کے نظام کو برقرار رکھنے بلکہ اس کی پابندی یعنی فرضیت کا سختی سے حکم دیا جارہا ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک اسٹیٹ کی بنیاد ہی ہے یعنی فوجی قوت۔ اور مالی بجٹ کے لیے جس کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔

نماز با جماعت کا لزوم اور مقصد اور زکواۃ کی حقیقت

ایک بات اور یاد داشت میں رکھئے کہ قرآن حکیم اور عمل رسول صلعم و اصحاب رسول میں۔ نماز دراصل جماعت ہی کے ساتھ لازمی ہے کیونکہ میرا فکر یہ کہتا ہے کہ کردار سازی کے ساتھ ساتھ یہ ایک فوجی پریڈ بھی تھی۔ مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں ہجرت کے بعد ہی جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی شروع ہوگئی۔ اس خصوص میں مزید تفصیلات آپ کو مدنی قرآن میں ملیں گی ——— اسی طرح زکواۃ۔ اور قرض۔ زکواۃ تو ایک مقررہ ٹیکس ہے۔ جیسا کہ ہر ملک میں مختلف ٹیکس وصول ہوتے ہیں اسی طرح زکواۃ کا مدینہ ہی کے بیت المال میں جمع ہونا لازمی تھا۔ جس طرح آپ مالگذاری کا ٹیکس بلدیہ کو دے کر بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح عاملین بیت المال ہی زکاۃ کی وصولی کے مجاز تھے۔ کوئی مسلمان زکاۃ کو باختیار خود خرچ کرنے کا قطعاً مجاز نہ تھا۔ آج اگر بیت المال کسی جگہ پر نہیں ہے تو مسلمانو

زکاۃ کی حقیقت

پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جماعتی تنظیم کے تحت بیت المال قائم کریں اور تمام مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ زکاۃ بیت المال میں داخل کریں ——— دوسرا ذکر یہاں پر قرض کا ہے۔ کیا سمجھا آپ نے اللہ کو قرض دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ جنگی اغراض خصوصاً دفاع کا غیر معمولی چندہ ہے۔ آج اس بیسویں صدی میں آپ نے دیکھا کہ امریکہ جیسی متمول حکومت بھی جنگی قرضہ کا اعلان کرتی ہے۔ لہذا قرآن حکیم بھی قرض حسنہ (یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا) کا جو اعلان کررہا ہے اس بیسویں صدی میں کرۂ زمین کی تمام حکومتیں اس کی نقالی کرنے مجبور ہیں بلکہ غیر شعوری طور پر کرنے مجبور ہیں۔ غور کیجئے کہ کیا اس وحی میں۔ صلاۃ۔ زکاۃ۔ اور قرض حسنہ سے کسی کو بھی رعایت کے تحت مستثنیٰ قرار دیا جارہا ہے؟

ف ج۶۔ میرا فکر:۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یہ جو کچھ تم کرو گے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی مفاد تو کچھ ہے نہیں۔ وہ بے نیاز

مالی عبادت سے ثواب آخرت؟

آقا ہے جو کچھ تم کرو گے وہ تمھارے مستقبل یعنی آخرت کے لیے ذخیرہ بنے گا ——— کیسے ذخیرہ بنے گا؟ ہم نے آخرت کے ثواب کا ایک ہوائی تصور قایم کر لیا ہے۔ میرا فکر اس تصور کا فہم اس طرح حاصل کرتا ہے کہ ——— اصحاب رسول صلعم نے جو کچھ عمل تعلیم قرآنی کے سلسلے میں کیا بلاشبہ ان کو اور ان کی نسل کو اس کا ثواب اس دنیا میں ملا۔ تاریخ شاہد ہے۔ اور آخرت میں کیا ملے گا اور کیسا ملے گا۔ اس پر تو میں فکر کرنا ہی نہیں چاہتا کہ وہ میرے فکر ہی سے خارج بات ہے۔ میں اپنے اس فکر کو بار بار دہرانے پر مجبور ہوں کہ۔ سرسید مرحوم نے جب

علی گڈھ یونیورسٹی کا ثواب آخرت ہونا

یونیورسٹی علی گڈھ کی تحریک پیش کی تو ظاہر ہے کہ عام طور پر کس قدر مخالفت ہوئی۔ لیکن بعض دور اندیش لوگوں نے حسب استطاعت دل کھول کر چندہ دیا۔ آج اس کا ثواب

(بقیہ میرا فکر۔ ف ج ۶۔ صفحہ ۲۶۴) یعنی فائدہ کس طرح قوم اور ملت کو مل رہا ہے۔ اگر مخالفت کرنے والوں کو آج قدرت زندہ کردے تو وہ کس طرح کفِ افسوس ملیں گے کہ ہائے اس قدر منفعت بخش کام کے لیے ہم نے اپنا سرمایہ دل کھول کر کیوں نہیں دیا۔ افسوس کہ ہمارا سرمایہ بھی نہ رہا کہ ہماری اولاد نے اس کو برباد کر دیا۔ اور ہماری آنے والی نسل بھی برباد ہوئی۔ پس اس مثال کو سامنے رکھ کر قرآنِ حکیم کے آیات پر غور و فکر کرنا ہوگا۔

ثواب کا لفظ قرآنِ حکیم میں کس مفہوم میں آیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے ظنیات میں کچھ اس طرح کا تصور پیدا کر لیا ہے کہ گویا خدا نے ہر انسان کے لیے ایک آلہ بنا دیا ہے۔ جس میں اس کے مخصوص عبادات کی وجہ ڈگریاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اور نہ دوسری امتوں کی مخصوص عبادتیں اس آلہ پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔

مثلاً قرآنِ حکیم کے خلاف یہ ایک مہمل اور مضحکہ خیز تصوّر اور عقیدہ ہے۔ بات یہ ہے کہ قدرت نے ہر انسان کے لیے اس کی تخلیق میں ایک ایسا معیاری آلہ بنا دیا ہے۔ جس میں اچھائیوں کا بھی ثواب نمایاں ہوتا ہے اور برائیوں کا بھی ثواب ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ آلہ نہ تو آسمان کی بلندیوں پر ہے اور نہ زمین کی گہرائیوں میں بلکہ وہ شعورِ انسانی میں موجود ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ دیکھو وحی نمبر: ۱۵) ۔ پس اچھے یا برے فعل کا ثواب نہ صرف فاعل کے احساسات محسوس کر لیتے ہیں۔ بلکہ صاحبِ بصیرت بھی۔

سورہ **تین** تعداد آیات (٨) تعداد رکوع (١) شمارہ ترتیب موجودہ (٩٥) پارہ (٣٠)
شمارہ ترتیب نزول وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خاں (٢٧) زمانہ نزول دور دوم ٤ بعثت م ٦١٤ عیسوی
اس سورۃ کے سلسلہ نزول کے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	عبداللہ ابن عباس [illegible]	[illegible] بن ابی الحسن	[illegible] بن [illegible]	جابر بن زید تابعی	[illegible] ١٨٦٥ء	نولڈکے ١٨٦٠ء	راڈویل ١٨٦١ء	[illegible]	[illegible]	[illegible] ١٩١٢ء	[illegible]
شمارہ ترتیب نزول	٢٧	٢٧	٢٧	٢٨	٨	٢٠	٢٦	١٢	٤٧	٢٥	٢٨

توضیحات

[illegible]	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے۔	احکام شریعت [illegible]	میرے فکر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
×	اہل عرب		کوہ طور کے احترام کی ایک مثال احسن تقویم ؟	١ ٢	نتائج اعمال ایک ذات واحد کا عام تصور	٣ ٤

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے مخاطب! تین، زیتون اور طور سینین اور یہ امن والا شہر مقدس گواہ ہیں کہ انسان کو بہترین تخلیق بناوٹ کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ پھر وہ پست سے پست تر حالت اختیار کرلیتا ہے ١ تا ٦

---

١ میرا فکر: تینا اور زیتا یہ دو پہاڑ ہیں جہاں حضرت عیسیٰ کی بعثت ہوئی تھی۔ (دیکھو انجیل) اور طور سینا بھی ایک مقدس پہاڑ ہے۔ جہاں پر موسیٰ کو تجلیات حاصل ہوئی تھیں اور شہر امن کعبہ کا شہر مکہ ہے جسکو ابراہیم نے قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ مقدس مقامات اہل کتاب کے مسلمہ ہیں جسکو اہل عرب بھی خاص عقیدت سے مانتے تھے۔ پس ان مقدس مقامات کی قسم کھاکر یا انکو گواہ کرکے مخاطبین کو ایک نصیحت کیجارہی ہے۔ مخاطبین ہیں آل یعقوب بنی اسرائیل جو یہود اور نصاریٰ ہیں اور بنی اسمٰعیل یعنی قریش ہیں۔ ہمارے حیدرآباد میں بھی تو ہندو مسلم دونوں کے لئے مولا کا پہاڑ مقدس مانا جاتا ہے خصوصاً فرقہ امامیہ کے پاس تو وہ بہت ہی مقدس ہے۔ یہ کبھی مولا کے پہاڑ کی قسم نہ کھائیں گے۔ اہل ہنود کے پاس کوہ ہمالیہ اور لنکا کے پہاڑ کی بڑی عظمت ہے۔ کیونکہ وہاں پر دیوتاؤں کا مسکن مانا جاتا ہے۔ پس مخاطبین ہی کے تصورات کے مدنظر وحی الٰہی ان مقامات کی قسم کھاتے ہوئے اور گواہی پیش کرتے ہوئے انسان کی بہترین پیدائش کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ وہ تمام مخلوقات سے اشرف بنایا گیا ہے۔ کیوں ؟ اسلئے کہ اسکو قوت فکر یہ دی گئی ہے۔ جو کسی مخلوق میں نہیں ہے۔

حیدرآباد میں مولا کا پہاڑ اور اسکی عظمت

اس وحی میں ایک اور بھی اشارہ ہے۔ تورات کے باب پیدائش کے لحاظ سے یہود صرف اپنے کو برگزیدہ (باقی صفحہ ٢٦٧ پر)

٥٨ دیکھو نقشہ ہجرت موسیٰ نسلِ یہودی ( )

ہر قوم اپنے مقابل دوسری قوم کو ارذل سمجھا کرتی ہے۔

(بقیہ میرا فکر از صفحہ ۲۶۶) انسان سمجھتے تھے محض سلسلہ یعقوب سے ہونے کی وجہ۔ تو ظاہر ہے کہ بنی اسمعیل کو بھی ایسا سمجھنے کا حق تھا۔ کیونکہ وہ بھی تو سلسلہ ابراہیم ہی سے ہیں۔ قریش اہل مکہ اپنے کو برگزیدہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے دوسروں کی زبان اور دوسروں کو گونگا یعنی عجمی کہا کرتے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ بابل، مصر، ایران سب ہی قوموں کا یہی حال تھا۔ یہ تو بہت پرانی بات ہے۔ اس بیسویں صدی میں جرمنی نے بزمانہ اقتدار ہٹلری کرۂ زمین کے تمام اقوام سے اپنی قوم کو برتر سمجھا۔ آریا بھی ہندوستان میں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ برہمن اور مسلمانوں کا بھی یہی نظریہ ہے۔

بہرحال قرآن تو کسی فرقہ کے لئے نہیں ہے وہ تو تمام انسانیت کو مخاطب کرتا ہے۔ اسلئے میرے فہم میں اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ قدرت نے انسان کی تخلیق بہترین طریقہ پر کی ہے جسمیں ضمیر یا قوت فکریہ ایسی موجود ہے جسکی وجہ وہ اپنے اچھائی برائی کو تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسکی فکر بلند اس کو آسمانوں کی سیر کرا رہی ہے۔ اسنے تمام کائنات کو مسخر کر لیا ہے۔ وہ زمین کی خلافت بھی حاصل کر کے اپنے اقتدار کو قائم کرتا ہے۔ نظم و ضبط کا مالک ہے۔ یہ سب کچھ تو تم روزمرہ دیکھتے ہی ہو۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ تمکو یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہی انسان جسمانی اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر رذالت و ضلالت و شکست کی زندگی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ آخر انسان غور بھی کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ ہی نے اچھا اور برا بنایا ہے۔ یہ تو سراسر غلط فہمی ہے۔

انسان کا احسن تقویم ہونا

خدا نے تو تمکو احسن تقویم ہی بنایا ہے۔ ہر انسان کو فرداً فرداً اور بحیثیت اجتماعی ہر قوم کو اختیار ہے کہ وہ اچھی انسانیت کا حامل ہو کر انعامات الٰہی سے سرفراز ہو۔ یا ارذل طبقہ میں جا گرے۔ کیونکہ سوائے انسان کے کائنات کی کوئی مخلوق ذی شعور یعنی صاحب فکر و فہم نہیں ہے۔ اسی لئے سوائے انسان کے کسی اور مخلوق کے لئے جزا اور سزا کا قانون نہ تو قدرت نے رکھا ہے نہ خود انسان نے۔ یہانتک کہ ایک انسان یا وجود انسان ہونے کے جب وہ سن شعور کو نہیں پہنچتا ہے۔ یا مدت سن شعور گزر جانے کے بعد وہ عوارضات میں مبتلا ہو کر اپنے شعور کو حاصل نہیں کر سکتا یا شعور کو کھو دیتا ہے تو اس پر مذہبی اور اخلاقی قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ ان حالات میں یقیناً انسان احسن تقویم بنایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ بلحاظ اپنے قوت فکریہ کے اپنے افعال اور اعمال اور نیت و کسب کا مختار کل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ جزا اور سزا کا مستوجب بھی ہے۔ چونکہ اسکی قوت فکریہ کی اصلاح لازمی تھی۔ اسی لئے خالق نے اس کی اصلاح کے لئے انسانوں ہی میں سے نبی، رسول، اوتار، ہادی ہر قوم کیلئے مقرر کئے۔ تاکہ المعروف اور المنکر کی تمیز عامۃ الناس کو کرا دی جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان بھی مثل دیگر مخلوق کے ایک ایسا گروہ یا ایسی امت ہوتا۔ جو بلحاظ تخلیق و جبلت ایک ہی طور طریق پر چلا جاتا۔ جیسے جانور ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی سوال ہی مواخذہ یا جزا کا نہ ہوتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان اچھے کردار کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ ایک صالح معاشرہ بنا لیتا ہے جسکے بعد اسکو انعامات الٰہیہ سے سرفرازی ملتی ہے۔ اور اسکے برخلاف جب انسان ظلم و استبداد شر و فساد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور نفس پرستی کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو فرداً یا اجتماعاً گڑھے میں گر پڑتا ہے۔ چنانچہ نہ صرف تاریخ اقوام عالم اس عروج و زوال کو بتلاتی چلی آ رہی ہے۔ بلکہ زمانہ حال میں ہر انسان کی آنکھوں کے سامنے ایسے واقعات گزر [illegible] ہیں۔ ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ انفرادی زندگی میں ایک انسان اپنے بچپن، نوعمری اور جوانی میں [illegible] ہے۔ جب جوانی ختم ہو جاتی ہے تو وہ کس طرح ناکارہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ نفس پرستی و نفسانی خواہشات [illegible] رہتے ہیں تو وہ بڑھاپے میں بھی اپنی صحت جسمانی کے لحاظ سے اچھے رہتے ہیں اور مجبور و معذور [illegible] جسم و جوارح [illegible] (باقی صفحہ ۲۶۸ پر)

البتہ وہ انسان جو امن و سلامتی کے علمبردار ہیں اور نیک عمل کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ انکے لئے قدرت نے بے انتہا اجر رکھا ہے ف۲ اے انسان! آخر وہ کیا بات ہے جو تجھ کو دین یعنی عمل کے جزا و سزا کے معاملہ میں منکر بنا دیتی ہے ف۳ کیا اللہ سب حاکموں کا حاکم اور سب آقاؤں کا آقا اور تمام شہنشاہوں کا شہنشاہ نہیں ہے ف۴

(بقیہ میرا فکر ف۱ صفحہ ۲۶۷) کی درستی ہی کے ساتھ داعئی اجل کو لبیک کہتے ہیں

ف۲ میرا فکر:۔ احسن تقویم کون؟ سابقہ فقرہ میں احسن تقویم کی صراحت کر دی گئی ہے۔ دیکھیے ایک فکر انسانی تو وہ ہے جو اپنی ذات کے لئے محدود ہے۔ کہ اپنے کردار کو صالح بنا کر اپنا حال او مستقبل اچھا بنا لے۔ اور ایک فکر انسانی وہ بھی ہے جو اپنی قوم کی ابتری کو دور کر کے انکو سنوار کر میدان عمل میں گامزن کرا دے اور انسان کی رجعت پسندی کو منزل ارتقا کی طرف لگا دے۔ انسانیت میں ایسی ہی ہستیاں صاحب وحی اور مقام رسالت پر فائز ہوتی ہیں۔ انکے متبعین اس آیت کے مصداق ہیں۔ ان میں بعض کا مقام ہادیوں کا ہوتا ہے۔ جن کو فی زمانہ قوم کا سچا لیڈر کہا جا سکتا ہے۔ دیکھیے اس کے بعد کی آیت میں وحی نمبر (۲۴) کی طرح دین کے جھٹلانے والوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو نتائج اعمال سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ دین کیا ہے؟ اخلاق حسنہ نہ کہ روزہ، نماز، تسبیح و سجادہ۔ میرے اس بیان کی اور میرے اس فکر کی تفسیر آپ کو رسالت مآب صلعم اور آپ کے اصحاب کی تاریخ حیات میں عملاً اور قولاً ملے گی "ارئیت الذی یکذب بالدین" اور "فما یکذبک بعد بالدین" آیت (۷) دونوں ایک دوسرے کی تعبیر ہیں کہ محض چند رسوم کو تم دین سمجھ کر دوسرے علمبرداران دین حق کو کیوں جھٹلاتے ہو۔

ف۳ میرا فکر:۔ نتائج اعمال اگر ہم ذرا سا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے روزمرہ کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ہم جب اچھا یا برا کام کرتے ہیں تو اس کا پھل بھی ہم کو اچھا یا برا ملتا ہے۔ اسلئے کہا جا رہا ہے کہ باوجود روزانہ کے مشاہدات کے تم کس طرح سمجھتے ہو کہ تم بلا کسی مقصد کے پیدا کئے گئے ہو۔ اور تمہاری اس زندگی کے اعمال کے کوئی نتائج ہی مترتب نہ ہوں گے۔ اگر تمہارے صوم و صلوٰۃ نتائج پیدا نہیں کر رہے ہیں تو تمہارا دعوی عبادت گزاری بے معنے اور ایسی عبادت قابل ذلّ اور اسفل السافلین میں لیجانے والی ہوگی ہر مہذب اور غیر مہذب آدمی سب ہی اپنے اپنے عقائد مذہبی کے لحاظ سے اس بات کو یقین کامل کے ساتھ ماننے کے مدعی ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں ہمارے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ مگر باوجود اس کے علاوہ سچائی۔ صداقت۔ بھلائی اور نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ جزا اور سزا کے معاملہ میں یقین کامل نہیں رکھتے۔ اور منکر ہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ اس بات پر غور کرے۔ تاکہ وہ احسن تقویم سے اسفل السافلین میں نہ جائے دیکھو وحی ۲۴ میں دین کو جھٹلانے والے؟ اور پھر یہاں بھی اسی دین کی تکذیب کا سوال کیا جا رہا ہے۔ عقائد سے کوئی بحث نہیں صرف عمل صالح ہی کا تو سوال اصل دین ہے۔ جیسا کہ فکر نمبر (۲) میں بتلایا گیا ہے۔

ف۴ میرا فکر:۔ ایک ذات واحد کا عام تصور انسان باوجود تقلید جامد کا شکار ہونے کے۔ باوجود سینکڑوں الہوں کو اپنا معبود بنا نے کے۔ باوجود دو خداؤں یعنی خیر و شر کے دو خدا ماننے کے۔ باوجود تثلیث پر ایمان رکھنے کے پھر بھی وہ ایک سب سے بڑے حاکم خدا کو ماننے کے لئے مجبور ہے۔ (باقی بر صفحہ ۲۶۹)

(بقیہ میر افکار صفحہ ۲۶۸) اہل عرب بھی ایک سب سے بڑے خدا کو مانتے تھے جسکو وہ اللہ کہتے تھے ۔ پس تخلیق انسانی کا ذکر کرنے کے بعد مخاطبین سے وحی الٰہی سوال کر رہی ہے کہ ۔ کیا تم اپنے معبودان باطل ظنی و ذہنی خداؤں اور دنیا کے تمام باقتدار انسانوں اور بادشاہوں بلکہ شہنشاہوں سے بڑھ کر اللہ کو حاکم نہیں مانتے ؟ کیا اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے ؟ اگر فی الحقیقت تم ایسا سمجھنے پر مجبور ہو تو کیوں نہیں اس حاکم الحاکمین کے فرمانبردار غلام بن جاتے؟ اگر اس طرح تم حاکم الحاکمین کا یقین کر لوگے تو یقیناً احسن تقویم پر قائم رہوگے ۔ اگر آپ دنیاوی زندگی پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک بڑے بادشاہ کی رعایا چھوٹے بادشاہوں کے پاس لائق احترام ہوتی ہے ۔ اگر کسی سلطنت کی رعایا کے ساتھ دوسری سلطنت کا کوئی فرد باعث توہین حرکت کرے تو اس سے بڑی سلطنت جواب طلب کرتی ہے ۔ اور اس سے مواخذہ بھی کرتی ہے ۔ یہاں تک کہ بڑی بڑی جنگیں سلطنتوں کے وقار کو قائم رکھنے ایک معمولی رعایا کی توہین کے سلسلہ میں ہوتی رہی ہیں ۔ جسکا ثبوت تاریخ سے ملتا ہے ۔ چنانچہ معتصم باللہ خلیفہ بغداد کا ایک واقعہ آج تاریخ میں موجود ہے کہ محض ایک بڑھیا کی دہائی پر اس نے بذات خود اس ملک پر فوج کشی کی ۔ اور سب ابلق گھوڑوں کی فوج لے کر ۔ کیونکہ طنزاً کہا گیا تھا کہ تیری دہائی پر معتصم ابلق فوج لے کر تیری مدد کو آئیگا ۔

اب غور کا مقام ہے کہ اگر کوئی قوم یا جماعت اللہ کو حاکم الحاکمین مان لے تو وہ یقیناً صالح بن جائے گی ۔ اور وحی الٰہی کی روشنی میں وہ حزب اللہ یعنی اللہ کی فوج ہوگی ۔ کون ہے جو حزب اللہ کا مقابلہ کر سکے ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ کا ابلیسی تصور نہ ہو ۔ ورنہ وہ تباہ ہو جائے گی ۔ جسکا ثبوت آپ کو زمانہ نزول قرآن میں غزوہ حنین سے مل سکتا ہے ۔

نام سورۃ **اِنشِقاق**۔ تعداد آیات (۲۵) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۸۴) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۸) زمانہ نزول دورِ دوم ۴ بعثت سالانہ
اِس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشہ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	حسن بن ابی الحسن و عکرمہ	[illegible]	جابر بن زید	[illegible] ۱۸۶۵ء	[illegible] ۱۹۰۹ء	راڈویل ۱۸۶۱ء	ابوالکلام	[illegible] ۱۹۰۰ء	[illegible]	[illegible]
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۸۲	۷۹	۸۱	۸۱	۲۸	۲۹	۳۳	۲۳	۲۰	۸۳	۸۳

توضیحات

شمارہ الحاق آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و تربیت و منہاج	میرے تدبر و نظر کے موضوعات			
			موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
	اہلِ عرب اور تمام انسان		۱۔ زمین آسمان کی اطاعت اور انسان کی نافرمانی۔	[illegible]	۷۔ میرا نظریہ معاد اور تناسخ۔	[illegible]
			۲۔ بیسویں صدی کے مخاطبین وحی کا مفہوم	[illegible]	۸۔ نظریہ ارتقاء	[illegible]
					۹۔ طبقاً عن طبق۔	
			۳۔ معاد کا تصور مذاہبِ عالم میں۔	[illegible]	۱۰۔ دماغِ انسانی کا ارتقاء۔	[illegible]
			۴۔ زمانۂ قدیم میں جنت و دوزخ کا تصور۔	[illegible]	۱۱۔ تخریبِ انسانی اور تدریجی تخریب کا فرق	[illegible]
			۵۔ ویدوں میں یومِ حشر۔	[illegible]	۱۲۔ علامہ رومی کا تصورِ ارتقاءِ انسانی۔	[illegible]
			۶۔ قرآنی جنت و دوزخ کا نظریہ۔	[illegible]	۱۳۔ کیا تناسخ کے ماننے والے منکرِ معاد ہیں؟	[illegible]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اے مخاطبین! یہ تو تمہارا عقیدہ ہی ہے کہ روزِ حشر اس دن ہوگا جب آسمان پھٹ جائیگا ۱ اور اپنے رب کا حکم بجا لائیگا کہ وہ فرمان بردار ہے ۲ اور جب زمین پھیلا دی جائیگی ۳ یہاں تک کہ جو کچھ اس میں ہے باہر نکل آئے گا ۴ وہ بھی اپنے رب کا حکم بجا لائے گی کیونکہ وہ بھی فرمان بردار ہے ۵ پس اے انسان یاد رکھ کہ مشکلات کے مقابلہ کے بعد ہی

خدا سے ملنے کی توقع پوری ہو سکتی ہے ع۶ ف۱ یاد رکھو کہ جس کے نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں ملیں گے ع۷ تو اس کا حساب آسان ہو گا ع۸ اور وہ اپنے لوگوں (اھلہ مسرورا) کے پاس خوشی خوشی لوٹے گا ع۹ اور جس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہو گا ع۱۰ تو وہ اپنی نامرادی پر اپنی موت کا خواہاں ہو گا ع۱۱ کیونکہ اس کا حشر تو جہنم کی آگ میں ہو گا ع۱۲ اس لئے کہ وہ اپنے بیوی بچوں ہی میں خود غرضی و نفس پرستی کا شکار بنا ہوا تھا اور بہ

ف۱ ۔ میرا فکر :۔ ان ایک تا چھ آیات وحی میں پھر روزِ حشر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ۔ اور یہ بتلایا جا رہا ہے کہ :۔ " دیکھو تمہارا ایمان و یقین تو اس بات پر ہے کہ یوم الساعتہ" کے وقت آسمان پھٹ جائیگا اور زمین پھیلا دی جائے گی ۔ اور جو کچھ زمین کے اندر چھپا ہوا وہ باہر نکل آئے گا ۔

زمین و آسمان کی اطاعت اور انسان کی نافرمانی ۔

یہ سب کیوں ہو گا ؟ اس لئے کہ وہ اپنے رب کے فرمان بردار ہیں اور ان پر اپنے رب ۔ یعنے آقا کا حکم بجا لانا ضروری ہے ۔ وہ اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے ۔ دیکھو ! آسمان کی عظمت کا خیال کرو ! اور زمین کی وسعت پر غور کرو ! پھر یہ دیکھو کہ کس طرح وہ نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے ۔ بلکہ بلا چون و چرا اپنے رب کی فرمان برداری کرتے ہیں ۔ تو پھر انسان تو آسمان اور زمین سے زیادہ قوت والا نہیں ہے ۔ لیکن اس کی نافرمانی کی کوئی انتہا بھی نہیں ہے ۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ کا مقرب بھی بن جائے ۔ لیکن وہ اس تمنا کی تکمیل بلا مشکلات جھیلنے کے چاہتا ہے ۔ یہ کیسی اس کی نا سمجھی ہے ۔ یاد رکھو کہ جس طرح آسمان اور زمین اور ہر مخلوق اپنے رب کی فرمان بردار ہے اسی طرح انسان بھی فرمان بردار ہو کر ہی مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے مقربِ بارگاہِ رب العزت ہونے کی تمنا کو پورا کر سکتا ہے ۔ ورنہ اس کی خواہش اس کی تمام خیالی ہی ہے " ۔۔۔۔ یہ تو مخاطبینِ وحی زمانۂ نزول تصور ہو سکتا ہے ۔ لیکن اس سورۃ میں اگر آج ہم اپنے کو مخاطب سمجھیں تو وحیِ الٰہی ہم سے یہ کہہ رہی ہے کہ :۔

بیسویں صدی کے مخاطبینِ وحی کا مفہوم

" اے انسانوں ! دیکھو کہ کس طرح تمام ستارے اور شمس اپنے رب کی فرمان برداری میں لگے ہوئے ہیں ۔ کہ ایک دوسرے کی کشش میں سرِ مو فرق نہیں آتا ۔ ارب در ارب سال گذر چکے ہیں لیکن یہ خیال مت کرو کہ ان کو دوام حاصل ہے ۔ ایک نہ ایک دن ان کے مقررہ وقت پر یہ پھٹ جائیں گے ۔ سورج بھڑک اٹھے گا اور نظامِ شمسی درہم و برہم ہو جائیگا ۔ تو ظاہر ہے کہ ایک سیارہ دوسرے سیارے سے ٹکرا جائیگا ۔ اور خلا میں ذرات بن کر پھیل جائیں گے ۔ اسی دن کو قرآن " یوم الساعتہ" کہتا ہے ۔ ایسا کیوں ہو گا ؟ اس لئے کہ وہ اپنے رب کی فرمان برداری میں اس کے حکم کو بجا لانے پر مجبور و معذور ہیں ۔ کیونکہ کائنات کی ہر مخلوق اپنے رب کی فرمانبردار ہے کہ جس جبلت کے تحت اس کو بنایا گیا ہے اسی پر وہ بلا چون و چرا چلے جا رہے ہیں ۔ لیکن اس کائنات میں ایک مخلوق ایسی بھی ہے جس کو " فکر " کی قوت دیکر مختار بنا دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اچھائی اور برائی میں تمیز کر کے جس راہ پر چاہے چل پڑے ۔ اور منازلِ ارتقا طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے چنانچہ (باقی بر صفحہ ۲۷۲)

سرمایہ داری کے نشہ میں تھا ع۱۳ اور وہ اس خیال میں مگن تھا کہ اسکو پھر کر جانا نہیں ہے ع۱۴
بلاشبہ اسکا رب اسکو دیکھ رہا تھا ع۱۵ وقف لازم پس کیا شام کی سرخی (یعنی شفق) ع۱۶ اور رات کی تاریکی

(بقیہ صفحہ ۲۷۱) ارتقا کی بلندیوں پر پہنچنے کی کوشش میں ہے تاکہ وہ اپنے خالق کا مقرب بن جائے پس اس کی یہ تمنا اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب وہ کائنات کی مخلوق میں غور و فکر کرے کہ وہ کس طرح اپنی تخلیق کے فرائض کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اور جب "ان کا یوم الساعۃ" آجاتا ہے تو وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں سرمو فرق نہیں کرتے اور فنا ہوجاتے ہیں۔ جیسے تم کو وحی نمبر (۲) میں "والذی اخرج المرعی ۵ فجعلہ غثاءً احوی ۵" قانونِ ارتقاء" کو سمجھا دیا گیا ہے۔ پس جب انسان اپنے مقامِ انسانیت کے حصول کی تمنا رکھتا ہے تو اس کو جدوجہد کرنی لازمی ہے۔ بغیر مشقت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔

غور کیجئے کہ مغربی اقوام چاند اور دوسرے سیاروں تک پہنچنے کے لئے کس قدر مشقت اور جدوجہد کر رہی ہیں اور ان کی اس سعیٔ پیہم کو قدرت کبھی رائگان نہ ہونے دے گی۔ اور انسان ایک دن ارض و سما کے اقطار پار کرکے ہی رہے گا۔ اسی طرح حصولِ آزادی اور قوت و اقتدار کے لئے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پس جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم چند اوراد و وظائف کا ورد کرکے نجاتِ اُخروی اور جنت کے حقدار ہوجائیں گے۔ یا مُردہ پرستی۔ جیسے باپ دادا کے عظمت و احترام کی وجہ ہم کو جنت مل جائے گی۔ خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔ انسانیت کا مقام ہم حاصل کرلیں گے۔ یہ تصور سراسر غلط اور بے معنے اور مہمل ہے بے عقلی کی بہشت ہے ـــــ دیکھئے مخاطبین وحی جو اُمیت "یعنے جہالت سے بلند ہونے کے متمنی تھے اور اہل کتاب بننا چاہتے تھے تو یہ منزلِ مقصود کن مدارج مصائب و مشکلات کو طے کرنے کے بعد حاصل ہوئی۔ اور کس طرح اسی سورۃ کی آیت نمبر (۹) میں وعن اسی دنیا میں ظاہر ہوکر رہی ـــ غور کرو فتح مکہ کے بعد مہاجرین کا داخلہ مکہ میں۔

ب۔ میرا فکر: ـــ وحی ۷، ۸ و ۹ (آیات) پر غور اور فکر بسیط کی ضرورت ہے۔ خصوصاً آیت نمبر (۹) ـــ میرے فکر وحی نمبر (۱۷) و (۱۸) پر ایک تنقیدی اور نظر کو ملاحظہ کیجئے ـــ سیدھے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے کون ہیں؟ ـــ صفحاتِ ماقبل میں لکھ چکا ہوں ـــ اب یہاں پر "ینقلب الی اھلہٖ مسروراً ۵" کی تشریح کی جارہی ہے۔

اہلِ تناسخ سے مخاطبت! نزولِ وحی کے وقت ممکن ہے کہ بعض مخاطبین تناسخ کے قائل ہوں؛ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ مرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں دوسری زندگی حاصل ہوگی اور ہم اپنے نیک اعمال کی وجہ اپنے لوگوں میں خوشی خوشی آجائیں گے اور ہم کو اپنی گذشتہ زندگی یاد ہوگی ـــ یا۔ یہ سمجھتے ہوں گے کہ بروزِ حشر ہمارے نیک اعمال کی وجہ ہم اپنے بندگوں اور اپنے خاندان سے ملیں گے ـــ ظاہر ہے کہ ان کے بزرگ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ ہی ہونگے۔ جو کچھ ہوگا تصورِ مخاطبین کا ہوگا لیکن بظاہر اس آیت کا اصلی مفہوم اس وقت حاصل ہوچکا ہوگا جب کہ فتح مکہ کے بعد مہاجرین اپنے جدوجہد آزادی و استقامت و صبر کے منازل طے کرکے اپنے لوگوں میں مسرور اور مظفر و منصور "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے داخلِ مکہ ہوکر بچھڑے ہوؤں سے گلے ملے ہوں گے۔ اور منکرِ حق جس طرح اس موقع پر آگِ ندامت میں جلتے ہوئے بار بار کہتے ہونگے کہ :ـ (بقول :ـ "الکافر یا لیتنی کنت ترابا"۔ (باقی برصفحہ ۲۷۳)

جب کوئی چیز نظروں کو دکھائی نہیں دیتی ہے۱۷ اور بدر کامل کی روشنی ہے۱۸ یہ سب کیا اس بات کی

(بقیہ صفحہ ۲۷۲) (ترجمہ :- اے کاش آج میں کسی طرح زمین ہی میں فنا ہو جاتا)۔

معاد کا تصور مذاہب عالم میں میں نے جس حد تک مذاہب عالم کے تصورات کا مطالعہ کیا تو سب کو ایک ہی مقصد کا حامل پایا۔ یعنے تمام مذاہب اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے۔ جس میں موجودہ زندگی کے اعمال کی جزا یا سزا۔ ثواب یا عذاب بھگتنا لازمی ہے۔ لیکن ہر مذہب کے ظنیات دوسری زندگی کے متعلق بالکل جداگانہ ہیں۔ دیکھیے ہر مذہب کے تصورات ظنی و ذہنی اور فکری اس طرح ہیں :-

(۱) ایک تصور یہ ہے کہ اس زندگی کے اعمال بد۔ پاپ۔ گناہ کی سزا اس طرح ملے گی کہ اس کو اداگمان (آواگون) کا چکر کاٹنا پڑے گا۔ یعنے کتا۔ سور۔ گدھا۔ بیل کا جنم دیا جائے گا۔ اس طرح بھوگ بھرنے کے بعد اُس کو نیکوں کا جنم ملے گا۔ ہندوستان۔ چین۔ یونان کا یہ تصور رہا۔ چین اور ہندوستان کا اب بھی ہے۔

(۲) دوسرا تصور یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی پر جمادات اور نباتات سے گذرتی ہوئی حیوانات میں منتقل ہو کر آدمیت ہی میں آئے گی۔ اور پاپ یعنے گناہوں کی سزا آدمی ہی کے جنم میں اس کو ملے گی۔ یعنے وہ امیر تھا تو اب غربت میں مبتلا ہوگا۔ صحت مند تھا تو بیماریوں میں۔ اگر کسی کا مال غصب کر لیا تھا تو اس کا مال دوسرا غصب کرے گا۔ برخلاف اس کے اگر اُس کی نیکیاں زاید ہوں تو اس کے برعکس حالات پیدا ہوں گے۔ اس کو "تناسخ" کہا جاتا ہے۔ بابل اور مصر بھی اسی مکتب خیال کے حامل تھے۔ (میرا ذکر اس خصوص میں آگے آئے گا)۔

(۳) تیسرا مکتب خیال یہ ہے کہ صرف ایک ہی زندگی ہے۔ بُرائیوں کی جزا و سزا اسی زندگی ہی میں ملتی ہے۔ اس کے بعد وہ فنا ہو جائے گا۔ پھر کوئی زندگی نہ ہوگی۔ اس مکتب خیال کو "دہریہ" کہا جاتا ہے۔

(۴) ایک مکتب خیال یہ تھا کہ اس زندگی کے جواب سوال کے لئے ایک دن مقرر ہے۔ جب تمام دنیا فنا ہو جائے گی تو خدا پھر سب کو زندہ کرے گا۔ اور خدا اس دن انصاف کے لئے بیٹھے گا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ اچھا یا بُرا ملے گا۔ اچھے لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور بُرے لوگ دوزخ میں جلا دیئے جائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا تصور "سُمیریا" کا تھا۔ اور قدیم مزدیسنائی مذہب کا بھی۔ جس کو توراۃ نے بھی قبول کیا اور اپنا لیا تھا۔ زمانۂ قدیم میں اہل بابل نے اپنے ظنی تصور کا ایک نقشہ بھی بنایا تھا کہ زمین سے اوپر ہوا اور آسمان۔ آسمان کے اوپر سمندر۔ زمین کے نیچے "ارلو یا" یعنے وہ زمین جس میں مرنے کے بعد روحیں جاتی ہیں۔ اور یہاں پر جزا و سزا ملتی ہے کیونکہ یہاں جنت اور دوزخ بھی ہوتی ہے۔ البتہ امراء اور بادشاہوں کے لئے آسمان پر سورج نکلنے کی جگہ علحدہ جنت مانی جاتی تھی چنانچہ اس تصور کو مختلف اقوام اور مذاہب نے مختلف اشکال میں اپنایا ہے۔

(۵) ایک مکتب خیال سرے ہی سے جزا و سزا کا منکر تھا۔ اور ہے۔ اس کو لا مذہب یا منکرِ خدا کہا جا سکتا ہے۔

توراۃ میں بھی اہل بابل کے تصورات کا عکس آیا ہوگا کیونکہ بخت نصر نے (۵۸۶ قبل مسیح) یہودیوں کو قید کر کے بابل بھیج دیا تھا۔ کیا عجب کہ ایک دیرینہ غلامی میں اہل بابل کے معتقدات اور (باقی بر صفحہ ۲۷۴)

شہادت نہیں ہے کہ انسان کو بھی زینہ بہ زینہ سیڑھی بر سیڑھی منازل طے کرنا ہے ۱۹ کیا ہوا ہے تم کو کہ

(بقیہ صفحہ ۲۷۳) ایمانیات کو انھوں نے اپنا لیا ہو۔ جب سائیرس ؔ نے (۵۳۹ قبل مسیح) بابل کو فتح کر کے یہودیوں کو آزاد کیا تو وہ پھر فلسطین میں آ بسے۔ اس کے بعد توراۃ "اَل سبعین" بھی نذرِ آتش ہو گئی۔ پھر توراۃ سامرہ بنی۔ بہرحال توراۃ کا نام "بائبل" خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بابل سے

نقشہ متعلق صفحہ ۲۷۳۔ زمانۂ قدیم کے زمین — اور — آسمان جنّت و دوزخ کے تصور کا۔

دیوتاؤں کا سمندر

دیوتاؤں کی جنت جو رشی و منی اور بادشاہوں کیلئے مختص ہے

آسمان

زمین

عام لوگوں کی جنت جس میں نیک لوگ داخل ہونگے

برزخ۔ یعنے روحوں کا مقام

دوزخ

تصورات کی پیداوار ہے (دیکھئے "منظر اسلام" مولفۂ محمد اجمل خان صفحہ ۵۱ و ۵۲)۔

نزولِ قرآن کے وقت وہ فرقے ضرور تھے لیکن بعض اہلِ عرب اور اہلِ کتاب تو جزاء و سزاء بعد الموت۔ اور حیاتِ بعد الموت کے منکر تھے اور بعض یوم الحساب۔ یوم الدین۔ یوم الساعۃ۔ یوم القیامۃ کے ماننے والے تھے جس میں امّی اور اہلِ کتاب دونوں شامل ہوں گے۔

ویدوں میں یوم حشر ("پرلوک")

دیکھئے مصر بھی موسیٰ ؑ کے زمانے میں "بعث بعد الموت" کا قایل نہیں تھا جس کا پتہ قرآن حکیم سے ملتا ہے۔ کیونکہ فرعون نے موسیٰ ؑ سے کہا تھا کہ "پھر ہمارے باپ دادا کہاں اور کیسے ہیں بتلاؤ یا ان کو زندہ کر کے لاؤ!"۔ ہندو بھی "بعث بعد الموت" کے اور

"نرک ڈنڈ" یعنے عذاب دوزخ

جزاء و سزاء کے قایل تھے۔ چنانچہ ان کے کتبات اور تصاویر میں سزاؤں کی بڑی لمبی تفصیل ہم کو نظر آتی ہے۔ جو قبلِ مسیح کے ہیں جن کو وہ "نرک ڈنڈ" یعنے دوزخ کا عذاب بتلاتے ہیں۔ جس میں کہیں تو آرے سے آدمی کو چیرا جا رہا ہے۔ کہیں ہتوڑے سے سر پر مارا جا رہا ہے۔ کہیں زہریلے سانپ بچھو ڈس رہے ہیں۔ کہیں آگ میں جلایا جا رہا ہے کہیں آہنی بیڑیاں آگ سے گرم کر کے پہنائی جا رہی ہیں۔ کسی کو سور کی صورت میں عذاب دردناک ہو رہا ہے۔ بہرحال مختلف قسم کے شدید تکالیف ہر پاپ کے بدلے میں بتلائے گئے ہیں اور اسی طرح "سورگ بھوگ" یعنے جنت کے آرام و آسایش کو بتلایا گیا ہے۔ یہ تصاویر آج بھی چھپے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند کا یہ تصور بہت قدیم ہے۔ ویدوں میں "پرلوک" یعنے آخرت کے الفاظ موجود ہیں۔ میرا فکر یہی کہتا ہے کہ ان ہی تصورات کی روشنی میں قرآن حکیم نے اپنے مخاطبین کو درسِ عبرت دیا ہے۔ چونکہ دیگر ممالک کے تاجر و مسافرین کی (باقی بر صفحہ ۲۷۵)

عہ غالباً "ذوالقرنین" کا بھی نام ان کی قومی زبان میں تھا۔ (دیکھئے "ترجمان القرآن" جلد دوم۔ علامہ آزاد)۔

ہر چیز کے ارتقاء کو دیکھکر بھی غور نہیں کرتے نمبر۲ اور جب قرآن تمکو حق بات بتلاتا ہے تو اسکے آگے نہیں جھکتے تمہاری (دیکھو

(بقیہ صفحہ ۲۷۴) کہ میں آمد و رفت کی وجہ جس میں ہندوستان کے لوگ بھی شامل تھے اور اہلِ عرب میں حشر کا تصور پنہاں تھا۔ اگر ہم ذرا گہرے فکر میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعث بعد الموت۔ معاد: تناسخ اواگمان وغیرہ کا مطلب اور مقصد ایک ہی ہے گو الفاظ جدا جدا ہیں۔ یعنے آدمی کے کردار کو سدھار نا سنوارنا اور انسانیت کے مقام پر کھڑا کر دینا اور بس۔ لیکن اصل حقیقت کے متعلق میرا فکر تو یہ کہتا ہے کہ یہ ایک راز سربستہ ہے۔ جس طرح ذاتِ واحد کے بارے میں سب کی زبان بند ہے اور قرآن نے "لیس کمثلہ شیٔ" (کہ اس کی کوئی مثال ہی نہیں) کہہ کر فکرِ انسانی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ گو ہر مذہب اپنے اپنے ظنیات ہی میں قیاسات کو قایم کرتے ہوئے خدا کا تصور رکھتا ہے۔ اسی طرح "معاد" کے تصورات بھی ہیں۔

"زندگی سے پہلے کیا تھا؟ موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

"تاریخ شعورِ انسانی سے آج تک اور شاید قیامت تک ان دو سوالات کا علم الیقین اور عین الیقین کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہوگا کیونکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ بھی ہم کو نہ سمجھا سکے بلکہ خود ان کو بھی اپنے عین الیقین کیلئے خدا سے عرض کر کے اطمینانِ قلبی حاصل کرنا پڑا تھا (دیکھو وحی نمبر (   ) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق میرا فکر) اکثر احادیث موجود ہیں

قرآنی جنت و دوزخ کا نظریہ

جن میں آنحضرت صلعم نے جنت اور دوزخ کے متعلق قرآنی تصریحات کو امثال اور تشبیہات ہی کا بیان فرمایا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ مخاطبین کے تصورات و تخیلات اور مشاہدات ہی کے مدِ نظر انکو ترغیب و تحریص اور ان کو خوف اور ڈر۔ ان کے خواہشاتِ نفسانی۔ یا تکلیف نفس کے مدِ نظر آیات الٰہی میں الفاظ آئے ہیں ــــ ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ مرسلینؑ اپنے ذاتی علم کے باوجود ذاتِ واحد یعنے اللہ اور وحئ الٰہی کی حقیقت دوسروں کو نہ بتلا سکے جب کسی کے حواسِ خمسہ سے کوئی ایک حس موجود نہ ہو تو اس کا احساس کیسے کرایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اندھے کو روشنی کی اصلیت کیسے مشاہدہ کرائی جا سکتی ہے۔ یا بہرے کو سماعت کی حقیقت کیسے بتلائی جا سکتی ہے۔ یا ذائقہ بغیر حس کے کیسے معلوم کرایا جا سکتا ہے ــ پس اسی طرح بعث بعد الموت کی حقیقت خارج از قیاس و گمان و وہم تھی۔ اور آج بھی ہے۔ اور یہی کیفیت "پَرلوک" بعث بعد الموت کی بھی ہے۔ میں تو خالق تعالیٰ کو بار بار پیدا کرنے کی صفت سے متصف پاتا ہوں کیونکہ زمین کی پیداوار اور کائنات کی دیگر نشانیوں کے بار بار ظاہر ہونے کو قرآن بتلا کر انسان کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی مثال دیتا ہے۔ اور بعض آیات میں انسان کے بار بار پیدا ہونے کی طرف بھی اشارات ہیں (دیکھو وحی نمبر (۱۸) آیت نمبر (۲۱)) اور بعض مقامات پر مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے کا بھی ذکر ہے ــ پھر روایات بھی مثل اہلِ ہنود کے عذاب دوزخ کے متعلق ہمارے صوفیاء کے معتقدات کا جز و بنے ہوئے ہیں کہ کسی کو بندر کا جسم دیا گیا۔ کوئی کتا بنا وغیرہ ــ اور نیکوں کو قیامت میں بد صورتی سے خوب صورت ہونے کا بھی تصور پیش کیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں پر غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ ــ مسلمانوں کا دیگر مذاہب کے نظریاتِ معاد پر کفر کا فتویٰ بلاشبہ ناسمجھی کی بات ہے اور بعث بعد الموت کی توضیح و تشریح کرنے والے تمام مذاہب خصوصاً مسلمان مفسرین کی کیفیت بجز چار اندھوں اور ایک ہاتھی کے کچھ نہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت چونکہ مخالفینِ حق و منکرینِ قرآن مخاطبین وحی مختلف مکتب خیال کے تھے اس لئے یومِ حشر کو اس نے مقدم قرار دیا۔ اور جو طبقہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا منکر تھا اسکو (باقی بر صفحہ ۲۷۶)

بلکہ دیدہ و دانستہ اللہ کے آیات یعنے کائنات کی نشانیون کو جھٹلاتے ہوئے ۲۲ اللہ تو
اِن منکرینِ حق کے دِلون کی حقیقت سے خوب واقف ہے ۲۳ پس اے محمد !
منکرینِ حق کو عذابِ دردناک مین مُبتلا ہونے کی خبر سُنا دے ۲۴ اور جو لوگ
آیاتِ اللہ مین غور و فکر کرکے حق کو مانتے ہین۔ اور عملاً اس کا ثبوت دیتے ہین وہ
بلاشُبہ نفع مین ہین ۲۵ ع ف۳

(بقیہ صفحہ ۲۷۵) سمجھا یا کہ خدا کی تخلیقِ انسانی کا مقصد بے معنےٰ اور عبث نہین ہے۔ جب تم دیکھتے ہو کہ ہر آن اور ہر لحظہ ہر عمل کا نتیجہ کائنات مین تمہاری آنکھون کے سامنے ظاہر ہوتا رہتا ہے اور یہ اللہ کا اٹل قانون یعنے سُنت اللہ کے تحت ہوتا ہے تو اسکے خلاف تمہارے تصورات اپنے متعلق کیسے بے معنے اور نادانی کے ہین۔ دراصل تمہارے سوجھ بوجھ عقل و فکر پر اندھی تقلید کا ایک جادو سوار ہے جس کی وجہ تمہاری بصیرت بند ہوگئی ہے۔ لہٰذا اسکے خلاف کسی صاحبِ عقل و فہم تو کجا رسولؐ اور نبیؑ۔ بلکہ اللہ کے کلام پر بھی تو غور و فکر نہین کرتے "۔ میری اس تمہید کے بعد پھر آیات نمبر (۷ تا ۱۵) پر آپ خود غور کیجیے۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ وحی نمبر (۱۷) کے آیات اور میرے فکر پر بھی فکر کیجیے۔

نظریۂ معاد اور تناسخ پر میرا فکر | مُعاد کے مسئلہ پر کافی غور و خوض کے بعد مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ انسان مرنے کے بعد فنا نہین ہوتا۔ جب ہم دیکھتے ہین کہ مادّہ فنا نہین ہوتا تو انسان کیسے فنا ہو سکتا ہے۔ مادّہ کا مختلف روپ بدلنا بظاہر ہم کو تخریب معلوم ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہین کہ ہی تخریب ایک بہتر تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ کائنات کی پیدائش اور اسکے ارتقاء پر غور کرین تو معلوم ہوگا کہ ہر شئے ترقی پذیر ہے۔ زندگی کا ظہور کرۂ زمین پر ابتدا مین بہت ہی پست درجہ مین ہوا اور وہی نفسِ واحدہ کی روح منازل ارتقاء کو طے کرتی ہوئی آدمؑ کے روپ مین ظاہر ہوئی اور نہ معلوم وہ آیندہ کو نسے بالاتر روپ مین ظاہر ہوگی۔ (ارتقاء کے بارے مین مزید تفصیلات آیندہ فقرہ مین ملاحظہ ہون) مین فنا فی اللہ ہونا یا تا ابدون کے ساتھ عیش و عشرت کی جنت مین مگن رہنا نہین چاہتا۔ بلکہ ایک مردِ مومن کی طرح فکر کے اعلیٰ سے اعلیٰ منازل طے کرتے ہوئے خود انعاماتِ الٰہی سے مستفید ہوتے ہوئے دوسرون کو مستفیض کرنا چاہتا ہون۔ غور کیجیے کہ رسول اکرمؐ قربِ الٰہی سے کس قدر جلد لوٹ آئے (بموجب روایتِ معراج) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہان جم کر بیٹھ گئے اور حضرت بدھ فنا فی اللہ ہوگئے۔ مجھ کو اپنے رسولِ عربی صلعم کے نقشِ قدم پر چلنے کی تمنا ہے اور بار بار پیدا ہونے اور مرنے کی آرزو ہے۔ اور اسی تصور مین یہ دعا ہمیشہ کرتا رہتا ہون :۔ "تو فنی مسلما و الحقنی بالصالحین"

ف۳۔ میرا فکر:۔ دیکھیے پھر دن کے بعد رات کے آغاز کا بتدریج ظاہر ہونا ثبوت مین پیش کیا جا رہا ہے کہ:۔

نظریۂ ارتقاء | آفتاب ڈوبتے ہی یکدم تاریکی نہین ہوتی۔ شفق اور اس کے بعد آہستہ آہستہ تاریکی کا نمودار ہونا۔ پھر انتہائی اندھیری رات۔ پھر اسی تاریکی مین طلوعِ قمر۔ اور مختلف منازل (باقی بر صفحہ ۲۷۷)

(بقیہ صفحہ ۲۷۶) قمر ہلال سے بدرِ کامل اور پھر بدرِ کامل سے مثل سوکھی ہوئی ٹہنی کے اور پھر اندھیری رات (اماوس) کیا یہ تمہارے روزمرہ کے مشاہدات اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ انسان کو بھی اسی طرح بہ تدریج منازل طے کرائے گئے ہیں۔ اور طے کرائے جارہے ہیں۔ اور طے کرائے جائیں گے۔ تم کس طرح اس بات کو سمجھے ہو کہ ایک دم انسان کو سب کچھ مل جائے گا۔ یا وہ سب کچھ ہو جائے گا۔ جب تم کو وحیِ الٰہی یعنی قرآن حکیم کائنات کی نشانیوں کو بتلا کر سنوارنا چاہتی ہے تو تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ بجز تقلیدِ جامد کے تم کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ تو یاد رکھو کہ منکرینِ حق کے لئے دردناک عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اور حقیقت پر غور کرنے کے بعد اچھے عمل کرنے والوں کو ان کا اچھا بدل لازمی ملے گا۔

دماغِ انسانی کا ارتقا طبقاً عن طبق

سولھا تا بیسویں ۲۰ آیات پر نظر ڈالو۔ غور کرو۔ خصوصاً انیسویں ۱۹ آیت پر "لتركبن طبقاً عن طبق ہ" (ترجمہ :۔ اے انسان! تیرے کو چڑھنا ہے زینہ بزینہ) اگر آپ اس بیسویں صدی کی تحقیقات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کس طرح انسان ارتقا کی سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا آج اس مقام پر پہنچا ہے۔ اور بعد وہ اس پر ٹھیرا ہوا نہیں ہے بلکہ اور اونچا ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک امی رسول ؐ کی زبان پر اس وحیِ الٰہی سے اس جملہ کی حقیقت کو مخاطبینِ آج کی طرح نہ سمجھ سکتے ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ لیکن آج قرآن کے اس ارشاد کے بموجب کہ :۔ "وَ آخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ہ" (ترجمہ :۔ اور تمہارے بعد دوسرے بھی تم سے ملنے والے ہیں) ہم کو حق ہے کہ ہم اس وحیِ الٰہی کے مفہوم کے لئے فکر کریں۔ چنانچہ مسئلہ ارتقا پر آج کوئی سائنس دان اختلاف نہیں کر سکتا۔ پس ان ناقابلِ تردید شہادات شفق۔ قمر۔ اور رات۔ نظامِ شمسی کی گردش پھر تخریب و تعمیرِ کائنات کو پیش کر کے بتلایا جارہا ہے کہ انسان بلا کسی مقصد کے پیدا نہیں کیا گیا! بلکہ اس کو ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ہمیشہ آگے بڑھتے رہنا ہے۔ موت "تخریب نہیں" زندگی کی انتہا نہیں بلکہ ایک دوسری زندگی کی ابتدا ہے۔ "موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی، ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی" جدید تعمیر میں تو پہلے ہر چیز منزلِ تخریب ہی سے گذرتی ہے۔ زمین کی کھدائی۔ پتھر کا توڑنا۔ لکڑی کا کاٹنا۔ اینٹ کا جلانا۔ یہ سب ہی تو تخریب ہی تخریب ہے۔

انسانی تخریب و تعمیر اور قدرت کی تخریب و تعمیر

لیکن غور کیجئے کہ بغیر تخریب کے تعمیر کے کیا معنے ہوں گے۔ سوائے ہوائی قلعہ بندی کے۔ یہ تو انسانی تخریب و تعمیر ہے۔ قدرت کی تخریب و تعمیر پر نظر ڈالئے تو دماغ چکرا جائے گا۔ دیکھئے قرآن نے ہر مقام پر زمین کے سوکھ جانے۔ گھانس کے جل جانے۔ زراعت کے کوڑا کرکٹ بن جانے۔ زلزلہ کے شدائد۔ بادل کی سمع خراش اور دل و دماغ کو لرزا دینے والی گرج۔ بجلی کی چمک سے آنکھوں کا چکا چوند ہو جانا۔ سورج کی تمازت۔ چاند کے منازل۔ چشموں کی روانی۔ طوفان اور باد و باران کی حیرانیاں۔ کوہ آتش فشاں کے شرارے اور تباہ کاریاں وغیرہ وغیرہ کے ہزاروں تخریبی مثالوں کو ہمارے غور و فکر کے لئے پیش کرتے ہوئے "ارتقا" اور "سنت اللہ" کی شان کو سمجھایا ہے۔ اور اشارۃً نہیں بلکہ واضح طور پر تعمیر کے منشا کو ظاہر کیا ہے۔ ارتقا کی ہر وہ منزل جہاں پر اس کا اختتام سمجھا جائے ارتقا کی دوسری منزل کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ ہے مطلب ایک طبق کے بعد دوسرے طبق کو طے کرنے کا! (باقی بر صفحہ ۲۷۸)

(بقیہ صفحۂ ۲۷۷) یہ نہیں کہ انتہاہی ارتقاء ہے۔

علامہ رومی کا نظریۂ ارتقائے انسانی

اس سلسلہ میں جب میں انسانی حیات و ممات کے ارتقاء پر فکر کرتا ہوں تو قرآنِ حکیم کے حشر۔ الساعۃ اور قیامت میں مجھ کو ارتقاء ہی ارتقاء نظر آتا ہے۔ اور علامہ رومیؒ کے ان تصورات پر سر دھننے کو جی چاہتا ہے ؎

از جمادی مُردم و نامی شدم　　وز نما مُردم بہ حیوان سر زدم
مُردم از حیوانی و آدم شدم　　پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شدم
حملۂ دیگر بہ میرم اے بشر　　تا بر آرم از ملائک بال و پر
بارِ دیگر از ملک قربان شدم　　آنچہ اندر وہم نہ آید کان شوم　　(دفترِ سوم مثنوی دوم)

یعنے جمادات سے فنا ہوا تو نباتات میں بلند ہوا۔ نباتات سے فنا ہوا تو حیوان کی عظمت حاصل کی حیوانات سے مرا تو آدمؑ کا مقام حاصل کیا۔ اب آدمؑ سے مرنے پر ملائک کا مقام حاصل کروں گا۔ جب ملائک کی زندگی ختم کروں گا تو کیا ہونگا؟ یعنے کس بلند سے بلند تر مقامِ ارتقاء پر پہنچ جاؤں گا؟ اس کا وہم و گمان بھی میرے فکر و فہم سے خارج ہے! ——— دوسرے مقام پر وہ کہتے ہیں ؎

ہفت صد و ہفتاد قالب دیدہ ام　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

تناسخ کے ماننے والے منکرِ معاد نہیں ہیں

غور کا مقام ہے کہ جو لوگ خالقِ اکبر کی شان کو اس طرح محدود کر دیتے ہیں کہ وہ ایک بار پیدا کر کے مرنے کے بعد یومِ حشر دوبارہ پیدا کرے گا اور بس — اُن پر مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خالقِ اکبر کی شانِ تخلیق کو بادلی کے منڈکہ ہی کیطرح دیکھتے ہیں میرے نزدیک تو اس خالقِ اکبر مصوّرِ اعظم کی صفت تو یہ ہے کہ وہ کروڑ در کروڑ بار مارے اور پھر پیدا کرے تو پہلے سے بہتر مخلوق اور پھر بہتر تسویہ۔ تقدیر اور ''ھدیٰ'' کے ساتھ۔ یہ ہے شان : ——— ''یصوّرکم فی الارحام'' کی — بلا شبہ اس سلسلۂ فکر میں تناسخ کا تصور سامنے آجاتا ہے جس کا ذکر میں نے فکر (۲) میں کر دیا ہے۔ ان دونوں تصوروں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخِ آفرینشِ آدمؑ سے انسانی دماغ ارتقائی منازل برابر طے کرتا چلا آرہا ہے اور طے کرتا چلا جائے گا۔

سورۂ عبس اور سورۂ واقعہ۔ سورۂ المعارج کے آیات اللہ میں فکر کر کے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور پھر (۲۰ تا ۲۵) وین آیات وحی پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ کس طرح فکر و عقل اور شعورِ انسانی کے معذوروں۔ اندھوں اور سوجھ بوجھ کے بہروں سے کہا جا رہا ہے کہ تم تقلیدِ جامد۔ باپ دادا کے ایمانیات و یقینیاتِ ظنی اور معتقداتِ باطلہ سے نکل کر ذرا تو قرآنِ حکیم کے براہین۔ دلائل اور آیات پر غور و فکر کرو۔ یہ تورات۔ دن تمہارے مشاہدات ہی میں ہیں۔ اور یہ قرآن تو ہر ایک کے قوتِ فکریہ سے زاید اللہ کے پاس جوابدہ نہیں ہو سکتا — اس سہولت کے بعد بھی اگر انسان تقلیدِ جامد میں جکڑا ہوا رہنا پسند کرتا ہے اور آزادیٔ فکر حاصل کرنا نہیں چاہتا تو یہ اس کی بربادی اور تباہیٔ کامل کا ایک یقینی نشان ہے جن کے لئے سوائے دردناک عذاب کے کچھ نہیں۔ البتہ جو بندے تقلیدِ جامد۔ باپ دادا کی سنت کے سنہری زنجیروں کی بندشوں سے نکل کر آزادیٔ فکر حاصل کر لیتے ہیں اور (باقی بر صفحۂ ۲۷۹)

(بقیہ صفحہ ۲۷۸) نشاناتِ کائنات میں غور و فکر کرکے اطمینانِ قلب وضمیر کے ساتھ آیاتِ اللہ کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ یعنی مان لیتے ہیں۔ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کے لیے دُنیا اور آخرت۔ یعنی حال اور مستقبل کے انعامات الٰہی کی سرفرازیاں بے حد اور بے حساب موجود ہیں جن سے وہ مستفید ہوں گے ۔۔۔ یہ ہے آیت (۲۱) سجدہ کا مفہوم۔ تلک آیت کو پڑھتے ہی بے معنی زمین پر پیشانی رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ہم نے حکمِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم کر لیا۔ یاد رکھو کہ ؎

وہی سجدہ ہے لائقِ احترام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
(اقبالؔ)

نام سورہ **انفطار** تعداد آیات (۱۹) تعداد رکوع (۱) شمارہ ترتیب موجودہ (۸۲) پارہ (۳۰)
شمارہ ترتیب نزولِ وحی بلحاظ تحقیق علامہ محمد اجمل خان (۲۹) زمانۂ نزول، دورِ دوم بعثت ۵ سنہ تا ۹ سنہ
اس سورۃ کے سلسلۂ نزول سے متعلق جن محققین نے جو شمارہ اپنی تحقیق میں قرار دیا ہے نقشۂ ذیل سے اسکی صراحت معلوم ہوگی۔

نام محققین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اے گریم	[illegible] ۱۹۰۲	[illegible]	[illegible] ۱۳۸۵
شمارہ بلحاظ ترتیب نزولِ وحی	۸۱	۸۰	۸۰	۸۰	۱۱	۲۶	۳۱	۲۵	۱۹	۸۲	۸۲

توضیحات

شمارہ الحاقی آیات	کون مخاطب ہے یا کونسی مثال ہے	احکام و شریعت و منہاج	میرے فکر و نظر کے موضوعات: موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
X	اہلِ عرب اور عام انسان		۱۔ قیامت کا جدید تصور۔	ف۱	۶۔ بادشاہ اور مصنف کا فرق	ف۳
			۲۔ ہر انسان ایک ہی خالق کا تصور رکھتا ہے۔	ف۲	۷۔ قرآن حکیم بذریعہ آیات دینِ انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں۔	ف۳
			۳۔ کراماً کاتبین۔	ف۲		
			۴۔ شفاعت کی نفی۔	ف۳		
			۵۔ ہنری چہارم اور امریکہ کے انصاف کی مثال۔	ف۳	۸۔ دینِ انسانیت۔	ف۳

باسم مالک یوم الدین

جب آسمان پھٹ جائے گا ۱ اور تارے منتشر ہو جائیں گے ۲ اور سمندر اُمنڈ پڑے گا ۳
اور جب مُردے قبروں سے اُکھڑ کر زندہ کئے جائیں گے ۴ اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ
اس نے اپنی آخرت کیلئے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا ۵ ف۱ اے انسان! بھلا بتلا کہ

ف۱ میرا فکر:۔ ماہرین علم فلکیات کہتے ہیں کہ ہماری زمین ان حالات سے ضرور دوچار ہوگی جن کا نقشہ
جدید تصورِ قیامت قرآن میں بار بار پیش کیا گیا ہے۔ کسی وقت بھی سورج بھڑک اُٹھے گا۔ اور اس کے پھیلاؤ اور حدت سے تمام سیارے آنِ واحد میں گیسی شکل اختیار کر لیں گے۔ آئے دن
آسمان پر ستارے بھڑکتے رہتے ہیں۔ جو بھڑکنے سے قبل یکساں حرارت خارج کرنے والے ہوتے ہیں دیا تھا بر صفحہ ۲۸۱

آخر تجھ کو کس چیز نے اپنے ربِّ کریم کے بارے میں دھوکے میں رکھا ہے ع۶ اس ربِّ کریم کے
بارے میں جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ اور تیرے اعضائے جسمانی کو ٹھیک ٹھیک بنایا۔ اور ایک موزون قد و
قامت پر رکھا ع۷ اور پھر اپنی قدرت سے ہر ایک کی صورت جیسی چاہی بنائی ع۸ تم باوجود
ان باتوں کو جانتے ہوئے عملاً یوم الدین کو جھٹلاتے ہو ع۹ حالانکہ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمہارے ع۲
اعمال کو لکھنے والے نہایت معتبر فرشتے تمہارے رب نے مقرر کئے ہیں جو تمہارے نگہبانِ عمل ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ ع۱۰تا۱۲

(بقیہ صفحہ ۲۸۰) لیکن اچانک کسی نامعلوم وجہ سے وہ اپنے جوہری ایندھن کو تیزی سے خرچ کرنے لگتے ہیں جسکی وجہ سے
ان کی تپش کئی ہزار گنا بڑھ جاتی ہے اور ان کے پھیلاؤ اور حدت سے ان کے متعلقہ سیارے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں
اسی طرح نظامِ شمسی بھی ایک دن اپنی عمرِ طبعی پوری کر کے تباہ ہو جائے گا۔ یہ تو ہے آجکا سائنسی تصورِ قیامت جو قدیم تصورات کے خلاف نہیں۔
پس مخاطبینِ وحی سے کہا جا رہا ہے کہ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ قیامت کسے کہتے ہیں۔ اور وہ دن کیسا ہولناک ہوگا۔
جب آسمان پھٹ پڑے گا اور تمام تارے (سیارے) منتشر ہو جائیں گے اور سمندر چھلک جائیں گے۔ بڑے بڑے پہاڑ
مثل دھنکی ہوئی روئی کے ہو جائیں گے اور پوری زمین تباہ و برباد ہو جائے گی اور حشر کے روز تمام مردہ لوگوں کو
زندہ کیا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کی بازپرس ہوگی۔ ان کے اعمال ان کی آنکھوں کے سامنے پھریں گے
اور وہ اُس دن اپنی بداعمالیوں پر کفِ افسوس ملیں گے۔"

ف۲۔ میر افسکر:- ہر انسان۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو اس بات پر یقینِ کامل رکھتا ہے کہ اس کو

ہر انسان ایک ہی خالق کا تصور رکھتا ہے

ایک ذاتِ واحد نے ہی پیدا کیا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور
اسی ایک ذات نے انسان کو آنکھ۔ کان۔ منہ۔ ہاتھ پاؤں دیئے اور
پھر ہر ایک کی صورت بھی علیحدہ علیحدہ اس نے بنا دی کہ ایک دوسرے میں امتیاز ہو سکے۔ اُس ذاتِ واحد کا نام ہر مذہب و
ملت۔ قوم اور زبان میں علیحدہ علیحدہ رکھ لیا گیا ہے۔ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں اعمال کی جزا یا سزا
ملنے کا یقینِ کامل ہر مذہب و ملت کا انسان رکھتا ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ بھی ایمان ہے کہ کراماً کاتبین) فرشتے

کراماً کاتبین

ہر انسان کی نگہبانی کرتے اور اس کے ہر قول و فعل کو لکھنے پر مامور ہیں۔ یہ سب تو زبان سے کہا جاتا ہے
لیکن عملاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے انحراف ہے کیونکہ جان بوجھ کر انسان نفس پرستی کی طرف
چلا جا رہا ہے اور اس کو عملِ صالح سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ حق بات کو ماننے سے اس کو قطعاً انکار ہی انکار ہے اور
برائیوں کی طرف وہ راغب ہے۔ تو پھر بھلا اسکے ایمان کا کوئی تک بھی ہے۔
قدرت کی مختلف نگہبان قوتیں چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک سب ہی کی یکساں نگہبانی کرتی ہیں۔ تمام کو چھوڑ کر
ایک قوتِ مدافعت جو ہر جاندار میں ہے اس کو دیکھیئے کہ ہم سو رہے ہیں جسم پر ایک چیونٹی رینگتی ہے تو نیند میں ہم اسکو
رگڑ دیتے ہیں۔ کوئی کیڑا جسم پر آ جاتا ہے تو جھٹک دیتے ہیں۔ ہم کسی وقت بیدار ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہم کو جگا دیا۔

بے شک نیکی کرنے والے انعاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونگے ؏۱۳ اور بدکار عذابِ جہنم مین مبتلا ہون گے ؏۱۴ جزا کے دن بدکارون کا مقام جہنم ہی تو ہوگا۔ اور اس عذاب سے چھوٹ نہ سکین گے ؏۱۵و۱۶ اور تمہین کچھ علم ہے کہ جزا کا دن کیسا ہوتا ہے اور کیون کر ہوگا ؏۱۷ کیا فی الحقیقت تم جانتے ہو۔ اور تم کو خبر ہے کہ انصاف کا دن کیسا ہوگا ؏۱۸ اچھی طرح سمجھ لو کہ اس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا۔ اور نہ کسی کی کوئی سفارش یا کوئی معاوضہ قابلِ قبول ہوگا۔ کیونکہ اس روز تو مالکِ یوم الدین کی حکومت قاضی القضات کی عدالت ہوگی۔ اور اسی کا حکم نافذ ہوگا ؏۱۹ ع ف۳

ف۳۔ میرا فکر:۔ ان آیات (۱۳ تا ۱۹) پر غور کرو کہ کس طرح آج بھی ہم کو وحیِ الٰہی عام فہم جملون مین مخاطب کر رہی ہے اور اپنے مخاطبین یا تلاوت کرنے والون سے پوچھتی ہے کہ: "کہ تم تو یہ بات سنتے ہی چلے آئے ہو کہ نیک کام کرنے والے بروزِ حشر۔ یعنی بروزِ جزا انعاماتِ الٰہی سے سرفراز ہون گے اور بدنصیب۔ بدکار تو جہنم کے حوالے کر دیئے جائین گے اپنے گناہون کی سزا بھگتنے کے لئے۔ اور دونون فریق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی جزا اور سزا پاتے ہی رہین گے۔ اور ظاہر ہے کہ انعاماتِ الٰہی پانے والے تو خوش و خرم رہین گے اور سزا پانے والے بڑے ہی بدنصیب۔ ہمیشہ غم و اندوہ مین مبتلا رہین گے۔ یہ سب تمہارے عقاید ہی ہین۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ قیامت کو تم جزا و سزا کا دن ہی کہتے ہو۔ لیکن تم اس سے بے فکر ہو کہ وہ دن کب آئے گا۔ بلکہ تم تو کہتے ہو کہ یہان تو اس سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے۔ اسی غفلت مین تم مبتلا ہو۔ اور اس پر تمہارے احبار۔ راہبان۔ مولوی و مشائخ۔ پنڈت و پادریون نے تم کو اپنے نام لیوا اپنون کو خدا کا شریک ٹھیرا کر یہ امید دلا دی ہے کہ روزِ محشر۔ روزِ جزا کی فکر مت کرو۔ ہمارے واسطہ سے یہ خدا کے محبوب مقبول پیارے بندے تمہاری شفاعت کر کے تم کو عذاب سے بچائین گے۔ مالکِ یوم الدین کے پاس ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ پس تم ہمارے ہاتھ مین ہاتھ دے کر اندھے مقلد بن جاؤ!۔ اے انسانون! اس طرح تم کو شفاعت کی وہ گولی دیجا کر جس مین بھنگ ملی ہوئی ہے تمہارے فکر و فہم کو کند کر دیا گیا ہے۔ اور تم اپنے اعمال کی جوابدہی سے لاپرواہ ہو کر غفلت میں پڑے ہو!۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ روزِ جزا۔ یومِ حشر۔ یوم الدین تو سخت عذاب کا دن ہوگا۔ جس دن نہ کوئی کسی کا بھلا کر سکے گا اور نہ بُرا۔ اور تمہارے عقیدہ ہی کے مطابق کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے تمہارے نامۂ اعمال تمہارے ہاتھون مین ہون گے۔ تم جانتے ہو کہ اس دن انصاف کرنے والا کون ہوگا؟ سنو! اس دن ذات ذوالجلال والاکرام انصاف کے لئے کرسیِ انصاف پر جلوہ فرما ہوگی جس کی کرسی کی وسعت آسمانون اور زمین پر محیط ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے اقتدارِ اعلیٰ مین سمویا ہوا ہے! پس اس دن صرف اسی کا حکم نافذ رہے گا۔ کسی کی مجال نہین ہوگی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکالے (باقی بر صفحہ ۲۸۴)

لوگون کی دو پارٹیان

شفاعت کی نفی

یومِ حشر اور انصاف

(بقیہ صفحہ ۲۸۲) اور نہ کسی کی سفارش میں کوئی عذر یا حیلہ حوالہ کر سکے گا سنو! اس دن منھوں پر مُہر لگا دیجائیگی۔ اور جوارح یعنے ہاتھ یا کان جو اعضائے جسم سب ہی گواہی دیں گے۔ اس انصاف کے دن کو

حشرِ اول

درست خیال کرو۔ تم سمجھ لو کہ شاید تمہاری دوسری سانس واپس ہونے سے پہلے وہ دن تم کو مل جائے۔ یعنے حشرِ اول کے لئے تمہاری موت تم کو گھیرلے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اور جب کبھی ہوگا اسکا علم تو سوائے خالقِ کائنات کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔

دیکھیئے! اِس وحی میں ان تمام تصوراتِ ظنّی۔ ذہنی اور عقاید وایمانیاتِ باطلہ وبے سندی کی تردید کردی جارہی ہے کہ جو اُس وقت کے پیشوایانِ مذاہب اپنی قوم کو بتلارہے تھے آج خود اُمتِ محمدی خلافِ منشا قرآنِ حکیم مسئلۂ شفاعت میں جس طرح گم ہے۔ ان سب عقاید کی تردید اس وحی کے ذریعہ کی جارہی ہے۔ آنحضرت صلعم کے شفیع المذنبین ہونے کے عقیدے سے میرا فکر مجھ کو مسلسل چالیس۴۰ سال سے متفکر بنا رہا ہے جسکی وجہ سمجھنے سے پہلے ایک دُنیا کی مثال سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ قرآنِ حکیم دُنیا کی عام اور کھلی مثالوں ہی سے تو ہم کو نصیحت کرتا ہے۔ وہ ایک مچھر یا مکھی کی مثال دینے میں بھی پس وپیش نہیں کرتا۔ پس میری اس مثال پر ایک لمحۂ فکر ضروری ہے۔ دیکھیئے! جب کسی ملزم کو دُنیا کی کوئی بھی عدالت مجرم قرار دے کر سزا صادر کردیتی ہے تو کیا کسی حاکمِ وقت کی سفارش یا کسی گران قدر معاوضہ کی ادائی یا کسی کا اس کے بدل سزا کو بھگتنے کا پیش کش اس مجرم کو عدالت کی مجوزہ سزا سے بچا سکتا ہے۔ آپ نے کبھی اپنی عمر میں کیا کوئی ایسا واقعہ دیکھا یا پڑھا ہے۔ یقیناً آپ اس کا جواب نفی میں دیں گے۔ اگر آپ کی نظروں میں کوئی ایسا واقعہ نظر آیا ہے تو آپ یقیناً ایسی عدالت کو عدالت ہوتا نہیں سمجھیں گے۔ دیکھیئے ایک قدیم زمانہ کا واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:—

ہنری چہارم اور امریکہ کے انصاف کی ایک مثال

ہنری چہارم شاہ انگلینڈ کے ولی عہد کا ایک ملازم خاص کسی جرم میں گرفتار ہوا۔ عدالت نے اُس کو قید کی سزا دیدی۔ ولی عہد کو معلوم ہوا تو وہ فوراً کمرۂ عدالت میں داخل ہوا اور جج کو ملزم کے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ جج نے اس کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا۔ ولی عہد کو غصہ آگیا اور جج سے زبانی گستاخی کی۔ جج نے فوراً توہینِ عدالت کے الزام میں ولی عہد کو ایک ہفتہ جیل کی سزا سُنادی اور پولیس کو حکم دیا کہ ولی عہد کو جیل خانہ پہنچا دیا جائے۔ زمین و آسمان [illegible] کانپ اُٹھے کہ ولی عہد کو ایک معمولی جج نے جیل خانہ بھیج دیا۔ بادشاہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ خوش ہوگیا اور کہا کہ جس مُلک کی عدالت کے جج ایسے منصف ہوں وہ مُلک کبھی تباہ نہیں ہوسکتا۔

ایک حال کا واقعہ بھی تو آپ کے سامنے ہے۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں امریکہ کی عدالت نے ایک سائنس دان اور اس کی بیوی کو جوہری توانائی کے افشائے راز کے جرم میں سولی کی سزا دیدی۔ مجرم کی براءت کے لئے نہیں بلکہ صرف سزا کو بدلنے یعنے بجائے قتل کے حبسِ دوام کی استدعا کرۂ زمین کے کروڑ در کروڑ انسانوں نے صدرِ امریکہ سے کی لیکن انصاف کے مقابل کوئی سفارش قبول نہ ہوئی۔ وقتِ مقررہ پر وہ دونوں سولی پر ختم کردیئے گئے۔ (دیکھیئے وحی نمبر ۷ میں بھی اسکا ذکر موجود ہے)۔

غور کیجیئے کہ دُنیا کے ایک ادنیٰ منصف کے انصاف کا یہ عالم ہے۔ تو قاضی القضاۃ یومِ جزاء کے انصاف اور اس کے رعب و جلال کا کیا حال ہوگا۔ کون ہے جو اس عدالت کے سامنے زبان بھی ہلا سکے:—

"لا یتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا" کون ہے جو اس عدالت کے سامنے کسی قصور معاف کرانیکی (باقی برصفحہ ۲۸۴)

(بقیہ صفحہ ۲۸۳) جزا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں کون ہوگا جو دم بھی مار سکیگا۔ ہمارے پیشوایانِ مذہب خلافِ تعلیم قرآن و ارشاد رسالتمآب صلعم شفاعت پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اپنے دعوے کو سلطان مبین یعنی برہان قطعی سے ثابت سمجھے ہوتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ کون ہیچ الدماغ انسان ہوگا جو کہ آپ کے یوم الدین کے انصاف کو عدالت انصاف سے تشبیہ بھی دے سکیگا۔ معاذ اللہ اس اللہ کی ذات اور ظلم و نا انصافی کرے۔ پناہ بخدا۔ لیکن یہاں پر ایک اور بات بھی تو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ بادشاہ اور منصف میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

بادشاہ اور منصف کا فرق

بادشاہ صاحب اقتدار ہوتا ہے یعنی وہ جسکو چاہتا ہے معاف کر سکتا ہے جس کو چاہتا ہے انعام دے سکتا ہے جسکو چاہتا ہے عزت سے سرفراز کر سکتا ہے جسکو چاہتا ہے ذلیل و خوار کر سکتا ہے۔ اسکے اختیارات شاہی کے آگے کسی کو چون و چرا کا حق نہیں۔ دیکھو قرآن حکیم بھی بادشاہت خداوندی کی شان کو بتلاتا ہے۔ "اے اللہ مالک سلطنت عالم بلا شبہ تیرے اختیار میں ہے کہ جسکو چاہت سلطنت زمین کی عطا فرما دے۔ اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ اور تیرے کو اقتدار کامل حاصل ہے کہ جسکو چاہے عزت دے۔ اور جس کو چاہے ذلیل و خوار کر دے۔ سب تیرے ہی اختیار میں ہے۔ چھوٹے اور بڑے ہر چیز پر تو قادر مطلق ہے۔"

یہ ہے شان مالک الملک کی۔ اسکو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔ کوئی اسکا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ کوئی اسپر انگشت نمائی کرنے والا نہیں۔ یہ ہی صفات تاریخ شعور انسانی سے دنیاوی بادشاہوں کے ہمارے پیش نظر ہیں۔ لیکن جب اسی بادشاہ کو اسی کے منظور شدہ قانون کے تحت کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ تو شان عدالت اسکو انصاف کے دائرہ سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔ اور وہ بال برابر نا انصافی کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اسکے سامنے بحیثیت ملزم اسکا دلی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ جو سزا قانونی جرم منسوبہ کی مجرم کے لئے ہوگی۔ اسکو وہ پوری قوت سے نافذ کر کے رہیگا۔ دراصل کرسی انصاف پر بادشاہ کا رحم ظلم داخل رحم ہی ہوگا۔ کیونکہ مظلوم کے حق میں ظالم کو وہ سزا دے رہا ہے۔ مرتکب جرم کو اسکے افعال کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ اگر مستغیث یعنی مظلوم مجرم کو اپنی طرف سے معافی بھی دیدے تو تجویزہ سزا میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔ اس میرے بیان کے لئے انصاف کی بڑی بڑی عدالتوں کے فیصلوں پر نظر ڈالو تو انصاف کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ پس اسی مثال کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم میں فکر کرو کہ جب وحی الٰہی اللہ کو مالک یوم الدین قاضی محشر کہتی ہے۔ اور پھر اعلان کرتی ہے کہ روز جزا تمہارا رب کرسی انصاف پر جلوہ افروز ہوگا تو ذرہ ذرہ کا معاوضہ حسب وعدہ ادا کرنا اسکی عادلانہ صفت ہوگی۔ ایک جگہ وحی الٰہی کا ارشاد ہوتا ہے کہ "جس نے بھلائی کی سو اسکے لئے اور جس نے برائی کی تو وہ بھی اسی کے لئے"۔ یاد رکھو کہ تیرا رب اپنے بندوں پر ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ اسکے خلاف دنیا کے تمام علماء و فضلاء و آئمہ و محدثین پنڈت پادری احبار و رہبان چاہے جو کچھ کہیں تو میں کہونگا کہ سب غلط میرا رب پاک ہے ان اوصاف سے جو یہ سب مدعیان حق کہتے ہیں۔ اور مجھے سب سے انکار ہے۔ یہ خود غرض انسان تو خدا پر بہتان باندھتے ہیں۔ سبحان اللہ عما یصفون۔

قرآن کی سریع آیات دین انسانیت کی راہنمائی کرتی ہیں۔

میں پھر ایک مرتبہ طالبان فہم و فکر قرآنی سے کہونگا کہ قرآن حکیم میں وہ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی ان سریع آیات اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہیں۔ (۱) خدا رب العالمین ہے اسکے سوائے کوئی لائق عبادت نہیں۔ (۲) معاد یعنی جو کچھ اس زندگی میں انسان عمل کرے گا۔ اس کی جزا یا سزا (یعنی بدلہ) اسکو اس زندگی میں بھی ملے گی۔ اور موت کے بعد اسکو پھر زندہ کیا جا کر ذرہ ذرہ کا حساب لیا جائیگا اور بلحاظ عمل اسکو بدلہ دیا جائے گا۔ پس دین اسلام یعنی وہ دین جو حضرت نوحؑ سے لیکر رسول عربی صلعم تک و نیز کرہ زمین کے ہر پیغمبر کے ذریعہ ہر قوم کو دیا گیا

عـہ یوں تو ہر امت اپنے نبی کو مختار روز حشر سمجھتی ہے لیکن امت محمدی تو اس عقیدہ میں بہت ہی اونچے مقام پر ہے۔ اسکے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو وہ اپنے زمرہ سے خارج کر دینا عین منشاء تعلیم اسلام سمجھنے پر مجبور ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴) الہی کے ذریعہ بتایا گیا۔ کہ یہ دو ہی شق ہیں۔ یعنی دین، دھرم کے یہ دو شاخیں ہیں۔ اسکے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے۔
یا مانا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اس کی کھلی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "لاؤ کوئی سلطان مبین اپنے دعویٰ کی صداقت میں اگر تم سچے ہو۔"
یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ میرے مطالعہ کی حد تک۔ وید۔ گیتا۔ توراۃ۔ انجیل اور ژند اوستا کے موجودہ تراجم قرآن حکیم کی شہادت کے لئے کافی
ہیں۔ چنانچہ میں ہر حامل کتاب مقدس کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنی مقدس کتابیں (جو آج ان کے ہاتھوں میں ہیں) ان عقائد و ایمانیات
کو مجھے بتلا دے جو قرآن حکیم کے اس دعوے کی ضد۔ اور انکے عقائد و ایمانیات کی تائید میں ہو۔
یہ ہے وہ حقیقت جس کا دعویٰ قرآن کرتا ہے کہ اللہ اپنے کلام کا آپ محافظ ہے۔ یعنی باوجود مقدس کتابوں کی تحریف کے حقیقت کو نہیں
بدلا جا سکا۔ اور نہ کبھی بدلا جا سکتا ہے۔ ہاں معنوی تحریف کی گئی۔ کیجا رہی ہے اور کیجاتی رہے گی۔

پھر ایک ضروری یاد داشت سے ذہن کو تازہ کر لیجئے۔

دین انسانیت قرآن حکیم کی تعلیم از اول تا آخر آدمی کو مقام انسانیت تک پہنچانے کے لئے ہے جو مندرجہ ذیل نظریات کے اطراف ہی گھومتی نظر آتی ہے۔

کوئی آقا۔ مربی۔ مالک۔ الٰہ معبود نہیں سوائے ایک بے نظیر آقا کے جو تمام قوموں اور کل کائنات کا رب ہے۔
جسکے نام تمام زبانوں میں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور سب اسماء الحسنیٰ اسکے ہیں۔ اسی کو قرآن توحید کہتا ہے۔ اور شعور انسانی کا یہ تصور الست
بربکم قالو بلیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
ہر انسان کیلئے آزادی فکر اور جسمانی مالی، فکری و ذہنی غلامی سے آزادی کامل حاصل کرنے کے پیدائشی حق کا اعلان کرتا ہے۔ وہ مختلف
امثال، قصص و واقعات کو استدلال میں پیش کر کے اس بات کو واضح طور پر ذہن نشین کراتا ہے کہ باپ دادا اور موروثی دین کی اندھی
تقلید بلا کسی غور و فکر کے انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے عقل سوجھ بوجھ کی حد تک اپنے
آبائی عقائد علمی و ذہنی کو عقل و خرد کی کسوٹی پر گھس کر دیکھ لے۔
مساوات انسانی۔ بربنائے تخلیق جب سب انسان یکساں ہیں۔ تو پھر اونچ نیچ کا سوال ہی بے معنی ہے۔ البتہ بلحاظ عمل صالح اور غیر صالح
درجات ہو سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک انسان کو دوسرے انسان پر محض سرمایہ یا نسل کی وجہ فوقیت جتلانے کا کوئی حق نہیں۔
جوابدہی اعمال یعنی بعث بعد الموت کیلئے وہ ناقابل تردید دلائل و براہین کو پیش کرتے ہوئے۔ اعلان کرتا ہے کہ
مرنے کے بعد جس طرح بھی تکوحیات ثانی دیجائیگی۔ وہ پردہ غیب میں رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس زندگی کے ہر چھوٹے
اور بڑے عمل کی جوابدہی انصاف کے دن اپنے خالق کے سامنے کرنی ہوگی۔ اس دن ایک کا بوجھ دوسرا کوئی نہیں اٹھا سکے گا۔ اور نہ کوئی
کفارہ، معاوضہ۔ سفارش۔ شفاعت یا ایصال ثواب جو ہر مذہب میں علمی و ذہنی عقائد باطلہ کی صورت میں جزو ایمان بنے ہوئے
ہیں۔ کام آسکے۔ یہ عقائد ہر قوم اور مذہب کے اجارہ داروں نے قانون جزا و سزا اور نظریہ انصاف کے خلاف محض تم لوگوں کو
ذہنی غلامی کے ذریعہ اپنے بندہ بے دام بنانے کیلئے بنا لئے ہیں۔ جو ازادی [illegible] اور مکر و فریب کا نتیجہ ہیں۔ اگر وہ اپنے اجتہاد
فتوے اور مسلے میں سچے ہیں تو ان سے کہو کہ وہ اپنی اپنی مقدس کتابوں سے کوئی [illegible] (یعنی کھلی سند) تمکو بتلا دیں۔ وہ یقیناً
ایسی کوئی سند نہیں بتلا سکتے۔
جب کوئی قوم بلا لحاظ شرع و منہاج ایک ہی اصول الموقوف کی [illegible] کو [illegible] سے تھام لیتی ہے۔ تو اس کی وحدت نیت
میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسکے لئے دنیا و آخرت یعنی عالم [illegible] کہ الہی [illegible] کا لیان قضا و قدر خود بخود

(بقیہ صفحہ ۲۸۶)

(بقیہ صفحہ ۲۸۵) مہیا کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اس الحاد کو وہ "اللہ کی رسی" سے تشبیہ دیتا ہے۔
جب کوئی قوم شرع و منہاج کے سلسلہ میں مذہب کو آڑ بنا کر اختلافِ باہمی۔ شر و فساد۔ ظلم و زیادتی۔ نفاق۔ اونچ نیچ کے نفسیاتی جذبات میں ایک دوسرے سے دست بگریبان ہونے لگتی ہے تو وہ "شرکِ عظیم" میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جو سب سے بڑا گناہ ہے جس کے بعد کارکنانِ قضا و قدر حال اور مستقبل۔ دُنیا اور آخرت میں اس کے لئے ذلّت و مسکنت کا عذاب نازل کر دینا شروع کر دیتے ہیں چنانچہ دُنیا کی تاریخ کے اوراق قرآنِ حکیم کے ان نظریات کے شاہد ہیں جو اقوامِ عالم کے عروج و زوال کی داستانوں سے بھرے ہوئے ہیں اگر آپ قرآنِ حکیم میں تفکر کریں تو مکّی وحیوں کا دَور (جو قرآنِ حکیم کا دو ثلث حصہ ہے) قومِ عرب کی کردار سازی کے لئے اِن ہی بنیادوں پر (۱۳) سال تک وقف رہا ہے۔
غور کیجئے کہ مکّی وحی کی ہر سورۃ اور ہر رکوع کس طرح اپنے مخاطبین کو ان کے باپ دادا کے موروثی مذہب اور بے روح عبادات و نیز مہمل رسم و رواج یعنے شرع و منہاج اور عقایدِ ظنّی و بے معنے سے ہٹا کر ان کو ایک مثالی انسان بنانے اور اپنے فکر و فہم کو کام میں لانے کی ترغیب دینے کے لئے نازل ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ آج بھی قرآنِ حکیم کی مکّی سورتیں دُنیائے انسانیت کو سنوارنے "مُنزل من اللہ" آپ کے ہاتھوں میں طالبِ فکر و فہم ہیں۔ آخر ادہامِ باطلہ کی غلامی کی بھی کوئی انتہا ہے؟ اگر تعلیم یافتہ نوجوان تقلید کی غلامی سے نکل کر آزادئ فکر کے ساتھ "قرآن ازم" کے نظریات کا مطالعہ کرے تو وہ دُنیا کے لئے سچی انسانیت کا معلّم اور ایک اچھی دُنیا کا معمار بن سکتا ہے۔